تاریخ عالم کے اہم موڑ

تیرہویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک کے
اہم واقعات عالم سال بہ سال

اخلاق احمد قادری

CITY BOOK POINT
Naveed Square Urdu Bazar Karachi
Ph#021-32762483,Cell#0322-2820883

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASSAN DEEN

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: تاریخ عالم کے اہم موڑ

مصنف: اخلاق احمد قادری

پرنٹر: برکت اینڈ سنز کراچی

پروفنگ: ارم اخلاق

کمپوزنگ: عمران احمد کراچی

ناشر: سٹی بک پوائنٹ کراچی

قیمت: RS. 500/-

اشاعت 2010ء

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

انتساب

ان اہل ذوق کے نام جو

علم التاریخ

سے شغف رکھتے ہیں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرست	صفحہ نمبر
1257ء۔۔۔شیخ سعدی کی گلستان	9
1259ء۔۔۔قاضی منہاج سراج کی طبقات ناصری	11
1260ء۔۔۔قبلائی خان کی فتح چین	14
1260ء۔۔۔معرکہ عین الجالوت	16
1260ء۔۔۔بیبرس اول کی تخت نشینی	18
1264ء۔۔۔زمانہ تخلیق مثنوی مولانا روم	20
1265ء۔۔۔سائمن ڈی مونٹ فورٹ کی پارلیمنٹ	22
1266ء۔۔۔بلبن کی تخت نشینی	24
1270ء۔۔۔بوصیری کا قصیدہ بردہ شریف	26
1271ء۔۔۔مارکو پولو چین میں	28
1272ء۔۔۔ایڈروڈ اول کی تخت نشینی	31
1273ء۔۔۔کاؤنٹ ہیپس برگ کی تخت نشینی	33
1273ء۔۔۔تھامس ایکوئناس کا فلسفہ	35
1274ء۔۔۔نصیر الدین طوسی کی وفات	37
1280ء۔۔۔تاریخ جہانگشائے جوینی	39
1282ء۔۔۔الطغائیہ پاسبان کعبہ	41
1290ء۔۔۔خلجی سلطنت کا قیام	43
1290ء۔۔۔سلطنت عثمانیہ وجود میں آئی	46
1293ء۔۔۔سیدی مولا کا قتل	49
1296ء۔۔۔علاؤ الدین خلجی کی تخت نشینی	51
1302ء۔۔۔امام ابن تیمیہ صاحب سیف و قلم	53
1305ء۔۔۔ولیم والیس کی گرفتاری	55
1306ء۔۔۔رشید الدین کی جامع التواریخ	57
1306ء۔۔۔رابرٹ بروس کی تخت نشینی	59
1309ء۔۔۔پاپائے روم کی اسیری بابل	61

فہرست	صفحہ نمبر
1314ء۔۔۔[illegible]	63
1320ء۔۔۔دہلی میں تغلق خاندان	65
1325ء۔۔۔وفات ابن [illegible]	67
1326ء۔۔۔[illegible]	70
1327ء۔۔۔ایڈورڈ سوم کا عہد حکومت	73
1333ء۔۔۔ابن بطوطہ ہندوستان میں	75
1337ء۔۔۔دہلی سے دولت آباد منتقلی	77
1338ء۔۔۔جنگ سو [illegible]	79
1347ء۔۔۔بہمنی سلطنت کا قیام	81
1348ء۔۔۔یورپ سیاہ موت کی زد میں	83
1356ء۔۔۔[illegible] کا قیام	85
1360ء۔۔۔تاریخ ابن خلدون	87
1362ء۔۔۔مراد اول کا ایڈرنوپل پر قبضہ	89
1362ء۔۔۔پارلیمنٹ کی چوتھی	91
1368ء۔۔۔مغل خاندان کا عروج	93
1377ء۔۔۔مقدمہ ابن خلدون	95
1377ء۔۔۔جان وکلف کی اصلاحات	99
1381ء۔۔۔انگلستان میں کسانوں کی بغاوت	101
1388ء۔۔۔کنٹربری کی کہانیاں	103
1389ء۔۔۔دیوان حافظ اور حافظ کی وفات	105
1389ء۔۔۔جنگ کوسوو	107
1390ء۔۔۔امیر تیمور کا عروج	109
1398ء۔۔۔امیر تیمور کا ہندوستان پر حملہ	113
1396ء۔۔۔معرکہ نکوپولس	115
1399ء۔۔۔ہنری آف لینکاسٹر کا تخت پر قبضہ	117

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرست	صفحہ نمبر
1400ء۔۔۔ویلز کی جنگ آزادی	119
1401ء۔۔۔ایک مورخ اور ایک فاتح عالم کی ملاقات	121
1403ء۔۔۔جنگ شریوس بری	123
1402ء۔۔۔جنگ انگورہ	124
1405ء۔۔۔امیر البحر چنگ ہو کی مہمات	127
1414ء۔۔۔خاندان سادات کا اقتدار	129
1415ء۔۔۔جان ہس کو زندہ جلا دیا گیا	131
1415ء۔۔۔جنگ ایجن کورٹ	135
1425ء۔۔۔وینس اور سلطنت عثمانیہ	137
1421ء۔۔۔سلطان محمد اول کی وفات	138
1428ء۔۔۔انڈونیشیا میں مسلم حکومت	140
1431ء۔۔۔جون آف آرک کی شہادت	142
1434ء۔۔۔اطالیہ کا میڈیچی خاندان	146
1437ء۔۔۔یورپ میں بحری علوم کی تدریس	147
1438ء۔۔۔ابرٹ دوم کی تخت نشینی	149
1447ء۔۔۔سمرقند کا ایک سائنسدان	151
1448ء۔۔۔جنگ کوسووثانی	154
1451ء۔۔۔ویٹیکن کی تزئین و آرائش	156
1451ء۔۔۔لودھی سلطنت کا قیام	158
1453ء۔۔۔سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ	160
1454ء۔۔۔چھاپہ خانہ کی ایجاد	163
1455ء۔۔۔جنگ گلاب	166
1458ء۔۔۔عثمانی ترکوں کا ایتھنز پر قبضہ	168
1459ء۔۔۔فتح سربیا، بوسینا	170
1460ء۔۔۔جاپان میں تھیٹر نو	172
1462ء۔۔۔آئیون سوم برسر اقتدار	174
1469ء۔۔۔لورینزو عالیشان کا اقتدار	177

فہرست	صفحہ نمبر
1476ء۔۔۔ولیم کیکسٹن اور فن طباعت	179
1480ء۔۔۔مولانا جامی کی ادبی خدمات	181
1485ء۔۔۔ٹیوڈور خاندان کی حکومت	185
1487ء۔۔۔پرتگیز راس امید کے گرد	187
1492ء۔۔۔سقوط غرناطہ	189
1492ء۔۔۔کولمبس کی دریافت امریکہ	193
1495ء۔۔۔آتشک کے مرض کی دریافت	196
1495ء۔۔۔یورپ کے نشاط ثانیہ	197
1497ء۔۔۔نیوفاؤنڈ لینڈ کی دریافت	200
1498ء۔۔۔سیوونرولا کو جلا دیا گیا	202
1498ء۔۔۔واسکوڈی گاما کی آمد ہند	204
1499ء۔۔۔نئی دنیا امریکہ کہلائی	208
1500ء۔۔۔برازیل کی دریافت	209
1502ء۔۔۔ایران میں صفوی حکومت	212
1504ء۔۔۔رافائیل کے شاہکار	214
1504ء۔۔۔کابل پر بابر کا قبضہ	216
1505ء۔۔۔مونالیزا کی تخلیق	218
1507ء۔۔۔سیزری بورجیا کے ہتھکنڈے	220
1508ء۔۔۔مائیکل اینجلو اور اس کا فن	222
1509ء۔۔۔ڈیسیڈریس اراسمس کی "دو مدح حماقت	224
1509ء۔۔۔ہنری ہشتم کی طلاق	226
1512ء۔۔۔سلطان بایزید ثانی کی معزولی	228
1513ء۔۔۔میکیاولی کی دی پرنس	230
1513ء۔۔۔بحرالکاہل کی دریافت	232
1514ء۔۔۔عثمانی بمقابلہ صفوی	235
1515ء۔۔۔البوقرق کا ہرمز پر قبضہ	237
1516ء۔۔۔سر تھامس مور کی یوٹوپیا	239

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرست

فہرست	صفحہ نمبر
1517ء۔۔۔مارٹن لوتھر کے 95 نکات	241
1518ء۔۔۔ہندوستان میں بھگتی تحریک	244
1520ء۔۔۔سندھ میں ارغون عہد	246
1520ء۔۔۔سلیمان عالیشان کی تخت نشینی	247
1521ء۔۔۔میکسکو کی ہسپانوی فتح	249
1522ء۔۔۔دنیا کے گرد پہلا بحری سفر	252
1523ء۔۔۔زونگلی کے اصلاح کلیسا	255
1523ء۔۔۔شاہ کمال قادری کی ہندوستان آمد	256
1525ء۔۔۔انجیل مقدس کا انگریزی ترجمہ	258
1526ء۔۔۔بابر کی فتح ہندوستان	260
1526ء۔۔۔پیرو کی ہسپانوی فتح	262
1527ء۔۔۔جنگ کنواہہ	265
1528ء۔۔۔پیراسل سیکس کا فرار	267
1529ء۔۔۔محاصرہ ویانا	270
1530ء۔۔۔بزواشتم! بزواشتم!	272
1530ء۔۔۔مدبر ولزے کا عروج وزوال	274
1532ء۔۔۔تلسی داس کی پیدائش	276
1530ء۔۔۔تزک بابری	278
1533ء۔۔۔آئی ون خوفناک کا عہد	279
1534ء۔۔۔خیر الدین باربروسہ کے کارنامے	282
1536ء۔۔۔جان کیلون کی مبادیات	285
1539ء۔۔۔گرونانک صاحب کی وفات	287
1539ء۔۔۔نئی دنیا سے آلوؤں کی درآمد	289
1540ء۔۔۔کوپرنیکس کا نظریہ گردش	291
1540ء۔۔۔شہنشاہ ہمایوں کی جلاوطنی	294
1542ء۔۔۔جاپان میں اجنبی	297
1543ء۔۔۔کوپرنیکس کی تصنیف	298

فہرست

فہرست	صفحہ نمبر
1545ء۔۔۔شیر شاہ سوری اور اس کا عہد	299
1549ء۔۔۔ایڈورڈ کی مناجات	302
1551ء۔۔۔سینٹ فرانسس جیویر جاپان میں	303
1553ء۔۔۔لیڈی جین گرے کا 9 روزہ عہد	305
1554ء۔۔۔پری ریکس کے سائنسی مشاہدات	307
1555ء۔۔۔ہمایوں کی بازیافت ہند	309
1555ء۔۔۔نشاۃ ثانیہ کے اطالوی مصور	311
1556ء۔۔۔اکبر اعظم کی تخت نشینی	313
1558ء۔۔۔ملکہ ایلزبتھ اول کا عہد	315
1562ء۔۔۔غلاموں کی تجارت کا آغاز	318
1562ء۔۔۔مصور ٹیشین کا عروج	320
1564ء۔۔۔نشاط ثانیہ کا ایک جراح	322
1564ء۔۔۔شیکسپیئر اور اس کا فن	324
1565ء۔۔۔جنگ مالی کوٹ	326
1566ء۔۔۔سلطان سلیم ثانی کا عہد	328
1566ء۔۔۔اندلس میں عربی اجنبی ٹھہرے	330
1569ء۔۔۔راجپوتانے کی فتوحات	332
1571ء۔۔۔فلپائن پر ہسپانوی قبضہ	334
1572ء۔۔۔پیرس کا ہنگامہ قتل	336
1574ء۔۔۔سلطان مراد سوم کی تخت نشینی	338
1576ء۔۔۔شاہ طہماسپ صفوی کا قتل	340
1576ء۔۔۔ٹائیکو براہے کی رصدگاہ	342
1577ء۔۔۔سر فرانسس ڈریک دنیا کے سفر پر	344
1579ء۔۔۔نیدرلینڈ کا قیام	346
1582ء۔۔۔دین الٰہی کی ایجاد	348
1583ء۔۔۔تقویم عیسوی میں اصلاح	350
1587ء۔۔۔عباسی اول کی تخت نشینی	352

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرست	صفحہ نمبر
1587ء۔۔۔ ہمایوں نامہ	354
1587ء۔۔۔ مارلو کا تیمور لین	356
1587ء۔۔۔ میری آف سکاٹ کی گردن زنی	358
1588ء۔۔۔ ہسپانوی آرمیڈا کا حملہ	360
1590ء۔۔۔ خوردبین کی ایجاد	362
1590ء۔۔۔ حیدرآباد دکن کا سنگ بنیاد	363
1590ء۔۔۔ گیلیلیو کے سائنسی تجربات	365
1590ء۔۔۔ سپنسر کی فیری کوئین	367
1591ء۔۔۔ برطانوی بحریہ کے کارنامے	369
1592ء۔۔۔ جاپان کا کوریا پر حملہ	371
1595ء۔۔۔ چاند بی بی اور مغل افواج	372
1596ء۔۔۔ جوہانز کیپلر اور فلکیات	374
1597ء۔۔۔ فرانسس بیکن کے مضامین	377
1598ء۔۔۔ ابوالفضل کی آئین اکبری	379
1598ء۔۔۔ ارسطو کی دریافت	380
1598ء۔۔۔ نینٹس کا حکم نامہ	381
1599ء۔۔۔ شاہ سکندر لودھی کی عطائے خرقہ	382
1600ء۔۔۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام	384
1601ء۔۔۔ ولیم شیکسپیئر کا کنگ لیئر	386
1603ء۔۔۔ جیمز اول کی تخت نشینی	387
1603ء۔۔۔ سر والٹر ریلے پر مقدمہ بغاوت	389
1605ء۔۔۔ ڈون کیوٹے آف سروانتیس	391
1605ء۔۔۔ شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی	393
1611ء۔۔۔ ہنری ہڈسن اور شمالی راستہ	395
1617ء۔۔۔ تزک جہانگیری	397
1618ء۔۔۔ مصطفیٰ اول کو نااہل قرار دیا گیا	399
1618ء۔۔۔ تیس سالہ جنگ	400

فہرست	صفحہ نمبر
1628ء۔۔۔ شہاب الدین شاہجہاں کی تخت نشینی	402
1628ء۔۔۔ ہارویے اور دوران خون	404
1632ء۔۔۔ گلیلیو کے 2 نئے نظام	406
1632ء۔۔۔ تاج محل کی تعمیر	408
1631ء۔۔۔ جان ڈرائیڈن کی پیدائش	410
1633ء۔۔۔ جان ڈن کی شاعری	412
1644ء۔۔۔ چین میں منگ سلطنت کا خاتمہ	413
1649ء۔۔۔ چارلس اول کی گردن زنی	415
1653ء۔۔۔ لارڈ کرامویل پروٹیکٹر	419
1656ء۔۔۔ محمد کوپریلی صدر اعظم	422
1656ء۔۔۔ بندو بیراگی کی سرگذشت	424
1658ء۔۔۔ شاہ جہاں کے ایام اسیری	426
1658ء۔۔۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی تخت نشینی	428
1660ء۔۔۔ انگلستان میں بادشاہت کی بحالی	431
1661ء۔۔۔ صوفی سرمد تختہ دار پر	433
1663ء۔۔۔ جان ملٹن کی جنت گم گشتہ	435
1665ء۔۔۔ فتاویٰ عالمگیری	437
1666ء۔۔۔ اور لندن جلتا ہے	439
1667ء۔۔۔ جنگ توارث	441
1669ء۔۔۔ مصور ریمبران کی وفات	442
1670ء۔۔۔ شیواجی کا سورت پر چھاپہ	444
1674ء۔۔۔ مورگن جمیکا کا گورنر بنا	446
1675ء۔۔۔ گورو گوبند سنگھ کی بغاوت	448
1675ء۔۔۔ کلیسائے سینٹ پال کی تعمیر	450
1677ء۔۔۔ فلسفی سپائی نوزا کی وفات	451
1678ء۔۔۔ نیاگرا آبشار کی دریافت	453
1678ء۔۔۔ پلگرمز پروگریس	454

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرست	صفحہ نمبر
1678ء۔۔۔ ایک کیتھولک سازش بے نقاب	456
1679ء۔۔۔ تھامس ہابز کا فلسفہ	457
1682ء۔۔۔ پیٹر اعظم کی تخت نشینی	460
1685ء۔۔۔ جنگ بیج مور	462
1687ء۔۔۔ نیوٹن کی پرنسپیا شائع ہوئی	463
1687ء۔۔۔ اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں	465
1688ء۔۔۔ انگلستان میں شاندار انقلاب	467
1689ء۔۔۔ ولیم اور میری تخت انگلستان پر	469
1690ء۔۔۔ کلکتہ شہر کا قیام	470
1694ء۔۔۔ بینک آف انگلینڈ کا قیام	472
1700ء۔۔۔ عظیم جنگ شمالی	473
1701ء۔۔۔ اسپین کے تاج کی جنگ	474
1702ء۔۔۔ ملکہ این کی تخت نشینی	475

فہرست	صفحہ نمبر
1704ء۔۔۔ جان لاک کی وفات	476
1705ء۔۔۔ اردو کا پہلا شاعر	478
1705ء۔۔۔ ہیلے کا دم دار ستارہ	479
1707ء۔۔۔ وفات عالمگیری اور بہادر شاہ اول	481
1707ء۔۔۔ برطانیہ عظمیٰ کا قیام	482
1712ء۔۔۔ زلف تراشیدہ	483
1713ء۔۔۔ جہاندار شاہ اور لال کنور	485
1714ء۔۔۔ جارج اول تخت پر	486
1717ء۔۔۔ چیچک کا علاج دریافت ہوا	487
1719ء۔۔۔ شہنشاہ ہند فرخ سیر کا قتل	488
1719ء۔۔۔ رابن سن کروسو	490
1721ء۔۔۔ برطانیہ کا پہلا وزیر اعظم	492
1726ء۔۔۔ گلیور کے سفر	493
1727ء۔۔۔ سر آئزک نیوٹن کی وفات	495

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1257ء سعدی شیرازی کی ''گلستان و بوستان''

شیخ سعدی کی دو عظیم تصنیفات گلستان اور بوستان کو جو عالمی شہرت حاصل ہوئی وہ دنیا میں لکھی جانے والی چند کتابوں کا ہی مقدر بن سکی ہے۔ فارسی زبان میں لکھی جانے والی چار کتابوں کو شہرت دوام حاصل ہے۔ ان میں ''شاہنامہ فردوسی، مثنوی مولانا روم، گلستان سعدی، دیوان حافظ اور رباعیات عمر خیام'' کا کوئی ثانی نہیں ان کتابوں کی شہرت اور مقبولیت کی اپنی اپنی وجوہات ہیں، لیکن ایک خوبی ان سب میں مشترک ہے وہ ہے ان کے بیان اور اسلوب کی دلآویزی اور سادگی۔ یہ بات بھی حیران کن ہے کہ گلستان نثر میں لکھی گئی ہے اور باقی تمام کتب شعری مجموعے ہیں۔ یہ کمال شیخ سعدی کا ہے کہ انہوں نے شاہنامہ فردوسی کے رزمیہ اور شاہانہ ڈرامائی واقعات، مثنوی مولانا روم کے بحر بیکراں تصوف اور اسرار رموز اور حافظ کے شعروں میں موجود گرمی عشق اور خیام کی خمریات کے مقابلے میں گلستان کی سادہ نثر کو لا کھڑا کیا کہ جس میں نہ تو رندی ہے نہ رزم و بزم کی چاشنی نہ تصوف کے اسرار رموز، یہ سادہ اخلاقی حکایتوں پر مبنی ہے۔ لیکن ان اخلاقی حکایات میں معانی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔ ان اخلاقی حکایات میں جو درس شیخ نے پوری انسانیت کو دیا ہے۔ وہ اتنا دلنشین اور موثر ہے کہ وہ دلوں پر بوجھ نہیں ڈالتا اور نہ ہی وعظ کا رنگ اختیار کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ صاحب کا اسلوب نرالا ہے۔

شیخ مشرف الدین بن مصلح الدین، سعدی، تقریباً 580ھ/1184ء میں بمقام شیراز پیدا ہوئے۔ تمام بڑے آدمیوں کی طرح کم سنی میں ہی یتیم ہو گئے حکمران فارس سعد بن زنگی نے ان کی تربیت اور کفالت کی۔ اظہار احسان مندی کے طور پر شیخ نے ان کی نسبت سے تخلص سعدی لگا لیا۔ انہیں جلد ہی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بغداد بھیج دیا گیا۔ بغداد کی مشہور درس گاہ نظامیہ میں تحصیل علم کی بعد ازاں علم باطن کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور حضرت عبدالقادر گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی آپ ہی کی ہمرکابی میں حج بیت اللہ کیا۔ یہ مقدس فریضہ انہوں نے اپنی زندگی میں کم از کم چودہ بار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی طویل زندگی میں سے پہلے تیس سال مطالعے میں، دوسرے تیس سال سیر و سیاحت اور شعر گوئی میں تیسرے تیس سال مراقبہ و مجاہدے اور اپنے کلام کی تکمیل و تربیت میں اور آخری بارہ سال تصوف کی تلقین و اشاعت میں صرف کیئے۔

سیاحت کے دوران میں انہوں نے ایشیائے کوچک، افغانستان، حجاز، شام، بعلبک، مصر اور افریقہ کے بعض شہروں کی سیاحت کی۔ یہ سیاحت خالص درویشانہ انداز میں کی گئی۔ اپنے سفر ہند کا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ایک واقعہ شیخ نے بوستان میں تحریر کیا ہے۔

تیرھویں صدی کے آخر میں ملتان کے حاکم شہزادہ محمد خاں شہید نے اپنے والد سلطان بلبن کی طرف سے دو مرتبہ ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ مگر شیخ صاحب بتقاضائے عمر آنے پر تو آمادہ نہ ہو سکے لیکن گلستان و بوستان اپنے ہاتھ سے لکھ کر تحفے میں شہزادہ کو بھیجیں۔

شیخ سعدی نے بوستان 655ھ/1257ء میں اور گلستان ایک سال بعد 1258ء میں لکھیں۔ لگ بھگ آٹھ سو سال سے یہ کتابیں دنیا بھر میں پڑھی جا رہی ہیں۔ ایران اور برصغیر پاک و ہند میں صدیوں سے یہ کتب ابتدائی تعلیم کا بنیادی جز قرار پائیں اور ابھی تک ان کی یہ اہمیت برقرار ہے۔ اگرچہ فارسی زبان برصغیر میں اب بہت کم پڑھی جاتی ہے۔ عربی زبان میں ان کتابوں کے اکثر قطعات اور اسباق کا ترجمہ سعدی کے زمانے میں ہونے لگا تھا۔

ان دو عظیم شاہکاروں کا ترجمہ دنیا کی تمام موجودہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اسلامی ممالک کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی سعدی کی شہرت کا خاصا ثبوت ملتا ہے۔ مغربی زبانوں میں پہلے پہل گلستان کا تعارف And re Du ryer کے فرانسیسی ترجمے (پیرس 1634ء) کے ذریعے ہوا۔ جس کے بعد یہ دوسری زبانوں مثلاً لاطینی از Gentius ایمسٹرڈم (1651ء) جرمن از Olearius ہیمبرگ 1654ء، ولندیزی از اولیریس Olearius اور انگریزی از سلیوان Sullivan 1774ء۔ بوستان یورپ میں ذرا بعد میں منظر عام پر آئی۔ کہا جاتا ہے کہ سترھویں صدی میں ٹامس ہائیڈ Thomas Hyde نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ قدیم ترین مطبوعہ ترجمہ ولندیزی زبان میں ہے جو ایمسٹرڈم میں 1688ء میں شائع ہوا تھا۔ اس طرح سترھویں صدی میں ہی یورپ سعدی کی ان تصانیف سے آشنا ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں والٹیئر لافونٹین اور گوئٹے جیسے مفکرین کی تصانیف کا نام ہی لے دینا کافی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں گراف نے بھی گلستان کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کرایا تھا۔ انگریزی زبان میں پہلے ترجمہ کے بعد دونوں کتب کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں۔ ان میں گلیڈون، سرراس اور ایسٹک کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

اردو میں یہ شیر علی افسوس کا ترجمہ بھی قابل ذکر ہے جس میں گلستان کے حصہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور حصہ نظم کا ترجمہ منظوم کیا گیا ہے۔ ہندوستان بھی دیگر زبانوں میں سعدی کے تراجم ہو چکے ہیں۔

ماخذ

دنیا کی سو عظیم کتابیں۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1259ء قاضی منہاج الدین سراج کی ''طبقات ناصری''

طبقات ناصری عہد سلاطین دہلی میں لکھی جانے والی برصغیر پاک و ہند کی ابتدائی مسلم تاریخ ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت سے گذشتہ آٹھ سو سال میں کسی کو انکار نہیں رہا ہے۔ عمومی تاریخ ہونے کے باوجود اس کے پانچ باب سلاطین دہلی کی سیاسی، عسکری، تمدنی اور انتظامی سرگرمیوں پر مصدقہ ثبوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ فارسی زبان میں لکھی گئی عمومی تواریخ میں یہ ہندوستان کی پہلی تاریخ ہے۔ اگرچہ چچ نامہ اس سے پہلے لکھی گئی تھی مگر وہ صرف سندھ تک محدود ہے۔

حضرت آدمؑ سے شاہ ہند ناصر الدین محمود تک کا مفصل ذکر اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف قاضی منہاج السراج جرجانی ہیں جن کا تعلق افغانستان کے علاقے جرجان سے تھا۔ ان کے جد اعلیٰ مولانا عبدالخالق کی شادی سلطان ابراہیم غزنوی کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ مولانا منہاج سراج کے والد گرامی بھی عالم متبحر تھے۔ منہاج السراج 1193ء میں شاہی محل میں پیدا ہوئے اور ان کی ابتدائی تعلیم فیروز کوہ میں ہوئی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاضی صاحب نے سیستان کا رخ کیا جہاں وہ قید بھی کر دیئے گئے۔ یہاں سے رہائی کے بعد انہوں نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور درہ گومل کے راستے برصغیر میں داخل ہو کر سندھ سے اُچ شریف پہنچے۔ (1227ء) ان دنوں اُچ پر قباچہ اور دہلی پر التمش کی حکومت تھی۔ قباچہ نے قاضی صاحب کو مدرسہ فیروزی کا سربراہ بنا دیا اور اپنے ایک ایک بیٹے کو لشکر کا قاضی مقرر کیا۔ جب قباچہ کو شکست ہوئی تو اُچ التمش کے قبضہ میں آ گیا۔ التمش نے اپنی فتح گوالیار کے بعد قاضی صاحب کو قضا و خطابت و امارت اور حساب کے مناصب پر فائز کر دیا۔ اس کے بعد معز الدین بہرام شاہ کے عہد تک منہاج قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے اور بعد میں انہیں صدر جہاں کا خطاب بھی دیا گیا۔

ان کی تصنیف ''طبقات ناصری'' سلطنت دہلی کے عہد پر ایک معتبر اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے انبیاء کرام، سابقہ شاہان عرب و عجم اور خلفائے اسلام کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ اور یہ کتاب اس کی تکمیل کے عہد کے بادشاہ ناصر الدین محمود کے نام سے منسوب کی۔ طبقات ناصری اس سلسلے میں بھی بہت اہم ہے کہ اس میں جس قدر شاہی خاندانوں کی تاریخ رقم کی گئی ہے وہ پہلے کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یوں اس کتاب میں آدم علیہ السلام سے غیاث الدین بلبن کے عہد تک کے واقعات درج ہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس کتاب میں کل تیئیس طبقات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) انبیائے کرام
(۲) خلفائے راشدین
(۳) بنوامیہ
(۴) بنی عباس
(۵) شاہان عجم ظہور اسلام سے پہلے
(۶) یمن کے تبابعہ
(۷) طاہری حکمران
(۸) صفاری خاندان کے حکمران
(۹) سامانی حکمران
(۱۰) دیلمی حکمران
(۱۱) غزنوی سلاطین
(۱۲) سلجوقی حکمران
(۱۳) سنجری حکمران
(۱۴) نیمروز و سجستان کے حکمران
(۱۵) کرد حکمران
(۱۶) خوارزم شاہی
(۱۷) شنسبانی حکمران
(۱۸) بامیان کے حکمران
(۱۹) غزنی کے شنسبانی
(۲۰) ہندوستان کے حکمران
(۲۱) شمس سلاطین
(۲۲) شمسی ملوک ہند
(۲۳) تاتاری اور ان کا خروج

منہاج اپنی کتاب کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر سے یوں کرتے ہیں۔ ''جاننا چاہیے جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ تخت خلافت کو آدم علیہ السلام کی شان و شوکت سے زیب و زینت دے تو فرشتوں کو جو عزرائیل کی قیادت میں زمین پر اترے تھے اور سطح زمین کے اطراف کو انہوں نے عبادت کے نور سے روشن کر رکھا تھا۔ خبر دی کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے حضرت محمد ﷺ کے حالات پر قلم اٹھایا۔ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کا ذکر کیا پھر ایران میں حکومت کرنے والے مختلف خاندانوں کا ذکر کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تاتاریوں اور ان کے فتنے کے متعلق بہت تفصیلات بہم پہنچائی ہیں۔ اس سے پوری منگول تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے چنگیز خاں کی شخصیت کا بڑا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے۔

غوری خاندان کے ساتھ قاضی صاحب کے بڑے ذاتی مراسم تھے۔ اس لیے اس خاندان کے متعلق انہوں نے بہت بہتر معلومات فراہم کیں ہیں۔ محمد غوری کی بہادری کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''سلطان غازی نے جو اپنے وقت کا حیدر اور دوسرا رستم تھا۔ نیزہ لے کر گوبند رائے کے منہ پر مارا اور اس کے دانت نکال دیئے۔''

قاضی صاحب نے اپنی اس تصنیف میں تاریخی واقعات کو بڑی چھان چھٹک کر بیان کیا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہے۔ اس نے اپنی اس تصنیف کے ماخذ اور مراجع میں وہی کتب استعمال کیں جو اپنے دور کی بہترین تاریخی کتب میں شمار ہوتی تھیں۔ یہ کتاب انہوں نے آسان فارسی میں لکھی تھی۔ اس کتاب میں تمام ادبی محاسن موجود ہیں۔ عبدالحئی صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی نثر سہل ممتنع ہے اور فارسی زبان کی بہترین مثال ہے۔ قاضی صاحب کا اسلوب نگارش بہت اچھوتا ہے اور اس میں مٹھاس اور تازگی پائی جاتی ہے۔

طبقات ناصری کی اتنی خوبیوں کے باوجود محققین نے قاضی صاحب پر درباری مورخ ہونے کی حیثیت سے خوشامدانہ رویہ رکھنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ کیونکہ بقول ان کے قاضی صاحب اپنے مداحوں کی تعریفوں کے خوب نقشے کھینچتے نظر آتے ہیں اور ان کے کارناموں کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر سلطان التمش اور ناصر الدین محمود کے ضمن میں انہوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ لیکن اگر غیر جانبدار ہو کر دیکھا جائے تو قاضی صاحب اس حد تک قصوروار نہیں کہ انہیں خوشامد پسند مورخ کہا جائے۔

سنین کے سلسلے میں بھی محققین نے لکھا ہے کہ کتاب میں کچھ سقم موجود ہیں۔

مگر ان سب باتوں سے قطع نظر اگر طبقات ناصری کا غیر جانبدار ہو کر تجزیہ کیا جائے تو اس کے معائب سے اس کے محاسن زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عمومی تاریخ کی کتابوں میں وہ ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں نہ صرف ہندوستان کی اسلامی تاریخ بلکہ دیگر اسلامی ممالک کی تاریخ بھی دی گئی ہے۔

مآخذ

دائرہ المصارف اسلامیہ جلد۔ مسلم برصغیر میں تاریخ نویسی۔ دانش گاہ پنجاب۔ از محمد سہیل بھٹی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1260ء قبلائی خان کی فتح جنوبی چین:

منگول شہنشاہ قبلائی خان (1260ء۔1294ء) خاقان منگو خاں کا بھائی تھا۔ 1214ء میں پیدا ہوا۔ جب کہ 1225ء میں چنگیز خان اپنی مغربی ایشیائی مہمات سے فارغ ہو کر مغلستان (منگولیا) واپس آیا تو ان دنوں قبلائی کی عمر گیارہ سال تھی اور اس نے اپنی زندگی کا پہلا شکار کیا تھا۔ منگول رسم کے مطابق چنگیز نے اپنے اس پوتے کے انگوٹھے پر اپنے ہاتھ سے چربی اور گوشت ملا تھا جو کسی منگول شہزادہ کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا۔

قبلائی اپنے بھائی منگو خاں کے عہد حکومت میں 1251ء میں چین کا حاکم رہا۔ اس نے اپنی تمام تر کوششیں چین کے حکمران خاندان سنگ کی سلطنت کو فتح کرنے کے لیے وقف کر دیں۔

سنگ خاندان کی طاقت عظیم الشان فصیل بند شہروں پر قائم تھی۔ صرف شہر لن نگان Lin-Nigan میں چھ لاکھ خاندان آباد تھے۔ اس شہر کے بارہ صدر بازار تھے۔ مورخ وصاف کا بیان ہے کہ اس میں چونسٹھ عام میدان تھے۔ شہر کے درمیان سے ایک دریا بہتا تھا جس پر تین سو ساٹھ پل تھے۔ شہر کی سڑکوں پر اینٹوں یا پتھروں کے فرش بچھے ہوئے تھے۔

1260ء میں قبلائی خان کی فوجیں ایک نئے اسلوب جنگ کے ساتھ لن نگان کی طرف بڑھیں۔ تاتاری سپاہ سالاروں کو سنگ خاندان سے شکایت تھی کہ اس کے ایک وزیر نے مغلوں کی آپس میں خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور جب تاتاری سفیر سنگ دربار میں پہنچے تو اس سنگ وزیر نے انہیں قتل کرا دیا۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر قبلائی خان نے سنگ دارالحکومت پر حملہ کر دیا۔

سنگ خاندان نے قبلائی کے پڑاؤ میں سفارت بھجوائی اور احتجاج کیا کہ تم ایک ایسے ملک پر حملہ کر رہے ہو جس کا بادشاہ نابالغ ہے۔ اور اس کی ماں ایک بیوہ ملکہ۔ قبلائی کے سپہ سالار نے ان چینی سفیروں کو جواب دیا کہ تم بھول رہے ہو خود سنگ خاندان کے جد اعلیٰ نے چاؤ خاندان کے ایک نابالغ شہنشاہ سے حکومت چھینی تھی اور اب ہم وہی سلوک تم سے روا رکھ رہے ہیں تو تمہیں برا کیوں لگتا ہے؟

چینیوں نے اگرچہ ہر ممکن جنگی تیاری کی کہ تاتاریوں کا مقابلہ کریں مگر وہ ان کا مقابلہ کر سکے مگر اس کام میں تاتاریوں کو تقریباً 16 سال لگے اور کہیں جا کر 1276ء کے تیسرے مہینے میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سنگ خاندان نے مغلوں کی اطاعت قبول کی جب کہ فتح مکمل ہونے میں مزید تین سال لگے۔

ملکہ چین نے اپنے پرانے شاہی اطوار چھوڑ کر قبلائی کے دربار میں حاضری دی اپنے نابالغ شہنشاہ بیٹے کو حکم دیا کہ دوزانو ہو کر نو مرتبہ زمین پر سجدہ کرے اور شکریہ ادا کرے کہ "فرزند آسمان" (قبلائی خان) تمہاری جان بخشی کر رہا ہے۔ جب جان بخشی کے بعد چینیوں کے شاہی خاندان کی یہ جماعت شمالی چین کی طرف روانہ ہوئی تو اس کے ساتھ چینی اکادمی کا علما کا رنبوہ کثیر تھا۔ قبلائی خان کے شہر میں داخلے کے وقت چار چینی افسروں کو لن نگان کے تمام کتب خانوں، دفتروں، نقشوں، تصویروں، تاریخی دستاویزوں اور عدالتی فیصلوں کو سر بمہر اور مقفل کرا دیا گیا۔

متمدن چین کا دل دھڑک رہا تھا کہ لن نگان کے بے بہا علمی خزانے کیا وحشی فاتحوں کے ہاتھوں محفوظ رہیں گے یا نہیں؟ ادھر قبلائی کو بھی یہ خبر مل گئی تھی کہ بیوہ ملکہ نے اسے یعنی ایک وحشی فاتح کے پوتے کو "فرزند آسمان" کہا تھا۔

جب لن نگان کے سرکاری خزانے فاتح کے حضور میں سجائے گئے تو اس نے جاموئی خاتون کو نازک چینی ظروف، زرین کشیدہ کاری اور ہاتھی دانت اور سیپ کا کام دکھانے کے لیے بلا بھیجا۔ جاموئی نے سنگ خاندان کی بیوہ ملکہ کا بڑے احترام سے خیر مقدم کیا۔ اور اس کا خصوصی انتظام کیا کہ ان کے کم سن بیٹے اور سنگ خاندان کے آخری شہنشاہ کا ایک ذاتی ننھا منا سا دربار باقی رہے۔ جو کسی زمانے میں پورے ملک کا شہنشاہ تھا۔

لیکن دارالسلطنت کے سقوط اور کمسن شہنشاہ کی اسیری سے جنوبی چین کی مزاحمت کا مکمل خاتمہ نہ ہو سکا۔ انتہائی جنوب کی کروڑوں چینی عوام کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ تاتاریوں کی تھکی ماندی فوج کو ان پر حملے کرنے کے لیے پیش قدمی کرنا پڑی۔ پہلے تو کین اور پھر کین ٹان کے تجارتی مراکز پر قبضہ کر لیا گیا۔

لین ٹان کے سقوط کے بعد بھی چینی مزاحمت ختم نہ ہوئی۔ اور تاتاریوں کو ایک بحری بیڑا تیار کرنا پڑا تاکہ چینی امیر البحر کو پکڑ سکیں۔ پھر آٹھ سو چینی کشتیوں کے پکڑے جانے کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی۔ اور چینی امیر البحر نے خود اور اپنے خاندان کو پانی میں ڈبو کر خاتمہ کر لیا۔

مآخذ

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 16 "تاتاریوں کی یلغار" ہیرالڈ لیم

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1260ء معرکہ عین الجالوت

عین الجالوت یا جالوت کا چشمہ، فلسطین کا ایک مقام ہے کہتے ہیں حضرت داؤد نے جالوت کو اس کے قریب ہی قتل کیا تھا۔ تاریخ اسلام میں یہ مقام بہت اہم ہے۔ یہ مقام اس جنگ کی وجہ سے بہت مشہور ہے جو ۳ ستمبر 1260ء جمعہ 25 رمضان 658ھ کو مملوک مصر اور ہلاکو خان کے سپہ سالار کتبغا نوئین کے درمیان لڑی گئی تھی جس میں تقریباً پہلی مرتبہ تاتاریوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔ اور تاتاری طوفان مزید آگے بڑھنے سے رک گئے۔

1259ء میں ہلاکو خان نے قفقاز کے محاذ سے ہٹ کر جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور پہلے حلب کا محاصرہ کیا پھر اس لشکر دمشق میں جا گھسا۔ یہاں اس کے اتحادی یعنی عیسائی نائٹ اور ان کا سردار ریمنڈ چہارم بھی اس کے ساتھی تھے۔ دمشق کے بعد ہلاکو خان نے ارض مقدس، فلسطین کا رخ کیا جہاں صلاح الدین ایوبی کے بعد سے مسلمان یروشلم پر قابض تھے ہلاکو کا ارادہ مصر پر قبضہ کرنا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اگر کہیں فلسطین اور مصر پر منگولوں کا قبضہ ہو جاتا تو مسلمان افواج کے لیے عرب کے ریگستان اور شمالی افریقہ کے گمنام ساحل کے علاوہ دنیا میں کہیں ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے میں مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ بغداد کی تباہی کے بعد منگولوں کی فلسطین اور مصر کی طرف پیش قدمی، ''سرکار دو عالم ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں پر کبھی ایسا برا وقت نہیں پڑا تھا۔'' منگولوں کے ہراول دریائے اردن کے مغرب کی سطح مرتفع تک پہنچ چکے تھے۔ سمرقند، بغداد، عروس البلاد دمشق اور زرین یروشلم مسلمانوں کے سب اہم ترین شہر ہلاکو خاں کے قبضے میں جا چکے تھے۔ ریگستان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پار کرنے کے بعد وہ چند منزلوں کے فاصلے پر واقع دریائے نیل کے کنارے قاہرہ پر قابض ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے مشرق و مغرب کا مالک بن جاتا لیکن منگو خاں کی موت پر بلائی گئی قرولتائی (مجلس شوریٰ) میں شرکت کے لیے اسے صحرا گوبی جانا پڑا اپنے پیچھے اس نے اپنے سپہ سالار قط بوغا کو فلسطین کے محاذ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ مصر پر سلطان قتز اور بیبرس حکمران تھا۔ اسے ہلاکو خان کا پیغام پہنچا۔ ''اپنی فصلیں منہدم کر دو اور اطاعت قبول کر لو۔'' اگر یہ بات مانو گے تو تمہیں امن اور چین سے زندہ رہنے دیا جائے گا۔ اگر تم نے یہ بات نہیں مانی تو پھر جو پیش آنا ہے وہ پیش آئے گا اور اس کا علم تو صرف جاودانی آسمان کو ہے۔''

اس زمانے میں قاہرہ کی گلیاں بغداد سے آنے والے پناہ گزینوں سے بھری ہوئی تھیں جو

Scanned with CamScanner

منگولوں کی طاقت اور قوت کے افسانے سنا رہے تھے۔ جس سے ایک ڈر اور خوف پھیلا ہوا تھا۔ بیبرس یہ خوف دور کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے تاتاری سفیروں کو قتل کرا کے ان کی لاشیں شہر میں چاروں طرف لٹکوا دیں۔ اب دو ہی راستے تھے یا تو جان توڑ کر تاتاری کا مقابلہ کیا جائے یا پھر تاتاریوں کے ہاتھوں ہلاکت یقینی تھی۔

ابھی وہ قاہرہ کے تحفظ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بیبرس کو خبر ملی کہ ہلاکو خان صحرائے گوبی واپس جا رہا اور فلسطین میں اپنا ایک نائب چھوڑ گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی ایک ایسا فیصلہ کیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ بجائے اس کے کہ منگول ان پر حملہ کریں خود ان پر آگے بڑھ کر حملہ کیا جائے۔ پھر بیبرس ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور فلسطین میں عین الجالوت کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ یہیں غولیاث کے کنویں کے کنارے منگول سپہ سالار اپنی دس ہزار فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ باوجود اس کے کہ ایک تاتاری کے مقابلے میں چار مسلمان تھے قط بوغا نے جنگ شروع کر دی اور جلد ہی مصریوں کی ہلکی سی سوار فوج کو ہٹا کر منگولوں کے بھاری فوج نے یمین فوج پر حملہ کر دیا۔ یہ تاتاریوں کی جنگی چالوں میں سے ایک اہم چال تھی اور اکثر بڑی کامیاب ہوتی تھی یہ حملہ مصریوں پر بھی کامیاب رہا۔ مصری تاتاریوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ یہی بیبرس کی تجویز تھی۔ اس نے منگولوں کے خلاف خود ان کی ہی جنگی چال استعمال کی تھی۔ اس نے اس موقع کے اپنا ایک بہترین دستہ چھپا رکھا تھا۔ جب بڑھتے ہوئے تاتاریوں کو نرغے میں لے کر مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا تو قط بوغا حیران رہ گیا۔ منگول تعداد میں کم تھے اور انہیں فلسطین کی گرمی نے بھی تنگ کر رکھا تھا۔ ان کی صفیں اس جنگی چال کی کامیابی سے تتر بتر ہو گئیں اور وہ بھاگ نکلے سپہ سالار قط بوغا گرفتار ہو گیا۔ سینتیس برسوں میں یہ تاتاریوں کی پہلی شکست فاش تھی۔ مملوکوں نے قط باغا کا سر قلم کر کے قاہرہ کی گلیوں میں پھرایا۔ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ منگول جو ناقابل شکست تصور کیے جانے لگے تھے انہیں شکست دے کر منتشر کر دیا گیا۔

عربی اور مصری وقائع نگاروں نے معرکہ عین الجالوت کو فیصلہ کن جنگ لکھا ہے۔ جس نے نہ صرف شام و مصر بلکہ حقیقتاً پوری ملت اسلامیہ کو مزید تباہیوں سے بچا لیا۔

لیکن اس فتح سے منگولوں کا خطرہ ہرگز دفع نہ ہوا۔ کیونکہ وہ عراق، عرب اور ایران پر برابر قابض رہے اور شمال اور مشرق دونوں جانب سے ملک شام پر دباؤ ڈالتے رہے۔ ادھر ہلاکو اس شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا مگر اسے دیگر مصروفیات سے فرصت نہ مل سکی۔ اس وجہ سے مورخوں نے عین الجالوت کو منگول پیش قدمی کا انتہائی نقطہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ تاتاری طوفان کے اترنے میں مشرق کے حالات کا بڑا دخل ہے صرف مملوک مزاحمت ہی کو نہیں۔ مگر مملوکوں کی بہادری کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

مآخذ: تاتاریوں کی یلغار، عزیز احمد۔ انسائیکلو پیڈیا اور اسلام

Scanned with CamScanner

1260ء سلطان بیبرس اول کی تخت نشینی

الملک الظاہر رکن الدین الصالحی و بیبرس الاول مملوک دولت بحریہ کا چوتھا سلطان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 1223ء میں پیدا ہوا اور ان قپچاق ترک غلاموں کی جماعت میں سے تھا جنہیں ایوبی سلطان الملک الصالح نے خریدا تھا۔ اس کا پہلا آقا ایدکین بند قدار تھا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب بندقداری ہوگیا اور اسی سے مارکو پولو کی تصنیف میں دیئے گئے سلطان بابل بند قداری Bondocdaire کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ تاریخ میں بیبرس کا پہلا ذکر 1239ء میں اپنے آقا الملک الصالح کے ساتھ کرک میں ایک قیدی کی حیثیت سے آتا ہے۔ وہ کئی مہینے بعد سلطان مصر کی طرف سے شام میں مصروف پیکار نظر آتا ہے۔ اس کا پہلا جنگی کارنامہ منصورہ کے میدان جنگ میں مصری فوج کی قیادت سنبھالنا تھا۔ جو فارس کور کی فیصلہ کن جنگ میں شاہ فرانس لوئی نہم کی گرفتاری پر منتج ہوئی۔ اسی موقع پر اس کی شہ سے 648ھ/1250ء میں توران شاہ کا قتل عمل میں آیا۔ اس قتل کو دشمن کے خلاف مزاحمت کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب 1259ء میں سلطان قطز نے اقتدار سنبھالا تو شام پر تاتاریوں کی یلغار شروع ہوچکی تھی۔ عین الجالوت کے مقام پر فلسطین میں جنگ ہوئی جس میں سلطان قطز اور تاتاری سپہ سالار دونوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ مصریوں کی کامیابی نمایاں رہی۔ اس جنگ میں ہراول دستے کی قیادت بیبرس نے کی تاریخ اس بات پر خاموش ہے کہ ملک المظفر سلطان قطز کو کس نے اس کے خیمے میں قتل کردیا۔ جس کے بعد بیبرس ملک الظاہر کا لقب اختیار کرکے تخت مصر پر جلوہ افروز ہوا۔ (1260ء)

سلطان بیبرس بڑا بہادر اور جراتمند اور اولوالعزم حکمران تھا جنگوں میں بذات خود اپنی شرکت لازمی سمجھتا تھا۔ اس کے عہد میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ سلطان بیبرس نے ایک طرف تو عالم اسلام کو تاتاریوں کی یلغار سے بچایا۔ دوسری طرف صلیبی جنگجوؤں کے خلاف بھی فاتحانہ کاروائی کی۔ صلیبی جنگجوؤں جو شام کے ساحلی شہروں پر قابض تھے۔ نورالدین اور صلاح الدین نے اگرچہ انہیں بیت المقدس اور فلسطین کے اندرونی حصوں سے نکال دیا تھا لیکن ساحلی شہروں پر ان کا قبضہ عرصہ تک قائم رہا۔ ان کو بحری راستے سے یورپی ممالک سے مسلسل امداد پہنچتی رہتی تھی۔ یہ حکومتیں شام اور مصر کے خلاف منگولوں سے اتحاد بھی کرلیتی تھیں۔ بیبرس نے ان صلیبی ریاستوں مین سے انطاکیہ کی انتہائی طاقتور ریاست کا خاتمہ کردیا۔ اور اس کے علاوہ کئی اور ساحلی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

شہر بھی فتح کر دیے جس سے ان یورپی حملہ آوروں کا زور ٹوٹ گیا۔ 1276ء میں سلطان نے ایشیائے کوچک میں کپادوشیا کا مشہور شہر قیساریہ سر کر دیا۔ اب صلیبیوں کے پاس صرف ایک ساحلی پٹی بچ گئی اور اس کے بعد پھر کبھی صلیبیوں نے سنبھالا نہ لیا۔ سلطان بیبرس نے 17 سال تک حکومت کی اور اس کے عہد میں شام مین 38 جنگیں لڑیں گئیں جن میں سے 9 جنگیں منگولوں سے لڑی گئیں۔ آرمینیا سے پانچ جنگیں ہوئیں۔ اسمعیلی بدعتیوں یعنی حشیشین پر پانچ مرتبہ حملہ کیا گیا۔ فرنگیوں کو جو سب سے زیادہ مورد عتاب تھے، مصری فوجوں نے اکیس مرتبہ شکست دی اس طرح سلطان بیبرس کے عہد میں ہمیں مستعدی کی ایک شاندار مثال نظر آتی ہے اور مصر اس زمانے میں دنیائے اسلام کے سب سے بڑے دشمنوں سے لڑا اور فتحمند رہا۔

بیبرس صرف ایک جنگجو اور فاتح ہی نہیں تھا بلکہ ایک سمجھدار اور عادل حکمران بھی تھا۔ اس کے دور حکومت میں کئی اہم کام انجام پائے۔ ان میں سے ایک خلاف عباسیہ کی بحالی بھی ہے۔ بغداد میں خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد اسلامیہ دنیا تین سال بغیر خلیفہ کے رہی۔ اتفاق سے ظاہر باللہ عباسی کا ایک بیٹا مصر پہنچ گیا۔ بیبرس اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری کرایا۔

مآخذ

جلد دوم۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ از ثروت مدنت۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۵

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مثنوی معنوی دنیا کی اہم ترین اخلاقی تصنیف ہے۔ اسے زبان پہلوی میں قران کہا گیا ہے۔ ہست قران در زبان پہلوی یہ چھ دفتروں میں ہے (ساتواں دفتر جعلی سمجھا جاتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی اس طویل ترین نظم کا محرک حسام الدین چلپی ان کے عزیز دوست اور مرید تھا۔ جس نے مولانا کو مشورہ دیا کہ وہ شانی اور عطار کی مثنویات کی قسم کی کوئی تخلیق کریں۔ اس پر مولانا نے اپنے عمامے سے مقدمے کے مشہور اٹھارہ شعر انہیں پیش کیئے۔ جو پہلے ہی لکھے جا چکے تھے۔ بعد کے شعر آپ حسام الدین کو لکھواتے رہے۔ مولانا کے قول کے مطابق اس کام کا آغاز 662ھ/ 263ء/، 264ء میں کیا گیا تھا۔ مولانا پر کام فارسی ادب کے ایک لازوال شاہکار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی 1207ء میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بہاالدین سلطان العلما سے حاصل کی۔ بعد کی تربیت شیخ بہاء الدین کے ایک مرید خاص نے کی۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں اپنے والد کے پاس قونیہ آ گئے۔ والد کی وفات کے بعد حلب اور دمشق کا سفر کیا۔ دمشق سے کمال الدین بن عدیم حلبی سے اور دوسرے وفضلاء سے تحصیل علوم کی۔

مولانا کی زندگی کا اہم ترین واقعہ شمس تبریز سے ان کی ملاقات ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں بے شمار روایات ملتی ہیں لیکن یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اس واقعہ کے بعد مولانا کے دل میں حضرت شمس کی عقیدت عشق کی حد تک تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی شاعری میں غزلیات کا دیوان اپنے اس مرشد روحانی کے نام معنون کیا ہے۔ مناقب العارفین کی رو سے یہ اہم واقعہ 642ھ میں پیش آیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق مولانا کے مخالفین حضرت شمس کے ساتھ ان کے تعلقات سے ناخوش تھے۔ چنانچہ حضرت شمس جب روٹھ کر چلے گئے اور واپس لائے گئے تو رنجش اتنی بڑھی کہ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت شمس سے جدائی نے مولانا کے دل میں جذبات کی آگ بھڑکا دی جس سے مولانا کا مزاج شاعری کی طرف مائل ہو گیا۔ جسے حسام الدین حلبی جسے مرید نے مثنوی کی شکل دلائی۔

مثنوی کی تکمیل کے دوران ہی مولانا نے 5 جمادی الآخر 672ھ بمطابق 17 دسمبر

Scanned with CamScanner

1273ء کو قونیہ میں وفات پائی اور وہی آپ کا مدفن ہے۔

کشف ظنون میں مثنوی کے اشعار کی تعداد 2666 ہے۔ چھٹا دفتر نامکمل رکھا گیا اور مولانا نے اپنے ایک شعر میں دعوت دی کہ کوئی اسے مکمل کردے۔ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے بہت سے لوگوں نے کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ مولانا روم جب بیماری سے صحت یاب ہوئے تو انہوں نے اسے خود پورا کیا۔

جب مثنوی کا پہلا دفتر مکمل ہوا تھا تو حسام الدین چلپی کی بیوی کا انتقال ہوگیا چلپی سوگ میں ڈوب گئے۔ کہتے ہیں کہ مولانا بھی مثنوی کے کام کو جاری نہ رکھ سکے۔ دو برس کے بعد جب حسام اپنی بیوی کے غم کو بھولے تو پھر اصرار کیا۔ اس پر مولانا نے مثنوی دوبارہ لکھنی شروع کی۔ دوسرے دفتر پر کام 665ھ۔ 1267ء میں شروع ہوا۔ چھٹا دفتر زیر تصنیف تھا کہ مولانا بیمار ہوگئے۔ روایت ہے کہ چھٹے دفتر کو پورا کرنے کی نوبت نہ آئی یہ بات مسلم ہے کہ فارسی کی کسی تصنیف کو وہ مقام شہرت نہ حاصل ہوسکا جو مثنوی مولانا روم کو حاصل ہے۔ ہر دور میں اس کی ضخیم شرحیں لکھی گئیں۔ دنیا کی ہر بڑی زبان میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ خود اس کے خالق پر بے شمار کتب لکھی جاچکی ہیں۔ ان گنت عظیم شعرا نے اس عظیم شعری مجموعے سے استفادہ کیا ہے جن میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔

مثنوی کو تفسیر قران بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ایک دینی اور مذہبی حیثیت بھی ہے۔ انتہائی دقیق اور نازک موضوعات پر بحث شامل ہونے کے باوجود اس کی مقبولیت میں گذشتہ نوسو برس سے کوئی کمی نہیں آئی۔

برصغیر پاک و ہند میں مثنوی مولانا روم کا شمار فارسی ادبیات کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہاں بھی اس کی لاتعداد شرحیں لکھیں گئیں، ترجمے اور فرہنگیں مرتب کیں گئیں ہیں۔ مثلاً عہد جہانگیر میں عبدالفتاح نے "مفتاح المعانی (؟1041ھ) عبداللطیف عباسی کے لطائف مثنوی ملا بحرالعلوم نے مثنوی کو علم الکلام اور ابن عربی کے متصوفانہ نقطہ نظر سے پڑھا چنانچہ ان کی "شرح معارف دین" کے بجائے معارف طریقت بن گئی۔ گذشتہ صدی میں مولانا شبلی نعمانی نے سوانح مولانا روم میں مثنوی کے تصوف پر خاص توجہ دی جس کا تعلق احیائے دین اور علوم طبیعیہ کے انکشافات سے ہے۔ انہوں نے ابن عربی کے اثرات سے آزاد کرکے اسے غزالی کی تحریک تجدید دین و تکمیل اخلاق سے جوڑ دیا۔ اقبال نے ہمیں بتایا کہ قران کے بعد جس کتاب کے ذریعے انسان زمین و آسمان کو تسخیر کرنے والے علوم تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ اقبال ہی کی بدولت ایک دبستان رومی کی بنیاد پڑی اور اقبال کے خاص نقطہ نظر سے افکار رومی کا تجزیہ ہونے لگا۔ ہماری زبان اردو میں بھی مثنوی کے تراجم، یہاں تک کہ منظوم بھی ہوچکے ہیں۔ انگریزی میں نکلسن کا ترجمہ مشہور ہے۔

ماخذ: دنیا کی سو عظیم کتابیں از ستار طاہر۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد۔ 7

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1265ء سائمن ڈی مونٹ فورٹ کے پارلیمنٹ

نمائندہ حکومت کا طریقہ سب سے پہلے یورپ میں انگلستان میں اختیار کیا گیا۔ انگلستان میں اینگلو سیکسن زمانہ سے بھی یہ رواج تھا کہ بادشاہ امراء اور کلیسا کے اعلیٰ عہداروں کو طلب کر کے ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور رقمی منظوریاں لیتے تھے۔ نارمن فتح سے پہلے بھی علاقہ دار عدالتیں مندوبوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ بارہویں صدی میں ہنری دوم نے ان عدالتوں میں مندوبوں کی شرکت کو لازم کر دیا تا کہ عدالتی کام میں بادشاہ کو مدد ملے۔ یہ نمائندگی ہی عمل ارتقا سے گزر کر انگلستان میں نمائندہ مجلس کا آغاز ثابت ہوئی۔ برطانیہ سے ٹیوٹنی مجالس کی قسم کا کوئی ادارہ نہ تھا اور اینگلو سیکسن عہد کی ''مجلس عقلا'' Witanagemot دراصل بادشاہوں کی مشیر جماعت تھی۔ جس کا تو دستور یا آئین نہ تھا اور جس کا انحصار کلیتہً بادشاہوں کی مرضی پر تھا۔ نارمن فتح کے بعد مجلس شاہی قائم ہوئی جو بڑے بڑے جاگیرداروں اور بادشاہوں کے مقرر کردہ ارکان پر مشتمل ہوتی تھی۔ تیرھویں صدی کے انگلستان میں کہیں جا کر مختلف علاقوں کے منتخب نمائندے بھی شاہی فرمان کے مطابق مجلس شاہی میں شریک ہونے لگے۔ لیکن یہ صورتحال بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ منشور اعظم یا میگنا کارٹا ابھی تک بحال نہیں تھا۔

انگلستان کے بادشاہ جان نے میگنا کارٹا پر دستخط ثبت کرنے کے فوراً بعد ہی سے منسوخ کرنے کی کوشش شروع کر دیں تھیں۔ جلد ہی پوپ نے اعلان کر دیا کہ منشور اعظم کا ملاً منسوخ ہے۔ 1216ء سے پلنٹجنٹ Plantagent خاندان کا ایک اور بادشاہ ہنری سوم تخت پر بیٹھا۔ یہ شاہ جان کا بیٹا تھا۔ اس نے 1216ء اور 1217ء میں منشور اعظم (میگنا کارٹا) کو دوبارہ جاری کیا۔ لیکن منشور میں جس دفعہ کا مفہوم یہ تھا کہ غیر معمولی محصول کی منظوری مجلس شاہی سے لی جائے گی، حذف کر دی گئی۔ 1232ء میں شاہ ہنری نے اپنے ایک خاص آدمی کو (جو فرانس کا باشندہ تھا) نظم و نسق کے بلند ترین منصب پر مامور کر دیا۔ جس کی وجہ سے انگلستان میں فرانسیسی باشندے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ اس وجہ سے انگریز امراء میں اس امر کے خلاف گہری ناراضگی پیدا ہوگئی۔ 1236ء میں شاہ ہنری نے ایک فرانسیسی شہزادی سے شادی کر لی تو اس ناراضگی کی آگ میں مزید اشتعال پیدا ہوا۔ چنانچہ جب فرانس میں درپیش ایک مہم کے لیے ہنری کو روپے کی ضرورت پیش آئی تو مجلس شاہی نے منظوری دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ساتھ ہی ارکان مجلس نے بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرنے کے لیے پابندیاں لگانے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1254ء میں ہنری نے اپنے دوسرے بیٹے کے لیے سسلی کا تاج قبول کیا اور 1257ء میں اپنے بھائی کو اجازت دی کہ وہ مقدس رومی سلطنت کی شہنشاہی کا امیدوار بن جائے۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے انگلستان کے خزانے سے روپیہ بے دریغ خرچ کیا گیا کیونکہ سسلی کو فتح کرنا ضروری تھا اور سلطنت کو خریدہ نہ جاسکتا تھا 1258ء میں سالانہ فصلوں کو قدرتی آفات سے شدید نقصان پہنچا مگر شاہ ہنری نے انگلستان سے ایک تہائی خراج طلب کرلیا تاکہ پوپ کو مزید ادائیگی کی جائے۔ اس پر امراء کے اختلاف کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور امراء بغاوت پر اتر آئے۔ اس مرتبہ مجلس شاہی کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے امراء آئے تو وہ مسلح تھے۔ چوبیس آدمیوں کی ایک کمیٹی کے تقرر کی منظوری لے لی گئی۔ اس کمیٹی نے جو دستاویز جاری کیں انہیں تاریخ انگلستان میں ''شرائط آکسفورڈ'' Provision of Oxford. کہا جاتا ہے ان دستاویز کے مطابق پندرہ آدمیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے مشورے کے بغیر بادشاہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کمیٹی نے سلطنت کے تمام اعلیٰ عہدوں پر اپنے آدمی مقرر کردیئے اور مجلس شاہی کی جگہ پر بارہ امراء کی ایک چھوٹی سی جماعت بہ غرض مشورے بنادی۔ اس دفعہ میں ایسی گنجائش بھی موجود تھیں جن سے فائدہ اٹھا کر امراء استبداد کا رنگ اختیار کرسکتے تھے جو بادشاہ کے استبداد سے بدرجے بڑا ہوتا۔ کلیدی عہدوں پر فائز غیر ملکی لوگ نکال دیئے گئے۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے امراء کے درمیان خود جھگڑے شروع ہوگئے۔ 1263ء میں پوپ نے شرائط آکسفورڈ کو کالعدم قرار دے دیا اور ہنری سوم کی شخصی حکومت کا سلسلہ بحال کردیا۔ 1264ء میں سائمن ڈی مانٹ فرٹ Simon De Mont Fort نامی ایک امیر کی قیادت میں امراء کی ایک جماعت نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کردی اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ سائمن ڈی مانٹ خود بادشاہ کا بہنوئی تھا مگر اس نے اصلاحی گروہ کی سرداری قبول کرلی۔ بادشاہ کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہوگیا۔ مملکت کا تمام کاروبار مانٹ فرٹ نے سنبھال لیا۔ 1265ء کا دوبارہ حکومت کو چلانے کے لیے اسی مانٹ فرٹ نے ایک نمائندہ مجلس بلائی جو انگلستان کی تاریخ کی پہلی پارلیمنٹ کہلاتی ہے۔ مگر اس پہلی پارلیمنٹ کے اس خالق کو زیادہ عرصہ کاروبار مملکت سنبھالنا نصیب نہ ہوا۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا ایڈورڈ پہلے اصلاحی گروہ کا حامی تھا بعد ازاں ان امیروں کا طرفدار بن گیا جو بادشاہ کے حامی تھے۔ اس نے سائمن کو شکست دی۔ شکست کے فوراً بعد سائمن کا انتقال ہوگیا مگر اس کا کام پارلیمنٹ کی شکل میں اب تک موجود ہے۔

مآخذ

تاریخ جمہوریت از شاہد حسین رزاقی۔ تاریخ تہذیب مولانا غلام رسول مہر۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1266ء غیاث الدین بلبن کی تخت نشینی

1266ء میں شمسی خاندان کے سلطان ناصر الدین محمود کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی۔ مورخین جن میں "فتوح السلاطین" کا مصنف عصامی سب سے آگے ہے۔ لکھتا ہے کہ یہ زہر خورانی الغ خاں (غیاث الدین بلبن) کی ایما پر ہوئی تھی۔ اس زہر خورانی اور بادشاہ کی موت سے دہلی میں تنی کھلبلی مچی لیکن الغ خان کو تخت نشین ہونے میں کسی خاص دشواری کا سامنا نہ ہوا اور اس نے غیاث الدین بلبن کا لقب اختیار کر کے بام حکومت سنبھال لی۔

غیاث الدین بلبن خاندان غلاماں کا آخری نامور بادشاہ تھا اس نے 1266ء سے 1287 تک حکومت کی۔ وہ التمش کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ بلبن وسط ایشیا پر منگول حملے کے دوران گرفتار ہوا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت ہوا۔ یہاں سے اسے سلطان التمش نے خریدا۔ اپنی ذہانت اور معاملہ فہمی کی بنا پر وہ جلد ہی سلطان کا خاصہ بردار بن گیا اور ترکان چہل گانی میں شامل ہوگیا۔ رضیہ سلطانہ کے عہد میں اسے میر شکار کا عہدہ ملا۔ خود بادشاہ بننے سے پہلے بلبن نے شمسی خاندان کے سلاطین کے ہاں مختلف خدمات سرانجام دیں۔ سلطان ناصر الدین محمود (1246ء۔ 1266ء) نے اسے اپنا نائب الممالک بنالیا اس سے قبل وہ منگولوں کے برصغیر پر کئی حملے کامیابی سے روک چکا تھا۔ اور سرکش امراء کے خلاف اپنی سیاست کا سکہ بٹھا چکا تھا۔ نائب الممالک بن کر وہ سلطنت دہلی کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ اس نے اس دور میں بھی خدمات شائستہ طور پر انجام دیں۔ وہ ایک مرتبہ سلطان کا مقہور بھی ہوا لیکن سلطان نے اسے کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اسے جلد ہی واپس دربار میں بلالیا۔ اور اس کے اندر کی خواہش نے اسے جلد ہی تخت دہلی پر متمکن کردیا۔

تخت نشینی کے بعد بلبن کو بہت سے حکومتی مسائل کا سامنا ہوا۔ اپنی اہم ترین پالیسی کے تحت اس نے اس راستے کو ہمیشہ کے لیے بند کردیا جس کے ذریعے وہ خود برسر اقتدار آیا تھا تاکہ کوئی دوسرا دوبارہ اس راہ سے تخت تک نہ پہنچ سکے۔ بلبن کے عہد کے دیگر اہم واقعات میں سے چند نمایاں ترین کام یہ ہیں۔ اس نے اپنی سلطنت کو منگولوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے شمالی اور شمالی مغربی سرحدوں کو بے حد مستحکم بنایا۔ 1270ء میں وہ خود لاہور آیا اور شہر اور قلعے کو از سر نو مستحکم کیا۔ سندھ اور ملتان میں بھی ایسے اقدامات کیے کہ منگولوں کے حملے خاصی مدت تک ناکام رہے ان سرحدوں کی حفاظت کے فرائض خصوصی طور پر اس کے فرزند شہزادہ محمد کے سپرد تھے۔ منگولوں کے حملوں کے علاوہ بلبن نے ملک کو قزاقوں اور ڈاکوؤں سے پاک کرنے کے لیے بھی

Scanned with CamScanner

خصوصی اقدامات کیے۔ اور صوبہ اودھ کے بڑے بڑے جنگل کٹوا کر بداؤن اور فرخ آباد کو قزاقی سے پاک کر دیا 1279ء میں حاکم بنگالہ طغرل خان جو بلبن کا غلام تھا اور اس کی شجاعت کی وجہ سے بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اپنے نادان مشیروں کے مشورے پر علم بغاوت بلند کر کے سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ بلبن نے پہلے اس کی سرکوبی کے لیے اقیر خان کو بھیجا مگر طغرل خاں نے پہلے اسے شکست دے دی۔ ایک آدھ کوشش اور ناکام ہوئی تو بلبن نے خود فوج کشی کی۔ طغرل سلطان کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا مگر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

1280ء میں بلبن کو اپنے بہادر فرزند شہزادہ محمد کی غم انگیز شہادت کے واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ شہزادہ بارہ سال سے برصغیر پر منگولوں کے حملے بہادری سے روکے ہوئے تھا۔ منگولوں نے ملتان پر ثمر خان کی قیادت پر حملہ کیا جو شہزادہ محمد نے پسپاہ کر دیا۔ شہزادے نے تعاقب جاری رکھا یہاں تک کہ اپنے لشکر سے دور تاتاریوں کے نرغے میں آ گیا۔ اس آویزش میں شہزادہ بمعہ اپنے رفقا کے شہید ہو گیا۔ اس واقعہ سے بلبن بہت رنجیدہ خاطر ہوا۔ شعرا عصر، امیر خسرو اور حسن نے اس کی شہادت پر مرثیے کہے۔ کہتے ہیں اس معرکہ میں امیر خسرو بھی شہزادے کے ساتھ تھے اور تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے۔

شہزادہ محمد کی موت نے بلبن کی کمر توڑ دی۔ وہ اب چاہتا تھا کہ بغرا خان کو اپنا جانشین بنائے مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ بلبن نے شہزادہ محمد کے فرزند کیخسرو کو جانشین منتخب کیا مگر بلبن کے انتقال کے بعد امراء نے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو سلطان بنا دیا۔

بلبن دہلی کا پہلا ایسا سلطان تھا جس نے باقاعدہ طور پر نظریہ بادشاہی پیش کیا۔ اس نے سلطان کے اعلیٰ عہدے کو ایسے بلند مقام پر فائز کرنا چاہا جہاں سے وہ امراء کے ساتھ کشمکش اور مقابلے سے آزاد ہو جائے اس نے اپنے امراء کے کانوں میں بار بار یہ بات ڈالی کہ بادشاہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کی جانب سے کسی کو ملتی ہے۔ منہاج اور برنی نے لکھا ہے کہ بلبن غلامی سے کبھی آزاد نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیئے اپنی اس بنیادی نااہلی کو چھپانے کے لیے بادشاہت کا نظریہ پیش کرتا تھا۔ اور اس کی عظمت پر زور دیتا تھا بلبن ایک بڑا مدبر سیاست دان اور بہادر سپہ سالار اور بعد ازاں ایک بارعب سلطان تھا۔ سخت گیر ہونے کے باوجود وہ منصف مزاج بھی تھا اور شوکت و دبدبہ کو لازمہ جہاں داری سمجھتا تھا۔ مشائخ اور اولیاء کرام، اہل علم کا احترام کرتا تھا۔ مورخین نے اسے ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے عظیم معماروں میں شامل کیا ہے۔

مآخذ: جامع تاریخ ہند از محمد حبیب/خلیق نظامی، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد چہارم۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کہتے ہیں کہ البوصیری کو عارضہ فالج ہوگیا اور اس کے جسم کا نصف حصہ بالکل مفلوج ہوکر رہ گیا۔ خود البوصیری کہتے ہیں کہ میں نے حالت بیماری میں ایک قصیدہ ترتیب دینا شروع کیا۔ جب یہ مکمل ہوگیا تو میں اسے بار بار پڑھتا، خدا کے حضور میں رو رو کر گڑگڑاتا اور عاجزی اور تضرع سے دعائیں مانگتا اور اللہ تعالیٰ سے اس قصیدے کی بدولت صحت کے لیے درخواست کرتا۔ ایک رات اسی آہ وزاری میں سوگیا۔ خواب میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے مریض جسم پر پھیرا اور ایک چادر (بردہ) مجھ پر ڈال دی۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپ کو صحت یاب پایا۔ میں اٹھا اور گھر سے نکل آیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ بات مشہور ہوگئی۔ کہ نبی ﷺ پاک نے میرے خواب میں آکر مجھے صحت یاب کیا اور چادر عنایت کی ہے۔ یہ قصیدہ 162 ابیات پر مشتمل ہے۔ مطلع 12 ابیات، نفس اور خواہشات نفس 16، نعت رسولؐ 30، مولد النبی ﷺ 19، معجزات، دعوات 10، مدح القرآن 17، معراج النبیؐ 13، جہاد النبیؐ 22، استغفار 14، مناجات 9۔ اس شہرہ آفاق قصیدے کا اردو، انگریزی، لاطینی المانی، فارسی، ترکی اور بربری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اس قصیدے کی بدولت اور لوگوں کو بھی شفا نصیب ہوئی۔

عبیداللہ بن یعقوب البخاری، ابن ہشام النحوی، خالد بن عبداللہ الازہری اور شہاب الدین القسطلانی (شارح بخاری) جیسے لوگوں نے اس قصیدہ کی شرح لکھی ہیں جو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بہت سے شعرا کرام قصیدہ بردہ کی تثلیث، تخمیس، تسبیع اور تشطیر رقم کی ہیں۔

بعض حلقوں میں آج بھی بکثرت پڑھا جاتا ہے۔ اور ان کے عقیدے کے مطابق اس قصیدے کی مختلف ابیات مختلف بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات دلانے کی طاقت رکھتی ہیں۔ عبدالسلام بن ادریس المراکشی نے اس موضوع پر ایک باقاعدہ کتاب بعنوان "خواص البردۃ فی برء الداء" لکھی ہے۔ مگر وہیں کئی شخصیات اس قصیدے پر معترض بھی رہیں ہیں ان میں ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب سعودی بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے اس قصیدے سے متعلقہ باتوں کو اوہام قرار دیا ہے۔ اور ان سے بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن محسن، البوصیری، عربی زبان کا شاعر اور صوفی بربر نسل سے تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ بنوجعوں سے تھا۔ ان کے باپ مصر کے ایک قصبہ کے تھے اور والدہ دلاص کی۔ انہیں مختلف وجوہات کی بنا پر "الصنہاجی" اور "البوصیری" بھی کہا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

جاتا ہے لیکن وہ ''البوحیری'' کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

یکم شوال سنہ 608ھ/ 7 مارچ 1212ء کو شنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ بچپن اور تعلیم کی بابت کم معلومات ملتی ہیں۔ بعد میں ہلیس میں کاتب یا محرر کے عہدے پر مامور ہوئے اور حسابی کا کام انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصے بیت المقدس، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں بھی رہے۔ آخر عمر میں پنڈلی ٹوٹ جانے کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے۔ اور قاہرہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں سنہ 696ھ/ 1296ء میں انتقال کیا۔ اور امام الشافعی کے مقبرے کے جوار میں مدفون ہوئے۔ البوصیری نے حفظ قرآن کا ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی کھولا تھا۔ انہیں سیرتؐ سے خاص شغف تھا۔ اس کے ساتھ ہی عیسائیوں اور یہودیوں سے مناظرے کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ اسی غرض سے انجیل اور توراۃ کا براہ راست مطالعہ رکھتے تھے اور جیسا کہ ان کے اشعار شاہد ہیں مخالفین کا رد خود انہیں کی مقدس کتابوں کے حوالوں سے کیا۔ خطاطی میں بھی مہارت اور شہرت حاصل کی۔

البوصیری کو تصوف اور شاعری سے بڑا لگاؤ تھا۔ شعری حسن و لطافت، عذوبت، الفاظ، ترکیبوں کے بانکپن کی وجہ سے ان کی شاعری کی بڑی داد دی جاتی ہے۔ جب الصاحب زین الدین یعقوب ابن الزبیر کا قرب حاصل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شاندار قصیدے لکھنے شروع کیئے۔ اور یہی قصائد نعتیہ ان کی شہرت کا باعث ہوئے۔ بالخصوص قصیدہ البردہ شریف۔ صوفیا کرام کے ہاں البوصیری کا بڑا درجہ ہے اور انہیں بسا اوقات مرتبہ ''غوثیہ کبریٰ'' تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

البوصیری کی شاعری کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ اول قبل سفر حج، دوم بعد واپسی حج، دوسرے دور کا سب سے مشہور کارنامہ، قصیدہ بردہ شریف ہے۔ جس کا اصلی عنوان ''الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ'' ہے۔

مآخذ

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1271ء، مارکو پولو چین کے سفر پر

وہ مشاہیر جنہوں نے اپنی غیر معمولی محنت، ذہانت اور اکتشافی سفائر سے انسان کے علم و آگہی میں مفید اضافے کیے۔ بہت سے ہیں ان غازیان تہذیب جدید میں مارکو پولو ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس عظیم شخصیت نے مشرق و مغرب کی باہمی دوری کو اپنے سفر سے دور کیا تھا۔ اور مشرق کی سحر خیزیاں اہل مغرب کو بیان کی تھیں۔

تیرھویں صدی کا وینس مشرق و مغرب کا سنگم تھا۔ جو مال و اسباب یورپ میں دنیائے مشرق سے آتا وہ پہلے وینس ہی لایا جاتا تھا۔ مصر و شام اور صحرائے عرب، ایران اور وہ مشرقی ممالک جہاں سے جواہرات اور مصالحے، ریشم اور قالین اور اسی طرح کی بہت سی دیگر قیمتی اشیاء یورپ لائی جاتی، پہلے وہ سیدھی ان ممالک سے آ کر وینس کی بندرگاہ میں ڈھیر کر دیں جاتیں تھیں۔ اسی طرح دنیائے مغرب سے جرمانیہ کی دھاتیں، برطانیہ کا اون، شمال کے سمور و سنجاب جو ایشیا کو بھیجے جاتے۔ یہیں سے جہازوں پر لدتے تھے۔ دنیا مغرب کی تجارت میں وینس ایک اہم نام تھا۔

جب ایک مدت دراز کے بعد مارکو نامی ایک نوعمر لڑکے کے باپ اور چچا مشرق سے واپس آئے تو جہاں پورا شہر وینس ان کی باتیں سن کر حیران ہوا وہیں نوعمر مارکو بھی اپنے باپ اور چچا کے بیان کردہ قصوں کی نسبت شہر والوں کے شک و شبے سن کر پریشان ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے باپ سے سوال کیا جو کچھ آپ کہتے ہیں یہ سب کچھ واقعی درست ہے؟ باپ نے جواباً کہا۔ گھبراؤ نہیں تم یہ سب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ہم تھوڑے دن بعد تمہیں لے کر چین جائیں گے۔

پھر کچھ مدت بعد چین کے شہر شنگ ٹو (موجودہ پیکنگ) میں ایک محل سجایا گیا۔ اس محل میں یورپ سے آنیوالے مسافروں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ مسافر شہنشاہ قبلائی کے دربار میں آنیوالے پہلے یوروپی فرنگی تھے۔ ملاقات کا ایوان بڑا خوش نما اور وسیع تھا۔ سرخ ستونوں پر اس کی چھت قائم تھی اور دیواروں پر سونے کا پانی پھیر کر اژدہوں اور مختلف جانوروں کی تصویریں نقش کی گئیں تھیں۔ کم سن مارکو اس محل کی سجاوٹ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے یہ سب کچھ خواب نظر آ رہا تھا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ یہ زیب و زینت اور تجمل شاہانہ واقعی ہے جسے وہ جاگتے میں دیکھ رہا ہے۔ تخت پر شہنشاہ مشرق قبلائی خاں متمکن تھا جو اس حیرت زدہ لڑکے کو دیکھ دیکھ کر الطاف شاہانہ سے مسکرا رہا تھا۔ اس نے نکولو پولو سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے؟ نکولو نے نہایت ادب سے کہا سرکار یہ غلام زادہ ہے۔ مہربان شہنشاہ نے فرمایا۔ "اہلاً و سہلاً۔ مجھے یہ پسند آیا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تیرھویں صدی میں وینس سے چین تک کا سفر کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مارکو اور اس کا باپ اور چچا ساڑھے تین سال کے تھکا دینے والے طویل سفر کے بعد چین پہنچے تھے۔ وہ پہلے وینس سے مصر اور وہاں سے بغداد آئے۔ کچھ مدت اسلام کے اس قدیم دارالخلافہ میں ٹھیرے۔ انہوں نے قبلائی خان کو بغداد کے حالات سناتے ہوئے بتایا تھا۔ یہ ایک شان دار شہر ہے جہاں لوگ ریشم پر زربافی کرتے ہیں۔ اطلس، حریر اور مخمل کی نئی نئی وضع بناتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر سوداگرین کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ وہاں کے باشندے نہایت ذی علم اور ع دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں کیوں کہ وہاں قانون طب، فلسفہ اور ہیئت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

بغداد سے وہ ایران پار کرتے ہوئے چلے۔ انہوں نے ایران کو چمکتے ہوئے فیروزے اور یاقوت کا ملک کہا۔ ایران کے گرم میدانوں میں مارکو بیمار ہوگیا اس کی زندگی کی امید تک نہ رہی مگر تب یہ لوگ پہاڑوں سے گزرے تو وہاں کی آب و ہوا سے اس کی تندرستی لوٹ آئی۔

قبلائی خان کو نوجوان مارکو سے انس ہوگیا۔ اس جلیل القدر بادشاہ نے اس یورپی نوجوان کو اپنی وسیع سلطنت چین میں کئی بار گشت کرایا۔ اور ایک مرتبہ ایک صوبے کا حاکم بھی بنادیا۔ مارکو نہ صرف چین میں گھوما بلکہ اس سے بھی آگے سائبیریا، دشت گوبی اور تبت کے پار تک اس نے چکر لگائے۔ اس وقت کسی یورپی کے قدم ان اقلیموں تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ مارکو نے دشت جہاں کی خاک چھانی اور پھر چین کے دارالحکومت واپس آگیا۔

ایک دو نہیں پورے سترہ برس گزر گئے پولو برادران کو پھر وینس کی یاد ستانے لگی اور انہوں نے واپسی کا سفر شروع کردیا۔ شہنشاہ قبلائی خان نے ان کے ہاتھ پاپائے روم کے نام ایک خط بھیجا تاکہ وہ یروشلم کے مقدس ہیکل کے چراغ سے ایک ڈبیہ مقدس تیل بجھوائیں اور ایسے پڑھے لکھے راہب بھی روانہ کرے جو منگولوں میں عیسائیت کی تبلیغ کریں اور انہیں یورپ کے علوم و فنون سے روشناس کرائیں۔ وطن واپسی کے سفر میں مارکو نے ایسے عجائب کا ذکر کیا جو اس کے بعد بھی نسلوں تک لوگوں کو سمجھ نہ آسکے۔ مثال کے طور پر مارکو نے لکھا کہ چین میں ایک ایسا کالا پتھر دستیاب ہے جسے زمین کھود کر نکالا جاتا ہے۔ اگر اسے آگ دکھائیں تو یہ جلنے لگتا ہے اور لکڑی سے زیادہ حرارت پیدا کرتا ہے۔ اس کا اشارہ صریحاً کوئلے کی طرف تھا۔ لیکن وینس کے لوگوں کو اب اس کی باتوں پر بھی یقین نہیں آیا اور وہ اسے "لکھپت مارکو" کے نام سے پکارنے لگے۔ 1298ء میں جینوا سے وینس کی جنگ چھڑ گئی۔ مارکو بھی وینس کے دستوں میں کمانڈر کی خدمات انجام دے رہا تھا کہ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ جیل میں قیام کے دوران ہی اس نے اپنا سفرنامہ لکھا۔ اس سفرنامے میں اس نے یورپ کے متحیر قاری کے لیے پہلی بار دنیائے مشرق بعید، جاپان، کوریا، ہند چینی، برما، بحر محیط شمالی، جاوا، سائبیریا، مشرقی ہند، حبشہ اور مڈغاسکر کے حالات قلمبند کیے۔ اس سفرنامے نے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اسے دنیا کا سب سے بڑا سیاح بنا دیا۔

مآخذ

سفر نامہ مارکو پولو۔ غازیان تہذیب مولانا سید ہاشمی فرید آبادی

Scanned with CamScanner

1272ء ایڈورڈ اول کی تخت نشینی

انگلستان میں پارلیمنٹ کا ارتقا جاری تھا کہ شاہ ہنری سوم کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا ایڈورڈ تخت نشین ہوا۔ ایڈورڈ اول کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے برطانیہ کو متحد کر کے ایک سلطنت بنانے کی اس کی کوششیں تھیں۔ ویلز ہنری دوم کے زمانے سے سلطنت انگلستان میں شامل کیا جا چکا تھا۔ ہنری سوم کے زمانے سے وہاں سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ایڈورڈ کے عہد میں ویلز نے بغاوت کر دی اور وہاں کے مقامی حکمران لیولین Lewelyn نے خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ 1277ء میں ایڈورڈ نے ویلز پر حملہ کیا اور بغاوت فرو کر دی اور 1282ء میں لیولین مارا گیا۔ ویلز کے مسئلے کو ہمیشہ کے نپٹانے کے لیے ایڈورڈ نے اپنے کمسن بیٹے کو پرنس آف ویلز بنا دیا۔ یہ لقب آج تک شاہ انگلستان کے فرزند اکبر اور ولی عہد سلطنت کے لیے مخصوص چلا آ رہا ہے۔ 1290ء میں سکاٹ لینڈ کی تخت نشینی کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ فرانس اور سکاٹ لینڈ میں باہمی روابط بڑھ جانے کی وجہ سے ایڈورڈ کو سکاٹ لینڈ پر حملہ کرنا پڑا۔ 1296ء میں اس نے سکاٹ لینڈ کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور وہ سنگ سکون The Stone Of Scon اٹھا کر سکاٹ لینڈ سے لندن لے آیا اور اسے ویسٹ منسٹر میں رکھ دیا کہتے ہیں سکاٹ اسے تقدیر کا پتھر سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہوں کی تاج پوشی کی رسم اس پتھر پر ادا کرتے تھے۔ ایڈورڈ کے بعد انگلستان کے بادشاہی کی رسم تاج پوشی اسی پتھر پر ادا کی جاتی ہے۔ دراصل اس پتھر کو اہل سکاٹ بادشاہی کا سب سے بڑا نشان سمجھتے تھے۔ اسی دوران ولیم والیس نے بغاوت کی تو سکاٹ لینڈ کو دوبارہ مسخر کرنے کی ضرورت پیدا آئی۔ اب ایڈورڈ نے سکاٹ لینڈ کو انگلستان میں شامل کر لیا۔ پھر رابرٹ بروس نے بغاوت کر دی۔ ایڈورڈ اول اس سلسلے میں سکاٹ لینڈ جا رہا تھا۔ کہ اس نے وفات پائی۔ اس کے اس بیٹا ایڈورڈ دوم تخت نشین ہوا مگر اس میں اپنے باپ کی عظمت نہیں تھی ایڈورڈ اول کا ایک اور بڑا کارنامہ اس کی ماڈل پارلیمنٹ تھی۔ اس کا عزم تھا کہ وہ اپنی رعایا کی مدد سے حکومت کرے گا۔ اس کا قول تھا کہ جس چیز کا تعلق سب سے ہو، اس کے لیے سب کی رضامندی حاصل کرنی چاہیے۔

1295ء میں اس نے سب سے زیادہ نمائندگی والی پارلیمنٹ بلائی جو تین حصوں میں منقسم تھی۔ یعنی اس کے تین ایوان تھے۔ (ا) ایوان امراء House Of The Lord's اور علمائے دین کا ایوان اسے ماڈل پارلیمنٹ اس لیے کہا جاتا

کہ انگلستان میں بعد میں بننے والے تمام پارلیمنٹیں اسی کے اطوار و خطوط پر چلائی گئیں۔ پہلے پہل یہ پارلیمنٹ ایک ہی چیمبر میں بیٹھی اور بادشاہ نے اپنے تخت شاہی پر بیٹھ کر اس کی صدارت کی۔ اس کے سامنے اس کی کونسل تھی جس میں چانسلر جج اور جسٹس سب ہی شامل تھے۔ پارلیمنٹ میں ایک طرف پادری بیٹھے دوسری طرف امراء اور آخری سرے پر عوام کے نمائندگان کی جگہ تھی اگرچہ ایڈورڈ اول نے یہ پارلیمنٹ اس لیے قائم نہیں کی تھی کہ وہ اس کے شاہی اختیارات میں مداخلت کرے بلکہ اس لیے قائم کی تھی کہ اس سے مشاورت کی جا سکے بہر حال یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ تھا کہ اس نے قانون کی بالادستی قائم کی اور وہ تصور پیش کیا جس کی بنیاد میں اس وقت کا فلسفہ اور اخلاقیات شامل تھے۔

مآخذ

تاریخ تہذیب جلد اول از مولانا غلام رسول مہر، تاریخ انگلستان۔

The Kings & Queens of England.

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1273ء کاؤنٹ ہیپس برگ کی تخت نشینی

ہیپس برگ Hapsburg آسٹریا کے حکمران خاندان کا نام ہے جو 1273ء۔1918ء یہاں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کی ابتدائی جاگیریں دسویں صدی سے شمال مغربی سوئزرلینڈ اور ایلساس میں تھیں۔ ہیپس برگ نام آرگو (سوئزرلینڈ) کے قلعہ ہیپس برگ (اب تباہ شدہ) سے مستعار ہے۔ تیرھویں صدی تک بالائی ایلساس سوئزرلینڈ اور باڈن کا بیشتر علاقہ اس خاندان کے تصرف میں تھا۔ تیرھویں صدی میں جرمن بادشاہی کا غیر رسمی دستور تھا کہ بادشاہ کا انتخاب بڑے بڑے سرداروں کے ذریعے عمل میں آتا تھا۔ بعد ازاں بڑے بڑے گروہوں سے اس کی تصدیق کرائی جاتی تھی۔ دراصل ابتدائی زمانے سے جرمن جاگیرداروں کے درمیان ایک مجلس شورای موجود تھی جو دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ اول میں شاہی خاندان کے افراد اور دوم میں وہ لوگ جو بادشاہوں کے انتخاب پر رائے دینے کے حقدار تھے اور جنہیں ایلکٹر Elector کہا جاتا تھا۔

ہیپس برگ خاندان کے کاؤنٹ روڈ الف چہارم کو روڈ الف اول Rudulpu کے نام سے 1273ء میں بادشاہ چنا گیا۔ اس کے انتخاب میں انتہائی سرعت سے کام لیا گیا کیونکہ بوہیمیا کا آٹوکار دوم Otakar II بھی تخت جرمن کا دعویدار تھا لیکن چونکہ وہ ایک غیر جرمن خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لیے ایلکٹروں نے روڈ الف اول کا انتخاب کیا۔

روڈ الف اول کی رسم تاجپوشی 24 اکتوبر 1273ء کو آخن Aachen میں ادا ہوئی۔ پوپ گریگوری دہم نے اس کے انتخاب کی توثیق 1274ء میں اس شرط پر کی کہ وہ تمام شاہی اختیارات روم میں رہنے دے گا اور مسیحیت کے نام پر ایک نئی صلیبی جنگ شروع کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی گریگوری دہم نے شاہ سسلیہ الفانسو دہم کو جرمنی کے تاج و تخت کے دعویٰ سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ الفانسو دہم کو چند جرمن الیکٹروں نے 1257ء میں بادشاہ منتخب کر رکھا تھا۔

جرمنی میں بیس سالہ طوائف الملوکی کے بعد اس کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں ملک میں امن عامہ مفقود ہو چکی تھی اور بہت سے سردار ڈاکہ زنی میں مصروف تھے اور جاگیردار اپنی باہمی رقابتوں کی وجہ سے جنگوں میں مصروف تھے۔ پاپاؤں سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے بعد روڈ الف نے داخلی امن عامہ پر توجہ دی اور لڑاکا جاگیرداروں اور ڈاکو سرداروں کا قلع قمع کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کر لی۔

اس دوران اس کا رقیب اوٹوکار دوم آسٹریا، ٹائریا اور کارنی اولا پر قابض رہا۔ 1274ء میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اسے روڈالف اول نے دربار میں حاضر ہو کر جواب طلبی کا حکم دیا جس سے اس نے انکار کر دیا۔ اس پر روڈالف اول نے آسٹریا پر چڑھائی کر دی اور 1276ء میں اسے شکست دے کر آسٹریا اور دیگر علاقے اس سے واپس لے لیے۔ 1278ء میں آٹو کار دوم نے ایک بار پھر روڈالف سے جنگ کی۔ اور Battle of Durnkut میں ایک بار پھر شکست کھائی۔ 1282ء میں دیگر جرمن شہزادوں کی مشاورت سے اس آٹو کار دوم سے لیے گئے علاقے اپنے بیٹوں البرٹ اور روڈالف کے حوالے کر دیے اور اس طرح ہیپس برگ خاندان کی حکومت کی بنیادیں مضبوط بنالیں۔ خارجہ محاذ پر اس نے فرانس کے کاؤنٹ ہیو چہارم Hugh IV کی بیٹی ازابیلا سے شادی کر کے فرانس اور جرمن کے جھگڑے ختم کر دیے۔

ان ساری کامیابیوں کے باوجود وہ جرمن الیکٹروں سے اپنے بڑے بیٹے البرٹ کو اپنے بعد بادشاہ منتخب نہ کرا سکا نہ ہی وہ بادشاہی کو ہیپس برگ خاندان کے لیے موروثی بنا سکا۔

جب ابرٹ دوم جرمن کا بادشاہ (1438ء) منتخب ہوا تو شاہی عہدہ خاندان ہیپس برگ کے لیے مخصوص ہو گیا مگر صرف نظری اعتبار سے انتخابی رہا۔ 1356ء کے بعد انتخاب کنندوں کی تعداد بھی مقرر کر دی گئی تھی۔ پوپ کی طرف سے تاجپوشی تسلیم نہ ہونے تک یہ حکمران جرمن بادشاہ کہلاتے تھے۔ پوپ کی توثیق کے بعد انہیں مقدس رومی شہنشاہ تسلیم کر لیا جاتا مگر پوپ کے ہاتھوں تاجپوشی کے لیے ہر بادشاہ کو رومہ جانا پڑتا تھا۔ ہر شہنشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین کو منتخب کرا لیتا تھا۔ یہ سلسلہ بیسویں صدی تک جاری رہا۔

مآخذ

انسائیکلو پیڈیا۔ برٹانیکا بذیل مادہ، روڈالف۔ تاریخ یورپ
انسائیکلو پیڈیا۔ تاریخ عالم غلام رسول مہر

Scanned with CamScanner

تھامس ایکویناس Thomas Aquinas کو ازمنۂ وسطیٰ کے عظیم عیسائی فلسفی کا درجہ حاصل ہے۔ گذشتہ سات صدیوں سے ایکویناس کی تعلیمات اور فلسفہ نے دنیائے مسیحیت خصوصاً کلیسائے رومن کیتھولک پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اگر چہ قرون وسطیٰ کے مفکرین نے اس کے بہت سے نظریات کو مسترد کر دیا تھا تاہم عیسائی تہذیب اس کی دیے ہوئے منظم و معقول فلسفے کی وجہ سے اس کی مرہون ہے۔ اس عظیم فلسفی سے پہلے عیسائی تہذیب عالمانہ باریکیوں اور فلسفیانہ نکتوں سے قطعی ناواقف تھی۔ آج عیسائیوں کی اکثریت خاص طور پر رومن کیتھولک ہی اس کے فلسفے کو ایمان کا درجہ دیتے ہیں۔

تیرھویں صدی میں جب ایکویناس نے اپنے فلسفے کا پرچار شروع کیا تو عیسائیوں کے نظریات بڑے غیر مستقل تھے۔ مذہب کی بنیاد صرف ایمان رسمی پر تھی اور مذہبی نظریات کو سمجھنے کے لیے مناظرے، بحث مباحثے اور وضاحتی دلائل تک کو کفر کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اکوی ناس نے اس تنگ نظری کو محسوس کیا اور اسکے خلاف کام کرنے کا بیڑا اٹھایا اور رفتہ رفتہ دلائل کو ایمان کی بنیاد بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کام میں اسے یونانی فلسفہ سے بڑی مدد ملی۔ خاص طور پر ارسطو کا فلسفہ اس کے آڑے آیا اور یوں عرب مفکرین کی بدولت یورپ میں ارسطو کا فلسفہ پہنچنے سے یورپ کو فائدہ پہنچا۔ عرب حکما نے اس یونانی فلسفی کو جس طرح روشناس کرایا وہ کسی طرح کا محتاج نہیں۔

ایکویناس کی پیدائش اطالیہ کے شہر روکاسیکا Roccasecca (1225ء) میں ہوئی۔ نیپلز یونیورسٹی سے حاصل کر کے وہ 1244ء میں کلیسا سے منسلک ہوگیا۔ اسی دوران 1252ء تک اس نے جرمن علم الٰہیات کے ماہر البرٹ میگنس کے زیر سایہ پیرس یونیورسٹی میں فلسفہ اور الٰہیات کی مزید تعلیم حاصل کی۔ 1256ء میں ایکویناس پیرس یونیورسٹی میں علم الٰہیات کا معلم مقرر ہوگیا۔ پیرس یونیورسٹی میں اسے اپنے مذہبی لگاؤ کی وجہ سے بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ 1258ء میں ایکویناس نے تصنیف تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی کتاب Suma Contra Gentiless لکھی جو غیر عیسائیوں کے لیے رومن کیتھولک مسلک کا ایک تعارف ہے۔ 1259ء سے 1268ء تک اس نے عظیم یونانی فلسفی ارسطو کی تصانیف پر شرحیں مرتب کیں۔

اکوی ناس کا انداز تحریر بڑا ادیبانہ ہے۔ وہ سیدھے سادے دلائل پیش کرنے کی بجائے مختلف تجاویز سامنے رکھتا ہے اور ان پر اس طرح اعتراض کرتا ہے کہ پڑھنے والا خود بخود اس نتیجہ پر

Scanned with CamScanner

جا پہنچے جسے وہ سمجھانا چاہتا ہے۔ اس کے اسی انداز تحریر کی وجہ سے ارسطو پر اس کے تبصروں میں غیر یقینی کا بھی شائبہ ہوتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے کہ اکویناس ارسطو کے فلسفے کی تشریح کرتا ہے یا اس کے نظریات سے اتفاق رائے ظاہر کرنے کی فکر میں ہے۔

1265ء سے 1273ء تک اس نے اپنی عظیم ترین تصنیف سوماتھیولوجیکا Summa Theologica پر کام کیا۔ اس کتاب میں اس نے عیسائیت کے علم الہیات کو بڑی توجیہہ اور ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر تصوف کا اتنا غلبہ ہوا کہ وہ یہ کتاب مکمل نہ کرسکا۔ روحانی تجربات کے مقابلے میں اس نے اپنے کیے گئے الہیات پر اس مبسوط کام کو خس و خاشاک قرار دے دیا۔ لیکن نامکمل ہونے کے باوجود اس کا یہ کام ایک ایسی تالیف ہے کہ جس میں اخلاقیات اور سیاسیات کو مابعد الطبیعیاتی اور الہیاتی شکل دی گئی ہے۔ اور یہ فلسفہ علم الکلام اور عیسائی الہیات پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اپنی اس تالیف کی وجہ سے اکویناس عیسائی دنیا میں "ملکوتی عالم" Doctor Angelics کے نام سے مشہور ہے۔ تھامس اکویناس نے صرف پچاس سال کی عمر میں 1274ء میں وفات پائی مگر اپنے پیچھے وہ علم معرفت اور فلسفے کی بڑی ضخیم کتابیں چھوڑ گیا۔

اکوی ناس کا سیاسی فلسفہ عیسائیوں اور بت پرستوں کے ملے جلے نظریات کا نمونہ ہے۔ اس کی مابعد الطبیعیات یا علم طبیعی موجدات اور اخلاقیات میں بھی یہی بات نمایاں ہے۔ اکوی ناس سے پہلے آگسٹن نے مملکت کے بارے میں جو فلسفہ پیش کیا تھا اسے اکویناس نے رد کر کے ارسطو کے نظریات کو درست قرار دیا جو سیاسی اور سماجی برائیوں میں زندگی بسر کرنا انسانی فطرت قرار دیتا ہے۔ 1323ء میں پوپ جان XXIII نے اسے ولی سینٹ کا درجہ دیا اور 7 مارچ کو اس کا دن قرار دے دیا۔

ماخذ

مغرب کے سیاسی فلسفی از مارس کرینسٹن

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1274ء نصیر الدین طوسی کی وفات

فتح ایران کے دوران ہلاکو خاں نے مسلمانوں کے بے شمار کتب خانے اور درسگاہیں برباد کردیں۔ مگر اس کے ایک مسلمان منجم نے اپنے اثر رسوخ سے منگولوں کی اس پیدا کردہ عالمگیر بربادی میں کچھ کتب خانے اور اسلامی درسگاہیں بچالیں اور خصوصاً اہل تشیع پر کچھ تھوڑا بہت رحم کیا گیا اور جنوبی عراق میں ان کے مقدس مقامات دست درازی سے محفوظ رہے۔ یہ مسلمان ماہر علم نجوم جس کے اثر و رسوخ سے عالم اسلام کا کچھ حصہ محفوظ رہا۔ نصیر الدین طوسی مشہور مسلمان منجم، مورخ اور شیعی عالم تھا جس کا زمانہ حیات تاتاریوں کے حملوں کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ 11 جمادی الاولیٰ 597ھ بمطابق 18 فروری 1201ء کو ایران کے شہر طوس میں پیدا ہوا اور اس نے 18 ذوالحجہ 672ھ بمطابق 26 جون 1214ء کو بغداد میں وفات پائی۔ نصیر الدین طوسی دنیائے اسلام میں ابن سینا کے بعد سب سے ممتاز ہستی ہے۔ اس نے کمال الدین ابن یونس سے ریاضی کی تعلیم حاصل کی اور ایک ماہر علم ہیئت کی حیثیت سے شہرت پائی۔

تاتاریوں کے حملے کے زمانے میں نصیر الدین طوسی نے اسمٰعیلی حاکم ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور کے منجم درباری کی حیثیت سے سرتخت میں ملازمت شروع کی۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ بغداد میں دربار خلافت میں رسائی حاصل ہو جب اس کی اس کوشش کا راز افشا ہوا تو اسے سرتخت میں اور اس کے بعد قلعہ موت میں نظر بند کردیا گیا۔ مگر اس کا عہدہ برقرار رہا اور اسے اجازت دی گئی کہ وہ علم ہیئت میں اپنی تحقیق جاری رکھے۔

654ھ/1256ء میں اس نے حشیشین کے اسمٰعیلی شیخ رکن الدین خورشاہ کو ہلاکو کے حوالے کرکے اس کے معتمد علیہ مشیر کی حیثیت حاصل کرلی۔ اور اس کے ساتھ فتح بغداد کی مہم پر روانہ ہوا۔ مراغہ میں ہلاکو خاں کے حکم پر اس کے لیے ایک رصد گار تعمیر کی گئی پھر ہلاکو خان نے اسے اپنا وزیر اور مہتم الاوقات بنادیا اس نے ہلاکو کے جانشین اباقا خان کے عہد میں بھی اپنی یہ حیثیت اور اثر و اقتدار قائم رکھا۔

نصیر الدین طوسی کی سیاسی حکمت عملی کا تعین اس کے اثنا عشری فرقے سے گہری ہمدردی رکھنے سے پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ ہمہ گیر قابلیت اور لیاقت کی بدولت ایران کی شیعہ مقتدر جماعت کا سردار بن گیا۔ اور خلافت عباسیہ کا مخالف بن کر تاتاریوں سے مل گیا بہرحال اس کے اس عمل سے اسلامی ریاضی اور فلکیات کے علوم کو فائدہ پہنچا اور وہ وحشی تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچ

Scanned with CamScanner

گئے۔ اس کے علاوہ اس نے فقہ جعفریہ کی بھی خدمت کی اور دو کتابیں اصول وعقائد مذہب پر مرتب کیں جن کی اس کے ہم مسلک بے حد قدر ومنزلیت کرتے ہیں اور ان پر کئی بار شرحیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔ ''تجرید العقائد'' اور ''قواعد العقائد'' یہ تہران سے اکثر چھپتی رہیں ہیں۔ ان کتابوں میں آئمہ کرام کے متعلق اثنا عشری تعلیمات کو واضع طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اصول وعقائد مسلک ومذہب بیان کرتے ہوئے کہیں کہیں ان کتابوں میں عقائد کی رسمی تمہید کے طور پر طوسی کے فلسفہ ومنطق کا یہ انداز دبستان ابن سینا کے مطابق ہے۔ طوسی نے ابن سینا کی تصنیف الاشارات والتنبیہات کی ایک شرح بھی مرتب کی تھی جس میں اس نے فخر الدین الرازی کی مخالفت اور ابن سینا کی تائید کی۔ اس کے علاوہ اس نے خود رازی کی کتاب محفل افکار المتقدمین والمتاخرین کی شرح بھی لکھی۔

طوسی ایک راسخ العقیدہ شیعہ اور درازدہ اماموں کا عقیدتمند تھا۔ اس کا ثبوت اس کی متصوفانہ کتاب ''اوصاف الاشراف'' سے ملتا ہے۔ گو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ تصوف کا قائل اور منصور الحلاج کا مداح تھا اور اسی وجہ سے اپنے ہم مسلکوں میں ممتاز ہے۔ فقہ میں اس نے قانون وراثت پر بھی کتابیں لکھیں۔ علوم السحر واطلسمات پر اس کی تصانیف میں سے ''کتاب الرمل'' محفوظ رہ گئی ہے۔ ابھی وہ سر تحت میں تھا کہ اس نے اپنے سرپرست کی خدمت میں اپنی تصنیف ''اخلاق ناصری'' پیش کی جواب تک مسلسل چھپتی رہی ہے۔ اپنے مسلک اور فرقے سے اسے جو عقیدت و محبت تھی وہ اس کی وسیع المشربی اور اس کے دوسرے ہم عصر مشاہیر سے تعلقات رکھنے میں مانع نہ ہوتی تھی۔ اس نے اپنے ہم عصر سنی عالم مولانا جلال الدین رومی سے خط وکتابت کے ذریعہ اور نجم الدین کاتبی سے بالمشافہ علمی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا اور وہ ایلخانی دربار میں مشہور مورخ علاء الدین عطاالملک جوینی اور شمس الدین جوینی کے ساتھ مل کر کام کیا کرتا تھا اس کی یادگار اس کی کتاب ''اوصاف الاشراف'' ہے شیعی حلقوں سے باہر اس کی شہرت علوم سائنس کی تصانیف اور تحقیقات پر ہے۔

مآخذ

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد نمبر 12۔ مشاہیر اسلام

Scanned with CamScanner

1280ء تاریخ جہانکشائے جوینی

تاتاری عہد میں جن لوگوں نے اہل تاتار کی ملکی امور چلانے میں مدد کی ان میں قصبہ جوین کے ایک علمی خاندان کی خدمات بہت اہم ہیں۔ یہ لوگ تاریخ میں جوینی کے نام سے موسوم ہیں۔ اس خاندان کے پہلے مقتدر بزرگ شمس الدین تھے جنہیں قطب الدین خوارزم شاہ نے وزارت کا منصب جلیلہ سونپا تھا۔ شمس الدین کا بیٹا بہاالدین جوینی بھی ایک فاضل شخص تھا۔ جسے دربار خوارزم میں مستوفی الممالک کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ بہاء الدین کے دو بیٹے تھے شمس الدین اور عطاملک جوینی۔ یہی وہ نامور علمی شخصیات ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے سیاسی شعور اور تدبیر سے ایران کے ویرانوں کو آباد کیا، بلکہ علم و ادب کی بھی سرپرستی کی۔ ہلاکو کی دس سال کی حکومت میں وزارت کی باگ ڈور شمس الدین کے ہاتھ رہی۔ چنانچہ اس وزارت کی بنا پر وہ "صاحب دیوان" کے لقب سے مشہور ہوا۔ شمس الدین کا بیٹا بہاالدین بھی اپنے علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھا۔

عطا ملک جوینی تاتاری حکمرانوں کا دبیر تھا۔ اسی منصب کی بدولت اسے کئی مرتبہ تاتاریوں کے صدر مقام قراقرام بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ جب ہلاکو نے 1258ء میں بغداد پر قبضہ کیا تو اس نے وہاں کی حکومت عطا ملک جوینی کو سونپ دی تھی۔ عطا ملک کی حکومت میں اس وقت عراق، بغداد اور خوزستان کے علاقے شامل تھے۔ ہلاکو کی وفات پر بھی ان علاقوں کی حکومت اسی کے پاس رہی۔ اس کی حکومت کی مدت کل چوبیس سال ہے۔ اس عرصے میں اس نے ایک عظیم تاریخ مرتب کی جو تاریخ جہانکشائے جوینی کہلاتی ہے۔ جوینی خاندان اپنے علم و فضل اور سیاسی شعور کی وجہ سے برمکی خاندان کی یاد دلاتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس خاندان کا انجام بھی برامکہ جیسا ہی ہوا۔ ان کی ناموری کی وجہ سے ان کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے جو بالآخر اس خاندان کی تباہی کا باعث بنے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک مجدالملک تھا جو جوینی خاندان کی سفارش کی وجہ سے وزارت کے عہدے تک پہنچا اور اس نے اپنے مربی عطا ملک کے خلاف ہی سازش کر کے اس پر خزانے کے غبن کا الزام لگایا۔ اباقا خان کے حکم پر اسے گرفتار کر کے پابجولاں بغداد کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔ اباقا خان کے اچانک انتقال سے عطا ملک مزید مظالم سے بچ گیا مگر اپنی تذلیل کے بعد وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ ادھر جب ارغون خان تخت نشین ہوا تو مجدالملک نے شمس الدین کو اباقا خان کو زہر دینے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ جس پر ارغون نے نہ صرف شمس الدین بلکہ اس کے بیٹوں کو بھی قتل کروا دیا اور خاندان برامکہ کی طرح ان کا مقدر بھی تباہی بن گئی۔

Scanned with CamScanner

جوینی خاندان کے عہد میں فن تاریخ نویسی نے بہت ترقی کی اور اس دور میں ایران کی مشہور ترین تاریخیں لکھیں گئیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اگر اس دور میں عہد تیموری کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایران بلکہ پورے عالم اسلام میں اس زمانے کی تاریخوں سے بہتر تاریخیں نہیں لکھی گئیں۔ انہیں تاریخوں میں ''تاریخ جہانکشائے جوینی'' شامل ہے جسے عطا ملک نے لکھا تھا۔

یہ تاریخ چنگیز خان اور اس کے جانشینوں کی اہم تاریخ ہے۔ یہ تاریخ تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں مغلوں کی عادات واطوار اور چنگیز خان اور اس کے جانشینوں کے حالات درج ہیں۔ دوسری جلد میں شاہان خوارزم کا ذکر ہے۔ تیسری جلد اسماعیلیوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

یہ تاریخ فارسی کی قدیم نثر میں بہت سادہ اور روانگی سے لکھی گئی ہیں۔ اور فقرات میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس میں سجع، تلمیح، تجنیس، اشتقاق اور تضاد ایسی بے شمار صنعتیں ملتی ہیں۔ کہیں کہیں تاریخ جہانکشا کو قرآن مجید اور حدیث کے اقتباسات سے زینت دی گئی ہے۔ عربی اور فارسی کے موزوں اشعار بھی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے درج کیے گئے ہیں۔

مآخذ

ادب نامہ ایران از مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ دائرہ المعارف اسلام پنجاب یونیورسٹی۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1282ء ایلخانیہ حکمران اسلام لے آئے
(پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے)

1258ء میں تاتاریوں کے ہاتھوں دارالسلام، بغداد کی تباہی اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ سقوط بغداد کے ساتھ اسلام کے عروج کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ دوسرا دور پہلے دور جیسا تابناک اور روشن نہیں لیکن بعض حیثیتوں میں پہلے دور سے کم شاندار بھی نہیں، یہ اعجاز اسلام ہے کہ جو لوگ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے وسط ایشیا سے آئے تھے خود انہیں میں سے ایسے حکمران وجود میں آ گئے جو اسلام لے آئے اور اس کے پاسبان بن گئے۔

کعبے کے ان نئے پاسبانوں میں ایران کے تاتاری حکمران خاندان ایلخانیہ کے حکمران پیش پیش تھے۔ ایل خانی سلطنت کا بانی ہلاکو خان تھا جو چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کے تین بیٹوں، منگو خان، قبلائی خاں اور ہلاکو خاں میں سے ایک تھا۔ منگو خان کے زمانے میں شمال مغربی ایران میں اسمٰعیلیوں نے حشیشن یا حسن بن صباح کے فدائیوں نے بڑی خونریزی شروع کر رکھی تھی۔ یہ علاقہ منگو خان کے زیر حکومت تھا اس لیے وہاں کے باشندوں کی شکایت پر اس نے اپنے بھائی ہلاکو کو 654ھ/1256ء میں ایران کا حاکم بنا کر بھیجا اور اسمٰعیلی دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیا۔ ہلاکو نے 1256ء میں اسمٰعیلیوں کے مرکز قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اسمٰعیلی حکومت کا خاتمہ کر دیا مگر ساتھ ہی بغداد بھی اس کے قبضہ میں آ گیا۔ اگرچہ ہلاکو خان نے شام و فلسطین پر بھی حملہ کیا مگر عین الجالوت کے مقام پر اس کے لشکر کو شکست ہوئی مگر ہلاکو خان نے ایران میں ایک مستقل حکومت قائم کر لی جو ایل خانی سلطنت کہلائی اس نے مراغہ کو جو تبریز سے 70 میل جنوب میں واقع ہے، اپنا دارالحکومت قرار دے دیا۔ بعد میں یہ دارالحکومت تبریز منتقل کر دیا گیا۔

ہلاکو خان کے بعد اس کا بیٹا اباقا خان (1265ء۔ 1282ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی اسلام دشمن حکمت عملی جاری رکھی۔ اور پاپائے روم اور یورپ کے دیگر عیسائی حکمرانوں سے قریبی تعلقات قائم کیے۔ اس نے پاپائے روم کی تائید و حمایت پر شام پر حملہ کیا مگر 1280ء میں حمص کے قریب مملوک حکمران قلاؤن سے شکست کھائی۔

اباقا خان کے بعد اس کا بھائی تکودار اغلن (1282ء۔ 1286ء) حکمران بنا۔ وہ پہلے

Scanned with CamScanner

مسیحیت قبول کر چکا تھا۔ مگر اس کے مسلمان وزیر شمس الدین جوینی کی ترغیب پر مسلمان ہوگیا اور اس نے اپنا اسلامی نام احمد خان رکھا۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تاتاری حکومت کی پالیسی بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطان مصر کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور مصر کے خلاف عسکری کاروائیاں بند کردیں۔ احمد خان نے اسلامی شعائر کو اپنانے کی کوشش کی اور تورہ چنگیزی کو چھوڑ کر شریعت اسلامی اختیار کی۔ مگر اس کی اسلامی پسندی اس کے بھتیجے اور اباقا خان کے بیٹے ارغون کو پسند نہیں آئی اور اس نے احمد خان کے خلاف بغاوت کر کے اسے قتل کردیا اور تخت نشین ہوگیا۔

ارغون خان (1285ء۔1292ء) کے عہد میں ایک بار پھر اسلام اور مسلمان اس کی دشمنی کا نشانہ بن گئے اور انہیں بدترین مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ 1286ء میں مسلمان وزیر شمس الدین جوینی کو بھی قتل کردیا گیا۔ ارغون خان کے جانشین گنجائتو (1292ء۔ 1296ء) کا دور حکومت اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس نے چین کی تقلید میں جہاں کاغذ کے نوٹ سکہ رائج الوقت تھے، ایل خانی سلطنت میں بھی کاغذی نوٹ چلانے کی کوشش کی۔

گنجائتو کے بعد غازان خان (1296ء۔ 1305ء) جو ارغون خان کا بیٹا تھا اور ایلخانی حکمرانوں میں دوسرا تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ وہ ایک منگول سردار امیر نوروز خان کی ترغیب پر مسلمان ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دس ہزار منگول سپاہی بھی اسلام لے آئے اور اسلام کو سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔ پیکنگ کے تاتاری حکمران کی سیادت ختم کر کے مکمل خودمختاری کا اعلان کیا گیا۔ اس نے نئے سکے ڈھالے جن پر اسلامی عبارات کندہ تھیں۔ منگول ٹوپی کی بجائے اسلامی دستار پہنی جانے لگی دیگر اصلاحات جن میں سودی کاروبار کی ممانعت اور عصمت فروشی کا خاتمہ تھا اختیار کردی گئیں۔ تورہ چنگیزی کی بجائے شریعت محمدی کو آئین قرار دیا گیا۔ غازان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد ایل خانی مملکت میں مسلمانوں کے مصائب کے دن ختم ہوگئے مگر شام اور مصر جیسے اسلامی ممالک کے خلاف کاروائیاں جاری رہیں۔ بہرحال ایلخانی عہد تاریخ اسلام میں ایک طرح کا عبوری عہد تھا۔

مآخذ

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ۔ دائرہ المعارف السلامیہ جلد 3

Scanned with CamScanner

1290ء خلجی سلطنت کا قیام

13 جون 1290ء کو ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں آنے والا حکومت اور شاہی خاندان کی تبدیلی کا انقلاب ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ پچیس سال پیشتر بلبن کی تخت نشینی کے برخلاف اس انقلاب اور تبدیلی حکومت کا مطلب ایک دور کا خاتمہ تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں خاندان غلاماں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور شاید اس پالیسی کا بھی جو ترکان مملوک نے اپنی حکومت میں امتیازی طور پر جاری رکھی اور جو صریحاً نسل پرستی تھی۔

حکومت کی اس تبدیلی میں زمام حکومت جلال الدین فیروز خلجی نے سنبھالی تھی۔ اور خلجی خاندان کی بنیاد رکھی تھی۔ جلال الدین خلجی افغانستان کے غلوئی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ نیا سلطان ایک مصالحانہ مزاج رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے شکست خوردہ شہریوں کی سابقہ حکمرانوں سے عقیدت کا لحاظ رکھتے ہوئے دہلی میں اپنا داخلہ ملتوی کر دیا اور کیلوگڑھی میں کیقباد کے نامکمل محل میں دربار منعقد کیا۔ حکومت کی تشکیل نو میں جہاں نئے حکمران خاندان کے حمایتوں اور قریبیوں کو کلیدی عہدے ملے، وہیں بلبن کے دوست اور دارالحکومت کے کوتوال ملک الامراء فخرالدین کی حیثیت کی توثیق کر دی گئی جب کہ خواجہ خطیر کو وزارت پر برقرار رکھا گیا۔ اس طرز عمل سے شہریوں کی نئے خاندان سے نفرت اور عداوت تقریباً اس کی تعریف و تحسین میں تبدیل ہو گئی اور انقلاب کامیاب ہو گیا۔

اس سال اگست (1290ء) میں ملک چھجو، کشلی خاں نے جو بلبن کا بھتیجا اور پرانے شاہی خاندان کا ایک سرار تھا۔ علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس سے پہلے ملک چھجو نے قائم مقامی Regency کی پیشکش رد کر دی تھی جسے عارض ممالک کی حیثیت سے فیروز نے خلجیوں کے خلاف ایک سازش کو ناکام بنا دیا تھا اور نہایت کم عمر کیومرث کی تخت پر بٹھا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ترک اور غیر ترک امراء کے درمیان کشمکش تیز تر ہو گئی تھی۔ ایک گروہ کی قیادت خود جلال الدین فیروز خلجی کر رہا تھا اور دوسرے کی ایتمر سرخہ۔ پہلا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو نئے عناصر کا غلبہ چاہتے تھے اور دوسرا بلبن کے خاندان کا اقتدار قائم رکھنا چاہتا تھا۔ ترکوں نے غیر ترک امراء کے اس گروہ سے خلاصی کے لیے ایک منصوبہ بنایا جس میں قتل ہونے والے امراء میں خود جلال الدین خلجی کا نام سرفہرست تھا۔ ملک احمد چپ نے جلال الدین خلجی کو اس سازش کی خبر دی تھی۔ جلال الدین نے اپنا کیمپ غیاث پور منتقل کر کے اپنے تمام رشتہ داروں کو اکٹھا کر لیا تھا۔ جب

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

دوسرے گروہ نے کاروائی شروع کی اور جلال الدین کے پاس پیغام بھجوایا کہ اسے کیومرث کے دربار میں طلب کیا جاتا ہے۔ جلال الدین نے اس حکم کا مقصد سمجھ لیا اور اس کی بجا آوری میں تاخیر کردی۔ اس کے فوراً بعد ملک سرخہ کا دست راست ملک کچھن ایک نہایت اہم پیغام لے کر پہنچا۔ فروز نے کچھن کو یہ تاثر دیا کہ وہ اپنے خلاف ہونے والی سازش سے آگاہ نہیں ہے لیکن کچھن کو ایک خیمہ میں قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد دونوں گروہوں میں کھلم کھلا کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ جلال الدین فیروز کے بیٹوں نے کم سن بادشاہ کیومرث کو پکڑ لیا۔ جب چند ترک امراء بادشاہ کو واپس لانے کے لیے دوڑے تو انہیں گرفتار کرکے مار ڈالا گیا۔ انہیں ترک امراء میں ایتمر سرخہ بھی شامل تھا۔ شاید خلجی شاہی اختیارات نہیں لینا چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے کیومرث کو کیلوگڑھی کے محل میں مسند افروز کیا تھا اور ملک چھجو کو اس کا ولی Regent بنے کی پیشکش کی تھی۔ مگر ملک چھجو نے اس پیشکش کو مسترد کردیا تھا۔ اور کڑا اور مانگ پور کی گورنری کو اس پر ترجیح دی تھی۔ پھر بھی تین ماہ تک کیومرث کو تخت پر بحال رکھا گیا مگر جب مفلوج سلطان کیقباد جو کیلوگڑھی محل کے ایک حجرے میں اپنی افسردہ زندگی گزار رہا تھا کسی ملک نے چادر میں لپیٹ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا تو اس کے ساتھ ہی خاندان غلاماں کا اقتدار ختم ہوگیا اور فیروز خلجی نے زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔ بغاوت کے بعد اپنے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی مانند لاتعداد ساتھیوں پر بھروسہ کرکے چھجو خاں نے دہلی کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا۔ ادھر سلطان جلال الدین نے بھی اس کے خلاف عسکری کاروائی کا فیصلہ کیا اور وہ روہیل کھنڈ کی طرف بڑھا ادھر اس کے بیٹے ارکلی خاں نے بھی باغیوں کے خلاف کاروائی کی۔ ملک چھجو بڑی دل جمی سے لڑا مگر سلطان کے پہنچنے کی خبر سے اس کی طاقت جو اب ختم ہوگئی اور وہ فرار ہوگیا اس کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیے سلطان نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے باغیوں سے حتی الوسیع نرم سلوک کیا۔

کڑا کی گورنری پر سلطان نے اپنے بڑے بھائی کے لڑکے علی گرشاسپ کو فائز کیا۔ سلطان کا یہ بھتیجا اس کا داماد بھی تھا اور اس کی پرورش بھی خود سلطان نے کی تھی مگر اندرونی طور پر وہ سلطان کا مخالف تھا۔

1293ء میں اسی علی گرشاسپ (جو بعد میں علاء الدین خلجی بنا) نے سلطان کی اجازت کے بغیر جنوبی ہندوستان میں عسکری مہم کی قیادت کی۔ کامیابی کے بعد اس نے سب قیمتی اثاثہ خود اپنے پاس رکھا یعنی جنوبی ہند کی ریاستوں کی افسانوی دولت یہ مہم دراصل اس نے اپنے آپ کو مالا مال کرنے اور خودمختاری حاصل کرنے کے لیے لڑی تھی۔ 1295ء میں علی نے یادیو کی راجدھانی دیواگیری پر حملہ کیا وہاں اس وقت چندر دیو (1271ء۔ 1310ء) کی حکومت تھی۔ دیواگیری کی مہم سے علی کو واپسی پر سلطان کے مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ علی گرشاسپ کے خلاف کاروائی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کرے ورنہ وہ جلد ہی خود اس کے خلاف کاروائی کرے گا اور ایسا ہی ہوا اور جب سلطان اس سے باز پرس کرنے کڑا گیا تو اس نے 19 جولائی 1296ء کو سلطان کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح ایک اور انقلاب رونما ہو گیا۔

مآخذ

جامع تاریخ ہند از محمد حبیب، خلیق نظامی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 8

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1290ء۔ سلطنت عثمانیہ وجود میں آئی

ترک اول اول چھٹی صدی عیسوی میں سٹیج دنیا پر روشناس ہوئے تھے۔ یہ ایک خانہ بدوش قوم تھی جو مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتی پھرتی تھی۔ یہ وقتاً فوقتاً شہری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے اور انہیں ویران کر دیتے۔ چھٹی صدی عیسوی میں انہوں نے ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

ترکوں اور عربوں کی پہلی ملاقات پہلی صدی ہجری میں ولید بن عبدالملک کے عہد میں ہوئی جب قتیبہ بن مسلم نے سمرقند، بخارا، خوارزم، فرغانہ اور کاشغر کے ترک علاقے فتح کیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ان علاقوں میں اشاعت اسلام کی باقاعدہ کوششیں کی گئیں۔ عباسی عہد میں ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع ہوا۔ مامون کے عہد تک عباسی خلافت کے ایوانوں میں ایرانی اثرات اتنے بڑھ گئے کہ معتصم باللہ نے خائف ہو کر ترکوں سے مدد حاصل کرنا چاہی۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہزاروں ترک غلام خرید کر انہیں فوجی تربیت دلوائی۔ اب فوج میں ترکوں کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی اور تیزی سے بڑھتی گئی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ صرف معتصم نے پچاس ہزار سے زائد ترک بغداد میں آباد کیے۔ ان کے لیے طلاکار ریشمی لباس تجویز کیا اور زریں پٹکے وردی میں شامل کیے گئے۔ یوں فوج میں عربی دستے کم ہوتے گئے۔ یہ ترک بہت زور آور تھے اور بغداد کی آبادی کے لیے خطرناک بھی۔ اس لیے ان کے لیے شہر سے باہر ایک چھاؤنی، سامرہ تعمیر کی گئی۔ یہ مقام خلیفہ کو اتنا پسند آیا کہ وہ خود بھی وہیں آباد ہو گیا۔ ترکوں کا اقتدار فوج میں بڑھ جانے کی وجہ سے جلد ہی وہ بادشاہ گر کا کردار ادا کرنے لگے اور ایک وقت آیا کہ نہ صرف تخت بلکہ خلیفہ کی زندگی ان ہی کے رحم و کرم پر رہ گئی۔ انہوں نے متعدد عباسی خلفا کو ذلیل و رسوا کر کے تخت سے اتارا اور بٹھایا۔ انہیں ترکوں سے جو پہلا خاندان حکمران بن کر ابھرا وہ آل سلجوق تھا۔ جب آل سلجوق کمزور پڑے تو عثمانی ترک ایشیائے کوچک کے پس منظر میں ابھرے ان کا جد اعلیٰ ارطغرل ایک بہادر انسان تھا جس نے سلطان علاؤ الدین سلجوقی کی تاتاریوں کے مقابلے میں بروقت مدد کی تھی جس کے صلے میں سلطان نے اسے سلوت کا زرخیز علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ یہ بازنطینی سرحد کے قریب واقع تھا۔ جلد ہی ارطغرل نے اپنی شجاعت سے بہت سی مزید فتوحات حاصل کر لیں اور وہ ایک طاقتور جاگیردار بن گیا۔ اگرچہ اب وہ سلجوقی سلطنت کے لیے ایک خطرہ بن چکا تھا مگر سلجوقی سلطنت اندرونی خلفشار کی وجہ سے پہلے ہی روبہ زوال تھی۔ اسے ارطغرل کی بہادری سے الٹا ایک

Scanned with CamScanner

گونہ اطمینان نصیب ہوا۔ ارطغرل نے سلطان علاؤالدین کے نائب کی حیثیت سے تاتاریوں اور بازنطینیوں کی ایک متحدہ فوج کو شکست دے کر سلطان سے مزید جاگیریں حاصل کیں اور سلطان نے اسے اپنے لشکر کے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار مقرر کردیا۔

ارطغرل کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عثمان اس کا جانشین ہوا یہی دولت عثمانیہ کا پہلا تاجدار ہے۔ ارطغرل نے کبھی خودمختاری کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ عثمان نے بھی ایسا کیا۔ لیکن دولت سلجوقیہ اب خاتمے کے قریب تھی اور ایشیائے کوچک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس بنا پر اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کا اس سے بہتر موقع عثمان کو نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی توجہ بازنطینی علاقوں کی طرف مبذول رکھی۔ بازنطینی سلطنت جو کسی زمانے میں دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اب بدنظمیوں میں مبتلا ہوکر بہت کمزور ہوچکی تھی۔ اس کے پاس ایشیا کوچک میں بروصہ، نکومیڈیا اور نائسیا کے اضلاع رہ گئے تھے۔ عثمان نے اس سلطنت کے بہت سے علاقے فتح کرلیے۔ بازنطینیوں سے برسرپیکار رہنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ عثمان دوسری طرف یعنی سلجوقی سلطنت کی طرف پیش قدمی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہیں دنوں معرکہ قراجہ حصار پیش آیا بازنطینی قلعہ دار وقتاً فوقتاً سلجوقی علاقوں پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ قراجہ حصار ایک ایسا ہی علاقہ تھا۔ عثمان نے سلجوقی سلطان علاؤالدین کے نائب کی حیثیت سے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کردیئے۔ سلطان نے بھی اس کی اس فتح کی قدر کی اور قراجہ حصار اور اس کے گردوپیش کے علاقے جو عثمان نے بزور شمشیر فتح کیے اسے بطور جاگیر عطا کردیئے۔ نیز بک کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے اپنا سکہ جاری کرنے اور اپنا نام خطبہ جمعہ میں شامل کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح خودمختار بادشاہت کے تمام خصوصی امتیازات اسے حاصل ہوگئے اور یوں سلطنت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

اب عثمان کے پاس صرف شاہانہ لقب نہ تھا۔ یہ کمی بھی صرف چند سالوں میں پوری ہوگئی۔ 1300ء میں تاتاریوں نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں سلطان علاؤ الدین سلجوقی مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دولت سلجوقیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب عثمان ایک مکمل خود مختار حکمران بن گیا۔ اب اس نے بہت سے چھوٹے سرداروں کو اپنا مطیع الفرمان بنالیا۔ اور ینی شہر کو اپنا پایہ تخت قرار دے دیا۔ 1301ء میں پہلی بار اسے شہنشاہ قسطنطنیہ سے باقاعدہ مقابلہ پیش آیا جس سے اس کی فتوحات کا دائرہ بحراسود تک پھیل گیا۔ 1317ء میں عثمان نے اپنی زندگی کی آخری فتح حاصل کی یہ ایشیائے کوچک کا اہم شہر بروصہ تھا جو بازنطینی سلطنت کا اہم مرکز تھا۔ اس کا محاصرہ 1317ء میں خود عثمان نے کیا تھا مگر محاصرہ دس سال جاری رہا اور یہ شہر اس وقت فتح ہوا جب عثمان سفوت میں بستر مرگ پر لیٹا تھا۔ لیکن اس کی وفات سے قبل اس

Scanned with CamScanner

کا بیٹا اورخاں فتح کی خوشخبری لے کر پہنچ گیا۔ عثمان نے اورخان کی ہمت وشجاعت کی داد دیتے ہوئے اسے اپنا جانشین مقرر کیا۔

مآخذ

تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ بذیل مادہ عثمان اول

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1293ء۔ سیدی مولا کا قتل

دہلی کے شاہی محل میں ایک شہزادے کا اشارہ ملتے ہی فیل بان نے ایک درویش کو ہاتھی کے پیروں کے نیچے روند ڈالا۔ مرتے مرتے اس درویش نے بادشاہ وقت کو مخاطب کر کے کہا۔ ''یاد رکھو میرا لہو رائیگاں نہیں جائے گا۔ مجھے اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں۔ لیکن یاد رہے تم پر اور تمہاری اولاد پر اس کا وبال ضرور پڑے گا۔'' یہ درویش خلجی عہد کے ہندوستان کا ''سیدی مولا'' تھا۔ اور وہ بادشاہ جسے اس نے مخاطب کر کے وبال کی وعید دی ''خلجی خاندان کا بانی'' جلال الدین خلجی تھا۔

اگر چہ جلال الدین خلجی ایک حد درجہ نرم مزاج اور رحمدل انسان اس کی رحمدلی کا پتہ اس کے عہد کے اس واقعہ سے چلتا ہے کہ اس نے بنگال سے آئے ایک ہزار ٹھگ نہ صرف رہا کر دیئے تھے بلکہ سرکاری خرچے پر واپس بنگال بھی بھجوائے۔ حالانکہ وہ کالی دیوی کے پجاری تھے اور ٹھگی اور قتل و غارت ان پیشہ تھا۔ لیکن اس رحمدل بادشاہ کے عہد میں ''سیدی مولا'' کا قتل ایک عجیب و غریب واقعہ ہے جس پر یقین نہیں آتا۔

سیدی مولا جرجان (وسط ایشیا) سے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات کا اشتیاق لیے بعہد بلبن ہندوستان آیا تھا۔ حضرت خواجہ فرید کے ساتھ کچھ دن اجودھن میں گزارنے کے بعد سیدی مولا نے دہلی جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اسے اجازت تو دی مگر اس شرط پر کہ وہاں جا کر امرا اور حاکموں سے تعلقات بڑھانے سے گریز کرے کیونکہ بقول خواجہ صاحب ان کی دوستی درویشوں کے لیے موت بن جاتی ہے۔ سیدی مولا نے دہلی آ کر خواجہ صاحب کی نصیحت فراموش کر دی اور ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کروائی اور ضرورت مندوں اور درویشوں کی مالی مدد کرنے لگا۔ جس سے اس کی خانقاہ پر خلق خدا کا ایک اژدہام رہنے لگا۔ اس کے مطبخ میں روزانہ ہزاروں من کھانا تیار ہوتا جو عوام میں تقسیم کر دیا جاتا۔ سیدی مولا کی عادت تھی کہ وہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد نہ جاتا بلکہ گھر پر تنہا نماز ادا کرتا اور دیگر مشائخ کرام کی طرح جماعت کی پابندی نہ کرتا۔ بہت زیادہ مصرفات کے باجود اس کا کوئی ظاہری ذریعہ آمدنی بھی نہیں تھا۔ لوگوں میں افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ سیدی مولا کیمیا کے ذریعہ سونا بناتا ہے۔ جب جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا تو وہ امرائے دربار کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کر چکا تھا۔ انہیں امراء میں ایک قاضی جلال الدین کاشانی تھا۔ اس شخص

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کردی اور سیدی مولا کو تخت نشین کرنے کے لیے سازش تیار کرنے لگا جن کا جلد ہی بھانڈہ پھوٹ گیا جس کے نتیجے میں اس مرد خدا کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ کہتے ہیں اس کی موت کے بعد دہلی میں ایک سیاہ آندھی آئی جس سے ہر طرف اندھیرا پھیل گیا اور اس طرح آسمان نے اس قتل ناحق کا ماتم کیا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ البتہ اس درویش کی دی ہوئی وعید حرف بحرف پوری ہوئی اور جلال الدین خلجی اپنے بیٹوں سمیت اپنے بھتیجے کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

1296ء۔ علاؤالدین خلجی کی تخت نشینی

تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ سلطان علاؤ الدین نے اپنا چچا اور خسرو کو دھوکے سے قتل کرا کے سلطنت دہلی حاصل کی تھی مگر تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں یہ عرض کروں گا کہ بادشاہت کی کہانی میں اس قسم کے گھناؤنے جرائم صدیوں پرانی روایات کے مطابق تھے اگر چہ اس کا یہ فعل اسلام کے بھی منافی تھا مگر علاؤ الدین کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ جہاں وہ ظالم وسفاک تھا وہیں وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا انسان بھی تھا۔

کڑا میں اس کی تخت نشینی کے پہلے کچھ دن میں ایک عارضی حکومت کی تشکیل دی گئی اور سب دہلی کی طرف روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ادھر سلطان جلال الدین کے قتل کے بعد دہلی میں اس کے چھوٹے بیٹے ابراہیم کو رکن الدین کے خطاب کے ساتھ ملکہ جہاں نے تخت نشین کیا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے ارکلی خاں کو نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے وہ ناراض ہو گیا۔ علاؤالدین کڑہ سے دہلی کی طرف چلا تو اس نے بجائے جنگ کرنے کے لوگوں کو مال وزر کے ذریعے مالوف کرنا چاہا۔ ہر منزل پر پانچ من اختر زر ایک سبک سی منجنیق میں رکھ کر اڑائے جاتے جنہیں ہزاروں آدمی لوٹنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ بعض امراء اور خوانین رکن الدین کی حمایت میں اس کے ساتھ لڑنے نکلے مگر علاؤ الدین نے انہیں بھی مال وزر کے ذریعے جیت لیا اور اس طرح تمام جلالی فوج کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ ادھر ارکلی خاں رنجش کی وجہ سے اپنے بھائی اور ماں کی امداد کو نہ آیا۔ اس لیے 21 اکتوبر 1296ء/22 ذی الحجہ 700ھ کو علاؤ الدین التمش کے سفید محل اور بلبن کے سرخ محل میں تخت پر متمکن ہوا۔ اس نے جلال الدین فیروز کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کرا کے اندھا کروایا اور ان کی ماں ملکہ جہاں کو قید کر دیا۔ ان امیروں کو بھی موت کی سزا دی گئی جنہوں نے اس کے چچا سے غداری کر کے خود اس کا ساتھ دیا تھا۔

علاؤالدین کی تخت نشینی کے بعد جو عسکری مہمات پیش آئیں ان میں سب سے پہلی وہ منگول حملہ تھا جو انہوں نے تسخیر دہلی کے لیے کیا تھا۔ اگر چہ علاؤ الدین کے امرا نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ صلح و آشتی سے منگولوں کا فتنہ رفع کرے مگر علاؤ الدین نے لاہور کی حدود میں موسم سرما 1297ء میں تاتاری فوج کے اس سیلاب پر بزور شمشیر فتح پائی۔ سلطان علاؤالدین فتح مندی کا تاج سر پر رکھے دلی واپس آیا۔ اس فتح کے بعد سلطان نے اپنے نام کے ساتھ خطبے اور سکوں میں "سکندر ثانی" کے لقب کا اضافہ کر دیا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مورخین لکھتے ہیں۔ گجرات، رنتھمبور اور چتوڑ کی فتح کے بعد سلطان نے دکن پر حملوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جس کی قیادت اس کے خاص منظور نظر خواجہ سرا کافور ہزار دیناری ملک نائب نے کی۔ ان حملوں میں ورانگل اور دواروتی پورہ کی سلطنتوں کو فتح کر لیا گیا اس کی حکومت کے آغاز میں پانچ بغاوتیں ہوئیں انہیں بے رحمانہ سختی سے کچل ڈالا گیا اور آئندہ غداری اور بغاوتوں کی روک تھام کے لیے مختلف قوانین بنائے گئے۔ اس کے عہد کے سب سے مشہور احکام وہ ہیں جن کی وجہ سے ضروریات زندگی کی تمام اشیا کی قیمتیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے متعدد ایسے نومسلم منگولوں کو جن کی وفاداری پر شبہ تھا تہ تیغ کرا دیا تھا۔

جب سلطان نے اپنی سلطنت کو مستحکم کر لیا اور تمام امور سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت و جبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن اس کے ذہن میں خیال آیا کہ جس طرح نبی ﷺ آخر الزماں نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو قائم کیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یاروں داراس بیگ، الغ خان، ملک ہزار الدین، ظفر خان، ملک نصرت خاں کی مدد سے کوئی شریعت قائم کر لوں تو قیامت تک میرا نام بھی قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اسے یہ آیا کہ جس طرح سکندر یونانی نے کشور کشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی۔ اس طرح میں بھی خراساں و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے، تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان و حبشہ وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔ جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا اور اس کے امراء اور ندیم اس کے خوف کی وجہ سے زبان نہ کھولتے ایک دن علاؤ الدین نے اپنے کوتوال علاء الملک کے سامنے بھی اپنا یہ منصوبہ رکھا۔ اس نے جرات سے کام لے کر علاؤ الدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت عطائے خداوندی ہے کوئی انسان اسے قائم نہیں کر سکتا اور نبی پاک ﷺ کے ساتھ ہر سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے دل میں بھی ایسا خیال لانا سخت نادانی ہے اور خلاف انصاف ہے۔ رہا سکندر کی طرح عزم جہاں کشائی کرنا، سو اس کے لیے دیکھ لیجئے کہ آپکے پاس کوئی وزیر ارسطو کی قابلیت کا ہے جو آپکے مہمات پر نکلنے کے بعد انتظام سلطنت خوش اسلوبی سے انجام دے سکے اور نظام سلطنت درہم برہم نہ ہونے دے اس طرح علاء الملک کی جرات سے علاء الدین ان دونوں خیالات سے دامن چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔

عہد علائی کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ جو امیر خسروؒ نے اپنی مثنوی کا عنوان بنایا ہے وہ اس کے بیٹے خضر خان اور دیول رانی (راجہ رائے کرن کی بیٹی) کے عشق و محبت کا واقعہ ہے مگر تاریخ فیروز شاہی میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ کہا جاتا ہے کہ خود خضر خان نے امیر خسروؒ کو طلب کر کے اپنے اور دیول رانی کے عشقیہ واقعات کو نظم کرنے کا کہا تھا۔

ماخذ: جامع تاریخ ہند از محمد حبیب/خلیق نظامی، تاریخ ملت جلد سوم، دائرہ المعارف اسلام

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1302ء۔ امام ابن تیمیہ، صاحب سیف وقلم

25 رمضان المبارک 702ھ بمطابق 1302ء کو دمشق کے قریب مرج الصفر کی جنگ میں مصر کے بحری مملوک میں سے ملک الناصر محمد ایران کے الجلخانی حکمران غازان خان کے حملے کے لیے دفاعی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس جنگ میں اس وقت کے مشہور عالم دین اور مصلح امام ابن تیمیہ نے بھی نمایاں حصہ لیا۔ انہیں جنگ سے پہلے منگولوں کے خلاف جہاد کی تلقین کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ وہ بھی انہوں نے بطریق احسن پورا کیا تھا اور دمشق کی عوام کو جہاد کے لیے تیار کیا تھا۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنے علم کی مدد سے مسلمانوں کے مفاد کے لیے کارفرما تھے بلکہ جب عملی طور پر دشمن کے خلاف تلوار اٹھانے کا وقت آیا تو وہ پیچھے نہ ہٹے اور انہوں نے جہاد میں بنفس نفیس شرکت کی۔ اور بہادری کے جوہر دکھائے۔

تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن محمد بن الخضر بن محمد بن خضرا بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی والحنبلی، ایک عرب عالم دین اور فقیہ، جو دمشق کے قریب حران میں 10 ربیع الاول 661ھ/ بمطابق 23 جنوری 1263ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں سات آٹھ پشتوں سے درس وتدریس کا سلسلہ چلا آتا تھا۔ فتنہ تاتار کے دوران ان کے والد گرامی قدر نے اپنے تمام خاندان کے ساتھ بھاگ کر اپنے تمام خاندان سمیت 1268ھ میں دمشق میں پناہ لی تھی۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے بلوغت سے پہلے علوم متداولہ میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ اپنے والد کی وفات پر وہ فقہ حنبلی کے استاد مقرر ہوئے (1282ء)۔ ان کی عمر ابھی انیس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ آپ کو قاضی القفاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ 1292ء میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ 1299ء میں انہوں نے قاہرہ میں صفات خداوندی کے متعلق حماۃ سے بھیجے ہوئے ایک سوال کا جواب دیا جس سے شافعی علما ناراض ہوئے اور رائے عامہ ان کے خلاف ہوگئی نتیجتاً انہیں مدرس کے عہد سے برطرف ہونا پڑا۔ تاہم اسی سال انہیں تاتاریوں کے خلاف جہاد کی تلقین کا کام سپرد کیا گیا اور اس غرض سے وہ قاہرہ چلے گئے۔ اسی حیثیت سے انہوں نے دمشق کے قریب شقحب کی فتح میں بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی۔ شام میں انہوں نے جبل کسروان کے لوگوں سے جن میں اسمعیلی، نصیری اور حاکمی شامل تھے جنگ کی۔ یہ لوگ عصمت حضرت علیؓ کے قائل تھے اور دیگر صحابہ رسول ﷺ کو کافر سمجھتے اور سور کے گوشت کو مباح قرار دیتے تھے۔ اسی دوران ایک شافعی قاضی کے ہمراہ آپ

Scanned with CamScanner

قاہرہ چلے گئے جہاں قاضیوں اور نامور لوگوں کی مجلس نے آپ پر آپ کی اصلاحات کی وجہ سے مشتبہ ہونے کا الزام لگایا اور آپ اپنے بھائیوں سمیت قید کر دیئے گئے۔ یہ آپ کا دور ابتلاء تھا اس میں آپ کو چند روز کے لیے آزاد بھی کیا گیا مگر پھر آٹھ ماہ کے لیے سکندریہ میں قید کر دیا گیا۔ بعد ازاں آپ قاہرہ واپس آ گئے اور آپ کو سلطان کے مدرسہ میں مدرس مقرر کر دیا گیا۔ آپ اس کے بعد دمشق بھی واپس آئے مگر ایک بار پھر انہیں شاہی حکم پر طلاق کی قسم کے متعلق فتویٰ دینے سے نہ صرف منع کر دیا گیا بلکہ اس حکم کی تعمیل سے انکار پر گرفتار کر کے دمشق کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ پانچ ماہ اور اٹھارہ دن کے بعد اس قید سے سلطان کے حکم پر رہائی ملی اس طرح ان کی زندگی کے کئی سال قید و بند میں گزرے۔ آپ ان صعوبتوں کے باوجود جس بات کو حق سمجھتے تھے کبھی اس سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ آپ نے علم تفسیر، حدیث، فلسفہ، منطق اور تصوف پر کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو ان غیر اسلامی خیالات سے بچانے کی سعی کی جو اس زمانے میں مسلمانوں میں پھیلتے جا رہے تھے۔ آپ نے تقلید کے خلاف آواز اٹھائی اور آزادی فکر کی حمائیت کی اور علم کی بنیاد کو منطق کی بجائے تجربہ کی بنیاد پر استوار کرنے پر زور دیا۔ امام ابن تیمیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی علوم کی تجدید کی اور اسلامی عقائد کا پرزور دفاع کیا۔

مآخذ

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ از ثروت صولت، دائرہ المعارف اسلام

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1305ء۔ ولیم والیس کی گرفتاری

سکاٹ لینڈ برطانیہ کا شمالی حصہ ہے۔ اپنی تاریخ سے یہ مختلف رہا ہے
ہے اب انگلستان میں بادشاہی نظام مضبوط ہو جاتا تو سکاٹ لینڈ کو فتح کرنے کا منصوبہ
تھا۔ یہی کچھ شاہ انگلستان ایڈورڈ اول نے کیا۔ اس نے 1296ء میں سکاٹ لینڈ کے بادشاہ جان ڈی بیلیل John De Belliol کو معزول کر کے قید کر دیا اور خود
اس نے سکاٹ لینڈ کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے اس جبر و استحصال کے خلاف جس نے
آواز اٹھائی وہ سر ولیم والیس Sir William Wallace (1270ء۔ 1305ء) تھا۔
جو رین فریو Ren Frew کے علاقے کے ایک چھوٹے جاگیردار سر مالکم ولیس کا بیٹا تھا۔ سکاٹ
آج بھی اسے اپنا قومی ہیرو اور انگریزوں کے خلاف مزاحمت کا راہنما تسلیم کرتے ہیں۔

ایڈورڈ اول کے سکاٹ لینڈ کے تاج و تخت پر دعویٰ کے بعد اس کے خلاف مزاحمت شروع
ہو گئی۔ مئی 1297ء میں والیس اور اس کے ساتھیوں نے لینارک Lanark میں 30 انگریزوں
اور ان کے شیرف کو جلا ڈالا۔ اس کے بعد والیس نے عام شہریوں کی ایک فوج اکٹھی کی اور دریائے
فورتھ اینڈ ٹے River Forth & Tay کے درمیان واقع انگریز چھاؤنیوں پر حملے شروع
کر دیئے اور انگریز افواج کو سخت نقصان پہنچایا۔

11 ستمبر 1297ء کو شاہ انگلستان کے حکم پر سرے کا ارل Earl Of Surrey، جان
ڈی ورین John De Warren اس کے مقابلے پر آیا مگر اس کی افواج سر ولیم والیس کی
افواج سے تعداد میں کم تھی دوسرے اس کی فوج کو دریا عبور کر کے والیس کے مدمقابل آنا تھا۔
انگریز سپاہی جب دریا عبور کرنے لگے تو والیس نے حملہ کر دیا جس سے بہت سے انگریز مارے گئے
اور والیس کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد اس نے سٹرلنگ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور
کچھ دیر کے لیے سکاٹ لینڈ کو انگریزی افواج کے تسلط سے آزاد کرا لیا۔ ولیم والیس نے اسی پر
بس نہیں کی بلکہ وہ اس کے بعد شمالی انگلستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے نارتھمبر لینڈ اور کمبر لینڈ کے
ضلعوں کو تاراج کیا۔ دسمبر 1297ء میں وہ کامیابی سے سکاٹ لینڈ واپس لوٹا جہاں اسے اس کی
کامیابیوں کی وجہ سے "محافظ سلطنت اور نائٹ" کے خطابات عطا کیے گئے اور اس نے شاہ جیلیل
کے نام پر سکاٹ لینڈ کی بادشاہت سنبھال لی۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ اول ان دنوں فرانس کے ساتھ
ایک جنگ میں مصروف تھا۔ اس لیے وہ ہر طرح سے کامیاب رہا۔

Scanned with CamScanner

شاہ انگلستان مارچ 1298ء میں انگلستان واپس لوٹا اور اس نے بلا تاخیر 3 جولائی کو سکاٹ لینڈ پر حملہ کر دیا۔ 22 جولائی کو جنگ فالکرک Battle Of Falkirk میں ولیم والیس اور اس کے ساتھیوں کو شکست دی۔ اس شکست کے ساتھ ہی ولیم والیس کی عسکری طاقت بکھر گئی اور وہ ''محافظ سلطنت'' کے عہدے سے مستعفی ہو گیا اور اس کی جگہ رابرٹ بریوس نے لے لی۔

اس کے بعد مورخین نے لکھا ہے کہ وہ فرانس چلا گیا۔ اگلے چار برس تک اس کی کاروائیوں کا سراغ نہیں ملتا مگر کہتے ہیں کہ وہ انگلستان کے خلاف گوریلا جنگ میں مصروف رہا۔ پھر اچانک 5 اگست 1305ء کو وہ انگریزوں کے ہاتھوں گلاسگو کے قریب سے گرفتار ہو گیا۔ اسے گرفتار کر کے لندن لے جایا گیا جہاں اس پر شاہ انگلستان سے غداری کا مرتکب ہونے کا الزام لگایا گیا۔ اس پر اس نے اعلان کیا کہ اس نے کبھی انگریز بادشاہ سے وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا پھر یہ غداری کا الزام کیسا۔ مگر اس کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور اسے غداری کے الزام میں سزائے موت دے دی گئی۔

ولیم والیس کو تاریخی اعتبار سے سکاٹ لینڈ کا پہلا قومی ہیرو مانا جاتا ہے اور اسے سکاٹ لینڈ کی تاریخ میں ازمنۂ وسطیٰ کے ایک راہنمائے گوریلا جنگجو کا درجہ حاصل ہے۔ جس نے اپنے ہم وطنوں کو لے کر انگریزوں کے استبداد کے خلاف جنگ لڑی۔

سکاٹ لینڈ میں آج 80 سے زائد مقامات کو اس کی یادگاریں قرار دیا گیا ہے۔ پورے سکاٹ لینڈ میں آج اس کے مجسمے اور تصاویر آویزاں ہیں۔ لندن سے وہ مقام جہاں انگریزوں نے اس کی گرفتاری کے بعد اسے سزائے موت دی اور جہاں وہ مدفون ہے، سینٹ بارٹولومیوں ہسپتال کے باہر سمتھ فیلڈ لندن میں ہے۔ اور آج بھی یہاں تازہ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ ولیم والیس کو سکاٹ لینڈ والے انگریز شکن ہتھوڑے Hamme Of The English سے یاد کرتے ہیں۔

مآخذ

The Truth About History By

تاریخ تہذیب جلد اول

تاریخ یورپ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1306ء۔ رشید الدین ہمدانی کی "جامع التواریخ" اور اس کی وزارت عظمیٰ

ایران کا ایک ممتاز اور نامور مورخ فضل اللہ رشید الدین بن عماد الدولہ ابوالخیر، ہمدان میں 645ھ / 1247ء میں پیدا ہوا۔ اس کا عروج اباقان خان (تاتاری ایلخانی سلاطین) (1265ء۔1282ء) کے عہد حکومت میں ایک طبیب کی حیثیت سے شروع ہوا لیکن چونکہ وہ ایک دور اندیش مدبر بھی تھا، اس لیے غازان خان (1295ء۔ 1305ء) کے عہد میں ترقی کر کے درباری مورخ کے منصب تک جا پہنچا۔ 1303ء میں رشید الدین بحیثیت درباری مورخ کے سلطان کے ساتھ ایک فوجی کشی کی مہم پر شام گیا۔ الجاتیو بندہ خدا (1304ء۔ 1316ء) کے عہد میں رشید الدین اپنی ملازمت کے انتہائی عروج پر پہنچا اور قلمدان وزرات اسے سونپ دیا گیا۔ اس نے ایران میں نو تعمیر کردہ پایہ تخت سلطانیہ کو خوشنما بنانے کے لیے اس کے مضافات میں ایک خوبصورت بستی "ربع رشیدیہ" کے نام سے تعمیر کرائی۔ یہ بستی کئی ہزار مکانات، ایک دارالشفا اور ایک جامع مسجد پر مشتمل تھی۔ اس زمانے میں رشید الدین اپنی تاریخ عالم (جامع التواریخ) پر مسلسل کام کر رہا تھا۔ وہ روزانہ نماز فجر کے بعد یہ تاریخ لکھنا شروع کرتا اور سورج نکلنے پر بند کر دیتا۔ 14 اپریل 1306ء کو اس نے اس کی پہلی جلد بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔ چونکہ یہ تاریخ غازان خان کے حکم پر لکھی گئی تھی اس لیے یہ "تاریخ غازانی" بھی کہلاتی ہے۔ ایلخانی حکمرانوں کی تاریخ لکھنا آسان نہ تھا کیونکہ ان کی تاریخ کے مآخذ الیغوری زبان میں تھے۔ اس لیے رشید الدین کو الیغوری زبان بھی سیکھنا پڑی۔ غازان کے بعد تخت نشین ہونے والے حکمران الجایتو کا حکم تھا کہ یہ تاریخ جس کی ابتدا قوم تاتار کے افسانے، چنگیز خان اور اس کے جانشینوں اور ہلاکو خان سے غازان خان تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہو۔ اور تمام ہم عصر اقوام عالم کی تاریخ اور جغرافیائی ضمیمے پر اسے ختم کیا جائے۔ ابتدائی خاکے کے مطابق یہ کتاب دو بڑے حصوں پر مشتمل ہوئی تھی (۱) تاتاری تاریخ (۲) عام تاریخ۔ اور جغرافیائی ضمیمہ جب یہ کتاب 1310ء تا 1311ء میں ختم ہوئی تو اس کی ترتیب کچھ یوں ہو چکی تھی۔

جلد اول:	ترک اور منگول قبائل کی تاریخ، انکی شاخیں اور انساب۔
جلد اول حصہ دوم:	چنگیز خان اس کے اسلاف اور اخلاف غازان تک
جلد دوم:	تمہید، آدم اور دیگر انبیاء کرام۔
جلد دوم حصہ دوم:	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اسلام تا 1258ء۔ ایران

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے حکمران خاندانوں کی تاریخ ترک، چینی یہودی، فرنگی اقوام اور ان کے شہنشاؤں کی تاریخ۔

رشید کا ارادہ تھا کہ الجاتیو کے عہد حکومت تک واقعات کو اپنی تاریخ میں شامل کرے مگر اس بات کا ثبوت نہیں ملا۔ کیونکہ یہ حصہ اور جغرافیائی ضمیمہ ابھی تک دریافت ہونے والے مخطوطات میں نہیں پایا جاتا۔ جامع التواریخ کی ممتاز ترین خصوصیت یہ ہے کہ رشید الدین نے اس کی تالیف میں بہترین اور مستند ترین مآخذ سے کام لیا جس سے یہ ایک عظیم الشان کتاب بن گئی۔ ہندوستان کے متعلق معلومات اسے ایک ہندوستانی بھکشو نے اور چین کے متعلق در چینی عالموں نے بہم پہنچائیں۔ رشید الدین کے علم کی ہمہ گیری قرون وسطیٰ کے ایک عالم کی حیثیت سے بہت حیرت انگیز ہے۔ وہ ان جھگڑوں کے بارے میں بھی آگاہی رکھتا تھا جو یورپ میں پاپائے روم اور شہنشاہ کے درمیان جاری تھے۔ وہ اس قدیم زمانے میں آمد و رفت کے ذرائع محدود ہونے کے باوجود یہاں تک جانتا تھا کہ سکاٹ لینڈ انگلستان کو خراج ادا کرتا ہے اور یہ کہ آئرلینڈ میں سانپ بالکل نہیں پائے جاتے۔

رشید الدین کے تاتاری تاریخ پر اس قدر اہم کام کرنے کے باوجود اس کا انجام اس عہد کے دیگر ایرانی وزرا سے مختلف نہیں ہوا۔ اس کے ایک حاسد علی شاہ نے اس کے خلاف ایک سازش تیار کر کے اس پر سرکاری خزانے سے خرد برد کرنے کا الزام لگایا۔ مگر وہ الجاتیو کے عہد میں اسے نقصان نہ پہنچا سکا۔ الجاتیو کے بعد جب سلطان ابوسعید تخت نشین ہوا تو علی شاہ کے فاسد منصوبے کامیاب ہو گئے۔ اس نے اب رشید الدین پر جو ایک طبیب بھی تھا۔ سلطان الجاتیو کو زہر دینے کا الزام لگایا جس پر سلطان ابوسعید نے اس گراں قدر مورخ اور اس کے جواں سال بیٹے ابراہیم کو موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ (18 جولائی 1318ء) اس صاحب علم شخص کی نعش تک سے ہر ممکن بیہودگی روا رکھی گئی اور اس کی مایہ ناز بستی ''ربع رشیدیہ'' کو لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ رشید الدین کو مرنے کے بعد قبر میں بھی سکون نصیب نہیں ہوا اور 80 سال بعد تیمور کے بیٹے میران شاہ (1404ء تا 1407ء) نے اس کی ہڈیاں نکلوا کر انہیں یہودیوں کے قبرستان میں دفن کروا دیا۔

تیمور کے عہد میں ''جامع التواریخ'' کے کچھ حصے ضائع ہو گئے جنہیں بعد میں لطف اللہ بن عبداللہ ہروی نے دوبارہ مرتب کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک ضمیمہ بھی تالیف کیا۔ یہ دونوں حصے ''زبدۃ التواریخ'' کہلائے۔

مآخذ:

دائرۃ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ رشید الدین طبیب، ادب نامہ ایران، مقبول بیگ بدخشانی

Scanned with CamScanner

سکاٹ لینڈ کی تاریخ میں رابرٹ بریوس کا نام کبھی بھولنے والا نہیں سکاٹ لینڈ کی انگلستان کے خلاف جدوجہد آزادی اس بہادر انسان کی کوششوں سے عبارت ہے۔

رابرٹ بریوس Robert Bruce (1274ء۔ 1329ء) کی ساری زندگی اپنے وطن کو انگریزوں سے آزاد کرانے میں گزاری۔ تاریخ کے اوراق میں اس بہادر سکاٹ بادشاہ کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے۔

ایک دفعہ رابرٹ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں شکست کھا کر ایک غار میں پناہ گزین تھا یہ اس کی زندگی کی چھٹی شکست تھی۔ وہ بار بار کی ناکامیوں سے تنگ آ گیا تھا اور مایوس ہو چلا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف جدوجہد ترک کر دے کہ غار کے فرش پر لیٹے ہوئے اس کی نظر غار کی چھت پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ ایک مکڑی اپنے بنے ہوئے تار عنکبوت کے ذریعے مسلسل غار کی چھت پر پہنچنے کے لیے کوشاں تھی لیکن عمل پیہم کے باوجود وہ چھٹی بار بھی چھت تک پہنچنے میں ناکام رہی۔ مگر چھ مسلسل ناکامیوں کے باوجود اس نے حوصلہ نہیں ہارا اور نہ ہی وہ رابرٹ کی مانند مایوس ہوئی بلکہ اس نے ایک ساتویں کوشش بھی کی اور اس مرتبہ اسے چھت تک پہنچ جانے میں کامیابی نصیب ہو گئی۔ رابرٹ نے بھی اس حقیر مکڑی کی بہادرانہ کوششوں سے سبق لیتے ہوئے۔ ساتویں مرتبہ اپنے دشمن کے خلاف جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور اس کی یہ ساتویں کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

رابرٹ بریوس اپنی زندگی کے آغاز میں سکاٹ لینڈ کے علاقے کارک Carrick کا نواب تھا جو انگلستان کے بادشاہ ایڈورڈ اول کا وفادار تھا۔ جلد ہی اس میں جذبہ حب الوطنی بیدار ہوا اور وہ مشہور سکاٹ محب الوطن راہنما ولیم والیس Willam Wallace کا ہم نوا بن گیا جو انگلستان سے سکاٹ لینڈ کی آزادی کے لیے کوشاں تھا۔ 1305ء میں ایڈورڈ اول نے ولیم والیس کو گرفتار کر کے اسے تحریک آزادی چلانے کے جرم کی پاداش میں پھانسی دے دی۔ والیس کی موت کے بعد سکاٹ لینڈ کی تحریک آزادی کی راہنمائی رابرٹ بریوس کے حصے میں آئی۔ 1306ء میں اس نے سکون Scone کے مقام پر سکاٹ لینڈ کا تاج شاہی سر پر رکھا اور وہ سکاٹ لینڈ کا آزاد بادشاہ بن گیا۔ مگر یہ بادشاہی کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھی اب اسے انگریز سامراج کے خلاف صف آرا ہونا تھا۔

رابرٹ نے 1306ء ہی میں سکاٹ لینڈ کے خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے انگریزوں کے

Scanned with CamScanner

خلاف پہلی جنگ لڑی جس میں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اگلے سال اس نے ایک بار پھر انگلستان کے خلاف فوجی کاروائی کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب رہا۔ اور شاہ انگلستان ایڈورڈ اول شمال کی جانب پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا۔ اسی دوران شاہ انگلستان کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا ایڈورڈ دوم (1284ء۔1327ء) کے لقب سے تخت انگلستان پر بیٹھا اور اس نے اپنے باپ کی جگہ سکاٹ لینڈ میں لڑنے والی انگریز فوج کی قیادت بھی سنبھال لی۔

انگریزوں اور رابرٹ بریوس کی فوجوں کے درمیان آخری فیصلہ کن جنگ اسی ایڈورڈ دوم کے عہد میں 24 جون 1314ء کو بیناک برن Bannock Burn کے مقام پر لڑی گئی جس میں بالآخر رابرٹ کو کامیابی نصیب ہوئی انگلستان کو شکست اٹھانا پڑی۔ یہ جنگ دو دن اور دو رات جاری رہی اور آخر ایڈورڈ دوم کو سکاٹ لینڈ سے اپنا تسلط ختم کرنا پڑا۔ ایڈورڈ دوم نے اس شکست کے بعد دوبارہ جنگی تیاریاں شروع کردیں مگر رابرٹ بریوس نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے انگلستان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے درمیان معاہدہ نارتھمپٹن طے پایا جس کی رو سے انگلستان نے سکاٹ لینڈ کو ایک الگ ملک کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔

جب 1306ء میں رابرٹ بریوس سکاٹ لینڈ کا بادشاہ بنا تو اس نے ملک میں بے حد عدل وانصاف اور امن وامان کی فضا قائم کی۔ باوجودیکہ یہ زمانہ جنگ تھا مگر اس نے بڑے سلیقے سے ملک کے اندرونی نظام کو بھی مستحکم کیا۔ 55 سال کی عمر میں جب اس نے 1329ء میں انتقال کیا تو پورے ملک میں صف ماتم بچھ گئی۔ لوگ اپنی آزادی کے ہیرو کی موت پر بے حد سوگوار تھے۔ مرتے وقت رابرٹ بریوس کو افسوس تھا کہ وہ کسی صلیبی جنگ پر یروشلم نہیں جاسکا تھا۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینے سے اس کا دل نکال کر حنوط کردیا جائے اور کوئی نیک سیرت بہادر اسے یروشلم پہنچادے۔ لیکن اس کی یہ خواہش بھی کبھی پوری نہ ہوسکی۔ دل کو یروشلم لے جانے والا نائب سر جیمز ڈگلس اثنائے راہ میں قتل کردیا گیا۔ اس کے دل کو چاندی کے صندوق میں ڈال کر میلروس Melrose کے راہب خانے میں رکھ دیا گیا اور اس طرح وہ کبھی اپنی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکا۔

مآخذ:

100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا۔ از کینگ جان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1309ء۔ پاپائے روم کی ''اسیری بابل''

جنوب مشرقی فرانس میں دریائے رہائن Rhone کے کنارے ایک خوبصورت شہر ایوی گونان Avignon واقع ہے۔ اس شہر میں آج بھی ایک شاندار محل موجود ہے جو چودھویں صدی کے آغاز میں 70 سال تک پاپائے روم کی رہائش گاہ بنا رہا۔ 70 سال کا یہ زمانہ تاریخ کلیساء میں ''اسیری بابل Babylon Exile'' کہلاتا ہے۔

ازمندوسطی میں عوام کے سر پر مذہبی عہدداروں کا ایک طویل سلسلہ مسلط تھا جو اسقف سے پوپ تک پہنچتا تھا۔ پوپ یا پاپائے روم خود کو حواری مسیحؑ، پطرس کا جانشین اور حضرت عیسیٰؑ کا نائب کہتا تھا اور اس سلسلے میں وہ اپنے امور انجام دیتا اور ایسے اقتدار کا مالک ہوتا جو ربانی تو ہوسکتا لیکن کسی فانی انسان کے لیے سزاوار نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اہل کلیسا بھی اس اقتدار کی مقاومت کرنے لگے۔ چنانچہ یہ اصول تسلیم کرایا گیا کہ پوپ سے بھی غلطی ہوسکتی ہے اور یہ خیال درست نہیں کہ پوپ غلطیوں سے ماوری ہے۔ اس کے علاوہ اگر پوپ سے کوئی بڑا جرم سرزد ہوا ور اس پر الحاد کا الزام عائد ہو تو کلیسا، کی نمائندہ کونسل اس کو برطرف کرسکتی ہے۔ دوسری طرف پاپائیت اور شہنشائیت میں بھی ایک عرصہ سے چپقلش چلی آرہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو زیر اثر لانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

1285ء میں جب فرانس پر فلپ خوبرو یا فلپ چہارم Philip The Fair کی حکومت قائم ہوتو اس نے پاپائیت کو بھی اپنے زیر اثر لانا چاہا۔ اس وقت روم میں پوپ بونی فیس ہشتم bonifac VIII برسر اقتدار تھا۔ اس کے بعد شاہ فرانس کے زیر اثر اس کے ایک دوست فرانسی راہب کو کلیمنٹ پنجم Clement V کے نام سے پوپ منتخب کیا گیا۔ اس پوپ کلیمنٹ پنجم نے شاہ فرانس، فلپ چہارم کے اشارے پر 1309ء میں پاپائیت کا اقتدار روم سے جنوب مشرقی فرانس کے شہر ایوی گونان میں منتقل کردیا۔ پاپائے اعظم کے دست راست کارڈنیل Cardinal کہلاتے تھے۔ وہ سب کے سب اب صرف فرانس سے تعلق رکھنے والے افراد مقرر ہونے لگے۔

پاپائیت تقریباً سات پوپوں کے عہد میں فرانس میں رہی جو 1309ء سے 1377ء تک کا عرصہ ہے، اس عرصہ کو ''اسیری بابل'' کی اصطلاح دی گئی ہے کیونکہ جس طرح چھٹی صدی قبل از مسیح میں اہل یہود کو ان کی مرضی کے خلاف یروشلم سے بابل لے جایا گیا تھا اسی طرح یہ پوپ بھی شاہ فرانس کی مرضی سے ایوی نان میں رہے۔ اس عرصہ میں ہر پوپ کو اپنی مرضی کے خلاف شاہ فرانس

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے اشارے پر اس کی خواہش کے مطابق مذہبی احکامات جاری کرنے پڑے۔ یہ اسیری بابل 1377ء میں ختم ہوئی اور پوپ گریگوری یازدہم نے ایک بار پھر پاپائیت کو رومہ منتقل کیا۔ لیکن پاپائیت کا دور ابتلا ابھی بھی ختم نہ ہوا اور اگلے چالیس برس تک رومہ اور ریوی گونان میں الگ الگ پوپ منتخب ہوتے رہے۔

مآخذ:

تاریخ جمہوریت از شاہد رزاقی تاریخ انقلابات عالم از نثار بزمی

Encyclo Peadia Britannica

تاریخ مذاہب از رشید احمد

Scanned with CamScanner

1314ء۔ ''طربیہ سماوی'' اور دانتے

اطالوی شاعر دانتے Dante، 1265ء میں فلورنس (اطالیہ) میں پیدا ہوا۔ اس کی عالمگیر شہرت کا دارومدار اس کی شہرہ آفاق تصنیف ''طربیہ سماوی Divine Comedy پر ہے۔ یہ شاہکار ایک غنائیہ نظم ہے اور دانتے کی شاعری کا عظیم تخلیقی کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ شعری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس نظم میں دانتے نے اپنا فلسفہ حیات بھی پیش کیا ہے۔

''طربیہ سماوی'' کا موضوع حیات بعد الموت ہے۔ اور یہ گہری مذہبیت میں ڈوبی ہوئی نظم ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دانتے جو اس نظم میں گہری مذہبیت میں ڈوبی شاعری کرتا نظر آتا ہے حقیقت میں پاپائے روم کا مخالف تھا۔ اور اسی وجہ سے اسے 1312ء میں فلورنس سے شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا یہ عظیم شاہکار بھی جلاوطنی میں مکمل کیا اور اسی جلاوطنی میں اس نے 14 ستمبر 1321ء کو وفات پائی۔

طربیہ سماوی ایک طویل نظم ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جہنم Inferno، اعراف Purgatorio اور بہشت Paradiso۔ نظم کے تینوں حصے 33 کینٹوز Cantos پر مشتمل ہیں نظم کے آغاز میں دانتے ایک تاریک جنگل میں گم گشتہ ہے جو شاید اس کی لاحاصل زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے میں اسے پہلی صدی عیسوی کے لاطینی شاعر ورجل Virgil کی راہنمائی حاصل ہو جاتی ہے۔ ورجل دانتے کو لے کر جہنم سے گزرتا ہے جس کے دانتے نے نو طبقات بتائے ہیں۔ ان طبقات میں مختلف لوگوں کو شیاطین اور عفریت سخت اذیتیں دے رہیں ہیں۔ جہنم کے طبقات سے نکل کر دونوں شاعر اطراف کے پہاڑوں پر پہنچتے ہیں جہاں مہربان سورج کی کرنیں ان کا استقبال کرتی ہیں۔ یہاں سے انکا سفر چمکدار ڈھلوانوں پر شروع ہوتا ہے۔ جہاں انسان زمین پر کئے گئے گناہوں کے لیے عفو کے طلب گار ہیں یہاں سے دونوں شاعر بہشت کا رخ کرتے ہیں۔ بہشت پہنچنے پر ورجل دانتے کو بیٹرس Beatrice یا بیاترچے نام، خاتون کی راہنمائی میں دے دیتا ہے۔ بیٹرس دانتے کی پسندیدہ خاتون ہے محققین نے لکھا ہے کہ طربیہ سماوی کا یہ کردار حقیقی ہے اور شاعر اس خاتون سے اپنی اصل زندگی میں عشق کرتا ہے۔ یہ خاتون شاعر کو آسمانوں سے گزارتی ہوئی اطراف کے ایک پہاڑ پر واقع تخت خدائی تک لے جاتی ہے جہاں فرشتوں کا اژدہام ہے۔ دانتے پر یہاں ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور خدائی انوار اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ نظم کے اس مقام پر ''طربیہ سماوی'' کے معنی قاری پر عیاں ہو جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

گذشتہ آٹھ نو صدیوں سے یورپی محققین نے طربیہ سماوی پر شاندار اور قابل قدر کام کیا ہے۔ اس ضمن میں یورپی مستشرقین نے بھی تحقیق کی ہے اور پتہ چلایا ہے کہ طربیہ سماوی پر اسلام کے گہرے اثرات نمایاں ہیں۔ پروفیسر آسین Asin نے اپنی کتاب ''اسلام اور ڈیوائن کامیڈی'' میں بڑی تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ دانتے نے ''طربیہ سماوی'' کی بیشتر تفصیلات ابن عربی کی کتاب ''فتوحات مکیہ'' میں درج معراج نبوی ﷺ کی روایتوں سے مستعار لی ہیں۔ جہنم کی جو تفصیلات ہمیں ''طربیہ سماوی'' میں ملتی ہیں وہ ابن عربی کی بیان کردہ تفصیلات کی ہو بہو نقل ہیں اور وہ ابن عربی کی بیان کردہ ہیں۔ سفر معراج ہی مانند دانتے ورجل کو اپنا راہنما بناتا ہے جب کہ اصل سفر میں جبرائیل امین گائیڈ کے طور پر نبی اکرم صلی علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک مقام پر جیسے جبرائیل امین نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا ویسے ہی ورجل آگے جانے سے معذور نظر آتا ہے اور بیٹرس کو ساتھ کر دیتا ہے مگر بیٹرس بھی ایک مقام سے آگے نہیں جاتی بلکہ دانتے کو بھی اکیلا ہی آگے جانا پڑتا ہے۔ پروفیسر آسین کہتے ہیں کہ یہ مماثلت محض اتفاق نہیں۔ بلکہ دانتے کا بیان کردہ واقعہ معراج کا بالصریح چربہ ہے۔ ابن عربی اور دانتے کے درمیان صرف آٹھ سال کا زمانہ حائل ہے۔ اس عرصے میں ابن عربی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی اور دانتے بھی اس سے بیگانہ نہیں تھا۔ اسی طرح اس نظم میں دانتے کا پیش کردہ نظریہ حیات بھی ابن عربی کے نظریات سے متاثر نظر آتا ہے۔

ماخذ:

سو عظیم کتابیں، از ستار طاہر۔

The 100 Most In Fluential Books Ever Written.

By Martin Segmour Smith.

Scanned with CamScanner

1320ء۔ دہلی میں تغلق خاندان برسر اقتدار آیا

تخت دہلی پر 1320ء سے 1413ء تک برسر اقتدار رہنے والے تغلق خاندان کی بنیاد غیاث الدین تغلق نے رکھی۔ غیاث الدین تغلق کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ قرونیہ ترکوں میں سے تھا یعنی اس کا باپ ترک اور ماں ہندوستانی تھی۔ غیاث الدین کا باپ خراسان سے سندھ آیا اور الغ خان خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ اپنی بہادری سے جلد ہی اس نے دروغہ اصطبل کا عہدہ حاصل کرلیا تھا۔ جب خلجی خاندان کے آخری بادشاہ کو اس کے فرومایہ منظور نظر خسرو خان گجراتی نے دھوکہ سے قتل کیا تو غیاث الدین تغلق جو دیپال پور میں رہتا تھا اور تاتاریوں کے خلاف متعدد جنگوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد سے غازی ملک کا خطاب رکھتا تھا۔ اس معاملے پر مضطرب اور فکر مند ہو کر دہلی کی طرف بڑھا۔ اس نے دہلی کے نواح میں غاصب خسرو خان کو شکست دی یہ نومسلم تخت نشین ہو کر اعلانیہ مذہب اسلام کی توہین کر رہا تھا اور اس نے اپنے محسن مبارک شاہ خلجی کے گھرانہ کی ہر ممکن تذلیل کی تھی۔

چونکہ خلجی خاندان میں اور کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لیے سب نے بالاتفاق صوبیدار غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر اسے 8 ستمبر 1320ء کو تخت نشین کیا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے غیاث الدین تغلق کا خطاب حاصل کیا۔

سلطنت دہلی کے استحکام اور توسیع کے لیے 1322ء میں سلطان غیاث الدین تغلق کے بیٹے جونا خان نے وارنگل کے راجہ کی دوبارہ سرکوبی کی اور معبر کے علاقے کو سلطنت دہلی میں شامل کرلیا۔ جاج نگر پر بھی لشکر کشی کی گئی اور سلطانی افواج پیش قدمی کرتے ہوئے اڑیسہ میں داخل ہوگئیں جو ہندوؤں کی خود مختار ریاست تھی۔ غیاث الدین نے خود لشکر لے کر بنگال کی خانہ جنگی میں مداخلت کی اور اس کے کچھ حصے کا اپنی سلطنت الحاق کر کے باقی ماندہ علاقے کو ناصر الدین کی باجگزاری میں دے دیا۔ غیاث الدین نے پانچ برس حکومت کی اور اس عرصے میں سلطنت دہلی کی حدود خلجیوں کی سرحدات سے سلطنت کی حدود بہت آگے نکل گئیں۔ 1325ء میں بنگال سے واپس آرہا تھا تو دہلی سے باہر اس کے استقبال کے لیے جونا خان نے ایک عارضی محل تعمیر کرایا جو مورخین کے مطابق آسمانی بجلی کی کڑک سے گر گیا۔ غیاث الدین تغلق نے ملبے کے تلے دب کر وفات پائی۔ ایک اور روائیت کے مطابق ضیافت کے اختتام پر جب ہاتھیوں کا جلوس نکلا تو یہ چوبی محل گر گیا۔ اس زمانے کے دونوں مورخین یعنی ابن بطوطہ اور عصامی نے جونا خان کو اپنے باپ کی

Scanned with CamScanner

موت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ لیکن ان دونوں کا شمار اس کے مخالفوں میں ہوتا ہے۔ دوسرے مورخین مثلاً برنی اور یحییٰ سرہندی وغیرہ ان الزامات کا ذکر تک نہیں کرتے۔ انگریز مورخ سر ولزلی ہیگ Wolsely Haig نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو بھی اس مبینہ سازش میں ملوث کرنے کی کوشش کی جو محض دور از کار قیاس پر مبنی ہے۔

سلطان غیاث الدین اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے درمیان مسئلہ سماع پر اختلاف کا ذکر کتب ملفوظات کے مولفین نے کیا ہے۔ جس کا فیصلہ کرنے کے لیے علما اور صوفیوں کا ایک جلسہ بلایا گیا تھا۔ سلطان نے اگرچہ سلسلہ چشتیہ کے رسوم و آداب سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا مگر بدعتی لوگوں کے سماع پر بعض قیود عائد کی گئیں تھیں۔ اسی معاملے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلطان جب بنگال سے دہلی کے لیے روانہ ہوا تو اس نے خواجہ نظام الدین اولیا کو دہلی چھوڑ دینے کا حکم بھجوایا تھا جس پر خواجہ صاحب نے اپنا مشہور جملہ ''ہنوز دلی دور است'' کہا تھا یعنی دہلی ابھی دور ہے اور غیاث الدین کو کبھی دہلی میں داخل ہونا نصیب نہ ہوسکا۔

دوسری طرف سلطان کا کردار اتنا مضبوط ہے کہ اس نے اپنے پیشرو کے عہد میں ہندوؤں کی سازش کے دورے خطرے کے مقابلے میں اسلامی حکومت کے تحفظ اور بحالی کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ معاصر مورخین اس کی تعریف میں رطب للسان ہیں اور اسے محافظ اسلام قرار دیتے ہیں۔ برنی نے لکھا ہے کہ وہ ایک مثالی بادشاہ تھا۔ کیونکہ سلطان کے غازی ہونے کے علاوہ اس میں زہد و تقویٰ کی صفات بھی پائی جاتیں تھیں۔ تخت نشینی کے فوراً بعد غیاث الدین نے اپنی توجہ خالی خزانہ کی بحالی اور سلطنت کی مالیات کی از سر نو تنظیم پر لگائی تھی۔ اس مقصد کے لیے نظام لگان میں اصلاحات کے لیے ایک عملی منصوبہ کا خاکہ تیار کیا جو دراصل علاؤالدین خلجی کے نظام کی سختی اور اس کے جانشینوں کی غیر محتاط ڈھلائی کے درمیان میں ایک تصفیہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ برنی لکھتا ہے کہ اس کی تمام انتظامی کاروائیاں بنیادی طور پر اعتدال پسندانہ نوعیت کی تھیں۔

مالیات کے بعد فوج کی صورتحال نے سلطان کی توجہ اپنی جانب مبذول رکھی۔ علاؤالدین خلجی نے ایک بہت موثر جنگی حکمت عملی تیار کی تھی جو اس کے کمزور جانشینوں کے زمانہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

غیاث الدین جو ایک آزمودہ کار فوجی راہنما بھی تھا۔ فوج کی تنظیم نو کی موثر ترین کوشش کی۔ اس کی عسکری پالیسی کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ سپاہیوں کی جانب ان کے والدین سے زیادہ شفقت برتی جائے۔ اس پالیسی کی وجہ سے اس کے عہد میں بہت سی عسکری کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

مآخذ:

جامع تاریخ ہند از پروفیسر حبیب صفحہ نمبر 591۔ تاریخ ملت جلد سوم۔ دائرہ معارف اسلام

Scanned with CamScanner

1325ء۔ امیر خسروؒ کی وفات

برصغیر پاک و ہند کے عظیم المرتبت فارسی شاعر امیر خسروؒ پٹیالی (مومن آباد) میں 651ھ/1253ء میں پیدا ہوئے۔ یہ آج کل اتر پردیش کے ضلع ایٹہ میں واقع ہے۔ ان کے والد سیف الدین محمود ترک قبیلے لاچین سے تعلق رکھتے تھے اور فتنہ تاتار میں وطن سے ہجرت کر کے عہد سلطان شمس الدین التمش ہندوستان آئے۔ ابتدا میں امیر خسرو نے سلطانی تخلص اختیار کیا مگر بعد میں خسرو اختیار کیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق امیر خسرو نے کم سنی ہی میں شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ اس کے بعد نانا کی نگہداشت میں پرورش پائی۔ نانا کی وفات کے بعد انہوں نے سلطان بلبن کے بھتیجے کشلو خاں کی ملازمت اختیار کی۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ امیر خسروؒ تقریباً تمام عمر حکمرانوں اور خوانین کے درباروں میں منسلک رہے۔

کشلو خان کے بعد امیر خسرو شہزادہ بغرا خان کے ساتھ ان کی ملازمت میں بنگالہ گئے اور پھر دہلی واپس آ کر سلطان کے بڑے بیٹے محمد قآن ملک کی ملازمت اختیار کی۔ شہزادہ محمد حاکم ملتان تھا اور دہلی میں اپنے باپ کے جشن فتح میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ جب واپس ملتان گیا تو امیر خسرو ساتھ تھے۔ اس سفر میں امیر خسروؒ کا ایک دوست نجم الدین حسن سنجری بھی ان کے ساتھ تھا۔ ملتان ان دنوں دہلی کے بعد علم و فضل کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ شہزادہ محمد قان علم اور علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ فارسی کے ایک عظیم المرتبت شاعر کو ساتھ رکھے تھا اور دوسرے یعنی حضرت شیخ سعدی کو ملتان آنے کی دعوت بھجوا رہا تھا۔ اسی وجہ سے اس کے دربار میں علوم و فنون کے ماہرین کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ دربار میں ادب لطیف کے فن پارے، دیوان سنائی، قصائد خاقانی اور نظامی کی مثنویاں پڑھی جاتیں تھیں اور علما ان پر تنقید و تبصرہ کرتے تھے۔ شہزادہ محمد اس تنقید میں ذاتی حصہ لیتا تھا۔ اس کے دربار میں امیر خسرو اور ان کے دوست حسن سنجری کو بہت امتیاز حاصل تھا۔

ملتان کا قیام امیر خسرو کے لیے دور نشاط تھا۔ اس عہد میں آپ کی شاعرانہ صلاحتیں عروج پر تھیں۔ شاعری میں وسعت آ گئی تھی۔ جس سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ یہیں آپ نے اپنے کلام کا دوسرا مجموعہ ''وسط الحیات'' مرتب کیا جسے مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ انہیں دنوں آپ کی شہرت ایران تک پہنچی اور شیخ سعدی اپنی ضعیف العمری کے باوجود آپ کے مداح تھے۔ ادھر خسرو بھی شیخ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

Scanned with CamScanner

اس غرض سے انہوں نے سعدی کے اسلوب کا تتبع کرنے کی کوشش کی۔ ملتان میں امیر کا قیام پانچ سال رہا۔ اس عرصے میں ایران پر ہلاکو خان کے پوتے ارغون خان کی حکومت تھی اور منگول وقتاً فوقتاً برصغیر پاک و ہند پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک ایسے ہی حملہ کا مقابلہ کرتے ہوئے شہزادہ محمد شہید ہوگیا اور خسرو اسیر ہوئے۔ ایک ریگستان سے گزرتے ہوئے شدت پیاس سے خسرو کے گرفتار کنندہ جو اسے بلخ لے جارہے تھے ہلاک ہوگئے اور امیر بچ کر واپس ملتان آگئے۔ پھر دہلی لوٹ آئے۔ بلبن کے دربار میں امیر نے جو شہزادے محمد کا مرثیہ پڑھا تو مہینوں لوگ اس کے درد میں ڈوبے ہوئے شعر نا بھلا سکے۔ کہتے ہیں کہ سلطان بلبن پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اسی صدمے سے راہی ملک عدم ہوا۔

خسرو نے اب حاتم خان کی ملازمت اختیار کی۔ سلطان معز الدین کیقباد نے اس امیر کو اودھ کا حاکم مقرر کیا اور اس طرح خسرو دو سال تک اودھ میں رہے بعد ازاں انہوں نے حاتم خان سے دہلی جانے کی اجازت طلب کی اور وہاں پہنچ کر سلطان معز الدین کیقباد کی سرپرستی سے بہرہ مند ہوئے۔

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں خسرو کو خلعت امارت عطا ہوا اور بارہ سو تنکوں کا سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ بقول برنی سلطان ان پر بہت مہربان تھا۔ تاہم سلطان کے قتل کے بعد انہوں نے قاتل سلطان علاؤالدین خلجی کی ملازمت اختیار کرلی۔ سلطان علاؤ الدین کا عہد خسرو کی تصنیف و تالیف کے اعتبار سے سب سے زیادہ باثروت زمانہ ہے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ (1316ء۔1320ء) اور سلطان غیاث الدین تغلق کے دور حکومت میں بھی امیر خسرو کو بادشاہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

آخری عمر میں امیر خسروؒ نے مشہور چشتی بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ان کے دامن سے منسلک ہوگئے۔ جب سلطان محمد بن تغلق کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد حضرت کا انتقال ہوا تو امیر خسروؒ نے بھی ان کی جدائی کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کیا۔ اور ان کی پائنتی مدفون ہوئے۔ کہتے ہیں مرشد کی جدائی نے ان کی جان لے لی تھی۔

امیر خسرو کے فن کے متعلق ایک نقاد نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے فارسی شعرا میں حضرت امیر خسروؒ (متوفی 1325ء) بہترین شاعر ہیں۔ ان کو چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ ان چھ سو برسوں میں انسان کا علم و ادب، ذہن و فکر کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور ہندوستان میں غالب و میر اور کیسے کیسے شاعر کمال ہوگزرے مگر ان میں سے کوئی بھی امیر خسرو جیسا صاحب کمال نہ ہوا۔

ان کی غزلیں آج تک سلاست، لطف اور اثر میں متفرد ہیں۔ ان کی مثنویوں کا جواب تو خود

Scanned with CamScanner

ایران میں بھی نہ بن آیا۔ آپ تصانیف میں پانچ دیوان یعنی ، تحفتہ الصفر ، وسط الحیات، غرۃ الکمال، نہایت الکمال اور مثنویاں شامل ہیں۔

مآخذ:

ادب نامہ ایران از مرزا مقبول بیگ بدخشانی، دائرہ المعارف اسلام

Scanned with CamScanner

1326ء۔ سلطان اور خان اور سلطنت عثمانیہ

امیر عثمان نے اپنی وفات کے وقت اپنے سب سے چھوٹے بیٹے اورخان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس کے بڑے بھائی علاؤ الدین نے دولت عثمانیہ کے پہلے وزیر کی حیثیت سے آئین ملک کی ترتیب و تنظیم میں مشغولیت اختیار کی اور وہ صرف وزارت پر قانع رہا۔

اورخان کے عہد حکومت کو دو زمانوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور 1320ء تا 1344ء جب وہ ایشیائے کوچک میں سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں مضبوط کرنے میں مصروف رہا۔ دوسرا دور 1344ء سے 1360ء تک محیط ہے جب کہ وہ تراگیا (Thrace) اور مقدونیہ میں قدم جمانے اور سرزمین یورپ میں اپنی سلطنت کو وسیع کرنے میں مصروف رہا۔

آل عثمان کی سلطنت کی بنیادیں دراصل اسی سلطان نے رکھیں اور بہت سے مورخین اسے ہی سلطنت عثمانیہ کا بانی تصور کرتے ہیں۔ اورخان نے ایک فاتح کی حیثیت سے اپنی قابلیت کا ثبوت اپنی شہزادگی ہی میں دے دیا تھا۔ جب اس نے اپنے والد کی زندگی کے آخری دنوں میں بروصل کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کرلیا تھا۔ یہ شہر اب سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت بن گیا تھا۔

سلطان اورخان کے عہد کا ایک اہم واقعہ ینی چری (جانثاری) دستوں کی تشکیل تھا۔ تجویز یہ تھی کہ عیسائی اسیران جنگ میں سے دس بارہ سال کے قوی اور ہونہار لڑکوں کی ایک مستقل فوج قائم کی جائے اورخان کو یہ رائے پسند آئی اور اس نے ایک ہزار عیسائی لڑکوں کو منتخب کر کے انہیں فوجی تربیت دلوائی۔ دوسرے سال مزید ایک ہزار لڑکوں کو چنا گیا۔ یہ سلسلہ تین سو برس تک برابر جاری رہا۔ جب کبھی جنگی قیدیوں سے ہزار لڑکوں سے کمی پوری نہ ہوتی تو عیسائی رعایا سے یہ تعداد پوری کرلی جاتی۔ لیکن سلطان محمد رابع کے عہد حکومت میں یہ نظام بدلا گیا۔ اور 1468ء سے خود انہی سپاہیوں اور ترکوں کے لڑکے اس فوج میں بھرتی کیلئے جانے لگے۔ اس فوج کا ترکی نام ینی چری (جانثاری) یا نئی فوج رکھا گیا۔

سلطان کا بھائی علاؤ الدین پہلا ترک امیر تھا جسے پاشا کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد یہ خطاب اورخان کے بڑے بیٹے سلیمان کو دیا گیا۔ اس طرح پاشا کا خطاب پہلے پہل عثمانی سلطانوں کے بڑے بیٹوں کے لیے مخصوص رہا جس طرح برطانیہ کے شاہان کے بڑے بیٹوں کے لیے پرنس آف ویلز ہے۔

Scanned with CamScanner

اورخان نے اپنی حکومت کے پہلے ہی سال 1326ء میں نائیکومیڈیا پر قبضہ کرلیا۔ بروصہ پہلے ہی فتح ہو چکا تھا۔ سلطنت بازنطیم کے ایشیائی مقبوضات میں صرف ایک بڑا شہر رہ گیا تھا، ناسیا جو اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے قسطنطنیہ کے ہم پلہ تھا۔ 1330ء میں اورخان نے اس شہر کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اورخان نے ناسیا کے عیسائی باشندوں کو اجازت دی تھی کہ وہ اگر چاہیں تو اپنا مال و اسباب لے کر کسی دوسرے شہر کو جاسکتے ہیں لیکن بروصہ کے باشندوں کی طرح ان لوگوں نے بھی اکثریت سے اسلام قبول کیا اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہے۔ 1333ء میں ایک ترک ریاست قراسی کے امیر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بڑے لڑکے نے تخت پر قبضہ کر کے چھوٹے کو قتل کرادیا۔ اورخان چھوٹے لڑکے کا طرف دار تھا۔ لہٰذا اس کے خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے اس نے اس ریاست پر حملہ کردیا اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

ان فتوحات کے بعد بیس سال تک اورخان کے عہد میں جنگ کی نوبت نہ آئی اور اورخان نے پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ملک کے انتظامی امور پر توجہ دی اور ملک میں امن و امان قائم کیا۔ مسجدیں، مدرسے اور شاہی ہسپتال قائم کیے گئے۔ بڑے بڑے فضلا اور اہل کمال کو بروصہ آنے کی دعوت دی گئی۔ اس زمانے میں بروصہ کی اتنی شہرت پھیلی کہ ایرانی اور عرب طلبا یہاں کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے یہاں آنے لگے۔ ناسیا میں بھی ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کیا گیا۔ یہ سلطنت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا۔ اسی شہر میں پہلا سرکاری لنگر خانہ بھی جاری کیا گیا جہاں غریبوں کو کھانا مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔ سلطنت کے اندرونی انصرام کے بعد اورخان نے اپنی زندگی کے آخری چند سال بازنطینی سلطنت کے یوروپی علاقے میں قدم جمانے کی کوششوں میں بسر کیے۔ 1338ء میں بازنطینی شہنشاہ اینڈرونیکس سوم کے انتقال کے بعد اس کے نابالغ بیٹے جان پلیولوگس کو تخت نشین کیا گیا تھا اور اس کا گارجین (متولی) ایک امیر کو مقرر کیا گیا تھا۔ جو ملکہ اینا کرسے تھا مدار المہام مقرر ہوا تھا۔ اس امیر کنٹا کوزین نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ نیکوٹیکا میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔ ملکہ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے اورخان سے مدد کی درخواست کی۔ ادھر کنٹا کوزین بھی مدد کا طالب ہوا۔ کنٹا کوزین نے اورخان سے چھ ہزار عثمانی سپاہی مانگے اور اس حمایت کے عوض اپنی بیٹی تھیوڈورا کو سلطان سے بیاہنے پر رضامند ہوا۔ سلطان نے یہ شرط منظور کی اور چھ ہزار سپاہی اس کی مدد کے لیے یورپ بھیجے۔ کوزین نے ان سپاہیوں کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ جو ملکہ کے قبضے میں تھا۔ ایک سال کے محاصرے کے بعد وہ قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا اور ملکہ کو مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ صلح میں یہ بات طے پائی کہ کوزین اس کی بیوی نیز ملکہ اور شہزادہ جان پلیولوگس تخت نشین کردیے جائیں گے۔ چنانچہ چاروں کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ اسی اعتماد کو مزید مضبوط کرنے کے لیے کوزین نے اپنی چھوٹی بیٹی نوجوان شہنشاہ

Scanned with CamScanner

جان کے عقد میں دے دی۔ اور تھیوڈورا کو اورخان کے عقد میں دیا جس نے اسے اپنے آبائی مذہب پر رہنے کی اجازت دی۔

اسی رشتہ داری کی وجہ سے سلطان اورخان کو یورپ میں پہلا قدم رکھنے کا حوصلہ ہوا۔ اور اگلی دفعہ جب کوزین نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے معاوضے میں یوروپی ساحل کا ایک قلعہ پیش کیا۔ جو زنپ Yzympe تھا۔ انہیں دنوں تراکیا (تھریس) میں زلزلہ آ گیا جس سے بہتر ے شہروں کی فصیلیں منہدم ہوگئیں۔ ان شہروں میں گیلی پولی بھی شامل تھا۔ اورخان کے بیٹے سلمان پاشا نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے گیلی پولی پر قبضہ کرلیا۔

گیلی پولی کی فتح سے ترکوں کو تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ اس فتح کے ساتھ پہلی بار انہوں نے سرزمین یورپ پر بطور فاتح قدم رکھا۔ اور مسیحی یورپ میں ایک نئی اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

مآخذ:

تاریخ ترکید، ایس ایم شاہد

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 3

بذیل مادے ''اورخان''

Scanned with CamScanner

1327ء۔ ایڈورڈ سوم کا عہد حکومت

انگلستان میں ایڈورڈ اول کے بعد اس کا نااہل بیٹا ایڈورڈ دوم تخت نشین ہوا تھا۔ اس کے عہد میں امراء نے شرائط آکسفورڈ منظور کرائیں اور اکیس منتخب امراء ان شرائط کے تحت انگلستان کے اصل حکمران بن گئے۔ ملکہ ازابیلا نے خود ایڈورڈ دوم کے خلاف بغاوت کی اور اسے قید کر دیا اور بعد ازاں قتل کروا دیا۔ ان حالات میں ایڈورڈ دوم کا بیٹا ایڈورڈ سوم تخت نشین (1327ء) ہوا اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ کچھ عرصہ اس کی کم سنی کی وجہ سے کاروبار حکومت ارل آف موریٹر کے ہاتھوں میں رہا۔ ارل آف موریٹر ملکہ ازابیلا کا راز دار تھا بعد ازاں ایڈورڈ سوم نے اسے ٹاور آف لندن میں قتل کروا کر عنان حکومت خود سنبھال لی۔

ایڈورڈ سوم کے عہد کا ممتاز ترین واقعہ جنگ صد سالہ کا آغاز ہے جس میں انگریزوں کو فرانسیسیوں پر عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں۔ 1346ء میں ایڈورڈ سوم نے فرانس پر براہ راست حملہ کیا۔ جنگ کریسی میں انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس جنگ میں فرانس کے گیارہ شہزادے اور تیس ہزار افراد ہلاک ہوئے جس کے بعد فرانسیسیوں سے انگریزوں کو خطرہ نہ رہا۔ ایڈورڈ سوم نے فرانس کے شہر سیلائس Calias کا محاصرہ کر لیا محاصرے کی طوالت کے بعد جب شہر فتح ہوا تو ایڈورڈ نے شہر کو تباہ کرنے اور وہاں کی تمام عوام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس شہر کی پارلیمنٹ کے رکن اپنے گلے میں پھانسی کے پھندے ڈال کر شہر کی چابیاں پیش کرنے بادشاہ کے پاس آئے۔ محاصرے کی طوالت کی وجہ سے بادشاہ سخت غصے میں تھا اس نے ان کے قتل کا حکم دے دیا مگر ملکہ کی التجاؤں کی وجہ سے بادشاہ کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔

جنگ اور دیگر اخراجات کے لیے ایڈورڈ کو رقم کی ضرورت درپیش تھی مگر اسے یہ رقم پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نہیں مل سکتی تھی۔ رقم کے حصول کے لیے بادشاہ کو اپنے اختیارات بتدریج کم کر کے پارلیمنٹ کے اختیارات بڑھانے پڑے۔ ایڈورڈ سوم کے عہد میں ایک زبردست بحران "سیاہ موت" نامی طاعون کی وبا پھیلنے کے بعد پیش آیا جو اسی وبا کی تباہ کاریوں کا نتیجہ تھا۔ اس وبا میں انگلستان کی 3/4 آبادی ہلاک ہوگئی۔ جس سے کام کرنے والے افراد کی قلت پیدا ہو جانے سے فصلیں تباہ ہوگئیں اور بہت سی زمینیں بلا کاشت رہ گئیں۔ ایڈورڈ کے عہد میں انگریز قوم میں قومی احساس کے بیدار ہو جانے کی شہادت بھی ملتی ہے۔ انجیل مقدس کے انگریزی زبان میں ترجمے کے بعد عدالتوں اور پارلیمنٹ میں بھی انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا یہ

Scanned with CamScanner

دراصل قومی احساس کی بیداری کی وجہ سے ہوا تھا۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول از مولانا غلام رسول مہر۔
سو عظیم بادشاہ اور فرمانروا۔ جان

Scanned with CamScanner

1333ء۔ ابن بطوطہ کی ہندوستان آمد

733ھ 1333ء میں مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ کو اپنے وطن تونس سے نکلے ہوئے 8 سال گذر چکے تھے وہ وسطی ایشیا میں خوارزم، بخارا اور افغانستان ہوتا ہوا کوہ ہندوکش کے راستے برصغیر میں وارد ہوا۔ اس نے پہلے وادی سندھ کی ساحل سمندر تک سیاحت کی، پھر ملتان پہنچا۔ یہاں اسے سلطان محمد تغلق نے دہلی آنے کی دعوت بھجوائی جسے اس نے قبول کر لیا۔ یہاں سے دوسرکاری مہمان کے طور پر عازم دہلی ہوا اور اجودھن، بیوہر اور رہتک کے راستے دارالسلطنت دہلی پہنچا۔ اس شہر کی وسعت، جنگی استحکام اور عمارات کی شان دیکھ کر ابن بطوطہ کو بڑا تعجب ہوا اگرچہ وہ قسطنطنیہ اور عرب دنیا اور وسط ایشیا کی سیاحت کے بعد یہاں پہنچا تھا مگر دہلی کا یہ عروج کا دور تھا اور اس کی خوبصورتی اور شان نرالی تھی۔

عیدالفطر کے موقع پر دہلی کو جو چار شہروں پر محیط و مشتمل تھی اس طرح سجایا گیا جیسے حجلہ عروسی کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ اسی ہفتے بادشاہ بھی سفر سے واپس آیا۔ شاہانہ جلوس کا ترک و احتشام ابن بطوطہ نے دوسرے مقامات پر بھی دیکھا تھا لیکن دولت کی یہ فراوانی اور اتنے بڑے پیمانے پر داد و دہش کبھی نہ دیکھنے میں آئی تھی۔ صرف سلطان کی والدہ نے اپنے بیٹے کے صحیح و سلامت سفر سے واپس آنے کی خوشی میں ایک لاکھ اشرفیاں بطور صدقہ و شکرانہ مشائخ و علما میں تقسیم کرائیں۔ (عہد تغلق میں سونے کے جو سکے رائج تھے وہ اشرفیاں کہلاتے اور ان کا وزن ایک تولہ اور چھ تولہ ہوتا تھا) شاہی جلوس شہر میں داخل ہوا تو بادشاہ کے ہاتھی کے ساتھ ساتھ شتر سوار چھوٹی چھوٹی منجنیقیں سنبھالے ساتھ تھے اور ان منجنیقوں سے عوام پر درہم و دینار نچھاور کر رہے تھے۔ محل تک پہنچتے پہنچتے خدا جانے کتنے لاکھ سونے چاندی کے یہ سکے مساکین شہر پر برسا دیئے گئے۔ بادشاہ سے ابن بطوطہ کی پہلی ملاقات شہر کے باہر منزل تلپت میں ہوئی۔ یہ گاؤں قصبہ فرید آباد کے قریب دریائے جمنا کے کنارے ابھی تک موجود ہے۔ محمد تغلق نے ابن بطوطہ کے سلام مسنون کا جواب دیا پھر فارسی زبان میں اسے خوش آمدید کہا اور ہاتھ ملایا پھر عربی اور فارسی میں گفتگو ہونے لگی۔۔۔ شہر میں آنے کے بعد بادشاہ نے معزز مہمان کی قصر ہزار ستون میں بمعہ اعیان دولت اور مشائخ و علما کے دعوت کی۔ اسی دعوت کے بعد اسے قاضی شہر کا عہدہ عنایت کیا گیا اور اس کی تنخواہ بارہ ہزار اشرفی مقرر کی گئی۔ ابن بطوطہ نے ایک خطیر رقم قرض کی ادائیگی کے لیے بادشاہ سے حاصل کی۔ مورخ ابن خلدون نے ابن بطوطہ کی ثقاہت پر رشک کیا۔ شاید اتنی بھاری رقوم کے ذکر اور حصول پر۔ انہیں

Scanned with CamScanner

دنوں سلطان محمد تغلق ایک درویش سے ناراض ہوگیا۔ اس بادشاہ کے حالات میں اکثر مشائخ وعلما کے مغلوب ہونے بلکہ مقتول ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ درویش موصوف سے ابن بطوطہ کے بھی تعلقات تھے۔ لہٰذا اسے بھی اس کے اعلیٰ عہدے سے برطرف کردیا اور گھر میں نظر بند کردیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہی خفگی دور ہوگئی مگر ابن بطوطہ اب متنفر ہوگیا اور اس نے بطور سفیر چین جانے کی خواہش کی جہاں سے ایک سفارت حال ہی میں دہلی پہنچی تھی۔ ابن بطوطہ کالی کٹ کی بندرگاہ سے چین روانہ ہوا مگر وہ جو تحائف ہندوستان کی حکومت کی طرف سے چین لے جارہا تھا وہ غرق ہوگئے اور ابن بطوطہ جنوبی ہند، سری لنکا اور جزائر مالدیپ میں تقریباً دو سال گھومتا رہا۔ یہاں سے وہ مشرقی بنگال آیا اور چٹاگانگ اترا۔ اسی سیاحت کے دوران بنگال کے قطب دوراں شیخ جلال الدین تبریزی سے اس کی ملاقات ہوئی پھر اس نے بنگال کے دارالحکومت سے ایک چینی بحری جہاز کے ذریعے جاوا اور سماٹرا کی راہ لی۔ چالیس دن کے سفر کے بعد وہ جزائر مشرق الہند پہنچا وہاں سے وہ ہند چینی ہوتا ہوا چین کی بندرگاہ زیتون میں اترا۔ اس وسیع ملک کے مشہور شہروں کینٹن، پیکنگ اور ہانچو کی وہ بڑی تعریف کرتا ہے۔ چین کی مشہور دیوار چین نے اسے متحیر کیا۔ چین سے واپسی کے سفر میں ایک جگہ اس نے عفریت نما پرندہ دیکھا جسے ''رخ'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ واپسی سے سماٹرا، جنوبی ہند پھر عمان اور خلیج فارس کی بحری شاہراہ سے ہوئی۔ بغداد سے شمالی عرب کا صحرا پار کرکے وہ ملک شام میں داخل ہوا۔ دمشق میں اسے اپنے باپ کے انتقال کی خبر ملی۔ جسے پندرہ سال گزر چکے تھے۔ پھر بیت المقدس اور قاہرہ سے گزر کر اس نے چوتھی بار حج کا ثواب حاصل کیا۔ یاد رہے کہ وہ اپنے ملک سے ارادہ حج لے کر نکلا تھا۔ جدہ سے وہ سواحل افریقہ نیز سارڈینا ہوکر اپنے وطن کی سرزمین پر واپس پہنچا۔ لیکن یہ سیاح زیادہ دیر کر اپنے وطن میں نہ رہ سکا اور اس نے جبل الطارق کے راستے اندلس کا سفر کیا اور وہاں سے واپس پر وہ مراکش کے سلطان مرینی کی فرمائش پر ایک اور بڑے سفر پر نکلا اور اس نے وسط افریقہ اور صحرائے اعظم کی دور دور تک خاک چھانی۔ وہ مزید سیاحت کرنا چاہتا تھا کہ اسے سلطان نے واپسی بلالیا۔ یہاں آکر اس نے اپنے سفر کی رائیداد بادشاہ کو سنائی اور اپنا سفر نامہ مرتب کیا جو بڑا ضخیم تھا۔ بادشاہ کے حکم پر اس کے ایک وزیر نے اس سفر نامہ کی ایک ادبی تلخیص مرتب کی بعد ازاں یہ سفر نامہ فرانس میں چار جلدوں میں چھاپا گیا۔ شرف الدین محمد بن عبداللہ اللطنجی، ابن بطوطہ 24 فروری 1304ء میں پیدا ہوا۔ حصول علم کے بعد اس نے 2 رجب 725ھ/14 جون 1325ء کو بعمر بائیس سال حج کے ارادے سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور اگلے تیس سال تک اس کی سیاحت کا یہ سفر جاری رہا۔

مآخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ ابن بطوطہ صفحہ 53۔ غازیان تہذیب از مولانا سید ہاشمی فرید آبادی۔

Scanned with CamScanner

1337ء۔ دارالحکومت دہلی سے دولت آباد

دولت آباد اورنگ آباد سے دس میل شمال مغرب کی جانب آج کے بھارت کے صوبہ مہارا شٹر میں واقع ہے۔ دولت آباد پہلے دیوا گیری یعنی خدا کی پہاڑی، کہلاتا تھا اور مسلمانوں سے پہلے یہ یادیو Yadavasi خاندان کے راجاؤں کا صدر مقام تھا جو مغربی چالوکیہ راجاؤں کے باجگوار تھے۔ مگر 1183ء میں یہ خود مختار ہوگئے۔ ان کی بے حساب دولت کی خبریں جب جلال الدین فیروز خلجی کے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کو ملیں تو اسے یہ قلعہ تسخیر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ 1294ء میں اس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت یہاں کا راجہ رامچند رتھا۔ وہ اس ناگہانی حملے سے مجبور ہوگیا اور اس نے حملہ آوروں کو سونا چاندی اور جواہرات کثیر مقدار میں دیئے اور ایلچپور کا علاقہ سلطنت دہلی کے حوالے کر دیا۔ اسی دولت فراواں کا لالچ دے کر علاؤ الدین نے اپنے چچا کو بلایا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خلجی خاندان کے بعد جب تغلق تخت دہلی پر بیٹھے تو محمد بن تغلق نے 1327ء میں دہلی کی مرکزی حیثیت ختم کر کے یہ فیصلہ کیا کہ دیوا گری کا نام بدل کر دولت آباد رکھا جائے اور اس کو دہلی کی بجائے دارالحکومت قرار دیا جائے۔ اس کے نزدیک دہلی ممالک محروسہ میں خاطر خواہ مرکزی مقام نہیں تھا۔ اس مقصد کے لیے پہلے تو سرکاری عہدہ داروں کو اس پر راضی کیا گیا کہ وہ وہاں جا کر آباد ہوں۔ پھر پوری آبادی کو تادیباً مجبور کیا گیا کہ دہلی چھوڑ کر دولت آباد جا بسیں۔ پھر دولت آباد کو مرکز عمل بنا کر تمام دکن میں امن و امان قائم کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد جب شمالی ہند پر تاتاریوں نے تاخت کی تو محمد تغلق کو مجبوراً دہلی واپس آنا پڑا۔ اور دولت آباد کی حیثیت محض جنوبی ہندوستان کے عسکری مستقر کی رہ گئی۔

دکن سکیم کی تعمیل درجہ بدرجہ اور عوام کی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے رہ گئی۔ سب سے پہلے سلطان کی ماں مخدومہ جہاں اور امراء، ملک، غلام، گھوڑے، ہاتھی اور خزانوں کے ساتھ پورا شاہی کنبہ دولت آباد منتقل ہوا۔ اس کے بعد سلطان نے تمام سیدوں، شیوخ اور دہلی کے ممتاز اشخاص کو بلا بھیجا۔ ان اشخاص کے جنہیں دولت آباد ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ چھ کارواں بنائے گئے۔ مورخ یحییٰ سرہندی کے مطابق 1328ء میں دہلی سے خروج کا حکم دیا گیا تھا۔ سلطان نے دہلی کے لوگوں کے گھروں اور مکانوں کو لوگوں سے قیمتاً خرید لیا۔ مزید سہولت یہ فراہم کی گئی کہ مہاجرین کے لیے سفر اور سواریوں کی سہولت مہیا کی گئیں۔

Scanned with CamScanner

خود دولت آباد میں نئے آنیوالوں کے لیے مفت مکانات اور قیام گاہوں کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا گیا۔ برنی لکھتا ہے کہ سلطان نے عوام کو دولت آباد کے لیے روانگی اور وہاں پہنچنے کے مواقع پر کثیر انعامات سے نوازا۔

سلطان نے دولت آباد شہر کی تعمیر و تیاری پر کافی غور و حوض کیا تھا اور توجہ صرف کی تھی۔ شیخ مبارک نے شہاب الدین العمری کے سامنے اس شہر کا جو بیان پیش کیا تھا اس کا ایک اقتباس مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

''اور دہلی شہر ملک کا دارالسلطنت ہے۔ اس کے بعد قبتہ الاسلام (دولت آباد) آتا ہے اور یہ دیوگری کا شہر ہے جسے سلطان نے از سر نو تعمیر کرایا اور اسے قبتہ الاسلام کا نام دیا۔۔۔ چھ سال پہلے جب میں نے اسے چھوڑا تھا تو اس وقت تک یہ اپنی تکمیل کو نہ پہنچا تھا۔ شہر کی وسیع و عریض حدود اور اس کی عظیم الشان عمارتوں کی بنیاد پر میں نہیں سمجھتا کہ وہ اب بھی مکمل ہے۔ سلطان نے اسے اس طرح منقسم کر دیا تھا کہ ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے علیحدہ علیحدہ قیام گاہیں تعمیر کی جائیں۔ ایک محلّہ فوجیوں کے لیے، ایک وزراء کے لیے ایک سیکریٹریوں کے لیے، ایک ججوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے۔ ایک شیوخ و فقراء کے لیے اور ایک تاجرین، صنعت کاروں کے لیے۔ ہر محلّہ میں ہر طبقہ کی ضروریات کے مطابق مسجدیں، مینار، بازار، عوامی غسل خانے، روٹی پکانے کے تنور تھے۔ تاکہ اس محلے کے عوام اشیاء کی خرید و فروخت اور مبادلہ کے سلسلے میں دیگر محلوں پر انحصار نہ کریں۔ اور ہر محلّہ ایک علیحدہ خود کفیل شہر کی مانند ہو، جو کسی بات کے لیے دوسروں پر انحصار نہ کرے۔''

ان سہولتوں کے فراہم کرنے کے باوجود ایک بالجبر خروج سے لازمی طور پر ایک سخت ردعمل رونما ہوتا ہے۔ سلطان کے منصوبہ دکن کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ گذشتہ تقریباً ایک سو ساٹھ سال سے دہلی شہر دارالسلطنت چلا آ رہا تھا اور یہاں ایک مخصوص انداز پر اس کی شہری اور تمدنی زندگی فروغ پائی تھی۔ اس کے بازار، خانقاہیں، مدارس، تالاب، باغات اور عمارتیں وہاں کے لوگوں کی نظر میں ایک مخصوص خوبصورتی اور دلکشی رکھتی تھیں۔ ان لوگوں کے لیے دہلی سے جدائی کسی طرح بھی ایک ذہنی اذیت سے کم نہ تھیں۔ سید محمد گیسو دراز رقم طراز ہیں کہ۔ محمد بن تغلق کے ذریعہ لائی گئی۔ اس تباہی کے باعث حضرت خواجہ بختار کاکیؒ اور شیخ نظام الدین اولیا کے مقبروں کے سوا کسی دوسرے مقبرے پر ایک موم بتی بھی نہیں بچی تھی۔ محمد بن تغلق ایک مطلق عنان حکمران تھا وہ اپنے احکامات کی خلاف ورزی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اشخاص اس کے حکم کی تعمیل میں دولت آباد روانہ نہ ہوئے انہیں ان کے گھروں سے گھسیٹ لیا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ایسے لوگ زور زور سے گریہ وزاری کرتے ہوئے دولت آباد چلے۔

Scanned with CamScanner

1338ء۔ سوسالہ جنگ کا آغاز

تاریخ یورپ میں لڑی جانے والی ایک طویل ترین جنگ ، جنگ صد سالہ کہلاتی ہے۔ یہ جنگ انگلستان اور فرانس کے درمیان تقریباً ایک صدی (1338ء۔ 1453ء) سے زائد عرصہ تک لڑی گئی۔ اس جنگ میں پانچ فرانسیسی بادشاہوں اور پانچ انگریز بادشاہوں نے حصہ لیا۔ اس جنگ کا مقصد فرانس کے تاج وتخت کا حصول تھا۔

شاہ انگلستان تقریباً دو سو سال سے فرانسیسی علاقے ایکوٹین Aquitain کے موروثی ڈیوک چلے آرہے تھے جس کے لیے وہ شاہ فرانس کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے۔ شاہ فرانس فلپ وچہارم نے اس انگلستانی جاگیر پر قبضہ کرلیا اور اس علاقے پر انگلستان کے دعویٰ ملکیت کو مسترد کردیا۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ سوم کی ماں تین فرانسیسی بادشاہوں کی بہن تھی اس لیے ایڈورڈ کو تخت فرانس پر بھی اپنے ننھیال کی طرف سے دعویٰ تھا۔ لہٰذا فلپ چہارم کے خلاف جوابی کاروائی کرتے ہوئے ایڈورڈ سوم نے نہ صرف فرانس کے تاج وتخت پر دعویٰ کردیا۔ بلکہ 1338ء میں اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اپنی فوجیں نارمنڈی Normandy فرانس میں اتاردیں جس سے دونوں ملکوں میں جنگ صد سالہ کا آغاز ہوگیا۔

ادھر فرانسیسی قانون دانوں نے تخت فرانس کے اس خطرناک مدعی کا دعویٰ کالعدم قرار دے دیا۔ اگر چہ آخری کاپٹ بادشاہوں کا بھانجا ہونے کی حیثیت سے جانشین کے لیے ایڈورڈ کا ان کے چچیرے بھائی پر حق مقدم تھا۔ اس مسئلے کے تصفیے کے لیے فرانسیسی قانون دانوں کو چھٹی صدی کے ایک فرینک قانون پر انحصار کرنا پڑا جس کی رو سے عورت زمین کی وارث نہیں ہوسکتی تھی۔ اسے سالی قانون Salie Law کہتے تھے۔ فرانس کی سرزمین میں اس پر صدیوں سے عمل درآمد نہیں ہوا تھا۔ اب قانون دانوں نے فیصلہ کیا کہ اس قانون کے مطابق سلطنت بہر طور عورت کی میراث میں نہیں مل سکتی۔ ایڈورڈ سوم نے اس قانون کے خلاف جنگ شروع کردی۔

اس مشہور جنگ کے دوران فرانس کی تاریخ سراسر افراتفری کی تاریخ ہے۔ ولائس Valois خاندان کے بادشاہوں میں چارلس پنجم جسے دانش مند کہتے ہیں (1364ء۔ 1380ء) کے سوا دیسا بااثر بادشاہ نہیں ہوا۔ جسے کاپٹ خاندان کے بادشاہ فلپ آگسٹس ، سینٹ لوئی اور فلپ خوبرو تھے انگریزوں نے پہلے پہل کامیابیاں حاصل کیں اور ایک معاہدے کے ذریعے خاصا بڑا فرانسیسی علاقہ ہتھیالیا فرانس میں گلٹی والا طاعون شروع ہوگیا (1340ء۔ 1350ء) جسے مرگ سیاہ کہتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ اس سے نیز مذہبی بحران اور خانہ جنگی سے ملک میں بڑی تباہی پھیلی مگر آخر میدان فرانسیسیوں کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ میں انگریزوں کے مقابلے میں فرانسیسیوں کو تعداد فوج اور وسائل کی برتری حاصل رہی 1381ء تک طبقہ شرفا اس جنگ کی وجہ سے کمزور پڑتا چلا گیا جب کہ مرکزی حکومتیں مضبوط ہوگئیں۔ جس سے خصوصی طور پر فرانس میں جاگیردارانہ نظام متاثر ہوا۔ دوسری طرف فنون حرب میں اس جنگ کی وجہ سے خاصی پیش رفت ہوئی اور انگریز ایک بحری طاقت بن کر ابھرے۔

اس جنگ کا پہلا بڑا واقعہ یہ پیش آیا کہ انگریزوں نے سلوئس Sluvs کے مقام پر بحری فتح حاصل کی (1340ء) اس وجہ سے وہ سالہا سال رود بار انگلستان پر قابض رہے۔ 1345ء میں وان آرٹی ولڈ مار گیا اور انگریزوں کو براہ راست فرانس پر حملہ کر کے ایک قدم گاہ کا انتظار کرنا پڑا۔ 1346ء میں معرکہ کریسی Battle Of Crecy میں انگریزوں نے تیر اندازی اور توپخانے میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی بنیاد پر فتح حاصل کی۔ جو انگریزوں کی اس جنگ میں پہلی فتح تھی۔ اس طرح انگریزوں کے ہاتھ فرانس کی ایک بندرگاہ آ گئی۔ اگلے آٹھ سال تک متارکہ جنگ رہا۔ 1347ء۔ 1355ء۔ طاعون کے تباہی پھیلانے کے بعد جب جنگ شروع ہوئی تو انگریزوں نے پوائٹرز Poiters کے مقام پر فتح پائی اور جان شاہ فرانس (1350ء۔1364ء) گرفتار ہوگیا انگریز اسے انگلستان لے گئے۔ اس کا بیٹا چارلس نائب السلطنت کے فرائض انجام دینے لگا۔ فرانس کی جو فوجیں جاگیرداروں نے مہیا کیں تھیں تباہ ہوگئیں اور کاروبار حکومت ضعف کی آخری منزل کو پہنچ گیا۔ 1360ء میں معاہدہ بریٹگنی The Treaty of Bretigny طے پایا جس سے ایک مختصر دور امن شروع ہوا مگر انگلستان کے شاہ ہنری پنجم نے ایک بار پھر جنگ چھیڑ لی اور معرکہ ایجن کورٹ میں فاتح رہا۔ 1420ء میں دونوں قوموں کے درمیان ایک نیا سمجھوتہ ہوا جو معاہدہ ٹرائے The Treaty of Troys کہلایا۔ اس کی رو سے انگلستان کو فرانسیسی تاج وتخت مل گیا۔ 1422ء میں ہنری پنجم کا انتقال ہوا تو فرانسیسی ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ 1428ء تک انگریز جنوبی فرانس میں اولینز Orleans کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اسی محاصرے میں فرانس کی مشہور مجاہدہ جون آف آرک نے اپنی مٹھی بھر لشکر کی مدد سے انگریزوں کے چھکے چھڑوا دیئے تھے۔ اسی مجاہدہ کی بھڑکائی ہوئی جب الوطنی کی آگ نے انگریزوں کو 1453ء میں شکست تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا اور وہ 1458ء تک اپنے تمام فرانسیسی مقبوضات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب۔ جلد اول۔ صفحہ 287۔

Scanned with CamScanner

1347ء۔ بہمنی سلطنت کا قیام

دہلی کے سلطان محمد بن تغلق کی عدم تدبر اور عجلت کی پالیسی اور دکن کے امیران صدہ میں اس سے پیدا ہونے والی بے چینی کی وجہ سے وہاں ایک آزاد ریاست قائم ہوئی۔ جس کے پہلے سلطان اسمٰعیل مخ کو سلطان ناصر، یعنی اسمٰعیل شاہ کے لقب سے 1345ء میں منتخب کرلیا گیا۔ لیکن اسمٰعیل اس منصب سے عہدہ برا نہ ہوسکا اور جلد ہی اسے جری شجاع حسن گنگو کے لیے جگہ خالی کرنا پڑی۔ حسن کو دولت آباد میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی تعمیر کردہ مسجد میں تاج خسروی پہنایا گیا اور اس نے سلطان علاؤ الدین حسن بہمن شاہ کے لقب سے عنان حکومت سنبھال لی۔ یہ واقعہ 24 ربیع الآخر 740ھ/3 اگست 1347ء کو پیش آیا۔ اسی کے نام پر دکن کی یہ سب سے بڑی سلطنت بہمنی سلطنت کہلائی۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں گنگا سے کرشنا اور ساحل کوکن سے لے کر کورومنڈل تک وسعت رکھتی تھی۔

حسن گنگو ایک کسان تھا اور پہلے کھیتوں میں ہل چلاتا تھا۔ ایک مرتبہ ہل چلاتے ہوئے اسے ایک خزانہ ملا جو اس نے اپنے مالک گنگو بہمن کے آگے رکھ دیا۔ اس کی ایمان داری سے متاثر ہوکر گنگو بہمن نے اسے شہزادہ محمد تغلق سے متعارف کرایا شہزادے نے اس کی تعریف کی اور اپنے والد سے متعارف کرایا جس نے اسے امیران صدہ میں شامل کرلیا یوں وہ ایک غریب کسان سے ایک فوجی سردار بن گیا۔ بادشاہ نے اسے دولت آباد منتقل کردیا۔ انہیں دنوں دکن کے مسلمان امراء نے سلطنت دہلی سے علیحدگی کا اعلان کردیا اور اسماعیل مخ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا لیکن یہ تاج وتخت سے حسن گنگو کی قسمت میں لکھا تھا اسے مل گیا۔

بہمن شاہ ایک الوالعزم حکمران تھا اور اس کی نیت تھی کہ دہلی سمیت تغلقوں کی سلطنت کو بھی اپنے زیرنگین کرلے۔ لیکن اس لاحاصل جرات آزمائی سے اسے وزیراعظم ملک سیف الدین غوری نے باز رکھا اور اسے مشورہ دیا کہ پہلے دکن پر اپنا قبضہ مضبوطی سے جمائے۔ اس لیے اس نے گوٹ گر، مرام اور اکل کوٹ فتح کرلیے اور کلیانی یا کلیان بھی جو چلوکیوں کی قدیم سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ سلطنت میں شامل کرکے اس کا نام اس نے دارالامان رکھا۔ گلبرگہ جو بعد میں دارالسلطنت بنا وہ بھی فتح کرلیا گیا۔

مدھول کی فتح کے بعد وہ اس کے حکمران نرائن کو واپس کردیا گیا اور وہ سلطان کا دست راست بن گیا۔ بہمن شاہ نے گوا پر بھی چڑھائی کی اور کامیاب رہا لیکن جنوب مشرق میں نیلور کی مہم

Scanned with CamScanner

اتنی کامیاب نہ رہی، وہاں کے راجہ آنڈ ہوڈھ نے سلطان کو شکست دے دی تھی۔ اس لیے اسے تلنگانہ کے صرف ایک حصے پر قناعت کرنا پڑی۔ اس کا انتقال بعمر سڑسٹھ سال بعارضہ ملیریا 11 فروری 1358ھ کو ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ اس کا جانشین ہوا۔

تنظیم ریاست کی سعادت اپنے باپ کی وفات کے بعد سلطان محمد شاہ کو حاصل ہوئی۔ جب 1360ء میں اس کی والدہ حج کے لیے گئی تو اس نے خلیفہ مصر المعتضد باللہ سے رسمی سند سلطانی حاصل کرلی اور اپنے نام کا سکہ جاری کردیا۔ وہ بالالتزام شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے ترکہ میں نقرئی تخت پایا اور مارچ 1363ء میں شاندار تخت فیروزن تیار کرایا۔ اس کے وزیر اعظم نے جو اس کا خسر بھی تھا۔ ایک رسالہ ''نصائح الملوک'' تصنیف کیا تھا۔ جس میں ریاست میں رائج نظام السلطنت کا احوال بیان کیا گیا ہے۔

بہمنی خاندان کے تقریباً دس حکمران ڈیڑھ صدی تک دکن پر پورے جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کرتے رہے پھر ان کا زوال شروع ہوگیا۔ 1518ء میں آخری بہمنی حکمران محمود شاہ (1482ء۔ 1518ء) کی وفات پر بہمینہ سلطنت ختم ہوگئی اور اس کی خاک سے پانچ چھوٹی بڑی مسلم سلطنتیں پیدا ہوئیں۔ عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی، قطب شاہی اور مرید شاہی۔

بہمنی سلاطین کے جلوس کی تاریخ وار جدول درج ذیل ہے۔ نیز بہمنی سلاطین اپنا شجرہ نسب ایران کے کیانی شہنشاہ بہمن بن اسفندیار سے ملاتے تھے۔

(۱) علاء الدین حسن بہمی شاہ 24 ربیع الآخر 748ء/ 3 اگست 1347ء۔

(۲) محمد شاہ اول، 3 ربیع الاول 759ھ/ 11 فروری 1358ء۔

(۳) علاؤ الدین مجاہد شاہ 19 ذیقعد 776ھ/ 21 اپریل 1375ء۔

(۴) داؤد شاہ اول، 17 ذوالحج 779ھ/ 16 اپریل 1378ء۔

(۵) محمد شاہ ثانی 22 محرم 780ھ/ 21 مئی 1378ء۔

(۶) غیاث الدین تہمتن شاہ 21 رجب 799ھ/ 20 اپریل 1397ء۔

(۷) شمس الدین داؤد شاہ ثانی 17 رمضان المبارک 799ھ/ 14 جون 1397ء

(۸) تاج الدین فیروز شاہ 24 صفر 800ھ/ 16 نومبر 1397ء۔

ان کے علاوہ تقریباً 10 سلطان ایسے ہوئے جن کا دارالحکومت محمد آباد بیدار تھا۔

مآخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ۔

Scanned with CamScanner

1348ء۔ یورپ "سیاہ موت" کی زد میں

کتنے بہادر مردوں اور خوبرو خواتین نے اپنے اقارب کے ساتھ ایک ہی میز پر صبح کا ناشتہ کیا اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی مگر اسی شام ان میں سے بہت سے اگلی دنیا میں اپنے آباؤ اجداد سے جا ملے۔ لوگوں کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ دیکھنے والا انہیں دیکھ کر سہم جاتا تھا۔ لوگ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں بیمار ہو رہے تھے۔ جو صبح بیمار ہوتا اسے شام نصیب نہ ہوتی۔ علاج اور دوا کسی قسمت والے کو نصیب ہوتے تھے۔ بہت سے لوگ کھلی سڑکوں پر مر کر سڑ رہے تھے۔ کچھ اپنے گھروں میں ہلاک ہو گئے۔ اور جب ان کی تعفن زدہ لاشوں کی بدبو گلی کوچوں میں پھیلی تو پتا چلا کہ وہ تو مر چکے ہیں۔ گرجا گھروں کے صحن لاتعداد لاشوں کی تدفین کے لیے ناکافی تھے۔ لاشیں سینکڑوں کی تعداد میں گڑھوں میں ڈھیر تھیں جیسے کسی بندرگاہ کی گودی میں بحری جہاز پر لادے جانے والا سامان، ذخیرہ کرنے والے حصے میں پڑا ہوتا ہے۔ انہیں کہیں کہیں تھوڑی بہت مٹی سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ یورپ کے شہروں اور بستیوں کا یہ عالم تھا جہاں یہ سیاہ موت وارد ہو جاتی وہاں صرف چند دنوں میں ویرانی کے سوا کچھ نہیں بچتا تھا۔

جوناتھن نامی ایک شخص کی بستی میں پانچ دن پہلے سیاہ موت وارد ہوئی خود اس کے گھر میں اس کی بیوی اور بچیاں اس کا شکار ہو گئیں اور تین دن کے اندر اندر پورا گھر خالی ہو گیا۔ وہ خود بھی بیماری کا شکار ہو چکا تھا اور جانتا تھا کہ بہت جلد وہ اپنے خاندان سے جا ملے گا۔ وہ خاموشی سے اپنے بستر پر دراز موت کے جلد آنے کی دعا کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔

اس کا سانس رکنے لگا تھا اور سر میں ہونے والا درد بدترین صورت اختیار کر چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی بصارت زائل ہونے لگی اور اسے قے کی حاجت ہوئی۔ اس پر بیماری کا شدید حملہ ہوا تھا۔ وہ کرسی سے گرا اور زمین پر کمر کے بل لیٹ گیا۔ اس کا جسم تنکے کی طرح لرز رہا تھا۔ شاید اس پر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی بس ایک ہی خواہش تھی وہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ مرنا چاہتا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اس پلنگ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جس پر ان کی لاشیں پڑی تھیں۔

تاہم اب دیر ہو چکی تھی۔ اور اس کے جسم ناتواں میں اتنی جان باقی نہیں تھی کہ وہ پلنگ تک پہنچ سکتا۔ اس کی رگ و جاں سے خون اور دوسرے مادے بہنے لگے۔ اس کے یہ آخری لمحے سخت جاں کنی اور بے ہوشی طاری کر دینے والی اذیت میں گزرے۔ پھر اس کا دل آخری مرتبہ دھڑکا اور

Scanned with CamScanner

وہ مرگیا۔ اس عالم میں کہ اس کا دایاں ہاتھ اپنی بیوی اور بیٹیوں کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس کی ساری بستی ہلاک ہوگئی سیاہ موت Black Death تاریخ عالم کی سب سے ہولناک وبا تھی 1348ء سے 1350ء تک کے چار سالوں میں صرف براعظم یورپ میں سات کروڑ پچاس افراد لقمہ اجل بن گئے اور شہر اور بستیوں پر زندگی کی بجائے موت کا راج ہوگیا۔

1300ء میں ''سیاہ موت'' کا آغاز چین سے ہوا تھا۔ یہ وبا ایک خاص جرثومے ''پیسٹی ریولا پیسٹس'' Pasteu Rella Pestis سے پھیلی۔

کالی موت نامی یہ طاعون خون کے سیاہ دھبوں کی شکل میں انسانی جلد پر نمودار ہوتی اور پھر سارا جسم ہی سیاہ پڑنے لگتا۔ اسی وجہ سے اس بیماری کو ''سیاہ موت'' کا نام دیا گیا۔ اس مرض میں غدود سوج جاتے اور پھر ہلاکت ہوجاتی۔

تقریباً دسمبر 1347ء میں یہ وبا چین سے قسطنطنیہ، سسلی، سارڈینیا، کورسیکا اور فرانس تک پہنچ چکی تھی، اس کے صرف چھ ماہ بعد مشرقی یورپ میں یونان اس کی زد میں تھا۔ پھر یوگوسلاویہ، البانیہ، بوسینا، کروشیا سے اٹلی، فرانس اور اسپین کے تہائی مشرقی حصوں میں پھیل گئی۔ دسمبر 1348ء میں اپنے نمودار ہونے کے پورے ایک سال بعد یہ پورے فرانس، آسٹریا اور رود بار انگلستان عبور کرکے انگلستان کے جنوبی علاقوں پر حملہ آور ہوگئی۔ اگلے چھ ماہ بعد یہ وبا پورے زور و شور سے سوئزرلینڈ اور جرمنی کے جنوبی حصوں اور وسطی انگلستان میں پھیل چکی تھی۔ اس کے علاوہ پورا آسٹریا بھی اس کی زد میں تھا۔

1349ء کے آخری عشروں میں اپنے آغاز کے پورے دو سال بعد یہ آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ اور سیکنڈے نیویا میں کوپن ہیگن تک پھیل چکی تھی۔ پھر بحر منجمد شمالی کو عبور کرکے یہ ناروے کے جنوبی حصوں تک جا پہنچی۔ جون 1350ء میں ناروے کے بیشتر علاقے اور باقی ماندہ جرمنی اس کا شکار ہوگیا۔ اپنے اختتام تک یعنی 1351ء کے آخر تک سویڈن اور پولینڈ بھی اس کی زد میں آگئے۔ پورے یورپ کی چوتھائی آبادی اس وبا کا شکار ہوگئی۔

سیاہ موت نے یورپی معاشرے کے بہت سے پہلوؤں پر اثر ڈالا۔ یورپ میں انسانی آبادی کے گھٹ جانے کی وجہ سے لوہاروں اور ترکھانوں جیسے ہنرمند بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگئے اور آبادی کی شرح کو وبا سے پہلے کی سطح تک پہنچنے میں کئی نسلوں کا عرصہ لگا۔

یورپ میں اس بیماری کے پھیلنے کی وجہ سے صحت وصفائی کے انتظامات اتنے بہتر ہوگئے کہ پسوؤں کا زندہ رہنا ممکن نہ رہا کیونکہ پسوؤں ہی نے اس وبا کو پھیلانے میں چوہوں کے ساتھ ساتھ مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

ماخذ: 101 بڑے حادثات۔ Encyclopedia Word Book

Scanned with CamScanner

1356ء۔ ہینسٹک لیگ کا قیام

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں دریائے رائن سے بحیرہ بالٹک Baltic Sea تک کے کنارے آباد شمالی جرمنی کی شہری ریاستیں مرکزی حکومت نہ ہونے اور تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر باہم برسرپیکار رہتی تھیں۔ تیرھویں صدی کے وسط میں اس روز روز کے جنگ و جدال سے تنگ آ کر انہوں نے محسوس کیا کہ اگر وہ آپس میں ایک تجارتی اتحاد قائم کرلیں تو ان کے تجارتی مفادات ایک دوسرے سے ٹکرانے کی بجائے محفوظ ہوجائیں گے اور انہیں ایک دوسرے کے شہروں میں تجارتی مراعات حاصل ہوجائیں گی۔ اور وہ ایک دوسرے سے لڑے بغیر اور نقصان پہنچائے بغیر بیرونی ممالک سے تجارت کرسکیں گے۔

ان شہری ریاستوں نے جو تجارتی اتحاد قائم کیا وہ ہینسٹک لیگ Hanseatic Leage کہلایا۔ کیونکہ یہ جرمن ریاستیں ہینسا Hansa کہلاتی تھیں۔ 1356ء میں قائم ہونے والی تجارتی تنظیم میں جن ریاستوں نے شرکت کی ان میں لیوبک Lubeck ، ہیمبرگ Hamburg اور بریمین Bremen شامل تھیں۔

اپنے تجارتی مفادات کو اس لیگ کے ذریعے محفوظ بنانے والی یہ ریاستیں جلد ہی جنگ و جدال چھوڑ کر دیگر یورپی ممالک کی طرح خوشحال ہوگئیں اور باہمی تجارت سے ایک دوسرے کے مفاد کا خیال رکھنے لگیں۔ اس لیگ کا کوئی رسمی آئین نہیں تھا اور اسے منتخب تاجروں کی ایک کانگریس کنٹرول کرتی تھی۔ یہ تاجر نمائندے ہینسا کی ریاستوں سے چنے جاتے تھے۔ اس لیگ کا اپنے ارکان اور دوسرے ممالک سے اپنے مفادات کی حفاظت کرنے کا ہتھیار صرف تجارتی بائیکاٹ اور تجارتی اجارہ داری تھا۔ جو رکن یا ملک اس تنظیم کے مفادات کے خلاف کام کرتا یا اس میں شامل ہونے سے انکار کرتا اس کا تجارتی طور پر بائیکاٹ کردیا جاتا اور وہ اپنی مصنوعات تجارت منافع بخش منڈیوں میں فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ بالآخر اس رکن یا ملک کو لیگ کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑتے اس طرح خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر لیگ میدان جنگ جیت جاتی۔

لیگ کے اہم کارناموں میں مختلف تجارتی اور بحری قوانین شامل تھے جو اس لیگ کے تجارتی مفادات کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیئے گئے تھے اور لیگ نے بین الاقوامی طور پر نافذ کرائے تھے۔

ہینسٹک لیگ نے روس کے ساتھ باضابطہ طور پر سمور کی تجارت کا آغاز کیا۔ ناروے اور سویڈن کے ساتھ مچھلی کی تجارات قائم کی۔

Scanned with CamScanner

اون کی تجارت کا سلسلہ فلینڈرز Flanders سے قائم کیا۔ 1370ء میں ڈنمارک کے بادشاہ نے لیگ کو توڑنا چاہا جس کے نتیجے میں ہینسا ممالک نے کوپن ہیگن پر قبضہ کرلیا اور ڈنمارک پر امن کی بحالی کے لیے سخت شرائط اور تاوان عائد کردیا۔ ہینسٹک لیگ ازمنی وسطیٰ کے آخر تک کام کرتی رہی۔ اس دوران کچھ ہینسٹک تاجر انگلستان میں بھی آباد ہوگئے اور جلد ہی یہاں اہم غیر ملکی تاجر شمار ہونے لگے۔ ان کی تجارتی کامیابیوں کے مدنظر رچرڈ سوم نے انہیں خصوصی تجارتی مراعات عطا کیں اور مقامی تاجروں کی مخاصمت کو نظر انداز کردیا۔

مآخذ:

The World Book of Encgclopeadia
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد 5 بذیل مادہ ہینسٹک

Scanned with CamScanner

1360ء- ابن کثیر کی ''البدایہ والنہایہ''

حافظ ابن کثیر، اسمٰعیل بن عمر عماد الدین ابوالفدا ابن الخطیب، مشہور مفسر اور مورخ۔ دمشق میں 710ھ/ 1301ء میں پیدا ہوئے۔ یہیں انہوں نے حدیث کا درس دیا اور اپنے استاد مشہور حنبلی عالم، ابن تیمیہ کے ساتھ اذیتیں برداشت کیں۔ انہیں اپنے اس باوصف استاد سے بے پناہ تعلق تھا۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے لیکن اہل تذکرہ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ ان کے خاص میدان قرار دیئے ہیں۔ تفسیر میں ان کی تفسیر ابن کثیر آج بھی بہت مقبول ہے۔

حافظ ابن کثیر کا زیادہ تر وقت، فتویٰ نویسی، تدریس اور مناظرہ میں گزرا۔ مدرسہ ام صالح میں مدرس تھے۔ انہوں نے حافظ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکویہ میں بھی درس دیا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ عظیم المرتبت شخص ظاہری بصارت سے محروم ہوگیا۔ 26 شعبان 774ھ/ 1373ء کو وفات پائی۔ اپنے شیخ امام ابن تیمیہ کے پہلو میں مقبرہ صوفیہ میں تدفین کی جگہ نصیب ہوئی ان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مگر ان کی تصنیف ''البدایہ والنہایہ'' ایک انتہائی عظیم الشان تاریخ ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر 767ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور 2+14 = 16 مجلدات پر مشتمل ہے۔ آخری دو جلدیں قیام قیامت اور بعد کے احوال پر مشتمل ہیں۔

عربی میں اس عظیم کتاب کے مجموعی صفحات (14 جلدوں کے) 5197 ہیں یہ عربی ایڈیشن 1407ھ/ 1987ء میں قاہرہ سے شائع ہوا تھا۔

1348ھ میں اس کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعید کے تعاون سے مطبعہ کردستان علمیہ نے چھاپا تھا۔ بعد میں یہ مصر سے شائع ہوئی۔

پہلی جلد کے آغاز میں زمین و آسمان کی تخلیق پر گفتگو کر کے ابوالبشر سیدنا آدمؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے ارشادات عرش و کرسی، زمین و آسمان اور جنات، الملائکہ کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ پھر تذکرہ انبیا کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس پہلی جلد میں حضرت الیاسؑ تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری جلد انبیائے اسرائیل سے شروع ہوتی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں تشریف لائے۔ اسی ضمن میں اصحب کہف، اصحاب الجنتہ اور قصہ لقمان پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی

Scanned with CamScanner

ہے۔

پھر بنو اسماعیلؑ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ بنو اسماعیل کی پوری تاریخ سیدنا اسمٰعیلؑ سے نبی آخر الزماں ﷺ تک سامنے آ گئی ہے۔ پھر اسی سے متصل آنحضرت کی مکی اور مدنی زندگی پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

تیسری جلد مکمل سیرت رسول ﷺ ہی سے متعلق ہے۔ اور اس کی ابتداء بدالوحی سے ہوتی ہے۔ اسی جلد میں ہجرت کا تفصیلی باب ہے اور غزوات اور سرایا پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ ہجرت سے سن وار ترتیب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چوتھی جلد ہجرت رسول ﷺ کے تیسرے سال سے شروع ہوتی ہے اور 8ھ تک کے وقائع پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلے ہر سن کے مشہور اور اہم واقعات پیش کئے گئے پھر حوادث اور وفات پانے والے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ پانچویں جلد 9ھ سے شروع ہو کر وفات حسرت آیات کے واقعات پر مشتمل ہے۔

چھٹی جلد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ مثلاً وہ اشیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں رہیں۔ بعض تبرکات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو عطا کیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخلاق کا بیان ہے۔ پھر اسی جلد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔

ساتویں جلد حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کا سن وار تذکرہ ہے۔ خلافت راشدہ کے وقائع کے سلسلے میں یہ جلد گویا مختص ہے اور اس کا اختتام حضرت علیؓ کے حالات پر کیا گیا ہے۔

آٹھویں جلد حضرت علیؓ کے سلسلے میں ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ اور اس کا اختتام 72ھ تک کے واقعات پر ہوتا ہے۔ اسی جلد میں حضرت حسنؓ کی صلح حضرت معاویہ سے اور قتل حسینؓ کے واقعات شامل ہیں۔

نویں جلد 74ھ سے 125ھ، دسویں جلد 126ھ سے 248ھ، گیارہویں جلد 249ھ سے 404ھ تک، بارہویں جلد 405ھ سے 588ھ، تیرہویں جلد 589ھ سے 697ھ اور چودہویں جلد 698ھ سے 767ھ تک کے وقائع پر مشتمل ہے۔

ابن کثیر نے خود 738ھ تک واقعات لکھے ہیں اس کے بعد کے واقعات ان کے کسی شاگرد نے لکھے تھے۔

مآخذ:

تاریخ ابن کثیر نفیس اکیڈمی۔ کراچی۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 1
وہ کتابیں اپنے آباء کی۔ مکتب عمر فاروق کراچی۔

Scanned with CamScanner

1362ء۔ مراد اول کا ایڈریانوپل پر قبضہ

اورخان نے اپنے عہد میں سلطنت عثمانیہ کو بڑی وسعت دی تھی۔ لیکن اناطولیہ کی بعض ترکی ریاستیں رقبے میں اب بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ مراد کی تخت نشینی کے وقت سلطنت عثمانیہ ایشیائے کوچک کے شمالی مغربی حصہ اور یورپ میں زنپ، گیلی پولی اور تھریس کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی۔ جہاں سلیمانی پاشا نے ترکوں اور عربوں کی نوآبادیاں قائم کر رکھیں تھیں۔ اس کا مجموعی رقبہ بیس ہزار مربع میل سے زیادہ نا تھا۔ مراد نے صرف تیس سال میں سلطنت کو پانچ گنا کر دیا تھا۔

مراد کی تخت نشینی کے وقت بازنطینی سلطنت کی حالت نہایت ابتر تھی اس کے تمام ایشیائی مقبوضات پر ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور یورپ میں قسطنطنیہ کے علاوہ صرف شمالی تھریس، مقدونیہ اور موریا کے کچھ علاقے باقی تھے۔ باہمی عداوتوں کے باعث ابتداء میں کوئی عیسائی سلطنت اس قدیم سلطنت کی ترکوں کے مقابلے میں مدد کے لیے آمادہ نہ تھی۔ باوجود اس کے کہ بازنطینی سلطنت بھی ایک مسیحی سلطنت تھی۔ اس کی وجہ یورپ میں لاطینی اور یونانی کلیسا کی مخاصمت تھی۔

ان حالات میں مراد نے درہ دانیل کو عبور کر کے ایک زبردست فوج کے ساتھ پہلے تھریس (تراکیا) پر حملہ کیا اور پھر قلعہ شور تک کو فتح کر لیا جو قسطنطنیہ سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ عثمانی جنرل لالہ شاہین نے ایڈرنوپل یا ادرنہ پر حملہ کیا۔ اس نے ادرنہ کے بازنطینی حکمران تکفور کو بمقام سازلی دیرہ Sazli-Dere شہر کی جنوب مشرقی سمت میں شکست دی۔ اس پر تکفور اپنے محل سے جو طونجہ نہری کے ساحل پر واقعہ تھا، چپ چاپ ایک کشتی میں سوار ہو کر نکل بھاگا۔ جولائی 1362ء میں اہل ادرنہ نے اس شرط پر اطاعت قبول کی کہ انہیں آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہوگی۔ مراد اول نے ادرنہ کا نظام پہلے جنرل لالہ شاہین کے سپرد کیا۔ مگر کچھ دنوں بعد بہتر رہی سمجھا کہ دربار سلطانی بروصہ ہی میں قائم رکھے۔ بااین ہمہ ادرنہ کو ایک طرح سے یورپ میں پیش قدمی کے لیے ترکوں کے مستقر کا درجہ دیا گیا۔ چنانچہ بایزید یلدرم نے ادرنہ ہی سے قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے پیشقدمی کی تھی۔ ادرنہ کے بعد جنرل شاہین نے بلغاریہ میں داخل ہو کر فلوپولس کو فتح کر لیا۔ اس شہر کی فتح کے بعد صورتحال یکسر بدل گئی۔ ترکوں کا یہ اقدام بالآخر کلیسائے رومہ کی زیر سایہ حکومتوں کے لیے تردد کا باعث ہوا اور پوپ اربن پنجم Urban-V نے ہنگری، سردیا، بوسینا اور ولاچیا کے فرمانرواؤں کو آمادہ کیا کہ ترکوں کے یورپ میں بڑھتے قدموں کو روکنے کے لیے اپنی اپنی فوجیں روانہ کریں۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ اتحادیوں نے (1363ء) میں بیس ہزار فوج تھریس روانہ کی اور اعلان کیا کہ وہ ترکوں کو یورپ سے نکال کر چھوڑیں گے۔ مراد اس وقت اناطولیہ میں تھا۔ یہ خبر سن کر وہ فوراً یورپ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مگر اس کے یورپ پہنچنے سے پہلے ہی لالہ شاہین نے ایک مختصر فوج کے ساتھ جو مسیحی افواج سے تقریباً نصف تھی۔ اتحادیوں کی طرف پیش قدمی کی ایک دن جب مسیحی افواج اپنے کیمپ میں شراب و کباب کی سرمستیوں میں گم تھیں دفعتاً حملہ کر کے تقریباً سب کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ جو لوگ اس کی تلوار سے بچ گئے انہوں نے دریا عبور کرنے کی کوشش میں ڈوب کر جان دی۔ شاہ ہنگری بمشکل جان بچا کر بھاگا یہ پہلا معرکہ تھا جو عثمانیوں اور متحدہ یورپ کے افواج میں پیش آیا۔ اس جنگ کے نتیجے میں بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا گیا۔ اس سے عیسائیوں کی طاقت کو سخت نقصان پہنچا۔ سلطان مراد نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اپنی سلطنت کو براعظم ایشیا میں وسعت دینے کی بجائے یورپ میں وسعت دینے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی غرض سے اس نے دیموٹیکا واقع تھریس کو اپنا پایہ تخت بنایا اور پھر تین سال بعد ادرنہ کو دارالسلطنت قرار دے دیا۔ ادرنہ فتح قسطنطنیہ تک سلطنت عثمانی کا دارالحکومت رہا۔ اور اسے مرکزیت حاصل رہی۔

مآخذ:

تاریخ ترکیب از ایس ایم شاہد۔
دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ ''ادرنہ''۔

Scanned with CamScanner

1362ء۔ ''پائرس دی پلومین

چودھویں صدی عیسوی کے ان عشروں میں انگلستان میں عوام کا سب سے زوردار شاعر ولیم لینگ لینڈ William Langland تھا۔ جس کی عجیب و غریب نظم ''پائرس دی پلومین'' انگریزی ادب کے شاہکاروں میں سے ہے۔ اس نظم کے تین مسودے آج کل ملتے ہیں جن میں اتنا اختلاف ہے کہ اکثر عالموں کی رائے کے مطابق یہ تین الگ الگ مصنفوں کی تصنیفات ہیں۔ پھر اس شعری مجموعے کے مصنف کی بابت یہ بھی طے نہیں ہوسکا کہ اس کا نام لینگ لینڈ تھا یا لینگ لے Langley مگر جو امور اس کی بابت تصدیق سے ثابت ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ تقریباً 1330ء میں شراپشائر Shropshire میں پیدا ہوا۔ ایک عرصے تک وہ ماورن کی پہاڑیوں Mavern Hills میں رہا پھر اپنے خاندان، بیوی اور بیٹی کو لے کر لندن میں آبسا اور عرائض نویسی کا کام کرتا رہا۔ کچہریوں اور قانون کی زبان سے اس کی اچھی خاصی واقفیت ہوگئی۔ وہ نہایت مغرور تھا، کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ زیادہ تر لوگ اسے پاگل سمجھتے تھے۔ اس نے خود کو ایسا لوک گلوکار بنایا جو دروازے دروازے گاتا پھرتا ہوا اور خیرات پر گزارا کرتا ہو۔ کیا معلوم اس کا یہ انکسار شاعرانہ انکسار ہو، خیر یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ شدید طور پر مذہبی تھا۔ اور اسے نام نہاد عیسائیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ پورے معاشرے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کے ذہن میں عیسائی معاشرے کا ایک خاص نصب العین تھا۔

وہ فن کار اور گلوکار ہونے سے زیادہ معلم اخلاق تھا۔ اور جو تصنیف اس کے نام سے منسوب ہے وہ ہے تو نظم، مگر معاشرے کی طنزیاتی تصویر پیش کرتی ہے اور عیسائیت کا زبردست پرچار کرتی ہے۔

''پائرس دی پلومین'' کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ شاعر گڈریئے کا بھیس بدل کر مالورن کی پہاڑیوں میں جاتا ہے۔ اور سو جاتا ہے۔ خواب میں اسے ایک وسیع میدان دکھائی دیتا ہے جس میں ہر قسم کے لوگ اسی طرح نظر آتے ہیں جیسے کہ کسی بازار میں دکھائی دیں۔ غریب، رئیس، مزدور، ناکارہ، زمیندار، تجارت پیشہ، کلرک، مسخرے سب ہی موجود ہیں۔

ان کے درمیان لیڈی ہولی چرچ Lady Holy Church ظہور کرتی ہے۔ اور ان سے کہتی ہے کہ وہ سب آسمانی معاملات سے بے بہرہ اور یہ کہ محبت اور سخاوت ہی انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ سن کر تمام مجمع توبہ کرتا ہے اور تلاش حق کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ مگر کسی کو

Scanned with CamScanner

راستہ معلوم نہیں ہے۔ اب پائرس پلاؤ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے پچاس برس حق کی خدمت کی ہے اور ضمیر اور عقل کی مدد سے اسے حق کے راستے کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ راستے کو تمثیلی طریقے پر بیان کرتا ہے۔ اسکو سن کر بزدل لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ چلنے سے پہلے پائرس زمین جوتتا ہے۔ اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ سینے پرونے کا کام کریں۔ کچھ لوگ اب بھی بھاگنا چاہتے ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے مجبوراً رک جاتے ہیں۔ شاعر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ پوپ کے معافی ناموں کے خلاف وعظ کرتا ہے اور قیامت کے دن نیکوکاروں کے انعام واکرام کا نقشہ کھینچتا ہے۔ خاص نظم اس طرح ختم ہوجاتی ہے مگر اس کے بیچ میں جو صفحے ایسے ہیں جو اس سے زیادہ طویل ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہین۔ ایک دی میرج آف دی لیڈی میڈ The Marriage Of Lady Meed ہے۔ اس میں لیڈی میڈ Meed (یعنی انعام واکرام) بہت قیمتی لباس پہنے دکھائی دیتی ہے۔ جواہرات سے لدی اس کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے۔ پہلے اس کے نام کا مطلب ''انعام واکرام'' بدرجہ اتم تھا مگر اب حیلہ سازی ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے چاپلوسی ہیں جو اسے برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس کی شادی ''جھوٹے'' False کے ساتھ ٹھہراتے ہیں۔ شادی کا معاہدہ تیار ہوجاتا ہے۔ مگر دینیات Theology کی مخالفت کی بنا پر یہ معاملہ لندن کے شاہی دربار میں لایا جاتا ہے۔ جہاں صالح لوگ ضمیر اور عقل کی مدد سے بادشاہ پر زور ڈالتے ہیں کہ شادی کا معاہدہ ختم کیا جائے۔

بے ایمان اور رشوت خور افسروں کی کوشش کے باوجود بدمعاشوں کو سزا دی جاتی ہے۔ جھوٹ اور اس کے ساتھی بھاگ جاتے ہیں اور پوپ کے معافی نامے بیچنے والوں اور سوداگروں اور گانے والوں میں پناہ لیتے ہیں۔

دوسرا حصہ کنفیشن آف سیون ڈیڈلی سنز Confession Of Sevendeadly Sins ہے یہ پہلے حصے سے یوں ملتا ہے کہ عقل کے ایک وعظ کا یہ اختتامیہ ہے۔ عقل سب گناہ گاروں کو حق کی تلاش کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ویسے تو سات تباہ کن گناہوں کا ذکر قرون وسطی میں بہت جگہ ملتا ہے۔ مگر لینگ لینڈ کے یہاں ان گناہوں کا بیان بڑی حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔ یہ سب گناہ بدل سکتے ہیں اور توبہ خدا سے دعا کرتی ہے کہ یہ سب ٹھیک ہوجائیں۔ ان حصوں کے علاوہ نظم کا ایک اختتامیہ بھی ہے جو بہت سے خوابوں کا مجموعہ ہے بہرحال پائرس دی پلومین ایک مثالی عیسائی ہے۔ ایسے مثالی انسان کا تصور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں نے پیش کیا ہے۔

مآخذ

صفحہ 32 تاریخ ادب انگریزی ڈاکٹر احسن فاروقی۔ تاریخ ادبیات عالم

Scanned with CamScanner

برطانوی فوج کو فلاڈلفیا چھوڑنا پڑا۔ (1778ء)

شمال مغرب پر امریکیوں کی گرفت مضبوط ہوتی نظر آئی تو برطانیہ نے جنوب کی جنگ میں زبردست دباؤ ڈال دیا۔ 1780ء میں جنوبی بندرگاہ چارلسٹن پر قبضہ کرلیا اور کیرولینا کو روند ڈالا۔ اگلے سال انگریزوں نے ورجینیا پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو فرانسیسی بحری بیڑے نے جنرل واشنگٹن کی فوجوں کو کشتیوں کے ذریعے خلیج چیزاپیک پہنچا دیا جہاں واشنگٹن اور ایک دوسرے امریکی جنرل کی مشترکہ فوجوں نے یارک ٹاؤن اور ورجینیا کے ساحل پر لارڈ کارنوالس کی آٹھ ہزار فوج کو جالیا۔ 19 اکتوبر 1782ء کو لارڈ کارنوالس نے امریکی فوج کے آگے ہتھیار ڈال کر جان بچائی۔ یہ وہی جنرل تھا جس نے بعد ازاں ہندوستان میں اپنی چالاکی اور مکاری سے ٹیپو سلطان جیسے مجاہد اعظم کو شکست دی تھی۔

جب یارک ٹاؤن میں امریکہ کی فتح کی خبر برطانیہ کے دارالعوام میں پہنچی تو دارالعوام نے جنگ کی صورت حال پر بحث کر کے جنگ کو ختم کر دینے کے حق میں فیصلہ کیا۔ اپریل 1782ء میں امن مذاکرات شروع ہوئے اور عارضی سمجھوتہ پر دستخط ہو گئے۔ 1783ء میں اس امن معاہدہ کو حتمی شکل دی گئی۔ امن کے اس معاہدے کی رو سے امریکہ کی تیرہ ریاستوں کی آزادی کو برطانیہ نے تسلیم کرلیا۔

1778ء چھوڑ چلے لو شہر تمہارا چھوڑ چلے، والٹیئر

تیس 30 مئی 1778ء کا دن مغربی فلسفی اور طنز نگار والٹیئر کی زندگی کا آخری دن تھا۔ موت سے چند گھنٹے پہلے پیرس کا ایک راہب گالٹر کے اس کے پاس آیا اور اس نے والٹیئر سے سوال کیا کہ جناب کیا آپ مسیح کی الوہیت پر ایمان رکھتے ہیں؟ مرتے ہوئے والٹیئر نے جو طنز و تفنن کا بے تاج بادشاہ تھا از راہ تفنن جواب دیا۔ ''حضرت آپ نے مجھے سکون سے جینے تو نہ دیا اب للہ مجھے سکون سے مرنے تو دیجئے۔

اس کی موت کا فوری سبب مورخین نے یہ بتایا ہے کہ اگرچہ وہ 80 سال سے زائد عمر کا ہو چکا تھا مگر اب بھی سلسلہ تصنیف و تالیف جاری رکھے ہوئے تھا اور صحت کی خرابیوں کو اپنے کام پر حاوی نہ ہونے دیتا تھا۔ مرنے سے پہلے وہ اپنے المیہ ڈرامے ''آئرین'' کی پہلی نمائش پر اس حد تک پر جوش ہو گیا تھا کہ اس پر تھکن طاری ہو گئی اور وہ بستر مرگ پر جا پہنچا۔

Scanned with CamScanner

کہتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے اس فرانسیسی فلسفی اور طنز نگار نے اسی قسم کی طوفانی زندگی بسر کی تھی جیسے اس کے مشہور کردار ''کینڈیڈے'' نے کی تھی اس نے بعض معزز اور اہم شخصیات کو اپنے بے پناہ طنز کے تیروں کا نشانہ بنایا جس کی وجہ سے اسے کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ وہ زبان و قلم کی قوت سے جن لوگوں کو اپنا دوست بنالیا کرتا تھا۔ انہی کو جلد ہی اپنی زبان اور قلم کی تیزی سے دشمن بنالیتا تھا۔

21 نومبر 1694ء کو پیرس میں دریائے سین کے مغربی کنارے پر ایک مالدار وکیل کے گھر میں ایک لاغر بچے نے جنم لیا۔ وہ اس قدر کمزور و ناتواں تھا کہ اس کے زندہ بچنے کی کم ہی امید تھی۔ اس ناتواں بچے کا نام فرانسوا زماری آرویت رکھا گیا۔ یہ بچہ جب چوبیس سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے اپنا نام والٹیئر رکھ لیا۔ دنیا آج اس کو اسی نام سے جانتی ہے۔ اس نے پیرس کے یسوعی کالج سے تعلیم حاصل کی۔ وہ شاعر کی حیثیت سے یوں پہچانا گیا کہ اس نے 1710ء میں لاطینی زبان کی نظم نگاری کے ایک مقابلے کے لیے نظم لکھی جس کو پہلا انعام دیا گیا۔ اسکول کے اساتذہ نے اسے انعام میں جو کتاب دی اس کا نام ''فرانس میں خانہ جنگیوں کی تاریخ'' تھا۔ بہر حال اساتذہ نے خدا جانے کیا سوچ کر اس کے لیے یہ کتاب منتخب کی کہ ساری زندگی اس کی علم تاریخ سے دلچسپی قائم رہی پھر بیس بائیس برس کی عمر میں اس نے اپنی زندگی کی پہلی ہجو لکھی جس سے اس کی شہرت بطور طنز نگار ہوگئی۔ ایک دفعہ اس نے پیرس کے نائب السلطنت کی ہجو کہہ ڈالی جس کے انعام کے طور پر اسے شہر بدر کردیا گیا۔ اور گیارہ مہینے تک باستیل جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ مورخین نے لکھا ہے جب پولیس والے اسے باستیل جیل کے قید خانے کی طرف لے جارہے تھے تو وہ پولیس والوں پر طنز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ پولیس والوں کے فرائض بھی بہت کٹھن ہوتے ہیں بے چاروں سے چھٹی کے دن بھی مشقت لی جاتی ہے۔ پھر اس نے یہ بھی کہا کہ اگر جیل خانے میں اس کو روزانہ دودھ ملتا رہے تو وہ جیل خانے میں بھی خوش رہے گا۔

مگر والٹیئر کا باپ ایک وکیل تھا اسے باستیل کے قید خانے کی سختیوں کا احساس تھا مگر والٹیئر نے بندی خانے ہی میں اپنا قلمی نام والٹیئر رکھا تھا۔ اور وہیں اس نے اپنی زندگی کا پہلا ادبی کارنامہ انجام دیا جو شاہ ہنری چہارم کی زندگی پر ایک طویل ازمیہ نظم کی صورت میں تھا۔ تقریباً گیارہ ماہ کی مدت کے بعد جب وہ رہا ہوا تو اس کی ملاقات اسی نائب السلطنت

Scanned with CamScanner

سے ہوگئی جس کی ہجو لکھنے کی پاداش میں جیل بھگتی تھی۔ والٹیئر نے اسے کہا حضور والا آپ میرے قیام وطعام کا بندوبست کریں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ مگر اس بار اسے قید خانے کی بجائے انگلستان جلاوطن کر دیا گیا جو اس کی شاہ ہنری کے متعلق رزمیہ نظم میں مذہبی آزاد خیالی کی حمایت کی پاداش میں تھا۔

1728ء میں واپس پیرس آیا اور اس نے نہایت چابکدستی سے سٹہ کھیلنے کی وجہ سے خاصی دولت جمع کر لی۔ لیکن تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی زمانے میں انگریزوں کے متعلق خطوط لکھے جو علمی مقصد کے لیے لکھے گئے تھے۔ ان کی وجہ سے خاصا شور مچا، ان خطوط میں اس نے فرانسیسیوں کو انگلستان کے آزاد اداروں کے متعلق عجیب عجیب باتیں بتائیں۔ جن سے پہلے وہ واقف نہ تھے۔

اس کے بعد 1749ء سے 1734ء تک کہ پندرہ سال اس نے اپنی ایک دوست مادام شاتلے کے محل میں بسر کیے۔ جس کے دوران اس نے اپنے بہت سے مقالے افسانے، ڈرامے، نظمیں، ناول اور طنزیہ مضامین اس کے قلم سے نکلے۔ اسی دوران اسے فریڈرک اعظم شاہ پروشیا سے دعوت نامہ موصول ہوا جو اس کا مداح تھا۔ والٹیئر نومبر 1740ء میں برلن پہنچا اور شاہ فریڈرک سے مل کر متاثر ہوا فریڈرک سے دوسری بار ملاقات ہوئی تو یہ فلسفی جس سفارت کو لے کر حاضر ہوا تھا تو بادشاہ نے اسے ٹال دیا۔ اس طرح دونوں طاقتور شخصیتوں کا نباہ نہ ہو سکا اور والٹیئر فرانس واپس آ گیا۔ مادام ایملی شاتلے کی وفات سے والٹیئر کی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا اسے جلد ہی مادام ڈینس نے پورا کر دیا جو رشتے میں اس کی بھانجی تھی۔ اور والٹیئر کی زندگی میں آنے والی دوسری اہم عورت تھی۔

روسو کے ساتھ بھی جینوا میں رہتے ہوئے والٹیئر کے قلمی طور پر اچھے تعلقات قائم ہوئے مگر ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے کبھی ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ آخری برسوں میں والٹیئر کی شہرت پورے براعظم یورپ میں پھیل گئی تھی۔ اور وہ براعظم کی اہم ترین شخصیت بن گیا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری سال والٹیئر نے فاغنے نامی قصبے میں گزارے وہ اپنی موت سے صرف چند ماہ پہلے 10 فروری کو پیرس واپس پہنچا جہاں اس کی ملاقات امریکی سفیر بنجمن فرینکلن سے ہوئی۔ اس کی پیرس واپسی سے شہر میں دھوم مچ گئی۔ مگر جلد وہ یہ شہر تو شہر یہ دنیا ہی چھوڑ گیا۔ مگر یورپ کی ادبی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکا۔

Scanned with CamScanner

والٹیئر کی فلاسفیکل ڈکشنری:

اٹھارویں صدی میں صرف والٹیئر جیسے آدمی کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ وہ دنیائے مسیحیت کی سب سے بڑی شخصیت پاپائے روم کو یاد دلا سکتا تھا کہ ہم بحث تو کر رہے ہیں لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم جو الفاظ استعمال کر رہے ہیں پہلے ان کے معانی کا تعین کر لیں۔ والٹیئر کے اسی ایک جملے نے پاپائے روم کے علمی زعم کا خاتمہ کر دیا تھا۔

والٹیئر کی تصانیف میں اس کی فلاسفیکل ڈکشنری کو بڑی اہمیت حاصل ہے والٹیئر کی یہ تصنیف اس کے آخری زمانے کی چند کتابوں میں اہم ترین درجے کی کتاب ہے، اس میں ذکاوت، بذلہ سنجی، روشن خیالی اور خرد افزائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ فلاسیکل ڈکشنری وہ کتاب ہے جب 1762ء میں اس کی پہلی جلد شائع ہوئی تو ناسازگار حالات کی وجہ سے والٹیئر نے اس پر اپنا نام نہ دیا تھا۔ بلکہ یہ ایک گمنام مصنف کی تخلیق کے طور پر شائع ہوئی۔ فلاسفیکل ڈکشنری کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالص فلسفے کی کتاب نہیں ہے۔ والٹیئر کی پوری فکر، رجحانات، رویئے اور اسلوب کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب محققین نے اس کی نمائندہ ترین تصنیف قرار دی ہے، فلاسفیکل ڈکشنری اپنی اشاعت سے لے کر اب تک دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے اس کے کاٹ دار، تیز فکر انگیز جملے ضرب المثل بنے ہیں۔ جن زبانوں میں اس کا ترجمہ نہیں ہوا مثلاً اردو، ان زبانوں میں بھی اس کے ٹکڑے مختلف حوالوں سے موجود ہیں۔

اقتباسات:

1- لکھنے والے کو سچ بولنا چاہیے اور اپنے قاری کو کبھی فریب نہیں دینا چاہیے۔
2- مذہب اور اخلاقیات، قدرت کی قوت توڑ دیتے ہیں۔
3- زمانہ حال، حاملہ عورت کی طرح ہے جس کے پیٹ میں مستقبل پل رہا ہے۔
4- مذہب کو انسانوں پر صرف روحانی تصرف حاصل ہونا چاہیے۔
5- بڑے آدمی پر کبھی کوئی حکمرانی نہیں کر سکتا۔
6- قوانین کا کیا ہے۔ چوروں کے درمیان بھی کچھ قوانین ہوتے ہیں۔
7- آپ کتابوں سے خوف کھاتے ہیں اس لیے ان پر پابندی لگاتے ہیں سنو،

Scanned with CamScanner

انسانوں کو پڑھنے دو اور ناچنے دو، کتابیں اور رقص۔ دنیا کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

8۔ میں ایک بار پھر آپ (یورپی) جاہلوں کو بتاتا ہوں کہ یہ آپ کی جہالت ہے جس کی وجہ سے آپ (حضرت) محمد (ﷺ) کے مذہب کو شہوانی دین سمجھتے چلے آرہے ہیں۔ اس میں ایک لفظ کی بھی سچائی نہیں ہے یاد رہے کیا ہمارے پادری اور مذہبی راہنما کیا انسانوں پر یہ قانون لاگو کر سکتے ہیں کہ صبح چار بجے سے رات دس بجے تک نہ کچھ کھانا ہے نہ کچھ پینا ہے اور روزہ رکھنا ہے۔ کیا شراب ممنوع قرار دی جاسکتی ہے؟ کیا جلتے ہوئے صحراؤں میں سفر کر کے تم حج کا حکم دے سکتے ہو کیا تم غریبوں کو اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ زکوٰۃ میں دے سکتے ہو؟ اگر تم اٹھارہ اٹھارہ عورتوں کی محبت کا لطف اٹھا رہے ہو گے اور تمہیں حکم دیا جاتا کہ صرف چار بیویاں ہی رکھی جاسکتی ہیں تو کیا تم یہ حکم مان لیتے۔ کیا تم ایسے مذہب کو شہوانی مذہب کہہ سکتے ہو؟ (حضرت) محمد (ﷺ) معراج پر تشریف لے گئے اس معراج کے واقعے کو ہم خود ثابت کر چکے ہیں اور ایک حقیقت ہے۔ جاہل مورخ جو مرضی بکواس کرے۔

1779ء میسور کی دوسری جنگ

پہلی جنگ میسور کے معاہدے کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ مرہٹہ سردار پیشوا مادھو راؤ نے 1771ء میں میسور پر حملہ کر دیا تھا۔ حیدر علی نے پہلے معاہدے کی رو سے اپنے حلیفوں یعنی انگریزوں سے مدد طلب کی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ حیدر علی کو تن تنہا مرہٹوں کا مقابلہ کرنا پڑا مرہٹوں کی یہ یورش اتنی سخت تھی کہ حیدر علی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ 1772ء میں مرہٹہ پیشوا کی موت نے ان کا یہ حملہ ختم کیا اور چونکہ مرہٹوں میں جانشینی کے مسئلہ پر باہمی کشمکش پیدا ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے حیدر علی سے صلح کر لی۔ اب حیدر علی انگریزوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا۔ 1779ء میں جب انگریزوں نے فرانسیسیوں کے زیر انتداب میسور کی بندرگاہ ماہی پر قبضہ کیا تو حیدر علی کو انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع مل گیا۔

حیدر علی نے کرناٹک پر حملہ کر دیا اور آرنی، کاویری، پٹن محمود پندرو غیرہ فتح کر لیے۔ 1781ء میں پولی پور کی مشہور لڑائی میں انگریزوں کو شکست فاش دی اور انگریز سپہ سالار

Scanned with CamScanner

بیلی کو اس کے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ پھر مزید پیشقدمی کرتے ہوئے ارکاٹ کے مستحکم قلعہ فتح کر لیے۔ انگریزوں نے صلح کے لیے ایک وفد حیدر علی کے پاس بھیجا مگر حیدر علی نے انکار کر دیا۔ اس پر گورنر جنرل وارن ہیگر نے جنرل آئر کوٹ کو سپہ سالار بنا کر مدراس بھیجا۔ اس نے ابتدا میں چند کامیابیاں حاصل کیں مگر جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ ادھر حیدر علی کو فرانسیسی بحری بیڑے کی کمک حاصل ہو گئی۔ کڈلور کے مقام پر ایک شدید جنگ میں انگریزوں کو کامل شکست ہوئی اور قلعہ آرنی پر حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔ اس شکست سے انگریزوں کے قدم جنوبی ہند سے اکھڑنے لگے۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی دوران 1782ء میں ارکاٹ کے قریب حیدر علی نے بھی وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے ٹیپو سلطان نے تخت سنبھالا اور دو سال تک مزید کامیابی سے جنگ کو جاری رکھا۔ تاہم 1784ء میں صلح نامہ منگلور پر میسور کی دوسری جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

1779ء دنیا کے پہلے آہنی پل کی تعمیر

یکم جنوری 1781ء کو دنیا کا پہلا آہنی پل ٹریفک کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ یہ پل دریائے سیورن پر کول بروکڈیل کے مقام پر انگلستان کی شروپشائر SHROPSHIRE نامی کاؤنٹی میں بنایا گیا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں لوہا سودھنے کے انگریزی ماہر ابرام ڈربی نے کوک کے ذریعے لوہا سودھنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا جس میں لوہا صاف کرنے پر بہت کم لاگت آتی تھی۔ اس سے پہلے لوہے کو کچ دھات سے نکالنے کے لیے لوے کی کچ دھات کو گرم تارکول کی تہہ میں رکھا جاتا تھا۔ جو ایک مہنگا طریقہ تھا۔ ابراہام ڈربی کے لوہا سودھنے کے طریقے نے لوہے کی تعمیراتی انجینئرنگ میں انقلاب بپا کر دیا اور اب لوہے سے بڑی چیزیں آسانی سے بنائی جانے لگیں۔

کول بروکیڈیل، مشرقی شروپشائر کا علاقہ صنعتی انقلاب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی علاقہ ابراہام ڈربی کا آبائی علاقہ تھا۔ صنعتی انقلاب کی باقیات اس علاقے میں اتنے وسیع پیمانے پر موجود تھیں کہ حکومت برطانیہ نے بیسویں صدی میں اس پورے علاقے کو میوزیم آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں بدل دیا ہے۔ اس علاقے میں دریائے سیورن کی وجہ سے آبی شاہراہوں کا ایک پورا نظام موجود تھا جس کے ذریعے اس علاقے میں تیار کی جانے

Scanned with CamScanner

والیے مصنوعات کو ملک کی اہم بندرگاہوں تک پہنچا دیا جاتا تھا۔ اندرون علاقہ خام مال کی ترسیل کے لیے یہاں دریائے سیورن پر ایک پل کی ضرورت تھی۔ 1775ء میں علاقے کے اہم صنعت کاروں نے ایک میٹنگ بلائی جس میں اس پل کے لیے تجویز پیش کی گئی جسے بالآخر پارلیمنٹ نے ایک آہنی پل جو بلاستون تعمیر کیا جائے کی شکل میں 1776ء میں منظور کرلیا۔

دراصل دریائے سیورن میں اکثر شدید سیلاب آتے رہتے تھے جن میں خطرہ تھا کہ پل کے ستون ضرور متاثر ہوں گے۔ ابراہام ڈربی کے پوتے ابراہام ڈربی سوم نے ایک ایسے معلق آہنی پل کی تجویز پیش کی جو بغیر ستون ایستادہ رہ سکے۔ پھر ایک قدیم رومی پل کے ڈیزائن پر نصف دائرے میں لوہے کی پٹیوں اور کمانیوں پر اس پل کا ڈیزائن ایک مقامی انجینئر نے تیار کیا جو منظور کرلیا گیا اور پل کی تعمیر کا آغاز ہوگیا۔

1780ء لندن میں گورڈنی بلوے

اٹھارہیں صدی کے نصف آخر میں رونما ہونے والے ان مشہور بلوؤں کا سبب ایک قانون تھا جو 1778ء میں جارج سیک ویل GEORGESAKEWELL نے منظور کرایا تھا۔ یہ شخص وہگ پارٹی کا رکن تھا اور وہ ظالمانہ پابندیاں ختم کرانا چاہتا تھا جو 1689ء سے کیتھولک فرقے پر عائد کردی گئی تھیں۔ خصوصاً وہ حکم نامے کہ جن کے ذریعے کیتھولک پادریوں کو مناجات خوانی سے اور کیتھولک عوام کو زمین خریدنے سے منع کردیا گیا تھا اگرچہ یہ ماضی کے اس ظالمانہ قوانین کے خلاف محض ایک رعایت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا مگر اس پر جو ہنگامہ کھڑا ہوا الامان الحفیظ۔ وہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے لوگ کیتھولک ازم سے کس حد تک متنفر تھے۔ انگلستان کے ایک امیر لارڈ گورڈن کے ایک نیم پاگل بھائی لارڈ جارج گورڈن کی قیادت میں ایک انجمن بلکہ ایک بہت بڑا جلوس بھی نکالا جس کا مقصد مندرجہ بالا قانونی رعایت کے خلاف جو کیتھولکوں کو دی گئی تھی، احتجاج کرنا تھا۔ اس جلوس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے پورے جوش وخروش سے شرکت کی۔ ان لوگوں نے دارالعوام کو گھیرے میں لے لیا اور بہت رات گئے تک احتجاجی نعرے لگاتے رہے۔ اس رات دارالعوام کے ارکان قریب قریب ننگی تلواریں ہاتھ

Scanned with CamScanner

میں لیے بمشکل اپنے گھروں کو پہنچے۔

لارڈ جارج گورڈن دارالعوام کا رکن تھا اس نے قانون سیک ویل کی منسوخی کے لیے ایک محضر پیش کیا۔ جب وہ محضر پیش کیا جا رہا تھا تو اس کے ساتھی یا جلوس کے شرکا دارالعوام کے دروازوں کو گھیر کر کھڑے تھے جو لوگ دارالعوام کے احاطے میں داخل نہ ہو سکے انہوں نے دارالعوام کے ان ارکان کو ستانا شروع کر دیا جو ہجوم کو چیر کر دارالعوام کی طرف جا رہے تھے جب یہ جلوس واپس چلا تو راستے میں کیتھولک سفیروں کے علاقے سے گزرتے ہوئے جلوس کے شرکا نے دو کیتھولک عبادت گاہوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ جب ان کی اس حرکت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تو بلوائیوں کا حوصلہ بڑھا تو بپھرے ہوئے عوام کو کوئی روکنے والا نہ رہا۔ جو لوگ ان میں جو ذرا آبرودار تھے وہ جلوس سے الگ ہو گئے۔ بلوائیوں نے آگے بڑھ کر نیو گیٹ کا قید خانہ توڑ ڈالا اور اسے بھی آگ لگا دی۔ پھر عوام کے راستے میں شراب کی بھٹیاں، رہائشی مکانات وغیرہ جو کچھ بھی آیا اسے آگ لگا دی گئی۔ انہیں میں میر مجلس عدالت مینس فیلڈ کا گھر بھی شامل تھا۔ تین دن تک لندن شہر میں خوف و ہراس کا راج رہا۔ اس زمانے میں پولیس کی کوئی باقاعدہ جمعیت نہ تھی اور یہ بلوہ شہر کے حلقوں کے معمولی جوانوں کے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ فوج طلب نہیں کی گئی مگر جب فوج آئی تو اسے بندوق چلانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اب تو بلوائی شیر ہو گئے اور تشدد بڑھ گیا۔ بالآخر بادشاہ نے اپنی ذمہ داری پر فوج کو گولی چلانے کا حکم دیا۔ اگر یہ عزم اور پختگی پہلے ہی دکھائی جاتی تو شاید اتنے ہنگاموں کی نوبت ہی نہ آتی۔ شاہی اعلان کے بعد رفتہ رفتہ یہ فساد دبتا چلا گیا مگر امن قائم ہوتے ہوتے فوج کے ہاتھوں کم از کم پانچ سو آدمی ہلاک و زخمی ہو گئے۔ یہ فسادات اور بلوے انگلستانی تاریخ میں گورڈنی بلوے کہلاتے ہیں۔

1781ء نظام شمسی کے ساتویں سیارے کی دریافت

سیارہ یورینس نظام شمسی میں ساتویں نمبر پر آتا ہے۔ یہ سیارہ سورج سے 1780000000 میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ سورج کے گرد اپنے مدار میں ایک چکر زمین کے 84 سال میں مکمل کرتا ہے۔ اس طرح اس کا ایک سال 84 زمینی سالوں کے برابر ہے

Scanned with CamScanner

اس کے اپنے پانچ چاند ہیں۔ یہ اپنے محور کے گرد اس تیزی سے گھومتا ہے کہ دس گھنٹے میں اپنی محوری گردی پوری کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کے دن رات صرف دس گھنٹے کے ہوتے ہیں۔ اس کے گرد چھلول کو ایک نظام ہے یہ سیارہ زمین سے 64 گنا بڑا ہے۔ 31 مارچ 1781ء کو انگریز ماہر فلکیات سر ولیم ہرشل نے نظام شمسی کا یہ ساتواں سیارہ دریافت کیا تھا۔ اس سیارے کا نام یونانی دیوی یورینس کے نام پر رکھا گیا۔

برطانوی سائنسداں ولیم ہرشل کو جدید علم فلکیات کا بانی کہا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں ہزاروں سال میں جو سیارے دریافت ہوئے تھے ان میں اس کی دریافت نے ایک تہلکہ مچا دیا اور لوگوں کی توجہ اس کی اس دریافت کی وجہ سے علم فلکیات کی طرف مبذول ہوگئی۔

ولیم ہرشل HERCHEL WILLIAM جرمنی میں ہینور کے مقام پر 1738ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک موسیقار تھا۔ 14 سال کی عمر میں ہرشل نے اپنے باپ کے ساتھ فوج میں موسیقی کا شعبہ اختیار کیا۔ پھر 1757ء میں وہ انگلستان آ گیا اور موسیقی کی تعلیم دینے لگا۔ وہ ابتدا ہی سے علم فلکیات میں دلچسپی رکھتا تھا اس لیے اپنے فالتو وقت میں اس علم کا مطالعہ کرتا تھا۔ اس کی آمدنی بڑی قلیل تھی اس لیے وہ فلکیات میں دلچسپی کے باوجود دوربین نہیں خرید سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے لیے دوربین خود بنائی۔ اس کام میں اس کی مدد اس کی بہن کیرولین نے کی۔ اس کی بنی ہوئی پہلی دوربین (1774ء) اتنی کامیاب رہی کہ اس نے اپنی باقی زندگی دوربین کو بہتر بنانے میں گزار دی۔

1781ء میں اس نے ایک نئی دوربین تیار کی جو اس کی تیار کردہ پہلی دوربینوں میں کہیں بہتر تھی۔ اسی دوربین کی مدد سے وہ آسمان کی پنہائیوں میں دور تک جھانکنے کے قابل ہو گیا تھا۔ مارچ 1781ء میں جب وہ اپنے مکان کے پچھواڑے میں اس دوربین کی پڑتال کر رہا تھا تو اسے نظام شمسی کے 6 سیاروں کے علاوہ ایک عجیب سی شے آسمان پر نظر آئی جو اگرچہ ستارہ بھی نہیں تھی۔ اس نے ایک نیا سیارہ دریافت کر لیا تھا۔ یہی سیارہ بعد ازاں یورینس کہلایا۔ یہ فلکیات کے میدان میں بڑی اہم دریافت تھی اور قدیم دور کے بعد انسان کی پہلی دریافت بھی۔ ہرشل نے اس سلسلے میں اتنی شہرت حاصل کی کہ جلد ہی اسے شاہ انگلستان، جارج سوم نے اپنا نجی ماہر فلکیات مقرر کر دیا اور شاہی محل میں بلا لیا تا کہ وہ شاہی خاندان کے افراد کو آسمان کا مشاہدہ کرائے۔

Scanned with CamScanner

دوربین کو بہتر سے بہتر بنانے کا کام جاری رکھتے ہوئے 1789ء میں اس نے 12 میٹر طویل اور 48 انچ قطر کی ایک دوربین تیار کی جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی دوربین تھی۔ اس کی مدد سے ہرشل نے آسمان پر دکھائی دینے والے مدھم روشن اجرام فلکی کا مطالعہ شروع کیا۔ یہ نیبولاز تھے۔ اگلے بیس سال میں ہرشل نے تقریباً دو ہزار نئے نیبولا دریافت کیے۔ اس کی دوسری اہم دریافتوں میں زحل کے دو چاند اور کئی دوسرے ستارے شامل ہیں۔ وہ پہلا سائنسدان تھا جس نے انفراریڈ شعاعیں دریافت کیں مگر اس کی سب سے بڑی دریافت سیارہ یورینس ہے۔

1782ء ولیم پٹ کا وزارت عظمیٰ پر تقرر

جارج سوم نے 1782ء میں اپنا وزیر اعظم ایک ایسے نوجوان کو چنا جس کی عمر صرف 24 سال تھی اور اسے پارلیمنٹ میں آئے صرف تین سال ہوئے تھے۔ یہ ولیم پٹ دی یگر WILLIAM PIT THE YOUNGER تھا جو ولیم پٹ، ارل آف چیتھم کا بیٹا تھا۔ اسے ابتدا سے پارلیمنٹ کے واسطے تربیت دی گئی تھی۔ ابھی وہ بچہ تھا کہ اس کا باپ اسے ادب عالیہ کی تعلیم خود دیتا تھا اور ملٹن کی ''فردوس گم گشتہ'' پڑھاتا تھا۔ چودہ برس کی عمر میں اسے کیمبرج یونیورسٹی بھیجا گیا جہاں اس نے یونانی اور لاطینی ادبیات اور ریاضی کا مطالعہ کیا اور سیاسیات میں خصوصی دلچسپی لی۔

1780ء میں اسے جامعہ کیمبرج کی طرف سے پارلیمنٹ کی سیٹ کا امیدوار بنایا گیا مگر اس نے شکست کھائی۔ آخر سر جیمس لاؤتھر نے اسے اپنے ایل بی کی طرف سے مبعوث بنوا دیا۔ پارلیمنٹ میں اس نے وہ مستعدی اور پختگی دکھائی جو اس کی عمر کے نوجوان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگلے انتخاب میں پٹ کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے بڑے دھوم دھام سے منتخب ہوا اور اس کے مخالف فاکس کو اس کے اپنے حلقے ویسٹ منسٹر میں بھی بڑی مشکل سے جگہ ملی۔ اس طرح اس نے ستر سال سے پراسرار اقتدار وہگ پارٹی کو شکست دی جو ملک کے نظم و نسق میں کسی دوسرے کو جگہ نہ دیتی تھی۔

ولیم پٹ آئندہ بیس سال تک اقتدار میں رہا۔ برطانیہ کے کسی اور وزیر اعظم کو اتنا عرصہ اقتدار حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی اتنا کم عمر وزیر اعظم منتخب ہوا۔ ولیم پٹ کے عہد

Scanned with CamScanner

وزارت عظمیٰ میں فرانس سے جنگ جاری رہی۔ ولیم پٹ نے زیادہ تر وقت انتظامی حیثیت سے مختلف شعبوں میں اصلاحات کے نفاذ میں گزارا۔ پٹ کو سب سے نمایاں کامیابی مالیات کے میدان میں ہوئی۔ اس نے مشہور ماہر اقتصادیات ایڈم سمتھ کے بتائے ہوئے اصول اختیار کے جو تجارت کی ترقی کے لیے محاصل میں کمی کا حامل تھا۔ پٹ نے 1785ء میں چائے کا محصول گھٹا کر 50 سے 12 فیصد کر دیا اور آمدنی کی کمی کو ''محصول دریچہ'' لگا کر پورا کر لیا۔ ولیم پٹ برطانیہ کا پہلا وزیر اعظم تھا جس نے ملک میں انکم ٹیکس کا نفاذ کیا اور عوام سے اس کی آمدنیوں پر ٹیکس وصول کیا۔ انکم ٹیکس کا نظام 1799ء سے 1816ء تک انگلستان میں روشناس کرایا گیا۔

1783ء کریمیا کی سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی

سلطان عبدالحمید اول (1773ء، 1789ء) کے عہد میں روس سے جنگ جاری تھی۔ جنگ کے ساتھ ساتھ دونوں سلطنتوں کو سخت مخدوش داخلی حالات کا سامنا تھا اس لیے فریقین نے 16 جولائی 1774ء کو معاہدہ کینارجی TREATY OF CANARJI کے تحت جنگ بند کر دی۔ مگر اس معاہدہ میں بہت سی دفعات ایسی تھیں جو بعد میں سلطان عثمانیہ کے لیے بہت سخت ثابت ہوئیں۔ انہیں دفعات کی رو سے کریمیا کو سلطنت عثمانیہ سے علیحدہ کر کے وہاں ایک مستقل تاتاری حکومت قائم کر دی گئی۔ دوسری طرف دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا کو روس کی حمایت کا حق حاصل ہو گیا جو کھلم کھلا طور پر سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف تھا اور کے سفیر کو قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت مل گئی اور روس کی حکومت کو باب عالی نے تسلیم کر لیا۔ اگرچہ ولاچیا، سربیا، جارجیا اور مولڈیویا کے علاقے سلطنت عثمانیہ کو واپس مل گئے مگر ترکی کو چالیس لاکھ روبل روسی حکومت کو ادا کرنے پڑے۔ اس معاہدے کے بعد ترکوں نے اپنی سلطنت کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی۔ ادھر 1783ء میں معاہدہ کینارجی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روس کی ملکہ کیتھرائن ثانی نے کریمیا پر قبضہ کر لیا جو آئندہ مستقل ثابت ہوا۔ ادھر کیتھرائن نے سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے کے لیے آسٹریا سے ساز باز کی اور اپنے خفیہ ایجنٹ سلطنت عثمانیہ کے یورپی مقبوضات میں بھیج دیے تاکہ ان علاقوں سے سلطنت عثمانیہ کے

Scanned with CamScanner

خلاف علم بغاوت بلند کرایا جائے۔

کریمیا آج کے یوکرائن کا ایک جزیرہ نما ہے جو بحیرہ اسود کے شمالی ساحل پر خاکنائے پیریکوپ کے ذریعے براعظم یورپ سے ملا ہوا ہے۔ 1457ء میں اسے تاتاریوں نے فتح کیا تھا اور 1478ء میں تاتاری خوانین نے عثمانی سلطان کی باجگزاری قبول کی تھی۔ 1774ء کے معاہدے میں کیتھرائن نے ان تاتاری خوانین کی آزاد مملکت کے قیام پر زور دیا۔ مگر 1783ء میں کریمیا کا الحاق روس سے کرلیا۔ اس کے خلاف اگرچہ 1787ء میں عثمانی سلطنت نے روس کے خلاف اعلان جنگ بھی کیا مگر ترک ناکام رہے۔ ادھر روس نے کریمیا کے خان کی مدد کے بہانے ستر ہزار فوج کے ساتھ کریمیا پر چڑھائی کر دی اور زبردستی سے اس کا الحاق روس سے کرلیا۔

1783ء غباروں کی پہلی انسان بردار پروازیں

انسانی پرواز کا خواب صدیوں پرانا تھا۔ جسے انسان نے ہر عہد میں پورا کرنے کی کوشش کی۔ اٹھارہویں صدی میں انسان نے ہائیڈروجن گیس کی دریافت کے بعد اسے غباروں میں استعمال کیا تھا مگر چونکہ یہ گیس رستی رہتی تھی او بہت جلد آگ پکڑ لیتی تھی اس لیے اٹھارہویں صدی کے نصف میں پرواز کے لیے گرم ہوا کے غباروں پر تحقیق کا رخ موڑ دیا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخری عشروں میں فرانس میں لینز کے نزدیک انان پیپرمل کے مالک جوزف اور اٹین گوفیر کو پرواز کا شوق چرایا۔ انہوں نے پہلے پیراشوٹ پر تجربات کیے۔ پھر ہائیڈروجن سے غبارے اڑانے پر تجربات کئے آخر یہ لوگ گرم ہوا سے غبارے اڑانے پر تجربات کرنے لگے۔

4 جون 1783ء ہوابازی کی تاریخ میں اہم دن تھا۔ اسی دن مانٹ گوفیر برادران نے اینان ANNONAY فرانس سے ایک بڑے سائز کا غبارہ حیرت زدہ لوگوں کے سروں پر بلند کیا۔ یہ غبارہ نائلون اور کاغذ سے تیار کیا گیا تھا۔ یہ غبارہ چھ ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچا اور اس نے تقریباً سوا میل کا سفر کیا۔

ایک مقامی افسر نے گوفیر برادران کے غبارے کی اس پرواز کا حال پیرس لکھ بھیجا اور لکھا کہ عجیب پراسرار شے ہے جو اپنی طلسمی خاصیت سے ٹافنے کا جھولا آسمان کی طرف مو

Scanned with CamScanner

پرواز کر دیتی ہے۔ پیرس کے اخبارات نے اعتراض اٹھایا کہ اگر غبارہ اڑانا ہی تھا تو پیرس میں کیوں نہ اڑایا اور صرف چھوٹے سے قصبے میں اتنا عظیم واقعہ کیوں ظہور پذیر ہوا، مونٹ گولیز برادران کو پیرس آ کر غبارہ اڑانے کی دعوت دی گئی۔ مگر مونٹ گولفیر کی آمد سے پہلے ہی چارلس رابرٹ برادران نے ایک دس فٹ قطر کا غبارہ ہائیڈروجن بھر کر کامیابی سے اڑا دکھایا۔ مگر یہ غبارہ ہائیڈروجن گیس زیادہ بھر جانے کی وجہ سے فضا میں پھٹ گیا جب یہ پیرس سے پندرہ میل دور گرا تو چونکہ وہاں کے لوگوں کو پیرس میں غبارے کے اڑانے کا حال معلوم نہ تھا اس لیے انہوں نے اسے جہنم سے آئی ہوئی شے سمجھا۔ ادھر مانٹ گولفیر میں سے ایک بھائی جوزف خفیہ طور پر پیرس آیا ہوا تھا اس نے ہائیڈروجن سے غبارے اڑانے کو خطرناک قرار دیتے ہوئے اکادمی کو مشورہ دیا کہ صرف گرم ہوا سے غبارے اڑائے جانے چاہئیں۔ اس پر ماہرین دو گروہوں میں بٹ گئے جن میں سے ایک ہائیڈروجن سے غبارے اڑانے کا قائل تھا۔ اگلے دو ہفتوں کے اندر مونٹ گولفیر نے پیرس میں اپنے غبارے اڑانے کا اہتمام کیا۔ یہ غبارہ رابرٹ برادران کے غبارے سے چھ گنا بڑا تھا۔ بادشاہ لوئی نے بھی 19 ستمبر کو پرواز کا یہ منظر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ انسانوں کو اڑانے سے پہلے اس پرواز میں مونٹ گوفیر نے چند حیوان اوپر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ غبارے سے منسلک ٹوکری میں ایک بھیڑ، ایک مرغا اور ایک بطخ سوار کر دیئے گئے۔ مونٹ گوفیر نے اپنے پرانے طریقے یعنی گرم ہوا سے یہ غبارہ اڑانے کا اعلان کیا۔

پرواز کا یہ مظاہرہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا اور گوفیری ہوا باز صرف آٹھ منٹ ہوا میں ٹھہر سکے کیونکہ ان کا غبارہ ایک درخت کی چوٹی میں اٹک گیا۔

اسی دوران مونٹ گوفیر نے پہلا انسان بردار غبارہ تیار کرنا شروع کر دیا البتہ خود اوپر جانے کے لیے ان بھائیوں کا ارادہ تذبذب کا شکار تھا۔ اسی دوران ایک مہم جو نوجوان پلاٹر ڈی روزیر حکام سے ملتجی ہوا کہ پہلی بار اسے مونٹ گوفیر کے غبارے میں بھیجا جائے۔ اسے اجازت مل گئی۔ 15 اکتوبر کو غبارے کی آزمائشی پرواز رسے سے باندھ کر کی گئی۔ اس غبارے کا قطر 54 فٹ تھا اور اس میں 55 ہزار مکعب فٹ ہوا کی گنجائش تھی۔

آزمائشی پروازوں میں ڈی روزیر کے ساتھ اس کا دوست کاؤنٹ ڈی آرلینڈ بھی شامل ہو گیا۔ پھر 21 نومبر 1783ء کو انسانوں کے انبوہ کثیر نے دیکھا کہ غبارہ تیز ہوا کے

Scanned with CamScanner

باوجود بڑی سرعت سے بلند ہوا۔ ڈی آرلینڈ نے اپنی یادداشتوں میں لکھا تھا کہ زمین کا منظر انتہائی سحر انگیز تھا۔ چنانچہ آگ کی نگہداشت رکھنا یہ دونوں پہلے دونوں بھول گئے اور آگ نے اپنے اردگرد کی چیزوں کو لپیٹ میں لے لیا۔ گیند کی ان کو غبارے سے ٹھیک طرح مربوط نہ تھی۔ آگ لگنے کے باوجود وہ بخیریت ایک علاقے میں اتر گئے۔ یہ جگہ آغاز سفر کی جگہ سے 5 میل دور تھی۔ اس پرواز کی کامیابی کے ساتھ ہی مونٹ گولفیر اور دونوں ہوابازقومی ہیرو قرار دیئے گئے۔ ادھر پروفیسر چارلس اور رابرٹ نے بھی اس کے نو روز بعد ہائیڈروجن سے بھرا ہوا ایک انسان بردار غبارہ اڑایا۔

یکم دسمبر 1783ء کو ہائیڈروجن سے بھرے ہوئے غبارے کی پرواز تکنیکی نقطہ نظر سے گولفیر برادران کی پرواز سے کہیں بہتر تھی۔ پروفیسر چارلس نے بلندی ناپنے کے لیے غبارے کو بیرومیٹر اور تھرمامیٹر سے آراستہ کیا تھا۔ ساتھ ہی غبارے کے اوپر ریشم کی ڈوری کا ایک جال پھیلا دیا تھا جو وزن کو یکساں تقسیم کرنے کے لیے تھا۔ غبارے کی لینڈنگ کے لیے پروفیسر نے گیس کی نکاسی کے لیے ایک والو بھی ایجاد کر کے غبارے کے ساتھ لگا دیا تھا۔ ساتھ ہی غبارے کو اتارنے کے لیے اس کے ساتھ لنگر بھی لگا دیا تھا۔

عین اس لمحے جب اس کا غبارہ ہوا میں اٹھنے والا تھا ایک پولیس افسر بادشاہ لوئی کا یہ پیغام لے کر آ گیا کہ بادشاہ نے ہائیڈروجن گیس کی خطرناک ماہیت کی وجہ سے غبارے کی اڑان منسوخ کرنے کا حکم دیا ہے۔ پروفیسر چارلس نے بادشاہ کو واپس پیغام بھیجا کہ اگر اس کے غبارے کو پرواز سے روکا گیا تو وہ خود کو گولی مار کر تمام عوام کے سامنے ختم کر لے گا۔ اس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور بادشاہ نے اسے پرواز کی اجازت دیدی۔

یہ پرواز ہوابازی کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔ چارلس نے اپنے ساتھ ایک مسافر کو بھی اس پرواز میں شامل کیا تھا۔ دونوں دو گھنٹے تک محو پرواز رہے پھر ٹھیک طور پر غبارے کو نیچے اتارا گیا محض دوسرے مسافر کو اتارنے کے لیے۔ کیونکہ پروفیسر ایک بار پھر محو پرواز ہو گیا۔ پرواز کے ولولے سے مسحور ہو کر اور کشش ثقل سے آزاد ہونے کے شوق میں پروفیسر غبارے کو اس مرتبہ بلند سے بلند کرتا گیا حتیٰ کہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر جا پہنچا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ اس کے کانوں میں درد ہونے لگا ہے۔ چنانچہ اس نے نیچے آنے کا فیصلہ کیا۔ ان انسان بردار پروازوں کی خبر سے پورے یورپ میں جوش اور ولولے

Scanned with CamScanner

کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص غبارے کی پرواز کا ذکر کرنے لگا۔ کئی ممالک میں غبارے اڑائے گئے اور پھر ہوا بازی نے ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ جنوری 1785ء میں رود بار انگلستان کو پہلی بار غبارے میں بیٹھ کر عبور کیا گیا۔

اس کے بعد جب پروازیں بڑھیں تو ہوائی حادثے بھی نمودار ہونے لگے۔ ہوائی حادثے میں ہلاک ہونے والا پہلا ہوا باز بلاٹرڈی روزیر تھا جسے پہلے ہوا باز ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے چارلیری اور گولفیری انداز کے امتزاج سے ایک غبار بنایا جو اوپر جا کر پھٹ گیا جس سے روزیر اور اس کے ساتھی ہلاک ہو گئے۔ غباروں کو فوجی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔

1784ء خواجہ میر درد کی وفات

خواجہ میر درد 1722ء، 1784ء اردو زبان کے مشہور شاعر خواجہ محمد ناصر عندلیب کے فرزند تھے۔ سلسلہ نسب خواجہ بہاالدین نقشبندی سے ہوتا ہوا امام حسن عسکریؒ تک پہنچتا ہے۔ ناصر عندلیب فارسی کے شاعر تھے۔ خواجہ میر درد دہلی میں پیدا ہوئے اور عین جوانی میں خرقہ درویشی زیب تن کر لیا اور فقر و استغنا اختیار کر کے توکل و قناعت کی دولت عمر بھر تقسیم کرتے رہے۔ دہلی کے بادشاہوں کے قلعے منہدم ہوتے رہے مگر میر درد کا آستانہ درویشی قائم رہا۔ حملہ نادر شاہ کے دوران، دہلی کے نامساعد حالات سے گھبرا کر بہت سے اہل علم نے یہ شہر پرفسوں چھوڑ دیا لیکن میر درد کے پائے استقلال میں جنبش نہ آئی اور آخر دم تک خاک دہلی سے وابستہ رہے۔

شاعری: خواجہ میر درد کی شاعری کے بارے میں جب گفتگو کی جاتی ہے تو عام طور پر ان کی غزلیات کے حوالے سے کی جاتی ہے کیونکہ اس کا مختصر سا دیوان زیادہ تر غزلوں پر مشتمل ہے

ان کی غزلیں فنی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خواجہ میر درد کا شمار اردو زبان کے بڑے غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی عظمت شاعرانہ کو ان کے دور میں بھی سراہا گیا اور آج بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

میر کی غزل میں سات یا نو شعر ہوتے ہیں مگر انتخاب ہوتی ہے۔ خصوصاً چھوٹی چھوٹی

Scanned with CamScanner

بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے تھے گویا تلواروں کی آب داری نشتروں میں بھر دیتے تھے۔ خیالات ان کے سنجیدہ اور متین تھے..... تصوف جیسا انہوں نے بیان کیا اردو میں کسی دوسرے سے بیان نہ ہو سکا۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں
نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کے شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو

خواجہ میر درد نے 1199ء بمطابق 1784ء دلی میں وفات پائی۔ آپ فلسفہ وحدت الشہود کے قائل تھے۔

دونوں جہاں کو روشن کرتا نور تیرا
عیاں ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا
ہے جلوہ گا تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی شہود تیرا

درد

1786ء لارڈ کارنوالس، گورنر جنرل ہندوستان

امریکہ میں یارک ٹاؤن کے مقام پر ہتھیار ڈالنے کے بعد لارڈ کارنوالس LORD CORNWALLIS کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا کر بھیج دیا گیا۔ امریکیوں سے مات کھانے والا یہ جنرل ہندوستان میں اپنی حکمت عملیوں کی وجہ سے کامیاب رہا اور اس نے شیر میسور ٹیپو سلطان جیسے بہادر کو شکست سے دوچار کیا۔

لارڈ کارنوالس نے ہندوستان میں کئی اصلاحات نافذ کیں۔ مثلاً رشوت ستانی کو دور کرنے کے لئے کمپنی کے ملازمین کی تنخواہیں بڑھا دیں اور رشوت کو سنگین جرم قرار دیا۔ کمپنی کے ملازمین کا نجی تجارت کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا۔ کلکٹروں کے ذمے صرف مالیہ وصول کرنے کا کام رہنے دیا۔ انہیں مقدمات سننے کے اختیارات سے سبکدوش کر دیا اور ہر ضلع

Scanned with CamScanner

میں ڈسٹرکٹ جج مقرر کر کے یہ اختیارات انہیں دے دیئے۔

ڈسٹرکٹ ججوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سماعت کرنے کے لئے کلکتہ، مرشد آباد، ڈھاکہ اور پٹنہ میں چار بڑی عدالتیں قائم کی گئیں۔ سنگین سزائیں مثلاً انسانی اعضا کا کاٹنا وغیرہ منسوخ کر دی گئیں اور ایک نیا ضابطہ قوانین وضع کیا جو کارنوالس کوڈ کہلایا۔ محکمہ پولیس میں اصلاحات کیں۔ ضلعوں کو تھانوں میں تقسیم کیا گیا اور تھانے دار مقرر کئے۔ کارنوالس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ بنگال کا بندوبست دوامی تھا۔ بندوبست دوامی کے تحت زمینداروں کو زمینوں کا مالک قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے ہر سال حکومت زمینیں ٹھیکے پر دیا کرتی تھی اور زمینداروں میں بے یقینی کی کیفیت پھیل گئی تھی کہ اگلے سال زمین اسے ملے گی یا نہیں۔ بندوبست دوامی سے یہ بے یقینی کی کیفیت ختم کر دی گئی اور مستقل مالیہ مقرر کر دیا گیا۔ اس سے بنگال کے زمیندار انگریزوں کے وفادار بن گئے اور 1857ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے انگریزوں کی مدد کی۔

لارڈ کارنوالس کے عہد میں میسور کی تیسری جنگ لڑی گئی۔ جو سلطان ٹیپو کے ٹرانکور پر حملہ کی وجہ سے رونما ہوئی۔ راجہ ٹرانکور انگریزوں کا حلیف تھا۔ انگریزوں نے ٹرانکور پر حملہ کو بہانہ بنا کر سلطان ٹیپو کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور نظام اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ شروع میں ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو شکست دی مگر لارڈ کارنوالس نے خود میدان جنگ میں آ کر فوج کی کمان سنبھال لی اور ٹیپو سلطان کو شکست دی۔

1787ء دنیا کے پہلے کرکٹ کلب کا قیام

کرکٹ آج کا مقبول عام کھیل ہے مگر یہ بات پردہ اخفا میں ہے کہ اس کی ابتدا کب ہوئی تھی؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ کھیل کسی نہ کسی شکل میں 13 ویں صدی عیسوی سے کھیلا جا رہا ہے۔ 1711ء میں یہ پہلی بار انگلستان میں کھیلا گیا تھا۔ 1735ء میں پہلی بار پرنس آف ویلز اور ارل آف مڈل سیکس کی ٹیموں کے درمیان میچ کھیلا گیا۔ 1750ء میں پہلا کرکٹ کلب قوانین کے لئے کرکٹ کلب ہمبلڈن کے نام سے قائم کیا گیا۔ 1774ء میں اس کے قوانین وضع کئے گئے۔

اسی سلسلے میں 1787ء میں میری لیبون کرکٹ کلب یا MCC قائم کیا گیا جو عالمی

Scanned with CamScanner

کرکٹ کے انتظامی امور طے کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔اسی کلب کے ایک تاریخی اجلاس 1788ء میں کرکٹ کے قواعد اور قوانین حتمی شکل پائے اور جدید کرکٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس وقت اس کلب کے اجلاس پہلے پہل لارڈز گراؤنڈ ڈورسیٹ اسکوائر لندن میں منعقد ہوئے پھر 1809ء میں یہ کلب سینٹ جان وڈ منتقل ہوگیا۔اس وقت سے لے کر آج تک برطانیہ میں کرکٹ کا نظام اسی کلب کے زیرنگرانی چلایا جارہا ہے۔ کرکٹ ٹیم میں 11 کھلاڑی اور معیاری پچ کی لمبائی 22 گز یا 20 میٹر اور کرکٹ کے دوران لگائے جانے والے چوکے چھکے اور دیگر قواعد وضوابط MCC ہی کے مرہون منت ہیں اگرچہ ان قواعد و ضوابط کی بنیاد 1774ء میں رکھی گئی تھی مگر ان قواعد وضوابط نے عملی شکل 1787ء میں اختیار کی۔ کھیل کے یہ قواعد وضوابط وقتاً فوقتاً بدلتے بھی رہے ہیں۔ پہلے وکٹ صرف دو اسٹمپوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ تیسری اسٹمپ کا اضافہ بھی 18 ویں صدی ہی میں ہوا تھا۔اسی طرح ابتدائی زمانے میں ہر اوور چار گیندوں کا ہوا کرتا تھا بعد میں 1900ء سے چھ گیندوں کا اوور بھی کھیلا جانے لگا۔ 1946ء سے ٹیسٹ کرکٹ میں 6 گیندوں کے اوور کا باقاعدہ رواج ہوا۔ چھکے کا قانون 1910ء میں نافذ ہوا۔ 1882ء میں ایشز کی روایت نے جنم لیا اور چوکے نے 1884ء میں قانونی حیثیت حاصل کی۔ ابتدا میں ٹیسٹ کرکٹ کے لئے کوئی خاص ضوابط مقرر نہ تھے۔ پہلی مرتبہ 1930ء میں انگلستان ہی میں ٹیسٹ میچ نے پانچ روز شکل اختیار کی جبکہ دنیا کا سب سے پہلا ٹیسٹ 1876ء میں میلبورن کے مقام پر آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان کھیلا گیا۔

1788ء اخبار ''دی ٹائمز'' کا اجراء

یکم جنوری 1788ء سے برطانیہ کے مشہور انگریزی اخبار THE TIMES نے اپنی اشاعت کا آغاز کیا اور اس دن اس اخبار کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ یہ اخبار ''ڈیلی یونیورسل رجسٹر'' کے نام سے 1785ء میں چھپنا شروع ہوا تھا مگر اس نام سے ملتے جلتے ناموں کے اخبارات پہلے بھی موجود تھے اس لیے ان اخبارات سے منفرد حیثیت دینے کے لئے اس کے بانی جان والٹر JOHN WOLTER نے اس کا نام ''دی ٹائمز'' رکھا جو آسانی سے یاد ہو جانے اور بامعنی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منفرد نام بھی تھا۔ یہ اخبار آج بھی

Scanned with CamScanner

لندن سے اسی نام سے شائع ہوتا ہے۔

دی ٹائمز آج کل برطانیہ کے تین بڑے اخبارات جو دنیا کے عظیم ترین اخبارات میں شمار کئے جاتے ہیں میں سے ایک ہے، باقی دو اخبارات ڈیلی گارڈین اور ڈیلی ٹیلی گراف ہیں۔

جان والٹر کے بعد اس کے بیٹے جان والٹر دوم نے 1803ء میں اس کا نظم ونسق سنبھالا اور اس کے 4 صفحات کو 12 بڑے صفحات میں بدل دیا۔ شروع میں یہ صرف ڈھائی پینی میں شائع ہونے والی ایک چوڑے کاغذ کی شیٹ تھی مگر جان والٹر دوم نے اسے ایک جدید اخبار کی شکل دی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے اشاعتی اختیارات جان والٹر دوم کے بیٹے جان والٹر سوم کو منتقل ہو گئے۔

1948ء تک ٹائمز فاؤنڈیشن کو برطانیہ کے سب سے نمایاں قومی جریدے کو شائع کرنے والی فرم کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

اپنے پہلے عظیم لبرل ایڈیٹر تھامس برنس (جو 1817ء سے 1841ء تک اس کے ایڈیٹر رہے) کے زیر ادارت و اہتمام اس نے ایک آزاد اور طاقتور روزنامے کی حیثیت اختیار کی۔ 1822ء میں اس کا سنڈے ایڈیشن الگ اداریہ کے ساتھ نکلنے لگا۔ 1841ء میں اس کی ادارت جان ٹی ڈیلن JOHNT DELANE نے سنبھالی اور اپنے چھیالیس سالہ دور ادارت میں اس اخبار کے ہر شعبے پر اپنے صحافتی انداز و اطوار کی چھاپ چھوڑی۔ جنگ کریمیا کے دوران اس اخبار کی خبر رسانی اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ روس کی تجاویز صلح حکومتی سطح پر حکومت برطانیہ تک پہنچنے سے پہلے ہی دی ٹائمز نے انہیں اپنے صفحات پر شائع کر دیا تھا۔ (1853-56ء) دی ٹائمز انگلستان کا سب سے مؤثر روزنامہ ہونے کے ساتھ ساتھ برطانوی صحافت کی علامت بن گیا۔ جو دنیا کے پہلے سے اخبارات کے لئے معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔

1788ء براعظم آسٹریلیا کی آبادکاری کا آغاز

آسٹریلیا کو خوش بختی کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم اور سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس براعظم کو سترہویں صدی کے آغاز میں ولندیزی مہم جوؤں نے

Scanned with CamScanner

دریافت کیا تھا اور اس کا نام ''نیو ہالینڈ'' رکھا تھا۔ لیکن وہ اسے آباد نہ کر سکے۔ انگریز جہاز راں کیپٹن جیمز کک نے اٹھارہویں صدی کے نصف میں اس براعظم کے جنوبی و مشرقی ساحلوں کی خوب چھان بین کی۔ اسے انگلستان کا علاقہ قرار دے کر اس کا نام نیو ساؤتھ ویلز رکھا۔ کیپٹن جیمز کک کی رپورٹوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت انگلستان نے فیصلہ کیا کہ نو دریافت شدہ اس خطے میں قیدیوں کی بستی بسا دی جائے۔ اس مقصد کے لئے 1788ء میں پہلی مرتبہ 717 قیدی وہاں بھیجے گئے جن میں پانچ سو بیس مرد اور 197 خواتین قیدی تھیں۔ قیدی وہاں بھیجنے کا یہ سلسلہ 1840ء تک جاری رہا اور اس سرزمین پر کئی نو آبادیاں قائم ہو گئیں۔ جزیرہ تسمانیہ بھی آسٹریلیا کے قریب تھا اسے بھی قیدیوں کے ذریعے آباد کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا اور 1853ء تک پچاس سال میں کم و بیش 67000 قیدی وہاں بھیجے گئے۔ آسٹریلیا بھیجے جانے والے قیدیوں میں آئرلینڈ کے وہ مجاہدین آزادی بھی شامل تھے جنہوں نے 1798ء آزادی کی خاطر انقلاب بپا کیا تھا۔ انہوں نے 1804ء میں ہنگامہ عظیم بپا کر دیا جسے بڑی سختی سے فرو کیا گیا۔

آزاد آبادکاروں کا پہلا گروہ صرف گیارہ آدمیوں پر مشتمل تھا وہ 1793ء میں آسٹریلیا پہنچے تھے۔ انہیں آبادکاری کے مقاصد کے لئے حکومت برطانیہ نے قیدیوں میں سے مددگار فراہم کئے تھے۔ انہوں نے کھیتی باڑی اور مویشی بھیڑ بکریاں پالنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس طرح آبادکاری ترقی کرتی چلی گئی۔ 1851ء میں یہاں سونے کی کانیں دریافت ہوئیں۔ تب دوسرے ممالک سے بھی لوگ خود بخود یہاں آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے خوب آبادی ہو گئی۔ نئے نئے علاقوں کی چھان بین شروع ہوئی۔ مقامی باشندے یا تو بالکل غیر متمدن تھے اس لئے آبادکاروں نے انہیں جنگل کی طرف مار بھگایا۔ 1850ء ہی میں یہاں پہلی ریلوے لائن بچھائی گئی۔ 1885ء میں وفاق کی بنیاد رکھی گئی۔ 1857ء سے نو آبادیوں یا صوبوں کی یونین 1900ء تک پایہ تکمیل کو پہنچیں۔ 1901ء میں یونین مکمل ہو جانے پر آسٹریلیا کو دولت مشترکہ برطانیہ کا جزو قرار دے دیا گیا۔ 1902ء میں نیا قانون آبادکاری نافذ کیا گیا جس کے تحت صرف ان لوگوں کو آسٹریلیا میں داخل ہونے کی اجازت تھی جو کوئی یورپی زبان جانتے تھے۔ 1905ء میں ایشیائی ہی نہیں بلکہ دوسری اقوام کا یورپ میں داخلہ بھی بند کر دیا گیا۔ انڈونیشیا، ہند چینی یا دوسرے ایشیائی

Scanned with CamScanner

ممالک کے باشندے جو آسٹریلیا میں آباد ہونے کے خواہش مند تھے انہیں انگریزوں نے آبادکاری کی اجازت نہ دی اور نسلی امتیاز کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔

1788ء ایڈورڈ گبن کی ''زوال وانحطاط روما''

انگلستان میں اٹھارہویں صدی کے نصف آخر کی ایک ادبی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھی گئیں جن کا دائرہ علم بہت وسیع تھا۔ ان کتابوں میں ایڈم اسمتھ کی کتاب ''دولت اقوام'' باسویل کی کتاب ''حیات جانسن'' ہیوم کی کتاب ''تاریخ انگلستان'' اور ایڈورڈ گبن کی کتاب DECLINE&FALL OF ROMAN EMPIRE سب سے اہم ہیں۔

گبن کو اس کتاب کے لکھنے کا خیال 15 اکتوبر 1764ء کو اس وقت آیا تھا جب وہ روما کے کھنڈرات کی سیر کر رہا تھا۔ گبن کی عمر اس وقت 27 سال تھی۔ اس کا مطالعہ تاریخ میں بڑا وسیع تھا۔ عمدہ لسانی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ خصوصی فرانسیسی اور لاطینی زبانوں کی۔ پھر سفر کی کٹھنائیوں نے اسے تجربہ کی آگ میں پختہ کر دیا تھا۔ ان تمام علمی خصوصیات کے ساتھ یہ عظیم الشان کتاب جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے 27 جون 1787ء کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔ گبن اپنی خودنوشت سوانح میں لکھتا ہے کہ آدھی رات کا وقت تھا جب میں نے اس کتاب کی آخری سطور لکھیں۔ آخری پیرے میں اس نے لکھا کہ یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی تکمیل میں میری زندگی کے تقریباً 30 سال صرف ہوئے۔ اب اپنا یہ کام میں دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ آخری سطور لکھنے اور 27 جون 1787ء کی تاریخ لکھنے کے بعد اس نے اپنا قلم رکھ دیا۔

دنیا کا یہ عظیم مؤرخ ایڈورڈ گبن 27 اپریل 1737ء کو پٹنی (انگلستان) میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے والدین کی اولین اولاد تھا۔ اس کے بعد اس کے چھ بھائی بہن پیدا ہوئے مگر ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچا۔ پندرہ برس کی عمر میں اس نے میگڈلین کالج میں داخلہ لیا مگر تعلیم اور طرز تعلیم اسے پسند نہ آئے۔ اب اس نے دینیات میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ پیدائشی طور پر وہ پروٹسٹنٹ تھا مگر اپنی عمر کے سولہویں سال میں اس نے کیتھولک ازم قبول کیا جس کی وجہ سے اس کے باپ نے شدید مخالفت کرتے ہوئے اسے سوئٹزرلینڈ کے ایک

Scanned with CamScanner

مذہبی بورڈنگ اسکول میں داخل کروا دیا۔ جہاں رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر پروٹسٹنٹ ازم اختیار کرلیا۔ البتہ اسی دوران تاریخ سے دلچسپی پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس نے حیرت انگیز مواد تاریخ کے بارے میں جمع کیا جو آئندہ اس کی کتاب کی بنیاد بنا۔ گبن نے اس دوران جتنا مطالعہ کیا اسے اپنی کتاب ''زوال وانحطاط روما میں جذب کردیا۔

پھر 1776ء میں اس کی اس عظیم کاوش کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ اس کتاب کی آمد نے تہلکہ مچا دیا۔ اسے نقادوں، مؤرخین اور قارئین نے ایک عظیم کارنامہ قرار دیا۔ اس کامیابی کے حصول کے بعد گبن اپنی کتاب کی تکمیل میں مصروف ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو دنیا سے بالکل الگ تھلگ کرلیا۔

گبن کی اس بے مثل کتاب کی آخری تین جلدیں 1788ء میں شائع ہوئیں جس کے ساتھ ہی یہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ گبن نے 1793ء میں وفات پائی۔

''زوال وانحطاط روما'' بارہ صدیوں سے زیادہ مدت کی داستان ہے اور یہ داستان وقت کی پوری معلوم دنیا کے متعلق ہے۔ مفصل ترین حالات چار سو ساٹھ کے اس عہد سے تعلق رکھتے ہیں جو اینٹونیز کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ 180ء کے بعد کے آٹھ سو سال کی کہانی قسطنطنیہ کے سقوط (1453ء) تک قدرے اختصار سے پیش کی گئی ہے اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بازنطینی تہذیب کا روما پر کیا اثر پڑا۔

گبن کی رائے میں سلطنت روما مارکس آرلیس کے عہد میں کمال عروج پر پہنچی تھی۔ اس شہنشاہ کی وفات کے بعد آہستہ آہستہ دور انحطاط شروع ہو گیا جو طویل مدت تک قائم رہا۔ گبن کہتا ہے کہ دوسری صدی مسیحی میں سلطنت روما روئے زمین کے بہترین حصے پر قائم تھی اور یہ عالم انسانیت کا بہترین اور مہذب ترین حصہ تھا۔ اس وسیع بادشاہی کی سرحدیں منظم، شجاعت اور قدیم شہرت کے باعث محفوظ تھیں۔ قوانین و آداب کے زبردست مگر ملائمت آمیز اثرات نے صوبوں کا اتحاد مستحکم بنا دیا تھا۔ پرامن باشندے تمام تہذیبی برکات سے مستفید تھے۔ ساتھ ہی دولت اور تعیش کے فوائد کا بیجا استعمال کر رہے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان سلطنت روما آخر کس وجہ سے ناپید ہو گئی؟ اگرچہ گبن نے بھی کہیں زوال وانحطاط روما کے اسباب کا واضح تجزیہ پیش نہیں کیا کیونکہ وہ اس امر پر قانع تھا کہ اس کی پیش کردہ تاریخی دستاویزات قاری کو اس راز سے خود بخود آگاہ کردیں گی۔

Scanned with CamScanner

H.M.S 1789ء باؤنٹی پر بغاوت

تاریخ عالم میں بحری جہازوں پر قدیم زمانے سے بغاوتیں رونما ہوتیں آئی ہیں کبھی ملاحوں نے کپتان کے خلاف اس لئے بغاوت کی کہ وہ انہیں نامعلوم منزلوں کی طرف لے جانا چاہتا تھا کبھی فوجی مقاصد کے لئے بغاوتیں رونما ہوئیں۔

''H.S.M باؤنٹی'' انگلستان کی شاہی بحریہ کا ایک جہاز تھا جو 1789ء میں دنیا کی بحری تاریخ کی سب سے بڑی بغاوت کا مرکز بن گیا تھا۔ باؤنٹی کے کپتان ولیم بلیگ WILLIAM BLIGH کو 1787ء میں اس شاہی مسلح جہاز کی کمان سونپی گئی تھی اور اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ راس ہارن کا چکر لگا کر جزیرہ تہیٹی سے بریڈ فروٹ BREAD FRUIT کے پودے اکٹھے کرے اور اسے انہیں ویسٹ انڈیز پہنچانا تھا جہاں پر کاشت کار انہیں کاشت کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کا پھل غلاموں کی خوراک کے طور پر کام آسکے۔

کپتان بلیگ نے اپنے جہاز کے عملے کا انتخاب بھی خود کیا تھا اور وہ اپنے عملے کے ارکان کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح سلوک کرتا تھا۔ وہ انہیں غلام نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اپنے عملے کے کام کی ذاتی طور پر نگرانی کرتا تھا۔ باؤنٹی تہیٹی کے لئے پرامن طور پر روانہ ہوا۔ راستے میں اسے سمندری طوفان سے دوچار ہونا پڑا۔ جنوبی امریکہ کی سمت میں سفر کرتے ہوئے جب وہ ٹیراڈل فیوگو کے قریب پہنچے تو مارچ شروع ہو چکا تھا اور جنوب میں سردی کا موسم اپنی خوفناک طوفانوں کے ساتھ شروع ہونے والا تھا۔ اگلے تین ہفتوں تک باؤنٹی بحرالکاہل میں داخل ہونے کی جدوجہد کرتا رہا پھر سمندری ہواؤں نے کپتان بلیگ کو مجبور کر دیا کہ وہ مشرقی روٹ پر آسٹریلیا یا تہیٹی کی طرف سفر کرے۔ اکتوبر 1788ء میں وہ تہیٹی پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگلے تین ہفتے انہیں بریڈ فروٹ کے پودے اکٹھے کرنے میں لگے پھر ویسٹ انڈیز تک واپسی کا سفر شروع کر دیا گیا۔ اپریل 1889ء میں بونٹی نومیوکا میں لنگر انداز ہوا یہاں سے تازہ پانی حاصل کرنا تھا۔ یہاں ایک معمولی سا واقعہ رونما ہوا جس نے سیکنڈ ان کمانڈ آفیسر فلیچر کرسچین کے غم و غصے کو بغاوت میں تبدیل کر دیا۔ نومیوکا سے عملے کے ارکان نے کافی مقدار میں ناریل خریدے تھے کپتان بلیگ نے ان ناریلوں کی حفاظت کا انتظام بھی کیا مگر اگلی صبح ہی ناریلوں کے ڈھیر میں کمی واقع ہوگئی۔ کسی نہ کسی وجوہات کی بنا

Scanned with CamScanner

24 ستمبر 1396ء بمطابق 23 ذی قعد 780ھ کو کاؤنٹ ڈی نیورس اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً اسے اطلاع ملی کہ ترک افواج قریب پہنچ گئی سب کے سب اپنے نوالے چھوڑ کر کھڑے ہوگئے اور جنگ کے لیے ہتھیار باندھنے لگے۔ وہ چاہتے تھے اب بلا تاخیر ترکوں پر حملہ کردیں۔ شاہ ہنگری ترکوں کے آداب جنگ سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ترک افواج کی اگلی صفوں میں بے قاعدہ اور غیر مرتب دستے ہوتے ہیں جو دشمن کا زور توڑنے کے لیے ہی آگے رکھے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اس نے اپنے فرانسیسی دوستوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس بے قاعدہ فوج سے لڑ کر اپنی طاقت ضائع نہ کریں مگر فرانسیسی بہادروں نے اس رائے کی پرجوش مخالفت کی اور اس جوش میں انہوں نے اپنے ترک قیدیوں کو بھی قتل کر ڈالا۔

ادھر بایزید نے اپنی خاص فوج کو روک کر پہلے بے قاعدہ دستے روانہ کیے اور ان کے ساتھ ینی چری کا ایک دستہ بھی بھیجا۔ فرانسیسی نائٹ ترکوں کے اس مقدمتہ الجیش پر ٹوٹ پڑے اور آسانی کے ساتھ انہیں شکست دیتے ہوئے ینی چری کے دستے سے لڑتے ہوئے ترک لشکر میں اتنی دور تک چلے آئے کہ باقی ماندہ عیسائی لشکر سے ان کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ ترک اسی انتظار میں تھے۔ فرانسیسی بہادروں نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر دیر ہو چکی تھی۔ چھ ہزار فرانسیسی بہادروں میں سے تقریباً سب کے سب مارے گئے۔ سلطان شاہ ہنگری کو میدان جنگ میں پا کر اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ سلطان کو دیکھتے ہی اتحادی فوج کے دونوں بازو فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ البتہ قلب لشکر نے جو ہنگری، بوہیا اور ستائر کے دستوں پر مشتمل تھا اور جس کی کمان خود شاہ ہنگری کے ہاتھ میں تھی جم کر مقابلہ کیا لیکن جنگ تین گھنٹے سے زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ اتحادیوں کو بری طرح شکست فاش ہوئی ان کے ہزاروں سپاہی کام آئے اور تقریباً دس ہزار گرفتار ہوئے۔ اس جنگ میں سرویا کی مسیحی فوج ترکوں کی حلیف رہی اور حاکم سرویا سٹیفن بایزید کے شانہ بشانہ لڑتا رہا۔ جنگ کے بعد جب سلطان کو پتہ چلا کہ عیسائیوں نے اپنے ان ترک قیدیوں کو کہ جنہوں نے جان بخشی کے وعدہ پر ہتھیار ڈالے تھے قتل کر ڈالا تو سلطان کے غضب کی انتہا نہ رہی اور اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ ان مظلوم ترک قیدیوں کا بدلہ ان دس ہزار عیسائی قیدیوں سے لے گا۔ اگلے روز اس نے ان کے قتل کا حکم صادر کردیا۔ قیدیوں میں کاؤنٹ ڈی نیورس بھی تھا۔ اسے مزید 24 شرفا مسیحیوں سے ساتھ قتل سے مستثنیٰ کردیا گیا۔ باقی قیدیوں کا قتل عام چار بجے شام تک جاری رہا۔ جو بچے انہیں غلام بنالیا گیا۔ جنگ نکوپولیس کے بعد بایزید ہنگری پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر بیمار ہونے کی وجہ سے ارادہ ترک کرنا پڑا۔

ماخذ

تاریخ ترکیہ، دائرہ المعارف اسلامیہ

Scanned with CamScanner

1399ء۔ ہنری آف لنکاسٹر کا تخت انگلستان پر قبضہ

ایک لمبے عرصے سے تاج انگلستان باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ شاہ رچرڈ دوم ایک نااہل اور کمزور حکمران ثابت ہوا جس کی وجہ سے اقتدار کی منتقلی کی یہ رسم عارضی طور پر روک دی گئی۔

رچرڈ دوم کے دو درباری امراء ہنری آف لنکاسٹر اور ڈیوک آف نارفوک ایک دوسرے سے مخاصمت رکھتے تھے۔ رچرڈ دوم نے انہیں ایک دن دربار عام میں آپس میں مبارزت کا حکم دیا۔ مقابلہ دیکھنے کے لیے ایک بہت بڑا مجمع دربار میں اکٹھا ہوگیا لیکن جب مقابلہ فیصلہ کن لمحات میں داخل ہوا تو بادشاہ نے اچانک اسے رکوادیا اور دونوں افراد کو جلا وطنی کی سزا دے دی۔ بادشاہ کے اس ظالمانہ فیصلے پر دوسرے امراء ہنری آف لنکاسٹر کے حق میں بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کردیا۔

دست برداری کے بعد شاہ رچرڈ کو لندن کے مشہور قید خانے Point Fract پہنچادیا گیا جہاں اس نے 1400ء میں وفات پائی۔ رچرڈ کی 30 ستمبر کو دستبرداری کے بعد ڈیوک آف لنکاسٹر ہنری چہارم کے لقب سے تخت انگلستان پر متمکن ہوا اور اس نے لنکاسٹر شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔

تخت انگلستان پر اپنے حق کے مقدم کرنے کے لیے خود کو شاہ انگلستان ہنری سوم سے منسوب کیا۔ مگر بہت سے امراء اس سے متفق نہ ہوئے۔ اور اس کے خلاف بغاوتیں ہونے لگیں۔ جنوری 1400ء میں رچرڈ دوم کے ساتھی اس کے خلاف ایک سازش میں ملوث پائے گئے۔ دوسرا بڑا اقدام اس کی حکومت کے خلاف ویلز کے ایک جاگیردار اوون گلینڈو Own Glendowe نے اٹھایا اور بغاوت کردی۔ یہ بغاوت 1405ء تک جاری رہی اور اس میں نارتھمبرلینڈ Northumber Land کے ڈیوک ہاٹ سپور Hotspur کی شمولیت نے ہنری چہارم کے لیے مزید مشکلات پیدا کردیں۔

1405ء میں ہنری چہارم نے ڈیوک آف نارفوک اور رچرڈ سکروپ Richard Scrope نااسقف اعظم آف یارک کے سر قلم کروادیئے۔ یہ دونوں نارتھمبرلینڈ کے ساتھ ایک اور بغاوت کے سلسلے میں ملوث پائے گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہنری چہارم کے عہد میں ہونے والی مسلسل بغاوتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا مگر اب بادشاہ صحت کے مسائل میں گھر گیا۔ اس کے ہم عصر

Scanned with CamScanner

مورخین نے لکھا ہے کہ بادشاہ ایک قسم کے مرض آتشک میں مبتلا ہوگیا جو کوڑھ کی طرح شدید اور لاعلاج تھی۔

1408ء میں اس کے عہد کی آخری بغاوت نارتھمبر لینڈ ہی میں رونما ہوئی یہ اس کی حکومت کے لیے آخری چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہنری چہارم اپنے عہد کے آغاز میں نہ صرف اندرونی محاذ بلکہ بیرونی محاذوں پر بھی نبرد آزما رہا۔ بیرونی پر اس نے فرانس اور اسکاٹ لینڈ کے حملوں کا جواب دیا۔ فرانسیسی ویلز میں ہونے والی بغاوتوں کو بھی شہ دیتے رہے۔

ان اندرونی اور بیرونی عسکری مہارت پر جو مالیاتی اصراف ہوا اسے اگرچہ ہنری چہارم نے پارلیمنٹری منظوری ہی سے پورا کیا مگر پارلیمنٹ کے مقابلے میں شاہی اختیارات کو برقرار رکھنے کی وجہ سے بادشاہ بے حد مقروض ہوگیا اور پارلیمنٹ 1401ء سے 1406ء تک اس پر ملکی محاصل کے اصراف کا الزام لگاتی رہی۔

ہنری چہارم پندرہویں صدی میں انگلستان پر حکومت کرنے والے تین بادشاہوں میں پہلا تھا اگرچہ اس نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے اپنے عہد میں کوششیں جاری رکھیں مگر وہ ملکی انتظامی امور کے ڈھانچے اور ملکی محاصل کے نظام کی کمزوریوں کو دور نہ کرسکا تھا اس کی یہی خامی بعد ازاں لنکاسٹر خاندان کے زوال کا باعث بنی۔

شاہان لنکاسٹر کا شجرہ نسب۔

ایڈورڈ سوم (1337ء۔ 1377)

ایڈمنڈ ڈیوک آف یارک	جان آف گانٹ ڈیوک آف لنکاسٹر	ایڈورڈ پرنس آف ویلز
رچرڈ اول آف کیمبرج	ہنری چہارم (1399۔1413ء)	
ایڈورڈ ڈیوک آف یارک		
رچرڈ ڈیوک آف یارک	ہنری پنجم (1413ء۔1422ء)	
رچرڈ سوم (1483ء۔1485)		
ایڈورڈ چہارم (1461ء۔1483ء)		
ایڈورڈ پنجم (1483ء)		

مآخذ:

Kings & Queens England and Scotland
انسائی کلوپیڈیا تاریخ اقوام عالم، ولیم ایل لینگر
انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا جلد 5 بزیل مادہ ہنری چہارم

Scanned with CamScanner

1400ء۔ ویلز کی لوگوں کی جنگ آزادی

ویلز Wales انگلستان کا ایک ذیلی علاقہ ہے۔ سیاسی طور پر یہ 1536ء میں مکمل طور پر انگلستان سے ملحق ہوا تھا۔ اس علاقے کی تسخیر شاہ انگلستان ایڈورڈ اول نے مکمل کی تھی۔ اسی بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے کو شہزادہ ویلز Prince of Wales نامزد کرنے کا انگلستانی طریقہ رائج کیا تھا جب کہ آخری پرنس آف ویلز جو ایک غیر انگریز شخصیت تھی اوون گلینڈور تھا۔ اوون گلینڈور Owen Glendower ۔ 1359ء میں ویلز میں پیدا ہوا۔ اس نے لندن میں ویسٹ منسٹر سے قانون کی تعلیم حاصل کی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ویلز کے لوگوں کی آزادی کے لیے جنگ لڑی اور ویلز کے کندھے سے انگریزی راج کا جوا اتار پھینکنے کی آخری کوشش کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1385ء میں وہ ہنری بولنگ بروک کی افواج میں شامل ہوگیا، یہ وہی ہنری بولنگ بروک ہے جو بعد ازاں ہنری چہارم کے نام سے انگلستان کے تخت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اسی دوران اس نے رچرڈ دوم کے زیر قیادت سکاٹوں سے جنگ بھی لڑی۔ جب رچرڈ دوم تخت سے دستبردار ہوا تو اوون گلینڈور واپس ویلز لوٹا۔ وہاں اس نے محسوس کیا کہ اس کا ملک بے وجہ انگریزوں کے زیر انتداب ہے اور انہوں نے یہاں کی معشیت کو مفلوج کر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے عوام انگریزوں سے متنفر ہو چکے تھے۔

ستمبر 1400ء میں جب ہنری بولنگ بروک کو تخت انگلستان پر قبضے ایک سال گزر چکا تھا تو گلینڈور کے اپنے ایک ہمسائے کے ساتھ تنازعے نے شمالی ویلز سے انگلستان کے خلاف ایک بغاوت کی شکل اختیار کر لی جو بعد ازاں ویلز کے لوگوں کی جنگ آزادی میں بدل گئی۔

اوون گلینڈور ویلز کے قدیم شاہی خاندان Prince of Powts سے تعلق رکھتا تھا اس کی آواز پر پورا ویلز اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا۔ مزید برآں یہ کہ اس نے ہنری چہارم کے سب مخالفوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ شاہ ہنری چہارم نے اس کے خلاف کئی بار فوج کشی کی مگر اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ادھر گلینڈور نے انگلستان کے ایک اور باغی ہنری ہاٹ سپور Henry Hotspur سے ساز باز کر لی اور 1404ء تک وہ پورے ویلز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا وہ چاہتا تھا کہ دوسرے باغیوں کے ساتھ متحدہ ہو کر شاہ ہنری چہارم کو تاج و تخت سے محروم کر دے۔ مگر حالات نے پلٹا کھایا اور جنگ سریوس بیری B.Shrews Bury میں دونوں کو شکست ہوئی۔ 1405ء کے بعد میں ہنری چہارم کے بیٹے پرنس ہنری (ہنری پنجم) نے

Scanned with CamScanner

بھی اسے بار بار شکست دی مگر ان شکستوں کے بعد اور تمام علاقے ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود گلینڈور نے 1412ء تک جدوجہد آزادی جاری رکھی۔

Scanned with CamScanner

1401ء۔ ایک مورخ اور ایک فاتح عالم کی ملاقات

جب مصر میں یہ خبر پہنچی کہ امیر تیمور نے ایشیائے کوچک فتح کرلیا اور اب وہ شام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مشہور مورخ ابن خلدون ان دنوں قاہرہ میں مقیم تھا۔ سلطان مصر نے فیصلہ کیا کہ وہ اہل شام کا ساتھ دے گا اور فوجیں لے کر دمشق کو روانہ ہوا۔ سلطان مصر کے نائب شیخ کے اصرار پر ابن خلدون بھی دمشق آ گیا مگر راستے میں سلطان مصر کا ارادہ بدل گیا اور وہ واپس قاہرہ چلا گیا۔ ادھر امیر تیمور کی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔ دمشق کے سربرآوردہ لوگوں اور قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ تیمور سے امان طلب کی جائے اس سلسلے میں وہ تحفے تحائف کے ساتھ تیمور کی سلطنت میں حاضر ہوئے۔ تیمور نے نہایت کشادہ دلی سے ان کا استقبال کیا۔ یہ طے پایا کہ اہل دمشق اس کے لیے شہر کے دروازے کھولیں گے اور اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہو جائیں گے اہل دمشق کے اس وفد میں شامل قاضی برہان الدین نے مجھے اطلاع کی کہ تیمور نے میرے (ابن خلدون) کے بارے میں پوچھا تھا۔ اگلے دن ابن خلدون شہر دمشق کے فصیل پر سے رسیوں کے ذریعے اترا اور تیمور کے دربار میں بازیاب ہوا۔ یہ 24 جمادی الاولیٰ 803ھ/10 جنوری 1401ء کا دن تھا جب کے ایک مشہور مورخ اور ایک مشہور فاتح عالم میں ملاقات ہوئی۔

جب گفتگو کرتے ہوئے ابن خلدون نے فارسی زبان استعمال کی تو امیر تیمور کو سخت تعجب ہوا۔ ابن خلدون نے تیمور سے کہا کہ میں نے آپ کے بھی حالات تحریر کیے ہیں اور اجازت ہو تو پیش کروں۔ اگر درست ہوں تو مندرج رہنے دیں اگر غلط ہوں تو درستگی کرادیے۔ سب سے پہلے نسب نامہ پڑھ کر سنایا گیا تو تیمور نے ابن خلدون سے پوچھا یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟ ابن خلدون نے بتایا کہ یہ میں قابل اعتماد تاجروں سے حاصل کیا۔ پھر اس نے تیمور کی فتح اس کے حالات اور اس کی امارت کا ذکر ابتدا سے سنایا اور اس کے باپ کے بارے میں بھی صحیح معلومات پیش کیں۔ یہ سب اتنی صحیح اور سچ تھیں کہ انہیں سن کر تیمور سخت حیران رہ گیا۔

ابن خلدون نے تیمور کے بارے میں لکھا تھا کہ "یہ بادشاہ تیمور نہایت عظیم الشان اور نہایت طاقتور بادشاہوں میں سے ایک ہے۔ بعض لوگ علم کو بھی اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ رافضی ہے کیونکہ وہ خانوادہ (حضرت علیؓ) کے افراد کی فضیلت کا قائل ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے جادو اور سحر تک منسوب کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ بے انتہا ذہین اور صاحب بصارت ہے۔"

Scanned with CamScanner

تیمور سے دوسری ملاقات میں ابن خلدون رسمی آداب کے مطابق کچھ تحائف پیش کیے جو تیمور نے قبول کر لیے اور اپنی طرف سے بھی اسے نوازا۔ ابن خلدون کی طرف سے تیمور کی خدمت میں پیش کیے گئے تحائف میں قرآن مجید کا ایک نہایت خوبصورت نسخہ، ایک نفیس جائے نماز اور ایک نسخہ امام بوصیری کا مشہور قصیدہ بردہ کا تھا جو آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہے۔ ساتھ ہی کچھ مصری مٹھائیاں تھیں۔

پھر مورخ نے فاتح عالم کو الوادع کہا اور مصر کی راہ لی۔ اثنائے راہ میں ابن خلدون چند لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ سفر کرنے لگا۔ راستے میں قبائیلوں نے اس جماعت کو بمعہ ابن خلدون لوٹا۔ یہاں تک کہ تقریباً عریاں حالت میں وہ لوگ جان بچا کر العبیہ پہنچے جہاں سے انہوں نے دوسرے کپڑے حاصل کیئے۔ پھر ایشیائے کوچک سے گزرتے ہوئے سلطان ابن عثمان کا ایک بحری جہاز جس میں سلطان مصر کا سفیر بھی سوار تھا ان کے پاس سے گزرا۔ اس جہاز میں انہیں جگہ مل گئی اور وہ غزہ تک اس میں سفر کرتے رہے۔ غزہ سے وہ ایک بار پھر عازم قاہرہ ہوا اور 802ھ کے شعبان میں قاہرہ پہنچا۔ لیکن اس سارے معاملے میں افسوسناک بات یہ ہے کہ ابن خلدون نے اہل دمشق کی سفارش بالکل نہ کی اور ان پر تیمور نے قیامت توڑ دی۔ اور بے تحاشا دمشق کے لوگوں کا قتل عام کیا۔

مآخذ:

ابن خلدون اور امیر تیمور از ڈبلیو جے مشل

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 5

Scanned with CamScanner

1403ء۔ جنگ شریوس بری

اگر چہ ہنری چہارم کا تخت انگلستان پر قبضہ قانونی تسلیم کرلیا گیا تھا۔ مگر بہت سے لوگ اسے غیر قانونی کہتے تھے گو پارلیمنٹ نے اس پر تنقید نہیں کی تھی۔ تاہم ہنری کے عہد میں متواتر بغاوتیں اس بات کی غماضی ہیں کہ اس کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ ان بغاوتوں میں اکثر وہ لوگ شامل تھے جو کبھی تخت انگلستان کے زبردست حمائتی تھے۔ انہیں لوگوں میں سے ایک نارتھمبر لینڈ کا پرسی Percy خاندان تھا۔

ہنری چہارم کے امراء میں سب سے نمایاں اور طاقتور شخصیت ہنری پرسی Henry Percy کی تھی۔ جو عرف عام میں ہاٹ سپور Hot Spur کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ رچرڈ دوم کی تخت سے دستبرداری میں اس کا نمایاں ہاتھ تھا۔ اس بہادر امیر نے سکاٹوں کے خلاف جنگ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں تھیں۔

ہنری چہارم نے کسی بات پر ہاٹ سپور کا جھگڑا ہوگیا اور یوں تخت انگلستان ایک اچھے حمائتی سے محروم ہوگیا۔ اس جھگڑے نے جلد ہی بغاوت کی شکل اختیار کرلی اور ہاٹ سپور نے بادشاہ کی قانونی حیثیت کو ایک طرح کا چیلنج کیا جو کہ دراصل پرسی کے والد ارل آف نارتھمبر لینڈ Ear Of Northumber Land کی آواز تھی جو ہنری کو ہمیشہ سے غاصب سمجھتا تھا۔ ارل آف نارتھمبر لینڈ نے اعلان کیا کہ شاہ رچرڈ دوم کو پونٹی فریکٹ Pontie Fracit کے قید خانے سے رہا کرا کر جلد تخت پر بٹھایا جائے گا مگر دراصل وہ فوت ہو چکا تھا۔

ہاٹ سپور نے بادشاہ کے خلاف ایک بڑی فوج جمع کی اور مشہور ویلز باغی اوون گلینڈور سے معاہدہ کیا کہ وہ متحد ہو کر شاہی فوجوں کا مقابلہ کریں گے لیکن ابھی دونوں فوجیں متحد نہیں ہوئیں تھیں کہ ہنری چہارم نے ہاٹ سپور کی فوج پر حملہ کردیا۔ 21 جولائی 1403ء کو شریوس بری کے مقام پر دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں ہاٹ سپور میدان جنگ میں کام آ گیا۔ جو اس کی فوج کے لیے شکست کا باعث ہوا۔

مآخذ:

Kings & Queens of England and Scotland by Plantagenet Someset Fry.

Scanned with CamScanner

1402ء۔ جنگ انگورہ

امیر تیمور ہندوستان سے بڑی عجلت کے ساتھ واپس ہوا۔ اس وجہ سے اس کے بہت سے کام ادھورے رہ گئے۔ اس عجلت میں سمرقند واپس لوٹنے کے بعض اسباب تھے۔ ابھی دہلی کی فتح کو چند روز ہی گزرے تھے کہ ایشیائے کوچک سے بری خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ سلطان احمد جلائر اور عثمانی سلطان بایزید باہم متحد ہوگئے۔ سلطان بایزید 1389ء۔1403ء کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ اس نے اناطولیہ میں طوائف الملوکی کو ختم کر کے ایک عثمانی ترک قوم کے ظہور کو ممکن بنادیا تھا۔ اس کا یہی ایک تنہا کارنامہ تیمور کی پوری قاتلانہ شہرت کو دھندلا دینے کے لیے کافی ہے۔

مصر کے مملوک فرج نے اپنے پیشرو برقوق کے فوت ہوجانے کے بعد تیمور کے خلاف عملی سرگرمیاں شروع کردیں۔ خود تیمور کے بیٹے میران شاہ نے جو آذربائیجان کا والی تھا تیمور کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ٹھانی۔ انہیں خبروں کی وجہ سے تیمور نے اپنی ہندوستانی مہم کو بعجلت تمام کیا۔ دوسری طرف چین اور منگولیا پر اس کی تمام تر توجہ مرتکز تھی اور وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان سے پکڑے جانے والے قیدیوں کو اس مہم میں استعمال کرے جس طرح اس نے اردوئے زریں کے قیدیوں کو مہم ہندوستان میں استعمال کیا تھا۔

ایشیائے کوچک میں جو ناز سازگار حالات پیدا ہوگئے تھے ان کی وجہ سے تیمور کو چین اور منگولیا کی مہم کو موخر کرنا پڑا اور وہ ایشیائے کوچک کی طرف کوچ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ سمرقند میں صرف چار ماہ قیام کے بعد وہ ستمبر 1399ء میں روانہ ہوا۔ اپنی اس مہم کے دوران تیمور کا معمول تھا کہ وہ موسم سرما آذربائیجان میں اور موسم گرما مشرقی اناطولیہ کے بلند پہاڑوں میں گزارتا تھا۔ آذربائیجان پہنچ کر اس نے میران شاہ کی طرف توجہ کی جو عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے خیال میں سزا کے حق دار وہ لوگ تھے جنہوں نے اسے یوں عیش میں ڈوبنے کی زندگی بسر کرنے پر مائل کیا تھا۔ اس نے میران کے دربار کے تمام شاعروں، گویئوں اور اس کے ہم نشینوں کو سولی پر چڑھادیا۔

اگست 1400ء میں تیمور گرجستان سے روانہ ہوکر سیواس آیا اور وہاں سے ملطیہ، حلب، حماۃ، حمص اور بعلبک ہوتا ہوا شام پہنچا اور دمشق پر قبضہ کرلیا۔ اور مملوک مصر فرج کو شکست دی۔ دمشق فتح کرنے کے بعد تیمور عراق کی طرف چلا اور جولائی 1401ء میں اس نے دوبارہ بغداد پر قبضہ کرلیا۔ ان بیس ہزار آدمیوں کو اس نے قتل کروادیا جنہوں نے سلطان احمد جلوائر کی مدد کی تھی۔

Scanned with CamScanner

موسم سرما تیمور آزر بائجان میں بسر کیا۔ اور موسم بہار 1402ء میں ایک بار پھر میدان عمل میں نکل آیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگر بایزید صلح پر راضی نہ ہوا تو پھر فیصلہ میدان جنگ میں کیا جائے گا۔ بایزید ان دنوں بلقان میں عیسائیوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھا۔ لیکن مصر کے مملوک، سلطان احمد جلائر اور قرا یوسف جیسے لوگوں نے سلطان کو ورغلایا۔ اور اسے یہ خیال دلایا کہ مشرق کی طرف بھی سلطنت عثمانیہ کو وسعت دے۔ سلطان نے بلقان سے اپنی فوجیں واپس بلالیں اور اناطولیہ کا رخ کیا۔ اناطولیہ میں اس نے قرہ مان اوغلی اور ذوالقدار اوغلی کے شہروں کو فتح کیا۔ اس کے بعد اس نے ارنجان پر لشکر کشی کی یہ سلطنت ایلخانیہ کا صوبہ تھا اور سلطنت تیموری کا حصہ تصور ہوتا تھا۔ اس کا یہ اقدام تیمور کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا۔ خود اسے اور عثمانی امراء کو احساس تھا کہ اب تیمور سے جنگ ناگزیر ہے۔

اس موقع پر تیمور اور بایزید کے درمیان انتہائی تلخ خط و کتابت بھی ہوئی۔ جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ سلطان بایزید اپنی یورپی فتوحات کے نشے میں سرشاہ تیمور کی طاقت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا تیمور کی سلطنت اس وقت ایشیائے کوچک سے دیوار چین تک اور وسطی روس کے بحرارال سے دریائے گنگا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بایزید نے تیموری صوبہ پر حملہ کر کے ایک ایسے فاتح عالم کو برانگیختہ کردیا جس کے نام سے شاہان عالم کے تخت متزلزل ہوجاتے تھے۔ شام کی مہم سے فارغ ہوکر امیر تیمور نے عثمانی سلطنت میں داخل ہوکر سیواس کا محاصرہ کرلیا۔ ترک فوج نے سلطان بایزید کے بڑے بیٹے ارطغرال کی قیادت میں نہایت بامردی سے مقابلہ کیا کہ امیر تیمور کی افواج طاقت کے بل بوتے پر کامیابی نہ حاصل کرسکیں مگر امیر تیمور نے یہ کام جنگی حکمت عملی سے کرلیا۔ تیمور نے سیواس کی فصلیں باہر سے کھدواڈالیں اور ارطغرل اور اس کے ساتھی مارے گئے۔ سلطان بایزید کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تیمور اتنی جلدی سیواس فتح کرلے گا۔ اپنے بیٹے کی موت کی خبر سن کر سلطان نے ایشیائے کوچک کی راہ لی مگر تیمور شام ومصر کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔

سیواس پہنچنے پر سلطان اور امیر کے درمیان ایک بار پھر خط و کتابت ہوئی جو پہلے سے بھی تندوتیز تھی۔ نتیجتاً دونوں فریقوں میں ٹھن گئی اور سلطان ایک بار پھر ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر سیواس کی طرف بڑھا مگر میدان تنگ ہوجانے کی وجہ سے جنگ انگورہ (انقرہ) کے میدان میں لڑی گئی۔

21 جولائی 1402ء کو انگورہ کی جنگ تیمور اور بایزید کے درمیان لڑی جانے فیصلہ کن جنگ اور تیمور کی فتح بھی فیصلہ کن تھی۔ اس جنگ میں تیمور نے ہر ممکن احتیاط اختیار کی جب کہ سلطان بایزید نے بلاضرورت استغنا کا مظاہرہ کیا جس سے اسے شکست فاش ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ لیکن دوسرے ہی دن گرفتار کرلیا گیا۔ اگرچہ بعض روایات کے مطابق تیمور نے سلطان

Scanned with CamScanner

کو ایک پنجرہ میں قید کیا مگر جلد ہی باعزت طور پر رہا کر دیا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی مگر باغیرت سلطان اپنی شکست کے صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور بمشکل آٹھ ماہ زندہ رہا۔

مآخذ: دائرہ المعارف اسلام۔ تاریخ ملت جلس سوم

Scanned with CamScanner

1405ء۔ امیر البحر چنگ ہو کی مہمات

اہل مغرب کے بحری اکتشافات سے پہلے اہل چین نے اپنے ایک امیر البحر چنگ ہو Cheng Ho کی سرکردگی میں تاریک براعظم وافریقہ کے ساحلوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اہل چین کے براعظم افریقہ دریافت کرنے کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ اہل چین کی یہ اکتشافاتی بحری مہمات منگ خاندان کے شہنشاہ یونگ لو Yung Lo کی ذاتی دلچسپی کی بنیاد پر روانہ کی گئیں تھیں۔

منگ خاندان کے برسراقتدار آنے کے بعد سے چین اپنی بحری طاقت بڑھا رہا تھا۔ جنکوں Junks (چینی طرز کے بحری جہاز) کی تیاری وسیع پیمانے پر ہونے کی وجہ سے اب سمندری سفر آسان ہو چکا تھا۔ امیر البحر چنگ ہو شہنشاہ کے قریبی حلقوں میں شامل تھا۔ اس لیے شہنشاہ نے اسے بحری مہمات کا کمانڈر مقرر کیا۔ اس سلسلے کا پہلا سفر 1405ء میں کیا گیا۔ 63 بڑے چینی بحری جہازوں اور 250 چھوٹے بحری جہازوں پر مشتمل ایک وسیع بحری بیڑا اور تقریباً 27800 افراد کی ایک فوج اس مہم پر نکلی۔ ان افراد میں سپاہی، تاجر، بینکار، مترجم، کاریگر، ہنرمند اور سفارت کار بھی شامل تھے۔ یہ بحری بیڑا چین سے روانہ ہو کر پہلے سفر میں جنوبی ویتنام، سیام، مالاگا اور جاوا تک پہنچا پھر بحر ہند میں داخل ہو کر کالی کٹ، کوچین اور سری لنکا تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد امیر البحر نے واپس چین کا سفر اختیار کیا۔ دو سال تک آرام کے بعد دوسری مہم کا آغاز 1409ء میں کیا گیا۔ اس مہم میں جب جہاز سری لنکا پہنچے تو وہاں کے بادشاہ نے چینی جہازوں پر حملہ کر دیا مگر شکست کھا کر گرفتار ہوا اور اسے چین لے جایا گیا اور نانکنگ میں قید کر دیا گیا۔

1411ء میں تیسری بار مہم کا آغاز کیا گیا۔ اس مرتبہ چینی بحری بیڑہ ہندوستانی بندرگاہوں سے گزرتا ہوا خلیج فارس میں آبنائے ہرمز تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔ ہر اکتشافاتی سفر میں چائے، ریشم اور چینی کے برتنوں کے تحائف کے تبادلے ہر ملک کے مقامی تحفوں سے کئے گئے۔ جن میں ان خطوں اور ممالک کے مخصوص جانوروں مثلاً زرافے، شیر اور شتر مرغ تک شامل تھے۔

چوتھی بحری مہم 1413ء میں روانہ ہوئی۔ اس مہم میں امیر البحر آبنائے ہرمز سے گزر کر جزیرہ نما عرب کی بندرگاہوں، عدن اور بصرہ تک جا پہنچا۔ اس مہم کے دوران ایک چینی وفد نے مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات کی زیارت کی اور وہ بحیرہ قلزم سے گزر کر مصر کے ساحلوں تک جا پہنچے اور

Scanned with CamScanner

براعظم افریقہ میں موزمبیق کے دربار تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ افریقہ کے ساحلوں سے پرے تک باقی سفروں میں پہنچا گیا اور مشرقی افریقہ کی مشہور بندرگاہ ملندی تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ 1405ء سے 1433 تک کل سات بحری سفر کیے گئے اور ان سفاری میں کل 30 ممالک کی سیاحت کی گئی۔ پانچواں بحری سفر 1417ء میں شروع ہوا اور 1419ء تک جاری رہا۔ چھٹے بحری سفر میں ان غیر ملکی سفارت کاروں کو جو چوتھے سفر میں شہنشاہ کی خدمت میں چین لائے گئے تھے، واپس ان کے ملکوں میں پہنچایا گیا۔ یہ چینی بحری مہمات اپنے عروج کو چھو رہی تھیں کہ 1424ء میں شہنشاہ ینگ لو نے وفات پائی اور نئے شہنشاہ نے ان بحری سفروں پر پابندی لگادی اور امیر البحر چنگ ہو کو نانکنگ میں فوجی دستوں کو غیر مسلح کرنے کے کام پر لگادیا گیا۔ مگر کسی نہ کسی طرح امیر البحر نے نئے شہنشاہ کو ساتویں مہم کے لیے رضامند کرلیا اور آخری اور ساتویں مہم 1431ء کے موسم سرما میں چین سے روانہ ہوئی۔ اس مہم میں 20 سے زائد ممالک کی سیاحت کی گئی اور بیشتر ممالک سے منگ شہنشاہ کے نام پر خراج وصول کیا گیا۔ مگر 1433ء میں آخری سفر سے واپس آنے کے دو سال بعد 1435ء میں خود امیر البحر چنگ ہو نے وفات پائی۔

چنگ ہو کی سرکردگی میں اتنی کامیاب بحری مہمات کے بعد چینیوں نے یہ اکتشافی سفر ترک کردیئے اور بیرونی ممالک سے یکسر پشت پھیر لی۔ دوسری طرف نئے شہنشاہ کے دربار میں حاسد امراء نے چنگ ہو کے اکتشافات کا مکمل تحریری ریکارڈ تلف کردیا۔ جس سے نہ صرف چین بلکہ پوری دنیا اس عظیم مہم جو کی اکٹھی کی ہوئی اس زمانے کے جغرافیائی معلومات سے محروم ہوگئی۔ چنگ ہو جیسے عظیم مہم جو انسان کے بارے میں جو بات سب سے حیران کن ہے وہ یہ ہے کہ سمندر کے سینے پر مردانہ وار اتنی تکالیف جھیلنے والا یہ امیر البحر ایک خواجہ سرا تھا اور ایک تاتاری النسل مسلمان بھی مورخین نے اس کے اکتشافی سفروں کے بارے میں یہ رائے بھی دی ہے کہ وہ محض ایک شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیئے گئے مگر ان سفروں سے چین اور اہل چین کو جو فائدہ پہنچا اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ "چنگ ہو"

Scanned with CamScanner

1414ء۔ ہندوستان میں خاندان سادات کا اقتدار

دہلی سلطنت پر جو خاندان برسر اقتدار آئے ان میں سب سے مختصر خاندان سادات کا عہد ہے۔ مدت حیات ۔صرف 37 سال۔ یہ مدت خلجی خاندان کے عہد حکومت سے بھی کم ہے۔ دوسری طرف خاندان سادات کا عہد نہ تو خلجیوں کے زبردست شہنشاہانہ کارناموں اور نہ تغلق خاندان کے عہد کے انوکھے انتظامی تجربات ہی سے متصف ہے۔ شہنشاہ ہند فیروز شاہ تغلق کی موت کے بعد سے طوائف ملوکی کی رفتار تیز تر ہوگئی تھی اور سیاسی اقتدار کے لیے امراء کے درمیان ایک مجنونانہ دوڑ شروع ہوگئی ۔ دارالحکومت سے لے کر شقوں اور اقطاعات تک پورا شمالی ہندوستان سیاسی کش مکشوں اور فوجی داؤ پیچ میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

ایسے میں امیر تیمور کے حملے نے رہی سہی کمر توڑ دی ۔ جب تیمور نے دہلی پر قبضہ کرلیا تو میوات سے، خضر خان، بہادر ناہر، مبارک خان اور زیرک خان کو طلب کیا گیا کہ وہ فاتح کو نذرانہ عقیدت پیش کریں۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی پر تیمور کے حملے کے طوفانی اثر نے سیاسی مہم جوؤں کے لیے ایک نئی راہ کھول دی تھی۔

مورخ یحییٰ سرہندی لکھتا ہے کہ ان امیروں میں سے تیمور نے خضر خان کو اہمیت دی اور اسے دہلی کی حکومت بخش دی۔ اس کے بعد ہندوستان سے روانگی کے موقع پر تیمور نے اسے ملتان اور دیپالپور بھی بخش دیئے۔ خضر خان ملک مشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ اور گورنر ملتان ملک مردان کا محسن تھا۔ خضر خان نے باوجود تخت نشین ہوجانے کے ہمیشہ خود کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔

ملو اقبال تیمور کے جانے کے بعد اس کا سب سے بڑا حریف بن کر سامنے آیا مگر اجودھن کے قریب 1405ء میں خضر خان نے اسے شکست دی۔ اس جنگ میں ملو اقبال کا گھوڑا دلدل میں پھنس گیا اور وہ گرفتار ہوا۔ فوراً ہی اس کا سر قلم کردیا گیا۔ اس طرح خضر خان کے سامنے سے ایک بڑا حریف ہٹ گیا۔

ملو اقبال کی موت کے بعد امراء دہلی نے سلطان محمود تغلق کو قنوج سے بلایا اور تخت نشین کردیا۔ یہ آخری تغلق فرمانروا عیش و عشرت کا دلدادہ ہونے کے باوجود وہ اپنی موت تک (1412ء) دہلی پر حکومت کرتا رہا۔ اسی دورانی مدت میں خضر خان نے اپنی پوزیشن مستحکم کرلی لیکن ابھی بھی دہلی پر قبضہ کرنے میں اسے کچھ وقت لگا۔ 1408ء میں بھی خضر خان نے سلطان محمود کا

Scanned with CamScanner

محاصرہ کیا تھا مگر دارالسلطنت پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ سلطان محمود کی موت پر امراء نے دولت خان کے حق میں حلف وفاداری اٹھایا۔ خضر خان خاموشی سے یہ باتیں مشاہدہ کرتا رہا۔ دسمبر 1413ء میں وہ ایک بار پھر دہلی کے خلاف روانہ ہوا۔ اس مرتبہ محاصرہ چار سال تک جاری رہا۔ دولت خاں نے اپنی مایوس کن صورتحال کو دیکھتے ہوئے خضر خاں کو جان بخشی کی درخواست۔ خضر خاں نے اسے معاف کر دیا مگر اسے حصار فیروزی میں اسیر کر دیا گیا۔ اب دہلی خضر خاں کے قدموں میں تھی۔ 17 ربیع الاول 817ھ/ 6 جون 1414ء کو خضر خاں اپنی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور سلطان محمود کے محل میں مقیم ہو گیا۔ اس نے سات سال حکومت کی اور دہلی سلطنت کے پہلے اقتدار کو بحال کرنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ خضر خاں کی حکومت کے یہ سات سال سرکش عناصر سے نمٹنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں گزرے۔ یہ بغاوتیں اس کی سلطنت کے ہر حصے میں اژدہے کے روئیں دانتوں کے مانند ابھر آئی تھیں۔ 1414ء میں دہلی میں داخلے کے فوراً بعد اسے اپنے وزیر تاج الملک کیتھر کی طرف روانہ کرنا پڑا۔ رائے ہرسنگھ آونلہ کی گھاٹیوں کی طرف بھاگ گیا۔ مگر اسے مطیع کر لیا گیا۔ اس کے بعد تاج الملک نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کیا اور شمس آباد اور کملا کے باغیوں سے خراج وصول کیا پھر دہلی واپس لوٹا۔ لیکن یہ اطاعتیں عارضی ثابت ہوئیں اور سلطنت میں شورش وانحراف جاری رہا۔ 1416ء میں ایک بار پھر تاج الملک کو بیانہ اور گوالیار جانا پڑا۔ خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ گوالیار گیا۔ قلعہ تو فتح نہ ہوا مگر راجہ نے خراج ادا کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد بیانہ کے حاکم پر شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کر لیا گیا۔ 1421ء میں خضر خاں نے اپنی زندگی کی آخری مہم میوات کو زیر کر کے سرانجام دی اور وہ ایک بار پھر گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے خراج لے کر اوٹا وہ پہنچا تھا کہ بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ حالت بیماری میں دہلی واپس آیا اور 17 جمادی الاول 824ھ/مئی 1421ء میں وفات پائی اس کے وزیر تاج الملک کا انتقال اس سے چار ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔

آثار الصنادید میں سرسید نے لکھا ہے کہ خضر خاں نے 1418ء میں دریا کے کنارے ایک شہر آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ اور محلات بھی تعمیر کروائے تھے۔ لیکن اب اس کا سراغ نہیں ملتا۔ ممکن ہے جس جگہ اب خضر آباد ہے وہی خضر خاں کا آباد کردہ شہر ہو۔ خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے مبارک شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ چنانچہ وہ 19 جمادی الاول 824ھ کو اپنے باپ کی وفات کے تیسرے دن تخت نشین ہوا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ''تاریخ مبارک شاہی'' لکھی گئی۔

مآخذ:

تاریخ ملت جلد سوم، جامع تاریخ جاہند از محمد حبیب/خلیق نظامی۔ دائرہ المعارف اسلام

Scanned with CamScanner

1415ء۔ جان ہس کو زندہ جلا دیا گیا

جیسے جیسے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جان ہس کی آواز مدہم پڑتی جا رہی تھی۔ وہ شہتیر کے ساتھ باندھے جانے کے وقت سے با آواز بلند دعائیں پڑھ رہا تھا۔ ایک وقت آیا جب شعلوں نے اسے گھیر لیا اور اس کی چیخیں بلند ہونے لگی مگر بے رحم کلیسائی عہدے دار اس پر ترس کھانے کو تیار نہ تھے۔ آخر وہ آگ میں جل کر بھسم ہو گیا۔ مگر اس قفنس کی راکھ سے پروٹسٹنٹ فرقے نے جنم لیا جو آج بھی موجود ہے۔

جان ہس (1415ء۔ 1369ء) دنیائے مسیحیت کے ان عظیم مصلحین میں سے ایک ہے جنہوں نے مارٹن لوتھر سے پیشتر تحریک اصلاح مذہب کی اپنے خون سے آبیاری کی تھی۔ وہ بوہیمیا میں پیدا ہوا اور اس نے 1401ء میں رہبانیت اختیار کی۔ اس زمانے میں مسیحیت پر مکمل طور پر پاپائے روم اور اس کے حواریوں کا راج تھا۔ انہوں نے اپنی باطل تعلیمات سے مسیحیت کو یکسر بدل رکھا تھا۔ اب ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے پاپائے اعظم کے نام پر معافی نامے خطیر رقموں کے عوض فروخت کیئے جا رہے تھے۔ مختلف معاشرتی برائیوں کو اجازت عیسائیت کے نام پر عام تھی۔ یورپ صحیح معنوں میں ابھی تک تاریک دور سے نہیں نکلا تھا۔ ان تمام معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لیے اصلاح مذہب ضروری اور لازم تھی۔ اصلاح مذہب کے لیے پہلی کوشش انگریز راہب جان وائی کلف نے کی تھی۔ اس سلسلے کو جان ہس نے اپنے واعظوں اور مقالات سے آگے بڑھایا تھا۔ وہ اس چیز کے سخت خلاف تھا کہ بندہ گناہ تو اللہ کے حکم کے خلاف کرے اور معافی خطیر ادائیگی کے بعد پاپائے روم کے نام پر حاصل کر لے۔ اس لیے اس نے پاپائے روم اور اسکے حواریوں پر سخت تنقید کی اور اصلاح کلیسا پر زور دیا۔ پاپائیت پر جان ہس کی اس تنقید کی ایک اور وجہ 1378ء میں ہونے والا پاپائیت کا ایک ناکام انتخاب تھا۔ جس سے دو اشخاص نے بیک وقت پوپ ہونے کا دعویٰ کر دیا اور کلیسا عظیم تفرقہ Schism کا شکار ہو چکا تھا۔

1409ء میں پاپائیت کا ایک تیسرا دعویدار بھی کھڑا ہو گیا۔ رہی سہی کسر یوں پوری ہو گئی کہ یہ تینوں دعویدار پاپائیت ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگے اور ایک دوسرے کی ذاتی برائیاں نکالنے لگے۔ پاپائیت کے تخت پر اس طرح جوتیوں میں دال بٹتی دیکھ کر جان ہس جیسے دردمند انسان کو بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑا۔ ''پاپائیت شیطان کا ادارہ ہے۔''

1409ء ہی میں شاہ بوہیمیا نے جان ہس کو پراگ یونیورسٹی کا مہتمم Rector بنا دیا۔

Scanned with CamScanner

اس نے جرمن النسل لوگوں پر چیک Czechs لوگوں کو ترجیح دینے کی پالیسی اپنائی جس کے خلاف جرمن استادوں اور طالب علموں نے پراگ یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر کے Leipzig یونیورسٹی قائم کرلی۔ جان ہس یونیورسٹی میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ پراگ کے بیت الحم نامی ایک گرجے میں تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دے رہا تھا۔ آرچ بشپ آف بوہیمیا جان ہس کے نظریات کے خلاف تھا اس نے پوپ کے حکم سے گرجاؤں میں تبلیغ بند کرادی مگر جان ہس نے پوپ کے اس حکم کو نظر انداز کردیا اور تبلیغ جاری رکھی جس کی سزا کے طور پر پوپ نے جان ہس کو باضابطہ طور پر کلیسائی عبادات اور تقریبات میں شرکت سے محروم کردیا۔ اس پر اسے روم جا کر پوپ کے سامنے پیش ہونا تھا مگر روم کا سفر اس کے لیے خطرناک تھا راستے میں اسے اپنے دشمنوں سے حملے کا خطرہ تھا اس لیے اس نے اپنے نمائندے کو روم بھیج دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پوپ نے اس کی غیر حاضری کی بنیاد پر اسے کلیسا سے خارج کردیا۔ مگر اس پر الحاد کا الزام نہیں لگایا گیا۔

ادھر ہس نے پھر بھی اپنی تبلیغ جاری رکھی۔ اس پر آرچ بشپ کے حواریوں نے پوپ کی حکم عدولی کی وجہ سے اس پر الحاد کا الزام لگادیا گیا۔ اس موڑ پر بوہیما کے بادشاہ نے اس کی حمائیت کرتے ہوئے آرچ بشپ اور دیگر کلیسائی عہدہ داروں کے خلاف کاروائی کی جس سے وہ پراگ سے فرار ہوگئے اور پراگ کے خلاف انہوں نے حکم امتناعی جاری کردیا۔ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ آرچ بشپ کے حکم امتناعی کو نظر انداز کیا جائے۔ انہیں دنوں پوپ جان XXIII اور نیپلز کے بادشاہ کے درمیان ایک جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور پوپ جان نے پوپ گریگوری کے خلاف کاروائی کا فرمان جاری کردیا۔ جان ہس دونوں پوپوں کی درمیان اس کھلی جنگ میں خاموش تماشائی نہ بن سکا اور وہ بول اٹھا کہ پوپ کا یہ فرمان مسیحیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن اس نئے جھگڑے میں پڑ کر جان ہس اپنے مربی شاہ بوہیمیا کی حمائیت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ شاہ بوہیمیا پوپ جان کے جاری کردہ معافی ناموں کی فروخت میں حصہ دار تھا۔ وہ اب پوپ جان کے مقابلے میں جان ہس کی حمائت نہیں کرسکتا تھا۔ ادھر پراگ کے عوام ان معافی ناموں کی فروخت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے پوپ کے اس فرمان کو رسماً نذر آتش کردیا۔ شاہ بوہیمیا نے معافی ناموں کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگوں میں سے تین اشخاص کو گرفتار کرلیا اور پاداش میں ان کے سر قلم کردیئے گئے۔ یہ تینوں تحریک اصلاح مذہب کی تحریک کے پہلے شہید تسلیم کیئے جاتے ہیں۔

جان ہس کے دشمنوں کے بادشاہ کے ہس کی اعانیت سے ہاتھ اٹھانے کے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کیوریا Curia میں اس کے خلاف مقدمہ کو از سر نو قائم کردیا۔ جہاں اسے دائرہ مسیحیت سے خارج قرار دے دیا گیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی پیروی کے لیے پوپ کے سامنے پیش نہ ہوا تھا۔ اس پر رضا کارانہ طور پر جان ہس نے پراگ کو چھوڑ کر جنوبی بوہیمیا میں ایک قلعہ میں

Scanned with CamScanner

اپنے دوستوں کے پاس پناہ لی۔ اگلے دو سال تک وہ ادبی کاموں میں مصروف رہا۔ اس کے دشمن جن میں Stanislav اور Palec نامی شخص پیش پیش تھے اس کے پراگ چھوڑنے کے باوجود خاموش نہ بیٹھ سکے اور انہوں نے اس کے خلاف مقالات لکھ کر مناظرہ بازی کو ہوا دی۔ ہس نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور ان کے جواب میں اپنا مشہور مقالہ De Ecclesia لکھا۔ جو اس کے دشمنوں پر بھاری تھا۔

پوپ کے عہدے کے لیے تفرقہ بدستور جاری تھا۔ ہنگری کے بادشاہ نے اس تفرقے کو ختم کرانے کی کوشش کی اور پوپ جان پر زور دیا کہ وہ اس تفرقے کو ختم کرانے کے لیے شہر کونسٹینس Constance میں کونسل کو بلائے۔ پوپ نے کونسل بلائی تو بادشاہ ہنگری سجمنڈ نے جان ہس کو بھی اس کونسل میں آنے کی دعوت دی۔ مگر خطرات کے پیش نظر جان ہس اس کونسل میں شرکت پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر شاہ ہنگری نے اس کی کونسل میں شرکت اور واپسی کے لیے گارنٹی فراہم کی جس کی وجہ سے جان ہس نے کونسل میں شرکت کے لیے سفر کیا اور وہ 3 نومبر 1414ء کو کونسلینس پہنچ گیا۔ پوپ نے اس کے خلاف اپنا حکم امتناعی منسوخ کر دیا جس کی وجہ سے وہ اب شہر میں آزادانہ چل پھر سکتا تھا۔

مگر اس کے دشمن چین سے نہ بیٹھے اور اس کے خلاف جان وائی کلف کے نظریات کا حامی ہونے کا مقدمہ کر دیا۔ جس پر اسے پوپ کی رہائش گاہ میں قید کر دیا گیا اور اس کے خلاف ججوں کا ایک پینل بیٹھا دیا گیا۔ اس پینل کے تمام جج اس کے ذاتی دشمن تھے۔ انہوں نے وائی کلف کے نظریات اور مقالات کو ترغیب دینے کے سلسلے میں اس پر اکا دکا الزام لگایا۔ ہس نے ان کے لگائے ہوئے الزامات کا جواب بڑی کامیابی سے دیا۔ اس پر اس کے دشمن پیلیک Palec نے خود اس کے مقالے De Ecclesia میں سے 45 اعتراضات پیش کیے جن میں سے 20 اعتراضات کہیں اور سے لیے گئے تھے۔ ادھر یہ مقدمہ چل رہا تھا ادھر کونسل تینوں موجودہ پوپوں کے خلاف ہوگئی جس کی وجہ سے پوپ جان وہاں سے بھاگ گیا اور اس نے کونسل کو غیر قانونی قرار دے دیا مگر کونسل نے خود کو پوپوں سے بھی بالاتر ثابت کیا ادھر ہس کے مقدمات کے لیے بھی ایک نیا کمیشن تشکیل دیا گیا۔ اور کارڈینل ڈیلی D, Ailly کو اس کا سربراہ مقرر کیا۔ کارڈینل نے ہس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مقالات سے دستبردار ہو جائے مگر جان ہس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کونسل اسے انجیل پاک کی روشنی میں مجرم ثابت کرے اس سے کونسل نے انکار کر دیا۔

6 جولائی 1415ء کو کونسل کا آخری اجلاس منعقد ہوا جس میں جان ہس کو اس کے 30 مقالات پڑھ کر سنائے گئے جو صحیح طور پر اس کی تعلیمات پر مبنی نہ تھے۔ اس پر بھی جان ہس نے ان سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ اب کونسل نے متفق طور پر اسے ملحد قرار دیا اور اس زندہ جلانے

Scanned with CamScanner

کی سزا تجویز کی گئی جس پر اگلے ہی دن عمل درآمد ہوگیا۔ یہ سراسر ظلم تھا کیونکہ اسے کونسل میں شرکت کے لیے اس کی جان کے تحفظ کی گارنٹی فراہم کی گئی تھی نہ کہ اسے اس کے جرم میں گرفتار کر کے لایا گیا تھا؟

جان ہس[1] کا یہ خون رائیگاں نہیں گیا اور اس کی تعلیمات پروٹسٹنٹ فرقے کی تعلیمات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور اس کی موت کے صرف سو سال بعد مارٹن لوتھر نے اس کے نظریات کو عملی شکل دے دی۔ خود اس کے مقلدین ہسی Hussites کہلائے اور انہوں نے اس کی موت کے بعد علم بغاوت بلند کر دیا اور کئی سال تک حکومت سے برسرپیکار رہے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 6 بذیل مادہ Hus, Jan۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ولیم ایل لینگر، غلام رسول مہر۔ موسیٰ سے کارل مارکس تک از سبط حسن۔

---

[1] P.S اے جان ہس کے متعلق پاکستان کے مشہور مفکر سبط حسن صاحب نے اپنی کتاب موسیٰ سے کارل مارکس تک میں لکھا ہے کہ جان ہس ایک اشتراکیت پسند بوہمین پادری تھا جس کی تعلیمات اشتراکیت پر مبنی تھیں۔ اس کے پیرو طابوری بھی کہلاتے ہیں کیونکہ وہ شہر طابور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے طابور میں ایک کمیونسٹ معاشرہ قائم کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ مسیح کا ہزار سالہ دور حکومت شروع ہوگیا ہے، اب آقا اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ بلکہ عدل و مساوات کا نظام رائج ہوگا۔ ان کے ہاں خوب صنعت نے ترقی کی۔ شہر کے باشندے ایک دوسرے کو ''برادر'' اور ''ہمشیر'' کہہ کر پکارتے اور اپنے پرائے کے فرق کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا کا کہنا تھا کہ ''زمین پر نہ کوئی بادشاہ ہونا چاہیے نہ مالک اور نہ رعایا۔ تمام محصول منسوخ ہونے چاہیں۔ کسی پر جبر کرنا جائز نہیں۔ تمام چیزیں سب کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیں۔ لہٰذا ذاتی ملکیت ایک گناہ عظیم ہے۔'' مئی 1424ء میں اس ریاست کا خاتمہ اس کے ہمسایوں نے کیا جو اپنے درمیان کسی اشتراکی تجربہ کی گنجائش نہ رکھتے تھے۔

Scanned with CamScanner

1415ء۔ جنگ ایجن کورٹ

انگلستان اور فرانس کے درمیان لڑی جانے والی جنگ صد سالہ کا تیسرا اور فیصلہ کن معرکہ جنگ ایجن کورٹ Battle Of Agincourt کہلاتا ہے۔ یہ انگریزوں کی فرانسیسیوں پر ایک خونی فتح ہے۔

1413ء میں ہنری چہارم کے بعد اس کا بیٹا ہنری پنجم کے لقب کے ساتھ تخت انگلستان پر متمکن ہوا۔ انگلستان اس کے باپ کے عہد کے معاشی مسائل سے ابھی آزاد نہ ہوا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے صرف دو سال بعد ہنری پنجم نے وہ معاشی مسائل پس پشت ڈال کر فرانس کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ وہ تقریباً 15000 افراد کی ایک فوج لے کر ساحل فرانس پر ہارفلوئر Harfluer کے مقام پر اترا۔ اس قصبے پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے فرانسیسی شہر کیلے Calais کا رخ کیا۔ پیش قدمی کرتے ہوئے وہ دریائے سوم Soom تک نکل گیا۔ ادھر فرانسیسیوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر روانہ کیا جس نے انگریز فوج کو ایجن کورٹ کے مقام پر جالیا۔

ایجن کورٹ کے مقام پر کوئی کھلا میدان نہیں تھا بلکہ گھنے جنگلات تھے جس کی وجہ سے وہاں جنگ لڑنا مشکل کام تھا مگر فرانسیسی لشکر اپنی تعداد کی برتری پر نازاں تھا۔ فرانسیسی انگریزوں کے مقابلے میں زیادہ تازہ دم اور ہتھیاروں سے لیس تھے۔ 25 اکتوبر 1415ء کو دونوں فوجوں میں جنگ لڑی گئی۔ پہلے فرانسیسیوں کے توپخانے نے حملہ کیا جو ناکام بنا دیا گیا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ لڑی گئی۔ قریب تھا کہ فرانسیسی فتح یاب ہوں کہ انگریز تیر اندازوں نے پانسہ پلٹ دیا۔ جنگ سو سالہ کے معرکوں جنگ کریسی Battle Of Crecy (1346ء) جنگ پوائٹرز Battle Of Potters (1356ء) کے بعد یہ انگریزوں کی تیسری فتح تھی جو انگریزوں کو فرانسیسیوں پر حاصل ہوئی۔ اس فیصلہ کن فتح کے نتیجے میں 1420ء میں فرانس کے ولی عہد کو سلطنت سے محروم کر دیا گیا اور فرانسیسی ہنری پنجم آف انگلستان کو فرانس کا حکمران تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دونوں ملکوں میں معاہدہ ٹرویز Troves طے پایا۔

شیکسپیئر نے اس جنگ کو اپنے کھیل ''ہنری پنجم'' میں فیصلہ کن اور آخری سین کے طور پر پیش کیا ہے۔ ہنری پنجم حتیٰ کہ اس جنگ کے بعد بھی فرانس کے باقی علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف تھا اور اس نے سرزمین فرانس پر وفات پائی۔

Scanned with CamScanner

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، ولیم ایل لینگر، غلام رسول مہر
انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول بذیل مادہ Agincourt۔

Scanned with CamScanner

1425ء۔ وینس اور سلطنت عثمانیہ کے مابین جنگ

میلان کے بعد وینس اطالیہ میں سب سے زیادہ امیر اور طاقتور ریاست تھی اور بلا استثنیٰ اس کی حکومت بھی بڑی قابل تھی۔ اس کے ماہر کاریگر اپنی مصنوعات کی نفاست کے لیے مشہور تھے۔ بیشتر مصنوعات پر تعیش تجارت کے لیے بنائی جاتیں تھیں۔ اس کے بارود خانہ میں 16000 آدمی ملازم تھے۔ 36000 ملاح 3300 تجارتی یا جنگی بیڑے چلاتے اور کشتیوں میں بھی آزاد انسان چپو چلاتے تھے نہ کہ سولہویں صدی کی طرح غلام۔ وینس کے تاجروں نے یروشلم سے لے کر اینٹی ورپ Antewerp تک ہر تجارتی منڈی پر ہلہ بول دیا۔ انہوں نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ بلا امتیاز تجارت کی اور پاپائی فتویٰ کی پرواہ نہ کی لیکن ترکوں سے اس کی پرانی مخاصمت تھی۔ سالونیکا کا فرمان روا اینڈرولیکس نامی ایک عیسائی تھا۔ اس نے غداری سے کام لیتے ہوئے اپنی ریاست کو وینس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سلطان مراد ثانی نے اس معاملہ فروختگی ریاست کی مخالفت کی اس معاملے پر ترکوں اور وینس کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں یونانی بھی وینس کے ساتھ تھے۔ ترکی بیڑے نے وینس کے تمام بحری مراکز تباہ کر ڈالے اور سالونیکا پر قبضہ کر لیا اس کے البانیا اور ایپرس کے بڑے حصوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر بعد ازاں ترکوں اور اہل وینس میں صلح ہو گئی۔

مآخذ:

تاریخ ترکیو ایس ایم شاہد۔

تاریخ میں سفر عدنان طارق۔

Scanned with CamScanner

1421ء۔ سلطان محمد اول کی وفات

سلطان بایزید کی شکست کے بعد بظاہر سلطنت عثمانیہ فنا ہو چکی تھی۔ ایشیائے کوچک عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یورپ میں بھی سلطنت کے مقبوضات کی حالت امید افزا نہیں تھی۔ بلغاریہ، بوسینا اور ولاچیا کی رعایا بغاوت پر آمادہ تھی اور بازنطینی سلطنت بھی اپنے مقبوضات واپس لینے کا عزم کر رہی تھی۔ مگر ان مساعد حالات میں بھی سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ نہ بکھرا بلکہ وہ اپنی غیر معمولی قوت بقا کے ذریعے ایک بار پھر صرف دس بارہ سال کے اندر پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئی۔ اس کی اس بحالی میں سلطان محمد اول کا ہاتھ تھا۔

سلطان بایزید کے چھ بیٹوں میں سے پانچ اس کے ساتھ جنگ انگورہ میں ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک مصطفیٰ نامی میدان جنگ میں کام آیا دوسرا بایزید کے ساتھ گرفتار ہوا باقی تین جان بچا کر بھاگ نکلے۔ بایزید کی وفات کے بعد سب سے بڑے شہزادے سلیمان نے یورپی حصے میں اپنی سلطنت کا اعلان کیا۔ منجھلے نے بروصہ میں بایزید کی جانشینی کا اعلان کیا۔ شہزادہ محمد ان تینوں میں سب سے چھوٹا مگر لائق اور عالی دماغ تھا۔ وہ ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں ایک چھوٹے سے علاقے اماسا پر قابض ہو گیا۔ جلد ہی ان تینوں میں سلطنت پر قبضے کے لیے کش مکش ہونے لگی۔ کچھ دنوں بعد چوتھا بھائی موسیٰ بھی جسے تیمور نے قید سے رہا کر دیا تھا اس کشمکش میں شریک ہو گیا۔

شروع میں محمد اور عیسیٰ کے درمیان جنگ ہوئی۔ محمد ایشیائی مقبوضات کو برابر کی سطح پر تقسیم کرنا چاہتا تھا مگر عیسیٰ پوری سلطنت کا دعویدار تھا۔ اس کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر سلیمان سے مدد کا طالب ہوا۔ سلیمان عیسیٰ کی حمایت میں فوج لے کر ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا ابتداء میں شہزادہ محمد کو دشواری پیش آئی لیکن بالآخر اس نے بھی اپنے بھائی موسیٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ یورپی حصہ میں سلیمان کی قلمرو پر حملہ کر دے۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور سلیمان عیسیٰ کو چھوڑ کر اپنے علاقے کو بچانے کے لیے یورپ واپس چلا گیا۔ عیسیٰ کو شکست ہوئی اور وہ کہیں ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہیں آیا۔

یورپ میں سلیمان اور موسیٰ میں جنگ ہوئی۔ سلیمان کا اپنی فوج سے برتاؤ بہت سخت تھا اور سپاہیوں میں اس کے خلاف بیزاری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی سختی سے فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور خود اپنے حکمران کو قتل کر دیا۔ سلیمان کے قتل کے بعد موسیٰ ادرنہ کے تخت میں والی بن کر بیٹھا اور اس نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اس نے قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری شروع

Scanned with CamScanner

کردی۔ بازنطینی شہنشاہ نے شہزادہ محمد سے مدد کی درخواست کی۔ محمد اپنی ترک فوج کے ہمراہ اور سردیا کے دستوں کے ساتھ شہنشاہ کی مدد کے لیے یورپ میں داخل ہوا۔ تاریخ عالم میں یہ بھی ایک عجیب منظر تھا۔ ایک ترک فوج قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئی تھی۔ دوسری ترک فوج شہزادے محمد کو قیادت میں قسطنطنیہ کی حفاظت کر رہی تھی۔

آخر موسیٰ کو محاصرہ اٹھا کر پسپاہ ہونا پڑا۔ محمد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اس کا تعاقب کیا۔ سردیا کی سرحد پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب جا پہنچیں۔ قریب تھا کہ جنگ ہو کہ موسیٰ کے فوجی جرنیلوں نے اس کے خلاف بغاوت کردی اور وہ محمد سے جا ملے۔ موسیٰ زخمی ہو کر بھاگا۔ اور تلاش کے بعد دلدل میں پھنسا ہوا ملا۔ اب تخت کے لیے محمد کا کوئی حریف نہیں بچا تھا۔ اس نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کردیا۔ اب یورپ اور ایشیا تمام علاقوں کی رعایا نے اس کا خیر مقدم کیا۔ بہ حیثیت سلطان اس نے صرف آٹھ سال حکومت کی مگر اس مختصر مدت میں اس نے اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت کو بروئے کار لا کر سلطنت کو مستحکم کردیا۔

سلطان محمد کی خارجہ پالیسی امن اور صلح پر مبنی تھی۔ اسی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر اس نے سلطنت بازنطیم سے صلح قائم رکھی اور چند مقبوضات شہنشاہ کو خیر سگالی کے طور پر واپس کردیئے۔ لیکن کبھی کبھی وہ میدان جنگ میں آنے پر بھی مجبور ہوا۔ حملہ تیمور کے وقت سے لے کر مانیہ اور دوسری ترک ریاستیں سلطنت عثمانیہ سے آزاد ہوگئی تھیں۔ محمد نے انہیں تاتاریوں کی حمائت سے الگ کر کے دولت عثمانیہ کی قلمرو میں شامل کرلیا۔

محمد نے اکتالیس سال کی عمر میں 1421ء/ 826ھ میں وفات پائی اور بروصہ میں مسجد خضرا سے متصل مقبرے میں دفن کیا گیا۔ سلطان نے یہ عظیم الشان مسجد بھی خود تعمیر کرائی تھی۔ اگر چہ اسے سلطان مراد نے شروع کرایا تھا مگر اس کی تکمیل سلطان محمد اول کے ہاتھوں ہوئی۔

اگر چہ سلطنت عثمانیہ کے اول دس فرمانرواؤں میں صرف سلطان محمد ہی ایسا تھا جس کے عہد میں سلطنت کی توسیع نہیں ہوئی تاہم جنگ کے بعد سلطنت تباہی کی جس منزل پر پہنچ گئی اور پھر گیارہ سال کی مسلسل خانہ جنگیوں سے جو مزید خطرات پیدا ہوگئے تھے۔ ان پر نظر رکھتے ہوئے مورخین خود سلطنت عثمانیہ کے دوبارہ استحکام کو سلطان محمد کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔

مآخذ:

تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد۔
دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ اول محمد۔

Scanned with CamScanner

1428ء۔ انڈونیشیا میں مسلم حکومت کا قیام

بحر ہند اور بحر الکاہل کے درمیان ایشیا کے جنوب مشرق اور آسٹریلیا کے شمال مغرب میں طول بلد 95 درجہ اور 141 درجہ مشرق اور عرض بلد 6 درجہ شمال اور 11 درجہ جنوب کے درمیان دنیا کا عظیم ترین مجمع الجزائر اور دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک انڈونیشیا واقع ہے جس کا مشرق سے مغرب تک فاصلہ چار ہزار میل اور شمال سے جنوب تک فاصلہ ایک ہزار دو سو پچاس میل ہے۔

اس مجمع الجزائر کا قدیم نام ''نوسانتارا'' (درمیانی جزیرہ) تھا۔ ولندیزی دور حکومت میں اسے جزائر مشرق الہند یا ولندیزی شرق الہند کہنے لگے۔ آج انڈونیشیا ایک عظیم اسلامی ملک ہے۔ جہاں دنیا میں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ لیکن یہ باعث حیرت ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے تک یہاں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ تمام آبادی ہندوؤں اور مظاہر پرستوں پر مشتمل تھی۔ یہاں اسلام کا قدم آنا اور اسلامی حکومت کا قائم ہو جانا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ انڈونیشیا میں اسلام کے پھیلاؤ سے غیر مسلموں کے اس دعویٰ کا جواب ملتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ یہ واقعہ حقیقت ہے کہ انڈونیشیا میں کبھی مسلمان حملہ آور نہیں پہنچے بلکہ مسلمان تاجروں اور مبلغین نے دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک فریضہ تبلیغ دین ادا کیا اور اپنے اوصاف حمیدہ سے لوگوں کو متاثر کر کے اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

انڈونیشیا کے جزائر میں ساٹرا نے سب سے پہلے اسلامی اثرات قبول کیئے۔ بارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں آچیہ کے کچھ باشندوں نے پہلے پہل شیخ عبداللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ شیخ صاحب کے خلیفہ شیخ برہان الدین نے مغربی اور جنوبی ساٹرا میں دین کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی انہوں نے یہاں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ جہاں نومسلموں کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں کے تعلیم یافتہ نومسلم مبلغوں نے انڈونیشیا کے طول و عرض میں دور تک اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ جس سے آچے کا پورا علاقہ اسلام کے زیر اثر آ گیا۔ حتیٰ کہ یہاں 1205ء میں پہلی اسلامی ریاست بھی وجود میں آ گئی۔

چودھویں صدی عیسوی میں شیخ اسمٰعیل کے زیر قیادت کچھ مبلغین حجاز سے یہاں پہنچے جن کی مساعی سے سمدرا، آرو اور مینگر کباؤ کے راجہ اور باشندے مسلمان ہو گئے۔ پندرہویں صدی میں پالم بانگ اور لمپانگ کے راجاؤں اور باشندوں کو اسلام کی روشنی سے روشناس کرایا گیا۔ جاوا میں اشاعت اسلام نے ایک تحریک کی صورت چودھویں صدی عیسوی میں اختیار کی جب مولانا ملک

Scanned with CamScanner

ابراہیم نے گریسک میں ایک تبلیغی مرکز قائم کیا۔ اس تحریک کے مندرجہ ذیل نو رہنما بہت مشہور ہوئے اور انہیں ولی (سونان) کا درجہ دیا گیا۔ مولانا ابراہیم یا مولانا مغربی، رادن رحمت یا سونان نمپل، مخدوم ابراہیم یا سونان بونا نگ، رادن پایا سونان گہری، فتح اللہ یا سونان گنتگ جاتی، سونان قدس، سونان موریا، سونان درجات اور سونان کالی جاگا۔ ایک اور نامور مبلغ رادن فاتح تھے جن کی قیادت میں مبلغین نے 1428ء میں مجاپائیت کے حکمران کو شکست دی اور جاوا میں انڈونیشیا کی پہلی اسلامی سلطنت قائم کی یہ سلطنت دیماک کہلاتی ہے۔ اس سلطنت کے قیام سے بہت جلد انڈونیشیا میں زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا رنگ جھلکنے لگا۔

جاوا اور سماٹرا کے بعد بورنیو میں اشاعت اسلام کا آغاز پندرہویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ مگر مجاپائیت سلطنت کے خاتمہ پر یکے بعد دیگرے بنجر ماسین، دامکا، بروفی اور سکدانہ کے فرمانروا اور عوام نے اسلام قبول کیا۔ یہاں مبلغین کے سردار شیخ شمس الدین حجاز سے آئے انہیں کے ہاتھ پر سکدانہ کے راجا نے اسلام قبول کیا اور سلطان محمد صفی الدین کا لقب اختیار کیا۔

سلادیس میں اسلام بورنیو کے نومسلموں کی بدولت پھیلا سب سے پہلے مکلسر اور بوگی قومیں اور پھر اہل منہاسہ مسلمان ہوئے۔ موخر الذکو پرتگالیوں نے عیسائی بنالیا تھا۔ مکلسر کے نو مسلم خاص طور پر بڑے پرجوش مبلغ ثابت ہوئے۔

انڈونیشیا میں اگرچہ تیرہویں صدی سے اسلامی سلطنتوں کا ایک سلسلہ قائم ہونے لگا تھا۔ مگر جاوا کی طرح سماٹرا میں پہلی اسلامی سلطنت سمدرا میں قائم ہوئی تھی جس کے راجہ نے مسلمان ہوکر سلطان ملک الصالح کا لقب اختیار کیا تھا۔ ملک الصالح اور اس کے جانشینوں کے اسلام کی ترجیح و اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ 1346ء میں ابن بطوطہ سمدرا پہنچا تو اسی ملک الصالح کا پوتا سلطان زین العابدین حکمران تھا۔ ابن بطوطہ نے اس سلطنت کی خوش حالی، تجارت کی ترقی، امن وامان اور دینی امور میں حکمرانوں کی دلچسپی کی بہت تعریف کی ہے۔ پندرہویں صدی میں یہ سلطنت ملکا کے سلطان کے زیر نگیں آ گئی تھی۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد 3۔ انڈونیشا میں تبلیغ اسلام

Scanned with CamScanner

1431ء۔ جون آف آرک کی شہادت

ایک رات اورلینز کی ایک نوجوان دہقان لڑکی جون سوئی ہوئی تھی کہ اسے عجیب وغریب آوازیں سنائی دیں جیسے اسے کوئی کہہ رہا ہو۔ ''جون اٹھ اور اس خدمت کے لیے کمر بستہ ہو جا جس کی خاطر تجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔'' جون یہ پیغام سن کر سہم کر رہ گئی اسے وہ قدیم پیشین گوئی یاد آ گئی جو اورلینز کے علاوہ اب پورے فرانس میں مشہور ہو چکی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ لورین کی سرحد سے ایک دوشیزہ اٹھے گی اور فرانس کو انگریزوں کی غلامی میں جانے سے بچالے گی۔ ان غیبی آوازوں کے تسلسل اور وطن پرستی کے جذبات اس کے ذہن میں ابھرنے سے رفتہ رفتہ جون کے خود کو پیش گوئی والی لڑکی تصور کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب کسی نہ کسی طرح وہ حکام بالا تک پہنچ کر اپنی خدمات ان کو پیش کر دے۔

اورلینز (فرانس) کی یہ دہقان لڑکی جون آف آرک تھی جو لورین کے گاؤں ڈومیری میں 1412ء میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ اپنی نیک سیرت ماں ازابیل اور محنت کش باپ جیک کی آغوش میں پروان چڑھی لیکن معاشی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے اسے اسکول کی بجائے کھیتوں میں جانا پڑا جہاں وہ سارا دن مویشی چراتی۔ لیکن ملکی حالات سے مکمل باخبر رہتی اسے معلوم تھا کہ گذشتہ کئی دہائیوں سے انگریز فوجی اس کے ہم وطن فرانسیسیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور مادر وطن بے بس اور یہاں کا بادشاہ لاچار ہے۔ پھر جب وہ جوانی کی سرحدوں پر پہنچی تو اسے عجیب غریب آوازیں آنے لگیں کہ ''جاؤ ولی عہد فرانس کی مدد کرو''۔ جب اس نے یہ بات اپنے گاؤں کے لوگوں کو بتائی تو بعض لوگ اس کی بات پر یقین کرتے اور بعض اسے جھوٹی مکار لڑکی سمجھتے جبکہ کچھ لوگ اس کی ذہنی حالت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے اور اسے دیوانی سمجھتے تھے۔ ایک دن اس کی بڑی بہن کی سالگرہ کی تقریب میں وہ دو وطن پرستوں سے متعارف ہوئی۔ کئی ملاقاتوں کے بعد دو وطن پرست اسے ولی عہد سلطنت سے ملانے کے لیے لے جانے پر آمادہ ہوئے مگر روانگی میں موسم کی خرابی آڑے آ گئی مگر جون برفباری اور طوفانوں کو کہاں خاطر لانے والی تھی اس نے ان وطن پرستوں کے کہا کہ اگر ان موسمی آفات سے ڈریں گے تو انسانی آفات کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ جون کے اصرار پر وہ 23 فروری 1429ء کو لورین سے چل پڑے۔ موسم کی تلخیوں کو برداشت کرتے ہوئے تقریباً گیارہ دن بعد فرانس کے شہر شنون پہنچے جہاں ولی عہد سلطنت قیام پذیر تھا۔ انتہائی محتاط اور موثر حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے ان تینوں نے ولی عہد تک رسائی حاصل

Scanned with CamScanner

کی اور پھر اسے جون آف آرک کو سنائی دینے والی غیبی آوازوں سے آگاہ کیا۔ بڑے امتحانات سے گزر کر ولی عہد نے جون اور اس کے ساتھیوں کو فرانسیسی فوج کے ساتھ مل کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی کیونکہ ڈوبتے ہوئے فرانس کے لیے یہ صرف ایک تنکے کا سہارا تھا۔

ہزاروں فرانسیسی سپاہی جب اس نوجوان لڑکی کے زیر قیادت آئے تو اس نے اپنی مہم کا آغاز انگریز کمانڈروں کو خط لکھ کر کیا جس میں انہیں آگاہ کیا گیا کہ "خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ اقتدار فرانس کے حقیقی بادشاہ کے حوالے کردوں۔ تمہیں چاہیے کہ تم فرانس کے ان تمام شہروں اور قصبوں سے دستبردار ہوجاؤ جن پر تم نے بزور شمشیر قبضہ کیا ہے۔ مگر مغرور انگریز جرنیلوں نے اس خط کا جواب تک نہ دیا۔

اسی دوران جون اپنے لشکر کے ساتھ اورلین پہنچ گئی۔ یہ شہر دشمنوں کے محاصرے میں تھا۔ آزادی کے متوالے جون کی کمان میں ایسی مستعدی سے لڑے کہ انگریز دم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ صرف دو دن کی لڑائی کے بعد کئی مقبوضہ فرانسیسی قلعے انگریزوں سے واپس لے لئے گئے۔ اورلین کا محاصرہ ٹوٹ گیا اور انگریزی فوج شکست کھا کر فرار ہوگئی۔ جنگ سو سالہ میں انگریزوں کی مسلسل کئی فتوحات کے بعد یہ فرانسیسیوں کی ایک عظیم فتح تھی۔ جون نے ولی عہد سے جو کہا تھا وہ بڑی بہادری سے اس نے کر دکھایا تھا۔

پھر 17 جولائی 1429ء کو رائین میں چارلس ہفتم کے سر پر تاج رکھا گیا اور جون کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوگئی۔ ابتدائی فتوحات اور کامیابیوں کے بعد فرانسیسی افواج کا مورال بلند ہوچکا تھا اور فرانسیسی افواج اب سیسہ پلائی کی دیوار بن چکی تھیں۔ جون نے شاہ فرانس سے اجازت چاہی کہ اب اس کے بغیر بھی فرانسیسی افواج کامیابی حاصل کرسکتی تھیں مگر چارلس ہفتم نے دوبارہ جون کو عسکری قیادت پر آمادہ کیا کہ فرانس کی مکمل آزادی تک تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ابھی پیرس آزاد کرانا تھا۔ پھر سینٹ اولورے کی لڑائی میں ایک اور کامیابی نے جون کے قدم چومے مگر اب انگریزوں نے بھی کوم بیئن نامی شہر کو اپنے مضبوط مورچے میں تبدیل کرلیا تھا کیونکہ صرف یہی رکاوٹ فرانسیسی فوج اور پیرس شہر کے درمیان حائل تھی۔ اس محاذ پر جون بجلی کی تیزی سے تلوار چلا رہی تھی کہ دشمن کی فوج کے ایک سپاہی کا چلایا ہوا ایک تیر اس کے شانے میں پیوست ہوگیا۔ وہ گھوڑے کی پشت پر توازن کھو بیٹھی اور زمین پر آگری۔ قریب تھا کہ دشمن کے سپاہی اسے قتل کردیں کہ ایک انگریز افسر نے مداخلت کرکے اسے زندہ گرفتار کرلیا۔

جون طویل عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلتی رہی۔ پھر اس کا مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا۔ جون نے بڑے استقلال کے ساتھ خود پر لگائے گئے الزامات کو سنا اور ان کا ایسا معقول جواب دیا کہ انگریز منصف ساکت و صامت ہوگئے۔

Scanned with CamScanner

آخر کار انگریزوں نے اسے ساحرہ قرار دے کر مذہبی عدالت میں پیش کر دیا۔ اس زمانے میں کلیسا پر جنونی لوگوں کا راج تھا۔ انہوں نے الزامات کی ایک طویل فہرست تیار کی اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ تم نے مردانہ لباس کیوں پہنا؟ جو پراسرار آوازیں تم سنتی رہی ہو کیا وہ خدا کی طرف سے تھیں؟ اور تم نے یہ کیوں کہا کہ تم صرف خدا کے سامنے جوابدہ ہو؟ جون نے ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے اور کہا کہ میں نے جو کچھ کہا پوری سچائی سے کہا۔ مجھے خدا نے فرانس کی مدد کرنے کے لیے بھیجا اور وہی مجھ سے ہمکلام ہوا۔

یہ کفر صریح ہے خدا گنوار لڑکیوں سے گفتگو نہیں کرتا تم جھوٹ بکتی ہو۔ یہ کفر ہے اور کفر کی سزا تم جانتی ہو کیا ہے۔ پھر منصفین کے اشارے پر جلادوں نے گرم کی ہوئیں سرخ سرخ لوہے کی سلاخیں اس کی طرف بڑھا دیں لیکن ازمنہ وسطیٰ کی اس بہادر لڑکی نے جواب دیا کہ وہ ان تپتی ہوئی سلاخوں سے نہیں ڈرتی تم مجھے داغ سکتے ہو مگر میں نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے۔ اس گستاخ اور ناہنجار لڑکی کو عدالت سے لے جاؤ کہ یہ کفر بکتی ہے۔ اور یہ کفر ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ مذہبی عدالت کے ارکان جیوری اژدہے کی طرح غصہ سے پھنکارے۔ عدالتی کارندے ایک کمزور اور ناتواں لڑکی کو بری طرح گھسیٹتے ہوئے عدالت سے لے گئے۔

کئی ہفتے اسے قید میں گزر گئے۔ ایک مرتبہ پھر اسے وہی غیبی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"خاتمہ نزدیک ہے، وقت آن پہنچا، تیار رہو اور حوصلے بلند رکھو۔"

وہ انہیں آوازوں کے سائے میں قید تھی کہ ایک دن اسے موت کا پروانہ تھما دیا گیا۔ کل صبح منڈی کے میدان میں محافظ نے اسے موت کا پروانہ تھماتے ہوئے پیغام دیا۔

عدالت نے اس پر جادو اور کفر کے الزامات لگا کر اسے زندہ جلا دینے کی سزا دی تھی اور اس کے لیے 30 مئی 1431ء کا دن مقرر کیا تھا۔ پھر وہ دن آ پہنچا۔

روئین شہر کی پرانی منڈی میں ایک بڑی چتا جلائی گئی۔ فرانس کے عیاش اور بے رحم امراء بھی اس مظلوم لڑکی کو اتنی خوفناک سزا دینے کے عینی شاہد تھے اور بیکس اور مظلوم عوام بھی جو اپنی بدبختی اور بدنصیبی پر آنسو بہا رہے تھے۔

اگر چہ وہ جون کو بچانے کے لیے اپنی جانیں نثار کرنے کے لیے تیار تھے۔ مگر حالات نے انہیں بے بس کر دیا تھا اور وہ انگریزوں کے بس میں تھے۔ انہوں نے رکتی ہوئی سانسوں سے جون کو سپاہیوں کے نرغے میں آتا دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک طمانیت سکون اور عجیب طرح کی دلکشی تھی۔ اس کی آنکھیں ایک انجانے احساس سے چمک رہیں تھیں۔

شہر کے لوگ چھتوں، کھڑکیوں، دروازوں اور منڈیروں سے جھانک رہے تھے جہاں تختی کھڑی کی گئی وہیں ایک تختی بھی لگائی گئی تھی جس پر جون کے جرم رقم تھے۔

Scanned with CamScanner

دروغ گو، مکار، دغاباز، کافر، ساحرہ اور جادوگرنی۔

مگر جون ان الزامات سے بے نیاز مقتل کی طرف بے خوف وخطر بڑھ رہی تھی۔ وہ چتا کے پاس آ کر رک گئی پھر ظالم اور بے رحم ہاتھوں نے اسے دبوچ کر اس ٹکٹکی سے باندھ دیا جو چتا میں نصیب کی گئی تھی۔ دشمن جب اسے ٹکٹکی پر باندھ رہے تھے تو اس کی نظر چتا کے قریب کھڑے راہبوں پر پڑی۔ جون نے ان راہبوں کو درخواست کی کہ اس کے لیے مغفرت کی جائے۔ مگر مذہب کے یہ اجاردار اس سے نالاں تھے۔ وہ بھلا اس کے لیے مغفرت کیوں کرتے ان کی زبان پر ''ساحرہ، جادوگرنی، چڑیل اپنا انجام دیکھو!'' کے نازیبا الفاظ آ گئے۔

لیکن جون خوش تھی کہ آج اسے ایک ایسی سزا مل رہی تھی جو صرف نیکی سے ملتی ہے۔ چتا کو آگ لگا دی گئی۔ جیسے جیسے شعلے بلند ہونے لگے جون نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اس نے روئین شہر کے در و بام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آہ اے روئین مجھے خدشہ ہے کہ میری موت سے تجھے نقصان پہنچے گا۔''

اب شعلوں نے جون کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ المناک منظر دیکھ کر ہزار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ لیکن اشکوں کا یہ سیلاب شعلوں کو نہ بجھا سکا۔ پھر آخر جب شعلوں نے اسے چاٹ لیا تو اس کی ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ فرانس پر نثار ہو گئی۔

Scanned with CamScanner

1434ء۔ اطالیہ میں میڈیچی خاندان کا عروج

اطالوی لفظ میڈیچی Medici پہلے پہل بارہویں صدی کے ایک تذکرے میں ملا ہے۔ جو لاطینی فلورنس کے قدیم باشندوں کے بارے میں ہے۔ پندرہویں صدی میں میڈیچی خاندان کے ایک فرد گیوانی ڈی میڈیچی Givanni De Medici نے اطالیہ کے مختلف شہروں میں بینک کھول کر مالیاتی طور پر اس خاندان کو اوج ثریا پر پہنچادیا۔ یہاں تک کہ اس ریاست کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آ گیا اور میڈیچی اٹھارہویں صدی (1737ء) تک فلورنس کے سیاہ وسفید کے مالک بنے رہے۔ اس خاندان کا یوں قعر گمنامی سے نکل کر تجار اور بینکرز کی حیثیت سے عروج کی انتہا کو پہنچنا ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں سرمایہ دار طبقہ کی فتح کے مترادف ہے۔

اپنے عروج کے دنوں میں اگر چہ میڈیچی کسی مستقل سرکاری منصب پر فائز نہیں رہے مگر حکومت پر عملاً انہیں کا قبضہ رہا۔ میڈیچی خاندان نشاۃ ثانیہ کی ان صدیوں میں آرٹ وفن کے مربی کی حیثیت سے سب سے زیادہ صراحا جاتا ہے۔ اس خاندان کے روادارانہ عہد میں فلورنس کو قدیم ایتھنز کے جمہوری دور کی برابری حاصل ہوگئی تھی۔ میڈیچیوں کے مورث اعلیٰ گیوانی ڈی میڈیچی (1360ء۔ 1429ء) کے انتقال کے بعد اس کا کاروبار اس کے دو بیٹوں بلورینز وڈی میڈیچی Lorenzo De Medici اور کوسمیڈ وڈی میڈیچی Cosimo De Medici میں تقسیم ہوگیا۔ کوسمیو وڈی میڈیچی ایک شاندار کاروباری ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کایاں سیاسی رہنما بھی تھا۔ اپنی دولت وثروت اور اثر ورسوخ سے جلد ہی یہ شخص فلورنس کی جمہوری ریاست کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔ کوسیموڈی فنون لطیفہ کی سرپرستی کے لیے بہت مشہور ہے۔ اس نے بہت سی شاندار عمارات، محل، کلیسا اور حویلیاں تعمیر کرائیں۔ جو آج بھی فلورنس میں موجود ہیں۔ دوسری طرف اپنے خاندانی کاروبار کو وسیع پیمانے پر بڑھایا اور فنون لطیفہ کی سرپرستی اور عمارات کی تعمیر کے اسراف کے باوجود اپنی خاندانی دولت بھی دگنی کرلی۔ لیکن اس ممکنہ ترقی کے باوجود اس نے اہل فلورنس سے اپنی طاقت کا لوہا کم سے کم منوایا۔ اس کا ایک عظیم کارنامہ میڈیچی دارالمطالعہ کی تعمیر اور یونانی علوم وفنون کی تحصیل کے لیے اکادمی کی تشکیل تھا جو صدیوں تک قائم رہی۔ میڈیچی خاندان کا آخری فرد اٹھارہویں صدی میں جان گاسٹونا ڈی میڈیچی تھا۔ اس کی وراثت 1735ء میں فرانسس آف لورین کو اور بعد ازاں شہنشاہ فرانس اول کو پہنچی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ Medici۔

Scanned with CamScanner

1437ء- یورپ میں بحری علوم کی تدریس کا آغاز

مراکش (افریقہ) کا ساحلی شہر سیوتہ قدیم زمانے سے بحری تجارت کا مرکز چلا آرہا تھا۔ ایک زمانہ تھا یہاں سے مسلمان ہسپانیہ کے ساحلوں پر حملوں کے لیے نکلتے تھے مگر پندرہویں صدی میں جب پرتگالیوں کو عروج حاصل ہوا تو اس کے برعکس پرتگیز شہزادہ ہنری جہازران کی قیادت میں سیوتہ پر قبضہ کرلیا گیا۔ اس کامیابی کی سب سے بڑی وجہ وہ جنگی چال تھی جس میں پرتگیزوں نے سیوتہ میں یہ خبر پھیلائی تھی پرتگیز کسی اور مقام پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں مگر حملہ اچانک سیوتہ پر کیا گیا۔ اس مہم میں شہزادہ ہنری اور اپنی بہادرانہ صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے اس کے باپ شاہ پرتگال جان نے اسے سیوتہ کا گورنر بھی مقرر کردیا اس مہم سے یورپ کے اس مشہور شہزادے ہنری جہاز راں نے اپنے مستقبل کا آغاز کیا تھا۔

شہزادہ ہنری جہاز راں Henry The Navigator شاہ پرتگال جان اول اور انگریز شہزادی فلپا Philpa کی تیسری اولاد تھا۔ جو مشہور انگریز مدبر جان آف گانٹ کی بیٹی تھی۔

گورنر سیوتہ ہونے کے باوجود ہنری سیوتہ میں زیادہ قیام نہیں کرتا تھا مگر اس نے سیوتہ کی ہمیشہ بڑی حفاظت کی 1418ء میں شاہ مراکش اور شاہ غرناطہ دونوں نے متحد ہوکر سیوتہ پر حملہ کیا مگر ہنری نے مزید کمک لے کر پہنچنے سے پہلے ہی حملہ آوروں کو بھگا دیا گیا۔ اس کے جواب میں ہنری غرناطہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اس کے باپ نے قشتالیہ سے نتیجتاً ہونے والی جنگ کی وجہ سے اسے واپس پرتگال بلالیا۔

جن دنوں ہنری براعظم افریقہ میں جنگیں لڑ رہا تھا۔ اسے افریقہ کے محل وقوع سے بے انتہا دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس براعظم سے پرے ایک انجانی دنیا موجود ہے۔ اس کے اس خیال نے اسے بحری علوم کی سرپرستی کرنے پر مجبور کردیا۔ 1437ء میں وہ جب افریقہ سے لوٹا تو اس نے سگرس Sagres کے مقام پر بحری علوم کی تدریس کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام Colonial And Naval Institute رکھا۔ اس درسگاہ میں طلبا کو باقاعدگی سے جہاز رانی، نقشہ نویسی اور ریاضی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ انسٹی ٹیوٹ پورے یورپ میں بحری علوم کی تدریس کا پہلا انسٹی ٹیوٹ تھا۔ دراصل یوروپی اقوام میں پرتگیز پہلے ہیں جو تیرہویں صدی کے آخری حصے میں اپنے بحری جہازوں میں نکلے اور انہوں نے افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ تفتیش اور دریافتوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ اسی سلسلے کو 1291ء میں جنیوا (اطالیہ) کی بندرگاہ سے دو جہاز

Scanned with CamScanner

رانوں نے ہندوستان کا نیا بحری راستہ معلوم کرنے کی کوشش کی مگر لاپتہ ہوگئے تھے اس کے بعد شہزادے ہنری جہاز راں نے خاص طور پر بحری اکتشافی سفروں کی سرپرستی شروع کی اور مراکش کے اوقیانوسی ساحل پر کئی مہمات بھیجیں۔ ان مہمات کا مقصد بھی ہندوستان کے بحری راستے کی دریافت کے لیے معلومات اکٹھا کرنا تھا۔ 1420ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور شہزادے کی موت تک جاری رہا۔ شہزادہ اپنے اس مقصد میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اس نے پوری زندگی مجرد ہی گزار دی اور شادی تک نہ کی۔ یہ کسی شخص کے اپنے کام میں منہمک ہونے کی اعلیٰ مثال ہے۔

اس نے جن مہمات کی سرپرستی کی ان میں سب سے پہلی 1418ء جزائر میڈیرا Madeira کی طرف بھیجی گئی۔ اس میں دو جہاز رانوں نے پورٹو سانتو Portosanto کے جزائر دوبارہ دریافت کیے۔ یہ جزائر تیرہویں صدی میں اہل وینس نے دریافت کیے تھے مگر مرور زمانہ سے بھلا دیئے گئے تھے۔ ایسی ہی دیگر مہمات میں جزائر کینیرز Canaries جزائر اے زور Azores اور کئی دیگر جزائر دریافت کیے گئے۔ شہزادہ ہنری کے قائم کردہ ادارے کے ایک سرکردہ جہاز راں برنیگل ڈیاز Birnil Diaz نے راس وردی Capeverde کے گرد چکر لگایا اور براعظم افریقہ کے ساحلوں کو سیرالیون Sierleon تک چھان مارا۔ ہنری جہاز راں کا ایک اور شاگرد بارٹولومیو ڈیاز Bartolomeu Diaz پہلا یورپی جہاز راں تھا جس نے 1488ء میں راس امید Cape of The Good hope کے گرد چکر لگایا۔ اسی ادارے کے جہاز راں حبش اور گینی گال کے ساحلوں تک پہنچے اور انہوں نے ان افریقی ممالک سے غلاموں اور سونے کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا۔ غلاموں کی تجارت نے یورپ میں بڑی کامیابی حاصل کی اور اہل یورپ اس کھلے عام بردہ فروشی اور انسانوں کے اغوا میں بری طرح ملوث ہوگئے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ باوجود بحری تجارت کے فروغ میں دلچسپی رکھنے کے شہزادہ ہنری نے 1455ء میں افریقہ سے حبشیوں کے اغوا کی ممانعت کردی تھی اور اس طرح غلامی کی فروغ کی حوصلہ شکنی کی تھی مگر اس کے بعد اس تجارت نے بڑا فروغ پایا اور یہ قبیح فعل انیسویں صدی تک جاری رہا۔ شہزادے ہنری کے دیگر دو بھائیوں میں سے چھوٹا بھائی پیڈرو Pedro بھی بحری مہمات میں دلچسپی رکھتا تھا اس نے پورے یورپ کا بحری دورہ کیا اور جزائر برطانیہ سے مشرقی یورپ کے ممالک کی سیر کی۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ وہ اپنے اسی سفر سے واپسی پر شہزادے ہنری کے لیے مارکو پولو کے سفرنامہ کی جلد لایا تھا۔ اور اسی نے اسے ترجمہ کیا تھا۔ شہزادے ہنری کے سلسلے میں آخری اہم بات یہ ہے کہ اسے جہاز راں کا خطاب انگریزوں نے دیا تھا۔ پرتگیز مورخ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اس خطاب کا حقدار نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

1438ء۔ ابرٹ دوم کی تخت نشینی

ہیپسبرگ یورپ کا مشہور حکمران خاندان ہے۔ جو تیرہویں سے بیسویں صدی تک برسراقتدار رہا۔ آغاز میں ہیپسبرگ خاندان کی سلطنت موروثی ہی تھی مگر 1356ء میں شہنشاہ چارلس دوم کے حکم پر تاج شاہی کو انتخابی بنادیا گیا۔ اور مقدس رومن سلطنت کے شہنشاہوں کا باقاعدہ انتخاب ہونے لگا۔ جب البرٹ دوم 1438ء میں ارچ ڈیوک آف آسٹریا سے شہنشاہ منتخب ہوا تو اس نے مقدس رومن سلطنت کی اس شہنشاہی کو اپنے خاندان کے لیے مخصوص کردیا۔ اگرچہ اب بھی رسماً مقدس رومی شہنشاہ انتخاب کے ذریعے ہی منتخب کیے جاتے ہیں مگر اب یہ سلطنت مستقل طور پر ہیپسبرگ خاندان کی ملکیت قرار پائی۔ اور 1806ء تک اسی خاندان میں رہی۔

ہیپسبرگ خاندان نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے شادیوں کی حکمت عملی سے بھی کام لیا اور یورپ کے دوسرے حکمران خاندانوں میں شادیاں کرکے اپنی سلطنت کو اس وقت کی عالمی طاقت بنالیا۔ ہیپسبرگ خاندان کی تاریخ میں تین شادیاں بہت اہم ہیں (۱) شہنشاہ میکسمین اول نے بری آف برگنڈی سے شادی کی جس سے یورپ کے نشیبی ممالک (نیدرلینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ وغیرہ مقدس سلطنت میں شامل ہوگئے۔ (۲) میکسملین کے بیٹے فلپ اول کی شادی جوانا آف کیٹالیہ سے ہوئی جو فاتح غرناطہ فرڈیننڈ اور ازابیلا کی بیٹی تھی۔ اس طرح اس کے بیٹے چارلس پنجم کو اسپین کی سلطنت بھی ورثہ میں مل گئی۔ فلپ کے بیٹے فرڈی لینڈ کی شادی ہنگری اور بوہیمیا کے فلپ دوم کی بہن ریناسے ہوئی جس سے یہ دونوں ملک بھی ہیپسبرگ سلطنت میں شامل ہوگئے (1526ء)۔ یوں ہیپسبرگ خاندان کی سلطنت اتنی وسیع ہوگئی کہ سلطنت پر سورج غروب نہ ہونے کی مثال صادق آنے لگی۔ شہنشاہ چارلس پنجم کی تقسیم سلطنت کے بعد اس کے بیٹے فلپ دوم کو اسپین سلطنت ملی جس میں سسلی، نیپلز، میلان اور نیدرلینڈ کے علاقے شامل تھے۔ فرڈی نینڈ، شہنشاہ فرڈیننڈ اول کہلایا۔ اس کے پاس آسٹریا، بوہیمیا، ہنگری اور دیگر جرمن ریاستوں کے علاقے تھے۔

سترہویں صدی میں ہیپسبرگ خاندان کچھ کمزور پڑا جس کی وجہ سے اس کے کچھ علاقے اس سے چھن گئے مگر اس زمانے میں ہیپسبرگوں نے ترکوں سے ہنگری واپس لے لیا۔ ہسپانوی شاخ 1700ء میں چارلس دوم پر ختم ہوگئی۔ 1701ء۔ 1714ء ہونے والی جنگ جانشینی نے آسٹریا

Scanned with CamScanner

کو اسپین کے تاج وتخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا مگر اب بھی ان کے پاس آسٹروی نیدرلینڈ میلان رہ گئے۔ اسی زمانے میں ایک خاص شاہی فرمان کے ذریعے ایک خاتون ماریا تھریسا ہیپسبرگ خاندان کی املاک کی وارث قرار پائی۔ اب تک اس خاندان کے قانون جانشینی کی رو سے صرف مرد ہی جانشین ہوسکتا تھا۔ آسٹروی جنگ جانشینی (1740ء۔1748ء) میں ماریا تھریسا نے اپنی وارثت کی حفاظت کی۔ اس کا شوہر فرانسس اول کے نام سے شہنشاہ بن گیا۔ جس سے ہیپسبرگ لورین شاخ کا آغاز ہوا۔ فرانسس اول کے بیٹے جوزف دوم کا شمار عظیم ہیپسبرگ حکمرانوں میں ہوتا ہے۔

1806ء میں نپولین بونا پارٹ نے مقدس رومی سلطنت کو منسوخ کر دیا جس سے ہیپسبرگ صرف آسٹریا کے شہنشاہ رہ گئے۔ 1867ء میں ان کے پاس صرف ہنگری کی سلطنت رہ گئی۔ آخری ہیپسبرگ حکمران چارلس اول تھا۔ جس نے آسٹریا، ہنگری کی سلطنت پر حکمرانی کی۔ اس 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ہیپسبرگ کا خاندانی نام ترک کر دیا جس سے یہ عظیم سلطنت تقریباً ساڑھے چھ سو برس بعد اپنے اختتام کو پہنچی۔

Scanned with CamScanner

1447ء- سمرقند کے تخت پر ایک سائنسدان

افلاطون نے اپنی جمہوریہ میں فلسفیوں اور سائنسدانوں کو حکمران بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اور اسلام نے یہ کر دکھایا۔ سمرقند کا حکمران الغ بیگ خاندان چنگیز کے مشہور فاتح عالم تیمور لنگ کا پوتا تھا۔ مگر یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ تلوار کے دھنی کا یہ پوتا ایک سائنسدان تھا۔ وہ 22 مارچ 1394ء کو وسط ایشیا کے شہر سلطانیہ میں پیدا ہوا۔ اس کا بچپن اپنے دادا کے دربار میں گزرا۔ نوعمری ہی میں اسے خراسان اور مازندران کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ 1409ء میں اس کے باپ (؟) نے ترکستان اور ماوراالنہر کے علاقے بھی اسے سونپ دیئے۔ اگرچہ وہ اپنے دادا کی طرح میدان جنگ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا نہ منوا سکا مگر اسے علم ریاضی اور فلکیات میں خاص شغف حاصل تھا۔ علوم و فنون سے اس کی دلچسپی کی وجہ سے اس نے سمرقند کو اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز اور ایک ترقی یافتہ شہر بنا کر اپنے دادا کا خواب پورا کر دکھایا۔ سمرقند میں اس نے بہت سی عظیم الشان عمارات اور ایک رصدگاہ تعمیر کروائی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ 1420ء میں الغ بیگ نے دارالحکومت میں ایک دانش گاہ کی بنیاد رکھی تھی جس میں فلکیات کو مرکزی علم کی حیثیت حاصل تھی۔ الغ بیگ نے اس درسگاہ میں تدریس کے لیے اس زمانے کے نامور سائنسدان منتخب کئے۔ اور ان کی استعداد اور قابلیت کو بذات خود جانچا۔ اس دانش گاہ کو اس کے معاصر تعلیمی اداروں میں ایک منفرد مقام حاصل تھا۔ یہاں کے مدرسین میں خود الغ بیگ بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ قاضی زادہ الرومی اور غیاث الدین الکاشی جیسے بلند پایہ سائنسدان شامل تھے۔

سمرقند کی دانش گاہ کے قیام کے چار سال بعد الغ بیگ نے ایک اور رصدگاہ کی بنیاد رکھی۔ جہاں الکاشی اور قاضی زادہ کو نگران اعلیٰ مقرر کیا۔ لیکن مرور زمانہ اور کلیسا کی ستم ظریفیوں سے یہ رصدگاہ آہستہ آہستہ تباہ ہوتی چلی گئی اور سولہویں صدی کے آغاز تک مکمل طور پر معدوم ہو گئی۔ بیسویں صدی کے آغاز تک اس کے صحیح مقام کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ اس کا سراغ 1908ء میں مشہور ماہر آثار قدیمہ ویاٹکین V.L.Vyatkin نے لگایا اور اس کی باقیات دریافت کیں۔ ویاٹکین کے مطابق اس رصدگاہ کی اہم ترین تنصیب ربع مجیب تھی۔ لیکن تحقیق سے پتہ چلا کہ اس کی بجائے ایک دوسرے آلے فخری سدس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس آلے کے کمانی کے ایک حصے کو ڈیڑھ چوڑی خندق میں نصیب کیا گیا تھا۔ جو ایک پہاڑی پر خط نصف النہار کے متوازی کھودی گئی تھی۔ خندق سے ملنے والا یہ حصہ دو متوازی دیواروں پر مشتمل ہے جن کی بیرونی سطح سنگ مرمر کی

Scanned with CamScanner

ہے۔ان دیواروں کے درمیان اکاون سینٹی میٹر کا فاصلہ ہے۔

فخری سدس ایک ایسا فلکیاتی آلہ تھا جس سے اس سائنس کے بنیادی مستقلات مثلاً سورج کے مدار کا خط استوا کی طرف جھکاؤ نقطہ اعتدال ربیعی سال اعتدال کی لمبائی اور سورج کے مشاہدات سے اخذ کیئے جانے جانے والے دوسرے مستقلات کے تعین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ سمرقند کی اس رصد گاہ میں اس کی مدد سے شمسی مشاہدات کے علاوہ چاند اور دیگر سیاروں کا مطالعہ بھی کیا جاتا تھا۔

الغ بیگ اور اس کے رفقا کے سائنسی کارناموں میں فلکیاتی جدول کی تیاری بہت اہم ہے۔ ان جدول کو الغ بیگ کے لقب جرجان کی نسبت سے جرجانی جدول یا زیج جرجانی کہا جاتا ہے۔ زیج جرجانی ابتداً تاجک زبان میں تصنیف کی گئی۔ ایک نظری حصے اور سمرقند کی رسگاہ میں کیے گئے مشاہدات کے نتائج پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں تقدیمی حسابات تکونیات اور سیاروں کی جدول نیز ستاروں کی فہرست شامل ہے۔

فلکیات اور دیگر علوم میں ان کے کارناموں سے قطع نظر سیاست اور جنگ آزمائی میں الغ بیگ اتنا خوش قسمت نہ تھا۔ اگر چہ اس نے بے عملی ترک کر کے خود جنگوں میں حصہ لیا اور کئی تیموری شہزادوں کو اس نے شکست دی مگر اس کے بیٹے عبداللطیف کو اس سے نفرت تھی۔ مورخین نے اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الغ بیگ اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو چاہتا تھا اور الغ بیگ ترباب کی جنگ کے موقع پر اپنے ایک مراسلے میں عبدالعزیز کا نام درج کیا تھا۔ الغ بیگ نے ایک موقع پر عبداللطیف کو وہ خزانہ اور ہتھیار دینے سے انکار کر دیا جو اس نے ہرات میں ذخیرہ کر رکھے تھے۔ اس وجہ سے عبداللطیف نے بغاوت کر دی اور بلخ پر قبضہ کر لیا۔ الغ بیگ اور اس کے دوسرے بیٹے عبدالعزیز نے شاہ رخیہ کے مقام پر عبداللطیف سے جنگ کی جس میں انہیں شکست ہوئی۔ الغ بیگ بیٹے کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ عبداللطیف نے اپنے باپ کو ایک ایرانی ملازم عباس کے حوالے کر دیا جس نے مقدمہ چلانے کا ڈھونگ رچا کر اسے 10 رمضان 853ھ/27 اکتوبر 1449ء کو صرف دو سال آٹھ ماہ کی حکومت کے بعد قتل کر دیا۔ اس قتل کے بعد جلد ہی تیموری سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔ تمام اطراف سے حکومت کے مدعی کھڑے ہو گئے اور صرف چھ ماہ بعد عبداللطیف بھی قتل کر دیا گیا۔ 1941ء میں T.N.Kariniazov نے سمرقند میں واقع تیمور کے مقبرے میں الغ بیگ کی قبر دریافت کی۔ اسے عام کفن کی بجائے شہیدوں کی طرح پورے لباس میں دفنایا گیا تھا۔ اور اس کا جسد خاکی پتھر کے ایک تابوت میں رکھا گیا تھا۔ اس کی نعش کے معائنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسے کسی تیز دھار آلہ سے ہلاک کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وار بائیں طرف کیا گیا جو نچلے جبڑے کے دائیں کونے اور گردن کے تیسرے مہرے کو

Scanned with CamScanner

کاٹتا چلا اور یوں یہ سائنسدان حکمران اپنے انجام کو پہنچا۔

ماٰخذ:
معروف مسلم سائنسدان
اردو سائنس بورڈ
دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 3

P.s:(ا) شاہ رخ میرزا، الغ بیگ کا باپ اور تیمور کا چوتھا بیٹا تھا۔ وہ تیموریہ خاندان کا پہلا حکمران تھا۔ تیمور کی موت کے بعد فروری 1405ء میں شاہ رخ میرزا کو اس کا جانشین مان لیا گیا تھا۔ شاہ رخ میرزا پر مشہور رومی فاتح جولیس سیزر کی طرح جامع مسجد ہرات میں 23 ربیع الآخر 830ھ/ 21 فروری 1427ء کو ایک شخص درویش احمد زناجی نے عرضی پیش کرنے کے بہانے خنجر سے حملہ کر دیا تھا مگر ہجوم اس پر پل پڑا اور شاہ رخ پر حملہ کرنے والے اس شخص کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ شاہ رخ نے 12 مارچ 1447ء کو صوبہ رے کے مقام فشاورد پر وفات پائی۔ اس کے پانچ بیٹوں میں سے سب سے بڑا الغ بیگ ہی اس کی جانشینی کے لیے زندہ رہا تھا۔

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ شاہ رخ بطور فرمانروا ایک امن پسند اور حرص و آز سے خالی حاتم دوراں حکمران تھا۔ وہ جنگ پسند نہیں کرتا تھا۔ مگر جنگوں میں ہمیشہ کامیاب رہا۔

Scanned with CamScanner

1448ء۔ جنگ کوسوو ثانی

محمد اول کی وفات کے بعد اس کا 18 سالہ بیٹا مراد ثانی تخت نشین ہوا اس کی کم سنی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت عثمانی باجگزاروں نے علم بغاوت بلند کردیا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے مصطفیٰ نامی ایک شخص کو مراد کے مقابلے میں کھڑا کردیا۔ شہنشاہ نے اسے اس وعدہ پر فوجی امداد فراہم کی کہ وہ مراد پر فتح پانے کے بعد گیلی پولی اور ساحل بحیرہ اسود کے تمام بازنطینی شہر قسطنطنیہ کے حوالے کردینگے۔ مگر مراد نے اسے شکست دے کر پھانسی دے دی۔

مراد ثانی کا عہد جنگ و پیکار سے بھرا ہوا ہے۔ بائیس سال تک مسلسل جدوجہد کرنے کے بعد مراد امور مملکت سے بیزار ہوگیا اور اس نے اپنے چودہ سالہ بیٹے محمد ثانی کو تخت نشین کردیا۔ تخت سے مراد کی کنارہ کشی کی خبر یورپ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہنگری کی مجلس قومی نے سلطنت عثمانیہ سے کیئے گئے معاہدوں کو کالعدم قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ اگر شاہ ہنگری نے اس نقض عہد سے کچھ تامل بھی کیا تو پوپ کی طرف سے ایک کارڈنیل جولین نے یہ فتویٰ صادر کردیا کہ غیر عیسائیوں کے ساتھ معاہدے کی پابندی نہیں کرنی چاہیے۔ ہنگری کی قومی مجلس کے چند اراکین نے بھی اس معاملے کی مخالفت کی مگر پوپ کے دفتر سے جاری کیا گیا یہ فتویٰ یہاں بھی آڑے آیا اور ان اراکین کو خاموش کردیا گیا اس سے زیادہ بری طرح کی بات یورپ کے سورماؤں اور ایک عظیم سپہ سالار سے متوقع نہیں تھی۔

یکم ستمبر 1444ء کو بیس ہزار مسیحی سورما دولت عثمانیہ کو تاخت و تاراج کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ ترک اس نقض عہد اور جنگی تیاریوں سے آگاہ نہیں ہوسکے تھے۔ اس لیے انہیں بہت سے سرحدی قلعوں سے ہاتھ دھونا پڑے اور ترک دستے بے خبری میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ پھر دشمن نے جنوب کی طرف فاتحانہ یلغار کی اور وارنا پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا یہاں بھی ترک بے خبری کے باعث تیار نہیں تھے۔ مجبوراً انہیں گھٹنے ٹیکنے پڑے اور وارنا پر مسیحی قبضہ ہوگیا۔

ادھر سلطان کو جب اس مسیحی سازش کی خبر ہوئی۔ اس نے ایکبار پھر زمام حکومت سنبھالتے ہوئے چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر وارنا کی جانب پیش قدمی کی اور اس کے قریب ہی خیمہ زن ہوگیا۔

ادھر مسیحی سپہ سالار ہونیاڈے فتح و کامرانی کے نشے میں بدمست ہوکر مراد پر حملہ کرنے کے

Scanned with CamScanner

لیے نکل کھڑا ہوا۔ 10 نومبر 1444ء طرفین میں مقابلہ ہوا۔ پہلے پہل عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا، پھر مراد نے اپنی قیادت اور تجربے سے جنگ کا رخ بدل دیا اور عیسائی زک کھا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ایک مسیحی سردار لاڈسلاس کا سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا جس سے ہونیاڈے اور دیگر عیسائی جانباز میدان چھوڑ کر بھاگے۔ سلطان کی فوجوں نے عیسائیوں کا لشکر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا خود کارڈنیل جولیس اس جنگ میں مارا گیا۔ اگرچہ اس جنگ کے بعد ہنگری کو فوراً زیر نگیں نہیں کیا جاسکا مگر بوسینا اور سرویہ پوری طرح مسخر کر لیے گئے۔

اس کے بعد سلطان مراد نے ایک بار پھر عنان حکومت شہزادہ محمد کے ہاتھ میں دی اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس مرتبہ بھی سلطان کو گوشہ نشینی راس نہ آئی کیونکہ ینی چری نے نوعمر محمد کو ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم بغاوت بلند کر دیا اور ادرنہ میں لوٹ مار کی قیامت بپا کر دی۔ مراد کو اصلاح حالات کے لیے مجبوراً پھر زمام حکومت ہاتھ میں لینا پڑی۔ اس کے ادرنہ پہنچنے بدامنی دور ہوگئی۔

وارنا کی جنگ کے بعد سے عیسائی سے سردار ہونیاڈے جوش انتقام میں دیوانہ ہوگیا۔ تقریباً اسی ہزار کی زبردست فوج جمع کر کے سرویا میں آدھمکا سرویا اور بوسینا نے کھلی غداری کا ثبوت دے کر اپنی اپنی فوجیں میدان جنگ میں اتار دیں۔ تین روز گھمسان کا رن پڑا۔ آخر 17 اکتوبر 1448ء کو مراد نے دشمن کے چھکے چھڑا کر اسے شکست فاش دی۔ سرویا کو آزادی سے ہاتھ دھونا پڑے اور اسے دولت عثمانیہ سے ملحق کر لیا گیا۔ بوسینا کی ادائے خراج کی شرط پر اطاعت قبول کر لی گئی۔ یہ معرکہ تاریخ میں کوسووا کا دوسرا معرکہ کہلاتا ہے۔

1442ء میں ترکوں کے ہنگری پر حملے کو بعد ہنگری کے اسی امیر جان ہنیاڈے John Hunyadi نے پسپا کر دیا تھا۔ پندرہویں صدی کے نصف میں ہنگری کا یہی عیسائی امیر ترکوں کے خلاف لڑنے میں بہت مشہور ہے۔ 1443ء میں پوپ کے حکم سے ترکوں کے خلاف جو اتحاد قائم ہوا تھا۔ اس کا سپہ سالار بھی یہی ہنیاڈے ہی تھا۔

ماخذ

تاریخ ترکیہ از ایم شاہد۔

دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ ''مراد ثانی''

Scanned with CamScanner

1448ء۔ ویٹیکن کی تزئین و آرائش اور فراء اینجلیکو

پندرہویں صدی کے مشہور زمانہ اطالوی مصور فرا اینجلیکو Fra Angelico کا اصل نام Guidodipietro تھا۔ وہ ٹسکنی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا اور فلورنس میں اس نے فن مصوری کا مطالعہ کیا۔ اس کا فن بہت جلد پختہ ہوگیا۔ لیکن امن سے محبت اور نجات کی امید اسے ڈومینکی سلسلے (1407ء) میں لے گئی۔ وہ آج اپنے تخلیق کردہ ان فریسکوز کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے خاص طور پر ویٹیکن کے کلیسائے نکولس Chapel of Nicholas کی دیواروں پر بنائے تھے۔ 1407ء میں ڈومینکن سلسلے کا عہدہ دار بن جانے کے بعد اس نے اپنا نام فرا گیوانی Fra Glovani رکھ لیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے فرشتہ نما اوصاف کی وجہ سے لوگ اسے فراء اینجلیکو کے نام سے یاد کرنے لگے جس کا مطلب لاطینی میں ''فرشتہ سیرت بھائی'' بنتے ہیں۔ بعد ازاں وہ سان ڈومینکو فیوسولا کی خانقاہ میں مقیم ہوگیا جہاں اس نے اگلے دس برس میں خانقاہی ایوان، اقامتی ایوان، طعام گاہ، مسافر خانے اور حجروں کی دیواروں پر تقریباً پچاس سے زائد تصاویر بنائیں۔ ان شاہکاروں میں ''میڈونا، بچہ اور اولیاء'' ایک مشہور تصور ہے۔ 1436ء میں میڈیچی خاندان نے فلورنس میں کلیسا سان مارکو تعمیر کرایا۔ ابتدا ہی سے اس کلیسائی تزئین و آرائش کا کام فراء اینجلیکو کے سپرد کیا گیا۔ اس کلیسا میں صلیب پر Annunciation نامی تصویر اس کے فن کا لازوال شاہکار ہے۔

فرا گیوانی کے لیے مصوری ایک جمالیاتی تکمیل اور مسرت کے ساتھ ساتھ مذہبی فریضہ بھی تھی۔ اس نے کافی حد تک اس مزاج میں مصوری کی۔ وہ عبادت کیے بغیر کبھی کام شروع نہ کرتا تھا۔ اس نے زندگی کے کٹھن مرحلوں سے محفوظ ہوکر زندگی کو الوہیت، ہم آہنگی اور محبت کی حمد کے طور پر دیکھا۔

تقریباً 1448ء میں پوپ نکولس پنجم نے اسے روم آنے کی دعوت دی تو وہ اپنا فلورنس کا حجرہ چھوڑ کر پوپ نکولس پنجم کا کلیسا سجانے کے لیے روم آ گیا۔ پوپ نے اپنے کلیسا کی تزئین و آرائش کا کام فراء اینجلیکو کے سپرد کیا جو اس نے بہت تندہی اور خوبصورتی سے انجام دیا۔

یہاں اس نے سینٹ سٹیفن اور سینٹ لارنس کی زندگیوں کے واقعات کے مناظر اپنے شاہکاروں میں پیش کیے۔ یہ تصاویر ویٹیکن کی قابل دید شاہکاروں میں شامل ہیں۔ پوپ نکولس اس کے کام سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے فراء کو فلورنس کا آرچ بشپ بننے کی پیشکش کردی۔ مگر فراء

Scanned with CamScanner

اینجلیکو نے پوپ سے معذرت چاہی اور اس مقدس عہدے کے لیے اپنے عزیز پرائر کا نام تجویز کیا۔ نکولس نے اس کی یہ تجویز قبول کرلی اور فرا انطونیو کو آرچ بشپ کا لبادہ پہنادیا جو آج بشپ بنے کے باوجود فراء اینجلیکو کی طرح ایک درویش ہی رہا۔ Elgreco کے علاوہ کسی اور مصور نے آنچے لیکو کی طرح کا منفرد انداز مصوری نہیں اپنایا۔ آنچے لیکو کی بنائی ہوئی تصاویر میں سادگی رنگوں کا ملکوتی امتزاج، سنہری، قرمزی، بنفشی، نیلا اور سبز۔ جو ایک روشن روح اور مسرور اعتقاد منکش کرتے ہیں فراء اینجلیکو کی پہچان ہیں۔ اس کی تصویروں میں خوبصورت اور نفیس چہرے لیکن اتنے زرد کہ بے جان راہب، فرشتے اور بزرگ سب ہی ایک جیسے معلوم دیتے ہیں۔

فراء اینجلیکو نے ایک سال وینیکن میں کام کیا پھر وہ فیاسولے کی ڈومینکن خانقاہ میں بطور پرائر تین برس خدمات انجام دیتا رہا۔ پوپ نے ایک بار پھر اسے روم بلوایا اس بار اس نے مارچ 1455ء میں بعمر 68 برس روم میں ہی وفات پائے اور کلیسا سانتے ماریا میں دفن ہوا۔

غالباً لورینٹسو کے کلاسیک قلم نے اس کے مزار کا کتبہ لکھا جو کچھ یوں ہے۔

"یہ میری برائی نہیں کہ میں ایک اور اپیلو Apelies بنا تھا، بلکہ میری بڑائی یہ ہے کہ اے مسیح! میں نے اپنے سارے فائدے تیرے سچے راہب کو دے دیئے۔ کیونکہ کچھ کام زمین کے لیے ہیں، اور کچھ آسمان کے لیے۔

میں گیوانی، ٹسکنی شہر فلورنس کا ایک بچہ تھا۔"

ماخذ:

Oxford Encyclopeadia Of Art

یورپ کی بیداری صفحہ 158

Scanned with CamScanner

1451ء۔ لودھی سلطنت کا قیام

مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ کے مطابق تیرہویں صدی میں بہت سے افغان بغرض تجارت ہندوستان آئے تھے انہیں افغانوں میں سے ایک ملک بہرام تھا۔ اس کی بیوی چھت گرنے کے حادثے میں ہلاک ہوگئی۔ ان دنوں وہ حاملہ تھی اور اس کے ہاں بچے کی پیدائش متوقع تھی مگر اس کی ہلاکت کے بعد اس کے بچے کو اس کا شکم چاک کر کے بچالیا گیا۔ یہی بچہ بہلول لودھی تھا جس نے 1451ء میں لودھی حکمران خاندان کی بنیاد رکھی۔

فرشتہ نے بہلول لودھی کی زندگی کا ایک اور اہم واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ جن دنوں بہلول لودھی اپنے چچا اسلام خاں کے ہاں قصہ پائل (سرہند) میں مقیم تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ سمانہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس بزرگ نے جذب کی کیفیت میں کہا کہ "کوئی شخص ہے جو دہلی کی سلطنت کو صرف دو ہزار تنکے کے عوض خریدے؟ ملک بہلول نے ایک ہزار چھ سو تنکے جو اس کے پاس موجود تھے۔ مجذوب کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ اس وقت اس کے پاس اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ مجذوب نے اس کا یہی نذرانہ قبول کیا او ربہلول سے کہا کہ تجھ کو تخت دہلی مبارک ہو۔ مجذوب کی یہ بڑ حرف بہ حرف سچی ثابت ہوئی اور 855ء/ 1451ء میں سلطان علاء الدین عالم شاہ نے خود بڑی خوشی سے اپنی سلطنت بہلول لودھی کے حوالے کردی۔

ابتدا میں بہلول لودھی نے اپنی قابلیت اور فہم وفراست، تدبیر وشجاعت سے خاندان سادات کے سلاطین کے ہاں کافی اثر ورسوخ پیدا کیا۔ خاندان سادات کے سلطان محمد شاہ کے زمانے میں بہلول نے سلطنت سادات کے لیے کئی اہم خدمات انجام دیں جن سے خوش ہوکر سلطان اسے خان خانخاناں کا خطاب دیا۔ بہلول ان دنوں سرہند کا گورنر تھا۔ اس نے مرکز سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے دہلی پر مالوے کے سلطان محمود خلجی کا حملہ پسپاہ کردیا لیکن جلد ہی جسرتھ کھوکھر اور دیگر امراء کی ریشہ دوانیوں سے بہلول کی بھی نیت بدل گئی اور وہ چند افغانوں کو لے کر خود دہلی پر حملہ آور ہوا مگر اسے اس وقت پسپا ہونا پڑا۔ مگر بعدازاں دہلی خود بخود پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گرا۔

سلطان محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا علاء الدین عالم شاہ تخت دہلی پر بیٹھا مگر وہ اپنے باپ سے زیادہ نااہل ثابت ہوا۔ 1447ء میں یہ سلطان اپنے ایک وزیر باتدبیر، حسام خاں کے مشورے

Scanned with CamScanner

سے رنجیدہ ہو کر بدایوں چلا گیا جہاں وہ پہلا گورنر تھا۔ دہلی کو اس نے اپنے برادار نسبتیوں کے حوالے کر دیا جو جلد ہی باہم لڑ پڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ دوسرے دن دوسرے بھائی کو وزیر حسام کے اثبات پر عوام نے مار ڈالا۔ ان ہی لوگوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور بہلول لودھی کو حکومت سنبھالنے کی دعوت دی۔

بہلول لودھی نے سلطان علاء الدین کو پیغام بھیجا کہ وہ محض سلطان کی بہتری کے لیے کام کر رہا ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ چونکہ تمہیں میرے والد نے اپنا بیٹا کہا تھا اس لیے میں صرف بدایوں پر انحصار کرتے ہوئے تمہیں سلطنت دہلی سونپتا ہوں۔ بہلول نے بھی حکومت سنبھالنے کے بعد علاء الدین کو بدایوں سے بے دخل نہ کیا اور وہ اپنی موت تک (1476ء) وہاں حکومت کرتا رہا۔

ادھر بہلول نے تخت دہلی پر بیٹھ کر لودھی خاندان کی بنیاد رکھی یہ ہندوستان کا پہلا افغان حکمران تھا۔ اس نے سلطنت دہلی کی تمام تر کمزوریوں کو دور کر کے اسے مضبوط بنیادوں پر مستحکم کیا چھبیس سال تک جونپور کے حکمرانوں سے جنگ لڑ کر بالآخر جونپور کو سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ بہلول لودھی نے کل اڑتیس برس دہلی پر حکومت کی۔

1488ء میں بہلول حصار فیروزہ، گوالیار اور اوٹارہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس مہم سے واپسی پر وہ بیمار پڑ گیا۔ اور میلاؤلی میں جہاں وہ اپنی بیماری کے دوران خیمہ زن تھا اس نے 13 شعبان 12 جنوری 1489ء کو انتقال کیا۔ بہلول اپنے ماں اور باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس کی تربیت اس کے چچا نے کی تھی۔ محض اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اس نے اپنا مقدر سنوارا۔ اس نے سرہند کے گورنر کی حیثیت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ جس کا اختتام 80 برس کی عمر میں سلطان دہلی کی حیثیت سے ہوا۔ اس کا اقتدار پنجاب سے بہار تک اور بدایوں سے کوہ ہمالیہ کے دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ خود ایک متواضع، انصاف پسند اور منکسر المزاج انسان تھا۔ وہ صبح سویرے بیدار ہوتا اور دوپہر تک ریاست کے معاملات نمٹاتا۔ مورخین کے مطابق وہ خود عوام کی درخواست سنتا اور ان پر عملدرآمد کراتا تھا۔

مآخذ:

جامع تاریخ ہند ۔ تاریخ فرشتہ ۔ طبقات اکبری جلد اول

Scanned with CamScanner

1453ء۔ سلطان محمد فاتح کی فتح قسطنطنیہ

''تم ضرور قسطنطنیہ کو فتح کرلو گے، رحمت ہو اس بادشاہ اور اس کے لشکر پر جس کے ہاتھوں یہ فتح نصیب ہو۔'' الحدیث۔۔۔۔۔ اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں قسطنطنیہ فتح کرنے کی پہلی کوشش حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ پھر صدیوں تک مسلسل اس کی فتح کے لیے کوششیں کی جاتی رہیں لیکن اس فتح کا سہرا ترک سلطان محمد فاتح کے سر پر بندھنا لکھا تھا۔ قسطنطنیہ اپنے محل وقوع کی وجہ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا رہا تھا۔ یہ شہر مثلث نما تھا۔ جس کے دو حصے پانی سے گھرے ہوئے تھے۔ شمال میں شاخ زریں اور جنوب میں بحر مارمورا۔ آبنائے باسفورس سے پانی کی ایک شاخ نکل کر چار میل تک خشکی کے اندر چلی گئی ہے اس شاخ کو شاخ زریں کہتے ہیں۔ قدرت نے اس شہر کے اطراف میں حفاظت کے لیے پانی کا حصار قائم کر رکھا تھا۔ صرف خشکی کی جانب سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس طرف انسانوں نے مضبوط فصیلیں تعمیر کردیں تھیں کسی طاقتور بحری بیڑے کے ساتھ پانی کی جانب سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر اہل قسطنطنیہ شاخ زریں کے دہانے پر مضبوط فولادی زنجیریں باندھ رکھی تھیں تاکہ کوئی اجنبی جہاز اندر شاخ زریں میں داخل نہ ہونے پائے۔ لیکن ان رکاوٹوں کے باوجود سلطان محمد فاتح کی قسمت میں فاتح بننا لکھا تھا۔ 6 اپریل 1453ء کو سلطان کی فوجوں نے قسطنطنیہ کو محاصرے میں لے لیا۔ اور مسلمان ایک بار پھر قسطنطنیہ کی فصیلوں کے سائے میں پہنچ گئے۔ سلطان بذات خود اس لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کا خیمہ قسطنطنیہ کے اس دروازے کے باہر لگایا گیا تھا جو سینٹ اومانوس کے نام پر معنون تھا۔ دہری فصیل کا یہ حصہ بہت کمزور تھا۔ اسی کے سامنے سلطان نے اپنی خاص اور سب سے طاقتور توپ نصب کرادی تھی۔ اس محاصرے کے دوران سلطان نے اہل قسطنطنیہ کی رسد ہر ممکن طور پر بند کرنے کی کوشش کی۔ اسی مقصد کے لیے 1452ء میں اس نے باسفورس کے ساحل پر ایک قلعہ تعمیر کرلیا تھا جو رومیلی حصار کہلاتا ہے۔

سلطان کی افواج کو مسیحی مورخین نے دو لاکھ سے زائد تک بتایا ہے۔ لیکن گبن کے مطابق پوری ترک فوج ساٹھ ہزار سواروں اور بیس ہزار پیادوں سے زیادہ نہ تھی۔ محصور بازنطینی فوج کی تعداد پانچ ہزار جنگو سوار بتائی جاتی ہے۔ 21 اپریل کو ایک بازنطینی 5 بحری جہاز لے کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ اس کے جہاز پر پانچ ہزار جنگجو سوار تھے۔ اس طرح محصور افواج

Scanned with CamScanner

کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ بہرحال سلطان کی فوج کتنی بھی زیادہ تھی مگر قسطنطنیہ کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ سلطان کے توپخانے نے گولہ باری کی یہاں تک کہ اس کی بڑی توپ پھٹ گئی۔ فصیل کے نیچے کی خندق کوڑے کرکٹ سے بھر دی گئی اور توپوں کے علاوہ منجنیقوں سے بھی کام لیا گیا اور سرنگیں بھی لگائی گئیں۔ اس زمانے میں فصیلوں پر حملے کا ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ لکڑی کے اونچے اونچے برج بنائے جاتے۔ جو تین تین چار چار منزلہ ہوتے تھے ان منزلوں میں سپاہی متعین کر دیئے جاتے۔ پہیوں کے ذریعے گھسیٹ کر یہ برج فصیلوں کے نزدیک پہنچائے جاتے۔ پھر سپاہی اوپر کی منزل سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ گبن کی روائیت کے مطابق سلطان نے ہر فصیل شکن طریقہ جو اس زمانے میں رائج تھا آزمایا ایک مقام پر فصیل میں شگاف پڑا تو سلطان خود گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا لیکن یہ حملہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

اب سلطان نے شہر میں داخل ہونے کی کوئی اور تدبیر سوچنی شروع کی۔ اسے ایک تدبیر یہ سوجھی کہ کسی طرح جہاز اگر شاخ زریں کے اندر پہنچا دیئے جائیں اور زنجیروں سے بند کئے دہانے کو عبور کر کے بے سود کوشش نہ کی جائے تو کامیابی ضرور قدم چومے گی۔ چنانچہ باسفورس سے "شاخ زریں" کے اس مقام تک جسے خلیج قاسم پاشا کہا جاتا ہے پہنچنے کے لیے ایک راستہ تجویز کیا گیا۔ گبن اس راستے کی لمبائی دس میل بتاتا ہے جب کہ دیگر مورخین نے یہ لمبائی پانچ میل بتائی ہے۔ اس راستے کی پوری زمین ناہموار تھی۔ اس لیے سلطان نے پورے راستے پر لکڑی کے ہموار تختے بچھوا دیئے اور ان تختوں پر چربی ملوا دی۔ پھر درمیانے درجے کی تقریباً اسی کشتیاں باسفورس سے خشکی کے اس راستے سے پھسلا کر شاخ زریں میں پہنچا دیں گئیں ان کشتیوں پر اسلحہ لدا ہوا تھا اور سلطان کے لشکری سوار تھے۔ اب صرف ایک اندیشہ تھا کہ اہل جنوا کی جو بستی غلطہ میں آباد تھی۔ اس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہو اگرچہ اس بستی نے سلطان کو پہلے ہی یقین دہانی کرا دی تھی کہ ہم حملہ نہیں کریں گے مگر پھر بھی سلطان نے حکم دیا تھا کہ اگر ذرا بھی مزاحمت کی جائے تو یہ بستی توپوں سے اڑا دی جائے۔

اس طرح خشکی اور تری دونوں طرف سے بیک وقت حملے کا انتظام ہو گیا تو سلطانی فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور محصورین یہ انتظام دیکھ کر ناامید ہو گئے۔ 27 مئی کی شام کو سلطان نے حکم دیا کہ 29 مئی کی صبح کو آخری حملہ کیا جائے گا۔ پھر 29 مئی کو سلطانی فوج شہر میں داخل ہو گئی اور یوں قسطنطنیہ میں مشہور یہ پیش گوئی پوری ہو گئی کہ جب خشکی پر بحری جہاز چلیں گے تو قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا۔ اور اس دن یہ ناقابل تسخیر شہر تسخیر ہو گیا۔ قسطنطین سیزدہم آخری بازنطینی حکمران کی لاش کشتوں کے انبار سے ملی۔ شہر کی آبادی کے بڑے حصے نے آیا صوفیہ

Scanned with CamScanner

میں پناہ لی اور سلطان نے ان سب کو امان دی۔ مگر اس سے پہلے دوران محاصرہ بہت سے لوگ مارے گئے تھے اور بہت سے شہر چھوڑ گئے تھے۔ فتح کے بعد ترکوں نے اس شہر کا نام استنبول رکھا۔ 1924ء تک یہ شہر خلافت عثمانیہ کا مرکز رہا۔ اس کے بعد انقرہ کو یہ حیثیت دی گئی۔

مآخذ:
قسطنطنیہ از ہیرلڈ لیم۔
تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد۔
دائرہ المعارف اسلامیہ بذیل مادہ استنبول۔

Scanned with CamScanner

1454ء۔ چھاپہ خانہ کی ایجاد

پندرہوں صدی کے یورپ میں بادشاہ، والیاں ریاست اور شہزادے تو بہت سے تھے مگر آزاد انسان معدودے چند تھے۔ 1420ء میں دریائے رہائن کی وادی میں ایک نوجوان مارا مارا اور اداس پھر رہا تھا۔ وہ مینز Mains کا رہنے والا اور کسی زمانے میں ایک امیر شخص تھا مگر گردش زمانہ نے اس کے حالات بدلے اور اس شہر بدر کر دیا گیا۔ اپنے شہر واپس لوٹنے کی قیمت سزا موت مقرر کر دی گئی تھی۔ دشمنوں نے اس کا تمام مال ہتھیا لیا تھا۔ اور اب وہ تہی دست شہر شہر پھر رہا تھا۔ اطالیہ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی کہیں اسے ٹھکانہ نہ ملا۔ ہالینڈ میں کچھ عرصہ وہ شہر ہارلم میں ٹھہرا مگر وطن میں رہنے کی آزادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر لمحہ مضطرب تھا۔ مگر بے انتہا ذہین ہونے کی وجہ سے ان مصائب و آلام کے دنوں میں بھی وہ ایک ایسی مشین کا تصور ذہن میں لیے پھرتا تھا جو صرف چند ضربوں میں لاکھوں الفاظ سینہ کاغذ پر کندہ کر دے اور بغیر رکے آسانی سے سینکڑوں سستی کتابیں چھاپ سکے کہ ہر جگہ پہنچ جائیں، یہ گوٹن برگ Guten Berg تھا۔ اس زمانے تک ایک ایسی مشین کا تصور محض خواب کی بات معلوم ہوتا تھا۔ کتابیں تیار کرنے کے صرف دو طریقے رائج تھے ایک ہاتھ سے لکھنے کا۔ دوسرا قدیم چینیوں کا یعنی لکڑی کے سانچوں (بلاکوں) سے چھپائی لیکن یہ طریقہ بھی بہت محنت طلب تھا کہ چھاپنے کے لیے ہر لفظ کے لیے ایک علیحدہ سانچہ تیار کرنا پڑتا اس طرح یہ عمل بھی بہت سست اور مہنگا تھا۔ تقریباً 1440ء میں حروف تہجی کی ایسی شکلیں تیار ہوئیں جنہیں چھپائی کے بعد علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے حروف تہجی حرکت پذیر حروف کہلائے۔ اسی طریقہ کو گوٹن برگ اپنے چھاپے خانے میں کام میں لایا۔ اور اس نے دنیا کو کتابیں تیار کرنے یا چھاپنے کا ایک نیا نظام دیا۔

جان گوٹن برگ 1398ء۔ 1468ء جرمنی کے شہر مینز میں پیدا ہوا۔ اس کی عمر کا ابتدائی حصہ سٹار سبرگ نامی شہر میں گزرا۔ چونکہ اس کے زمانے کے یورپ میں کتابوں تک رسائی ایک مشکل کام تھا۔ اور ایک ایک کتاب کی تیاری پر سو سو سے زائد اشرفی خرچ آتی تھیں۔ اسی وجہ سے گوٹن برگ کے ذہن میں ایک ایسی مشین کی تیاری کا خیال آیا جس سے کتاب سازی ایک ارزاں عمل ہو جائے۔ ایسی مشین کی تیاری میں بہت سی مشکلات حائل تھیں۔ لیکن مشکلات کے باوجود گوٹن برگ نے حوصلہ نہ ہارا اور نہ ہی اپنا ارادہ ترک کیا۔ اس نے مشین سازی کا فن سیکھنا شروع کیا۔ اور ایسی دیو پیکر مشین بنانے کی دھن میں لگ گیا جس سے لاتعداد سستی کتابیں چھاپی جا سکتیں

Scanned with CamScanner

ہوں۔ ایک ایسی مشین جو دنیا سے جہالت کے خوفناک مرض کا نام ونشان تک مٹا دے۔
انہیں دنوں ایک دن اس کے دوست لارنس جان زون نے اسے ایک انوکھی چیز دکھائی جو اس کے کام کو آسان بناتی تھی یہ تھا لکڑی کا ایک تختہ جس پر حروف تہجی کھدے ہوئے تھے۔ اس کے دوست نے لکڑی پر کھدے ان حرفوں سے ایک جھلی پر اپنی ہونے والی دلہن کا نام چھاپا تھا۔ لکڑی کے اس سادہ سے تختے نے گوٹن برگ کے خیالات میں ہلچل مچادی اور اسے اپنی مشین اب حقیقت کا روپ دھارتی نظر آنے لگی وہ دوڑا اپنے گھر آیا اور اپنی کارگاہ میں اس نے اس نئے طریقے پر مزید تجربات شروع کردیئے۔
مسلسل محنت کے بعد اس کے کام میں کافی پیش رفت ہوئی اور اسے معلوم ہوگیا کہ اگر حروف تہجی کو الٹا کاٹا جائے تو اس کا عکس جھلی پر سیدھا آتا ہے۔ پھر ہر سانچے کے ایک سرے پر اس نے سوراخ کیا اور تمام سانچوں کو ایک خط میں سیدھا پڑو دیا۔ یہ جدید طباعت کی ابجد کی پیدائش تھی۔

طباعت کی ابجد! گوٹن برگ کے لیے اس کے معنی تھے بقائے دوام۔ اور نہ جانے کتنے لوگوں اور ان کے افکار کو ان کی بدولت بقائے دوام حاصل ہوئی۔ اسی نئے عمل نے دنیا میں علم کی روح بھردی اور صور پھونک کر ان تمام شعرا اور مفکرین کو زندہ کردیا جنہیں عرصہ ہوا بھلادیا جاچکا تھا۔ اس کے افسوں سے تمام یونانی عالموں، داناؤں اور فنکاروں کو قوت گویائی ملی۔ اس کی آواز سے ہم تک ہومر کے نغمے پہنچے۔ اسی کے طفیل آج بھی ہم شیکسپیئر کی اسٹیج سے آشنا ہیں۔
تحریر کو چھاپنے کے لیے مزید اختراع یہ کی گئی کہ ہاتھ سے چھاپنے کی بجائے انگور بیلنے کے پریس کو کام میں لایا گیا۔ اور چھاپنے کے عمل میں مشین کی تیزی شامل ہوگئی۔ اور طباعت کا ایک انقلابی طریقہ ایجاد ہوگیا۔

یہ امر باعث تعجب نہیں کہ جب شہنشاہ میکسی ملین نے گوٹن برگ کی صناعی دیکھی تو اسے اتنی پسند آئی اس نے تمام ناشروں کو اجازت دے دی کہ عقاب نشان طباعت کے طور پر استعمال کریں جس کے بازو کرئی زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ضبط تحریر میں آنے کے بعد الفاظ پوری دنیا کو اپنے احاطے میں لے لیتے ہیں۔

گوٹن برگ چوبی سانچوں سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ انہیں مزید کارآمد بنانے میں مصروف ہوگیا اور جلد ہی اس نے انہیں دھات کے سانچوں میں ڈھالا اور انہیں الگ الگ تختیوں پر جما کر الفاظوں کو ایک نئی شکل دی۔

1462ء میں مینز پر اس کی ہمسایہ ریاست نے حملہ کردیا جس کی وجہ سے اس چھاپے خانے میں کام کرنے والے لوگ دوسرے شہروں کو بھاگ گئے اور انہوں نے شہروں میں چھاپنے کا

Scanned with CamScanner

کا مشروع کر دیا۔ اس طرح اگلے صرف پچاس برسوں میں یورپ میں تقریباً دو سو پچاس پریس وجود میں آ گئے۔

مآخذ:

غازیان تہذیب از مولانا سید ہاشمی فرید آبادی

Scanned with CamScanner

1455ء۔ جنگ گلاب

تاریخ برطانیہ کی بدترین خانہ جنگی "جنگ گلاب" کہلاتی ہے۔ جنگ گلاب کا آغاز 1455ء میں ہوا۔ اور خانہ جنگی کا یہ سلسلہ تیس سال جاری رہا (1485ء)۔

اس جنگ کو جنگ گلاب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس جنگ کے دوران دونوں فریقین نے گلاب کے نشان کو اپنایا تھا۔ اہل یارک Yorks مفید گلاب کا نشان رکھتے تھے۔ جب کہ لنکا سٹر خاندان کے حامی سرخ گلاب کو اپنی علامت قرار دیتے تھے۔

1422ء میں ہنری ششم تخت نشین ہوا مگر وہ بچپن ہی سے ذہنی اعتبار سے پائدار اور استوار نہ تھا۔ لین کاسٹر خاندان کے اس تیسرے حکمران کا عہد انگلستان کے لیے تباہی خیز ثابت ہوا۔ رودبار انگلستان کے پار (فرانس میں) اس کی فوجیں جنگ صد سالہ کے آخری دور میں ناکام ہوگئیں۔ مادر وطن میں ہنری ششم کی ملکہ، آنجو، مارگریٹ آف کے حامی اور دیگر انگریز امرا کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے ساتھ ہی رچرڈ ڈیوک آف یارک سے اختلاف پیدا ہوئے جو ہنری ششم کی طرح ایڈورڈ سوم کی نسل سے تھا۔ (ہنری ششم ایڈورڈ کی پانچویں پشت سے تھا اور یارک چوتھی پشت سے) 1453ء میں شاہ ہنری کے ہاں بیٹا پیدا ہونے تک رچرڈ کو ہی ولی عہد مانا جاتا مگر بعدازاں اسے ولی عہدی سے برطرف کردیا گیا اور خاندانی جھگڑوں نے جنگ کی شکل اختیار کرلی۔ ادھر 1453ء ہی میں شاہ ہنری کو پاگل پن کے دورے پڑنے لگے۔ رچرڈ ڈیوک آف یارک رچرڈ نے تاج وتخت پر دعویٰ وراثت کردیا۔ لنکا سٹروں نے جو شاہ ہنری کے حامی تھے، مقابلے کی ٹھانی، فریقین میں پہلی لڑائی سینٹ ایلبانس St. Albans کے مقام پر ہوئی۔ (22 مئی) جس میں یارک کامیاب رہے اور چار سالہ معاہدہ طے پا گیا۔

1451ء میں یہ خانہ جنگی دوبارہ شروع ہوئی۔ 23 ستمبر 1459ء کو بلورہیتھ Bloreheath کے مقام پر ہونے والے معرکے میں یارک یا سفید گلاب ایک مرتبہ پھر کامیاب رہے، لیکن 12 اکتوبر 1459ء کو ایک اور جھڑپ میں انہیں منتشر ہونا پڑا۔ بعدازاں لارڈ واردک نے یارکوں کی فرانس میں نئی گروپ بندی کی جس کے بعد وہ جون 1460ء میں انگلستان واپس لوٹے۔ 10 جولائی 1460ء کو ایک بار پھر متحارب گروہوں میں نارتھمپٹن کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں لنکا سٹروں کو شکست ہوئی۔

یارک تخت کے مدعی تو تھے مگر وہ شاہ ہنری ششم کی موت کے بعد اس کی جانشینی پر اپنا حق

Scanned with CamScanner

مقدم رکھتے تھے۔ جس سے ہنری کے بیٹے کو شکایت تھی۔ 17 فروری 1461ء کو سینٹ ایلبانس کے مقام پر ہی دوبارہ جنگ لڑی گئی جس میں یارکوں کو شکست ہوئی مگر اسی دوران یارکوں نے پرنس ایڈورڈ کی قیادت میں لنکا سٹروں کو شکست دی۔

تیس سال تک انگریز امراء مخالفانہ اقدامات میں ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے اور بادشاہی نظام بار بار بدلتا رہا۔ 1460ء میں نارتھمپٹن کے مقام پر ہونے والی جنگ میں شاہ ہنری ششم کو قید کرلیا گیا اور تاج وتخت کا وارث رچرڈ، ڈیوک آف یارک ٹھہرا۔ مگر ملکہ مارگریٹ نے اپنی الگ فوج تیار کر کے یارک کو شکست دی اور اس جنگ میں ڈیوک آف یارک مارا گیا مگر بادشاہ گر وارک Warwick نے اس کے بیٹے پرنس ایڈورڈ کو تخت نشین کردیا۔ لیکن کچھ دن بعد بادشاہ گر کا ایڈورڈ سے جھگڑا ہوگیا تو وہ یارکوں کو چھوڑ کر لنکا سٹروں سے جا ملا اور اس نے شاہ ہنری کو قید خانے سے نکال کر دوبارہ تخت نشین کرادیا اور 1470ء میں ہونے والی ایک جنگ کے نتیجے میں ایڈورڈ بھاگ گیا، 1471ء میں ایک بار پھر یارک لنکا سٹروں سے لڑے۔ اس جنگ میں بادشاہ گر نواب وارک مارا گیا۔ اس طرح 1471ء میں جنگ گلاب اختتام کو پہنچی اور ایڈورڈ کا کم سن بیٹا تخت نشین ہوگیا۔ مگر مورخین کے مطابق اس جنگ کا خاتمہ ہنری ٹیوڈور کی تخت نشینی (1485ء) سے ہوا۔

مآخذ:

Encyclopedia Birtanica Worlb Book Vol.21

تاریخ تہذیب، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم از ولیم لینگر۔

Scanned with CamScanner

1458ء۔ عثمانی ترکوں کا ایتھنز پر قبضہ

اگر چہ فتح قسطنطنیہ سلطانی محمد ثانی کا سب سے شاندار کارنامہ تھا اور اسی بنا پر اسے فاتح کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے تاہم یہ اس کے سلسلہ فتوحات کی محض پہلی کڑی تھی۔ اس کا 30 سالہ عہد حکومت تمام تر ملک گیری اور توسیع سلطنت میں گزرا۔ یہ طویل عہد اس نے تقریباً مسلسل میدان جنگ میں صرف کیا۔ اس کی شاید کوئی ایسی عسکری مہم ہو جس میں کوئی نہ کوئی یورپی یا ایشیائی مقبوضات میں نیا علاقہ شامل نہ کیا گیا ہو۔

سلطان محمد فاتح کے عہد میں یونان کا قدیم دارالحکومت ایتھنز بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ مسلمانوں سے اس شہر کا پہلا قریبی واسطہ اگر چہ 896ء میں پڑا تھا جب مسلمانوں نے تھوڑے سے عرصے کے لیے پہلی مرتبہ اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ یونان کے اسلوب و آرائش پر بعض عربی باقیات و اثرات کا تعلق اس واقعہ سے قائم کیا جاتا ہے۔

جسٹنین اول کے عہد کے کچھ عرصہ بعد ہی ایتھنز کی حیثیت گھٹ کر ایک مقامی قصبے کی سی رہ گئی تھی اور اس کی قدیم شاندار عمارتوں کے سوا اس کی قدیم ثقافتی عظمت کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔

سلطنت مغربی رومہ کے عہد میں ایتھنز ایک چھوٹی سی ریاست کا دارالحکومت تھا جس پر یکے بعد دیگرے اہل برگنڈی اور پھر اہل کتلان Catalan کا قبضہ رہا۔ جنہوں نے اس پر 1311ء میں قبضہ کر کے اسے شاہ اراگان کی سیادت میں دے دیا۔ 1388ء سے 1456ء تک ایتھنز پر ایک فلورنٹائن Florentin گھرانے کی حکومت رہی۔ 1397ء میں بایزید اول نے اس پر عارضی قبضہ کیا تھا۔ سلطان محمد ثانی کے عہد میں جا کر ہی یہ دانشوروں کا شہر پوری طرح سے آل عثمان کے زیر نگین آیا۔ یوں گویا یہاں ترکوں کے تین سو سالہ قبضہ کا آغاز ہوا۔

سلطان محمد فاتح نے 1454ء میں یونان کا رخ کیا۔ وہاں بازنطینی شہنشاہ قسطنطین کے دو بھائی دمتریسن اور طامس دولت عثمانیہ کے باجگزار کی حیثیت سے علیحدہ علیحدہ حصوں پر حکمران تھے۔ انہوں نے سلطان کے پہنچنے کا انتظار نہیں کیا۔ بلکہ اس کی خدمت میں اپنے سفیر بھیج کر فرمانبرداری کا عہد کیا اور بارہ ہزار دوکات سالانہ خراج دینا قبول کیا۔

انہیں دنوں سلطان محمد فاتح کو بلغراد کی مہم میں ناکامی اٹھانا پڑی۔ یورپ میں بڑھتے ہوئے مذہبی جوش نے ترکوں کے بڑھتے ہوئے قدم ایک لمحہ کے لیے روک دیئے۔ ادھر یونان کے

Scanned with CamScanner

حکمرانوں کو بھی دولت عثمانیہ کی سیادت کا بارگراں محسوس ہونے لگا۔ پوپ نے بھی ان کے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ چنانچہ جب پوپ کا بھیجا ہوا بحری بیڑا یونان کے سمندر میں نمودار ہوا تو طامس نے ہمت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر چہ پہلے بھی خراج کی ادائیگی رکی ہوئی تھی مگر یہ اعلانیہ انکار بغاوت کے مترادف تھا۔ چنانچہ سلطان 1458ء میں ایک بڑی فوج لے کر خود یونان آیا اور متعدد قلعوں کو فتح کرتا ہوا پتراس پہنچا جو طامس کا مستقر تھا۔ پتراس کے باشندوں نے مزاحمت نہ کی۔ یہاں کے پچاس ہزار باشندوں کو محمد فاتح نے قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں آباد کیا۔ طامس اور دمتریس کے پاس صلح کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ صلح نامہ کی تکمیل کے بعد سلطان واپس چلا گیا مگر جلد ہی ان دونوں بھائیوں نے پھر شورش بپا کر دی۔ اس بار سلطان نے تہیہ کیا کہ وہ یونان کو عثمانی صوبہ بنا کر چھوڑے گا۔ دمتریس ایک مسٹر Mystra نامی قلعے میں بند ہو گیا۔ اور اس نے مدافعت کی کوشش کی مگر بہت جلد اس نے ایک بار پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ تاہم 1460ء میں جا کر یونان (موریا) کہیں سلطنت عثمانیہ کا صوبہ بنا اور ایتھنز پر اگلے تین سو سال کے لیے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مآخذ:

تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد (1)۔

Scanned with CamScanner

1459ء۔ فتح سربیا، بوسنیا اور ولاچیا اور کاؤنٹ ڈراکیولا

سربیا srbia یا صربستان مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے جو جزیرہ نما بلقان کے شمال میں واقع ہے اور یوگوسلاویہ میں شامل رہی ہے۔ مسلمانوں سے اس ملک کا واسطہ پہلی بار سلطان مراد اول (1359ء۔ 1389ء) کی تخت نشینی کے بعد پڑا تھا جب بازنطینی سلطنت کی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ اس کے تمام ایشیائی مقبوضات پر ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ 1388ء میں سربیا کا شاہ لازار Lazar سلطان مراد کو خراج ادا کر رہا تھا اور عثمانی فوج کے لیے سپاہیوں کی ایک مقررہ تعداد مہیا کرنے کا پابند تھا۔ اور ساتھ ہی چرمی کے لیے ایک ہزار نوعمر لڑکے فراہم کرنا بھی اس کا فرض تھا۔ مسیحی ریاستیں اس مطالبے سے سخت برہم تھیں۔ انہوں نے اس کے خلاف اتحاد قائم کیا اور نتیجے میں 1389ء میں جنگ کوسوا لڑی گئی۔ یوں سربیا مسلسل اس کے بعد لڑائیوں کا مرکز بنا رہا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد محمد ثانی سربیا کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سربیا کا شہر سمندرہ فتح کر لیا۔ ہونیاڈے مدد کے لیے آیا لیکن اہل سربیا اپنے ملک میں ہنگری کے اقتدار کو ناپسند کرتے تھے اور کلیسائے رومہ کی مذہبی تعدیوں کے مقابلے میں مسلمان ترکوں کی رواداری کو قابل ترجیح سمجھتے تھے۔ چنانچہ جارج برینکووچ نے خراج ادا کر کے صلح کر لی۔ 1457ء میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا لازار سربیا کا حکمران بنا۔ اس کی بیوی نے سیاسی آزادی برقرار رکھنے کے لیے ملک کی مذہبی آزادی کلیسا رومہ کے ہاتھ فروخت کر کے اس سے وابستہ ہونا چاہا۔ تو وہاں کے باشندوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور سلطان محمد فاتح سے مدد کی درخواست کی 20 جون 1459ء کو سمندرہ پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ ایک مستقل مملکت کی حیثیت سے سربیا کا وجود ختم کر دیا گیا اور وہ سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ (پاشالق) بن کر رہ گیا۔ سرب ترکوں کی رعایا بن گئے جن کے ساتھ انتہائی دوستانہ اور روادارانہ رویہ اختیار کیا گیا اور مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ ترکی حکومت ہمیشہ ان کے جان و مال آبرو اور عبادت گاہوں کی محافظ رہی۔ انہیں فوجی خدمات کے لیے مجبور نہ کیا جاتا بلکہ اس کی بجائے ان پر ایک برائے نام جزیہ عائد تھا۔ ہر ایسے مسیحی کو جس نے کسی طرح حکومت کی کوئی خدمت انجام دی ہو جاگیر عطا کی جاتی۔

کلیسائے رومہ کے مظالم سے بوسینا کے باشندے اہل سربیا سے بھی زیادہ عاجز تھے۔ انہوں نے بھی ترکوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ صدیوں سے وہاں لاطینی اور یونانی کلیساؤں کے درمیان معرکے گرم تھے۔ ان جھگڑوں سے تنگ ہو کر بہت سے لوگ دونوں مسلکوں سے علیحدہ ہو گئے تھے

Scanned with CamScanner

اور اپنی عافیت کے لیے ایک نیا مذہب اختیار کرلیا۔ جو بدعت بوکومل Yberisty Boguhil کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اب اس جدید فرقہ کے لوگوں پر دوسرے مظالم ہونے لگے۔ وہ کبھی یونانی کلیسا کی شدید تعدیوں کا شکار ہوتے اور کبھی لاطینی کلیساء کی۔ یہ مظالم دیکھ کر اکثر اہل بوسنیا کو اسلام ہی کے دامن رحمت میں پناہ نظر آئی۔ جنرل محمود پاشا کی افواج شاہ بوسنیا کے خراج بند کرنے کی وجہ سے پیش قدمی کرنے پر مجبور ہوگئیں شاہ بوسینا نے جب مقابلے کی طاقت نہ پائی تو جان بخشی کے وعدے پر ہتھیار ڈال دیئے۔ مگر محمد ثانی نے خلاف وعدہ اس کو اور اس کے بیٹے کو قتل کروادیا۔ یوں سربیا کے ساتھ بوسنیا بھی (1462ء) سلطنت عثمانیہ کا صوبہ بن گیا۔ اسی زمانے میں ولاچیا کے مظلوموں کی دردناک چیخیں قسطنطنیہ کے ایوانوں تک پہنچیں۔ جنگ کوسوا کے بعد سے ولاچیا نے دولت عثمانیہ کی سیادت قبول کرلی تھی۔ سلطان محمد ثانی کے عہد میں اس ریاست کے امیر والاد چہارم Wlad Iv نے سلطان کے خلاف بغاوت کردی اور عثمانی تاجروں کو جو ولاچیا میں مقید تھے نہایت سفاکی سے قتل کرادیا۔ اس کی سفاکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ کاؤنٹ ڈراکیولا Dracula کے نام سے مشہور تھا جس کے معنی رومانیہ کی زبان میں شیطان کے بنتے ہیں۔ اسے لوگوں کو قتل کرانے میں خاص لطف آتا تھا۔ وہ انسانی قتل کے عجیب وغریب طریقے ایجاد کرتا تھا۔ اکثر کئی کئی سو آدمیوں کو اجتماعی طور پر قتل کراتا اور ان کی تڑپتی لاشوں سے اس کی شیطانی روح کو ایک خاص مسرت حاصل ہوتی تھی۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ اس کے ہم عصر حکمران بھی اکثر اذیت پسند تھے مگر اس کی تعزیب کے طریقوں سے وہ بھی ہیبت زدہ تھے اور اس کو ولاد امپلر Wlad Impaler یعنی میخیں ٹھوکنے والا کہتے تھے۔ کیونکہ اسے سب سے زیادہ لطف زندہ انسان کے اعضا میں میخیں ٹھونک کر قتل کروانے میں آتا تھا۔ جب اس کے مظالم کی فریاد باب عالی میں پہنچی تو سلطان ایک زبردست فوج لے کر اس کی تنبیہہ کے لیے روانہ ہوا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہو، ولاد نے اس کی خدمت میں وفد بھیجا اور سیادت قبول کرکے دس ہزار درکات سالانہ خراج دینا قبول کیا۔ مگر اس کا یہ سیادت قبول کرنا محض ایک حیلہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ہنگری سے اتحاد کرکے پھر سے آزاد ہوجائے۔ جب سلطان کو اس کی اس معاندانہ روش کی خبر ملی تو اس نے حالات کی تحقیق کرنے اپنے نمائندے ولاچیا بھیجا جنہیں ڈاراکیولا نے قتل کرادیا۔ اس کے بعد اس نے بلغاریہ کے ان علاقوں میں لوٹ مار شروع کردی اور بے حد مظالم کیئے۔ وہ بلغاریہ سے پچیس ہزار قیدی بھی پکڑ کر ولاچیا لے گیا۔ سلطان نے ایک بار پھر اپنا ایک ایلچی ولاچیا بھیجا جسے ڈراکیولا نے میخیں ٹھونک کر ہلاک کردیا۔ آخر سلطان نے اس کی سرکوبی کی اور ولاچیا فتح کرلیا۔ مگر ڈراکیولا بھاگ کر ہنگری میں پناہ گزیں ہوا۔ سلطان نے رادول نامی امیر کو ولاچیا کا امیر مقرر کردیا۔

مآخذ: تاریخ ترکیہ، دائرہ المعارف اسلامیہ۔

Scanned with CamScanner

1460ء۔ جاپان کا تھیٹر نو اور اس کا قیام

پندرہویں صدی کے نصف آخر کے آغاز میں جاپان میں اداکاری اور موسیقی کی ہم آہنگی سے ایک ایسا انداز ڈرامہ تخلیق پایا جس میں زبان، ملبوسات، ڈرامہ اور موسیقی کو ایک ہی مالا میں پرودیا گیا۔ یہ انداز نوتھیٹر Notheater یا نو ڈرامہ کہلاتا ہے۔ پانچ صدیاں گزرنے کے باوجود فن اداکاری کا یہ نرالا انداز آج بھی بغیر کسی تبدیلی کے جاپان میں دیکھا جاسکتا ہے۔ نوتھیٹر میں ایک چوکور اسٹیج پر کھیل پیش کیئے جاتے ہیں ناظرین اس اسٹیج کے تین اطراف میں بیٹھ کر کھیل سے محفوظ ہوتے ہیں۔ جب کہ اسٹیج کی چوتھی سمت میں ملبوسات روم تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ نوتھیٹر کے تمام اداکار مرد ہوتے ہیں اور مرد حضرات ہی خواتین کے کردار بھی ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈرامہ کے مرکزی کردار اپنے جذبات کو مختلف چہرے (نقاب یا ماسک) لگا کر ناظرین کے سامنے پیش کرتے انہیں کے ساتھ جاپانی اسٹیج کے دوسرے روائتی انداز جو پنکھے کی حرکات کے ساتھ ادا کیئے جاتے تھے۔ نوتھیٹر میں آرکسٹرا تین ڈرموں اور ایک بانسری پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک بالکونی میں ڈرامے کے واقعات پر رواں تبصرہ کرنے کے لیے ایک طائفہ بیٹھا ہوتا ہے۔ جو ڈرامہ میں پیش آنے والے واقعات کو رواں تبصرے کی صورت میں ناظرین تک پہنچاتا ہے۔ جب کہ دوسرے اداکار رقص و گفتگو کے انداز میں ڈرامے کے مختلف مراحل پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

جاپانی لفظ No کے معنی لیاقت اور مہارت Talent and Skill کے ہیں۔ نو کھیل مغربی ڈرامے کی طرح بیانیہ نہیں ہوتے جن میں اداکار اپنے ایکشن سے ڈرامے کی کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ نوتھیٹر کے فنکار سادہ طور پر صرف کہانی سنانے والے ہوتے ہیں اور ڈرامے میں ایکشن نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ فنکار صرف اپنی بصری نموداری Visual Apperance سے کہانی کے پلاٹ کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس پر ایکشن یا اداکاری نہیں کرتے ایک نو ڈرامے میں بہت کم واقعات رونما ہوتے ہیں۔ تعلیم یافتہ ناظرین چونکہ پہلے ہی سے کہانی کے پلاٹ سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ صرف علامتی اداکاری کی خوب داد دیتے ہیں۔

1603ء سے 1867ء تک کے سالوں میں نو ڈرامے نے تقریباً ڈرامے کی حیثیت اختیار کرلی جو مختلف تہواروں یا خاص موقعوں پر پیشہ ور فنکار فوجی طبقے کو محفوظ کرنے کے لیے پرفارم کرتے تھے۔ 1868ء میں میجی حکومت کے انقلاب بحالی کے بعد نو ڈرامے کے ختم ہوجانے کے امکانات پیدا ہوگئے تھے اور ڈرامے کی یہ صنف ختم ہوتی چلی گئی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد کچھ

Scanned with CamScanner

فنکاروں نے تعلیم یافتہ طبقے نی ان کھیلوں میں دلچسپی لو دیکھتے ہوئے ان کا دوبارہ احیا کیا۔
نو ڈرامے کی پانچ اقسام ہیں جن میں سے پہلی قسم Kami کہلاتی ہے یہ خانقاہی اور مذہبی ڈراموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ دوسری Shuramono کہلاتی ہے۔ اور جنگجوانہ ڈراموں پر مبنی ہے۔ تیسری قسم Katsuramono ہے جو حقوق نسواں کے پرجوش حامی افراد کا کھیل ہے۔ چوتھی قسم Gendia Mono کہلاتی ہے اور اس کا مطلب ''آج کے کھیل'' ہے۔ اس قسم سے افسانوی کہانیوں کی بجائے آج کی حقیقت پسندانہ کہانیاں پیش کی جاتیں ہیں۔ پانچویں قسم Kiri کہلاتی ہے۔ جو طلسمی، شیطانی اور عجیب الخلقت کرداروں پر مبنی ہوتی ہے۔

روائتی نو کھیل بہت مختصر ہوتا ہے اور اس میں مکالمے بھی خال خال ہی ہوتے ہیں۔ یہ مکالمے صرف موسیقی اور ڈرامے کی حرکات وسکنات کے فریم ورک کے طور پر رکھے گئے ہوتے ہیں۔ ایک معیاری نو پروگرام میں تین کھیل پیش کیئے جاتے ہیں جو مندرجہ بالا پانچوں اقسام سے منتخب کیئے جاتے ہیں۔ ان کھیلوں کے وقفوں میں عموماً مزاحیہ خاکے پیش کیئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو بور ہونے سے بچایا جاسکے۔ ڈراموں کے آغاز میں Okina نامی ڈانس پیش کیا جاتا ہے جو جاپانی ڈانس میں امن اور خوشحالی کا ڈانس ہے۔

بیسویں صدی میں نو ڈراموں پر روائتی انداز سے ہٹ کر نئے تجربات بھی کیئے گئے جو کسی حد تک کامیاب رہے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 8۔ بذیل مادہ ''نوتھیٹر No Theater ۔

Scanned with CamScanner

1462ء۔ آئیون سوم برسر اقتدار آیا

روس میں جو نوع انسانی کے لوگ سب سے پہلے آباد ہوئے ان میں مختلف قبیلے شامل تھے جن میں سلاور Slav، نارس Norse، بالٹ Balt، ہن Hun اور ترک Turk اور کئی دیگر قبائل شامل تھے۔ روس کا علاقہ تاتاری خانہ بدوشوں کے راستے میں پڑتا تھا جو روس سے پرے منگولیا کے میدانوں میں رہائش پذیر تھے، تیرہویں صدی میں جب ان وحشی تاتاری قبائل نے متمدن دنیا پر حملہ کیا تو ان کی ایک بڑی فوج چنگیز خاں کے بیٹے باتو خاں Batu Khan کی سرکردگی میں روس میں داخل ہوئی اور اس نے ماسکو تک ہر طرف تباہی مچادی۔

تاتاریوں کی اس یلغار کے بعد کئی تاتاری یہیں آباد ہوگئے اور خود باتو خاں نے دریائے وولگا کے کنارے اپنا شاہی خیمہ ایستادہ کردی جو سنہری خیمہ کہلاتا تھا۔ خود یہاں آباد ہونے والے تاتاری بھی ''سنہری غول'' کہلاتے تھے۔ یوں تاتاریوں نے یہاں ایک شہر خیام آباد کرکے اپنی حکومت کا آغاز کیا جس کا پہلا حکمران باتو خاں تھا۔

آہستہ آہستہ روسی والیان ریاست Princes اس عظیم خاں حکمران کے باجگزار ہوتے چلے گئے۔ ایک وقت آیا جب روسی شہزادوں کو تین ہزار میل کا سفر کرکے تاتاری خاں کے دربار میں سجدہ ریز ہونا پڑتا اور اپنی ہر تذلیل برداشت کرنا پڑتی کیونکہ خاں کے جانشین بھی روسی والیان ریاست کو ان کے تاج و تخت سے محروم کردیتے اور کبھی کبھی شہزادے کو جان سے ماردیتے اگر وہ ان کی باجگزاری کا جواء اپنے کندھوں سے اتار پھینکنا چاہتا۔

پھر انقلاب زمانہ سے یہ تاتاری سلطنت تباہ ہوگئی۔ البتہ تاتاریوں نے روسی تمدن پر گہرا اثر چھوڑا۔ ماسکو کے شہزادے یورپ میں رہنے کے باوجود یورپی تمدن سے ناآشنا تھے مگر وہ انداز و اطوار میں تاتاری خانوں کو نقل کیا کرتے تھے۔ ان کے غیر مہذب اور ناشائستہ درباروں میں تاتاری رنگ جھلکتا تھا۔ 1547ء میں پہلی بار روسی حکمرانوں نے ''زار'' کا لقب اختیار کیا جو کچھ لوگوں کے نزدیک ''سیزر'' کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے جو قسطنطنیہ سے یہاں پہنچی مگر کچھ کا خیال ہے کہ یہ ایک ایشیائی لفظ ہے۔

1240ء سے 1480ء تک روس تاتاریوں ''سنہرے غول'' کے ماتحت رہا اور یہاں کے حکمراں حکومت سنبھالنے کے لیے تاتاری خاں کے دربار میں حاضر ہوتے

Scanned with CamScanner

رہے۔ خود خاں بھی ماسکو کی حکمرانی کو پورے روس سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس کے نتیجے میں ماسکو ترقی کرنے لگا اور اسکے شہزادوں نے اپنی ریاست کی سرحدیں وسیع کرلیں۔ درحقیقت یہی دور تھا جب متحدہ روسی حکومت کی بنیاد رکھی گئی اور تاتاری کمزور پڑتے چلے گئے اور پندرہویں صدی کے وسط تک وہ اپنا تسلط قائم رکھنے میں ناکام ہوگئے۔ ماسکو کے اس حکمران نے اس ''سنہرے غول'' کی حکومت ختم کی اور تمام روس کو متحد کیا وہ آئیون سوم Ivan III تھا۔ اسے روسی تاریخ میں عظیم آئیوان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا صرف ایک مقصد تھا وہ یہ کہ روس کو متحد کر کے انتشار اور طوائف الملوکی کو ختم کیا جائے۔

آئیوان 1440ء میں پیدا ہوا۔ وہ روسی حکمران ویسلے دوئم Vasily II کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے باپ کے عہد آخر میں اس کے ساتھ شریک حکمران تھا۔ اس کا باپ آخری برسوں میں اندھا ہوگیا تو کاروبار حکومت کا سارا بوجھ آئیون کے کندھوں پر آپڑا مگر صحیح معنوں میں وہ اپنے باپ کی وفات 1462ء کے بعد حکمران بنا۔ اور اس نے لتھوانیا Lithuania پر قبضہ کر کے اپنے روسی سلطنت کو متحد کرنے کا آغاز کیا۔ بیلورشیا Belo Russia اور یوکرین Ukraine بھی بہت جلد اس کے جھنڈے کے نیچے آگئے لیکن لتھوانیا پر حملہ کرنے سے پہلے اس نے کازان Kazan پر حملہ کیا اس کے بھائی یوری Yury نے اس شہر کا محاصرہ کر کے شہر کو پانی کی ترسیل روک دی جس سے اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت اختیار کی اس فتح کے بعد آئیوان نووگرا Novgorod کی مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ 1470ء میں آئیوان نے نووگراڈ پر فوج کشی کر کے اسے فتح کرلیا۔ پہلے پہل اسے اس نے اپنی بادشاہت میں ضم نہ کیا مگر جلد اسے یہ موقع مل گیا اور 1477ء میں اس نے نووگراڈ کے سفیروں کو حکم دیا کہ اسے ''جناب'' کی بجائے ''شہنشاہ عالم'' کہہ کر خطاب کیا کریں۔

1476ء میں تاتاری بادشاہ احمد کو آئیوان سوم نے خراج کی ادائیگی روک دی جس پر احمد نے ماسکو پر حملہ کیا مگر اب وقت بدل چکا تھا احمد کو شکست ہوگئی اور وہ مارا گیا۔ اب ماسکو سے خراج لینے والا کوئی باقی نہ رہا۔ اب ماسکو کے حکمرانوں کو ''سنہرے غول'' کے دربار میں حاضر ہونے کی ضرورت نہ رہی۔

آئیوان کی زندگی کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس نے بازنطیم کے آخری شہنشاہ کی بھتیجی صوفیہ Zoe سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے سات بچے پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں اسی شہزادی نے سے تحریک دی تھی کہ وہ تاتاریوں کی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے

Scanned with CamScanner

اتار پھینکے۔ آئیوان نے بازنطینی سلطنت کے دوسروں والے باز کے نشان کو اپنے شاہی نشان کے طور پر اپنالیا۔ 1453ء میں بازنطینی سلطنت کے خاتمے کے بعد بہت سے لوگ روس کے پہلے قومی حکمران کو بازنطینی شہنشاہوں کا جانشین تسلیم کرنے لگے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، عظیم بادشاہ اور فرمانروا، تاریخ تہذیب۔

Scanned with CamScanner

1469ء۔ لورینزو عالیشان کا اقتدار

میڈیچی خاندان کے دو امرا جو آپس میں بھائی تھے۔ فلورنس کے ایک کلیسای کی ایک تقریب میں عبادت کے لیے جھکے ہوئے تھے کہ اچانک کچھ شمشیر زن ان پر حملہ آور ہوئے۔ ایک حملہ آور کی تلوار جلیانو کے سینے میں اتر گئی اور وہ اس شدید وار کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پر ہلاک ہوگیا جب کہ دوسرا لورینزو فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ لورینزو کے محفوظ مقام پر پہنچنے کے بعد گرجا میں موجود عوام نے حملہ آوروں کو پکڑنا چاہا مگر وہ اس غضبناک ہجوم کے پنجوں سے بچ نکلے۔

ابھی کلسیا میں تقریب جاری تھی کہ میڈیچی خاندان پر حملہ کرنے والے ڈی پازی De Pazzi خاندان کے محل پر جوابی حملہ ہوا کچھ دشمن تلوار سے مارگرائے گئے اور کچھ کو جن میں فرانسیکو ڈی پازی شامل تھا، انہیں کے محل کے جھروکوں میں پھانسی دے دی گئی۔ خاندان کے بوڑھے اور معزز سربراہ کا برہنہ بدن گلیوں میں گھسیٹ کر دریائے آرنو میں پھینک دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد فلورنس میں میڈیچی خاندان کا کوئی حریف نہ رہا اور لورینزو Lorenzo De Me dici جمہوریہ فلورنس کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔ وہ ابھی اپنی عمر کے چوتھے عشرے میں داخل ہوا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے رتبے کی وجہ سے اپنے گرد عظمت کا ہالہ برقرار رکھتا تھا مگر جب کبھی نجی دوستوں کی محفل میسر آتی وہ اپنی عظمت اور دولت کو بھول جاتا اور اپنے بیٹے لیوہم کی طرح لطیف ترین آرٹ اور سادہ ترین لطیفوں سے لطف اٹھاتا۔

پازی Pazzi سازش کے بعد عوامی اور نجی ادائیگیوں کے باعث اس کی فرم اپنے فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ رہی۔ تب ایک مہربان کونسل نے اس کے ذاتی قرضے ریاستی خزانے سے ادا کرنے کے لیے حق رائے دہی استعمال کیا۔ یہ بات واضح نہ ہوسکی کہ لورینزو نے یہ رقمیں عوامی امور پر خرچ کی تھیں اور یہ نجی فنڈز کی منصفانہ واپسی تھی یا سیدھی سادی مالی بدعنوانی؟ مگر اس کی وجہ سے لورینزو کی مقبولیت کم نہ ہونے کا امر دلالت کرتا ہے کہ گڑبڑ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لوگ اس کی دولت، پرتعیش گھر گرہستی اور سخاوت دیکھ کر اسے لورینزو عالی شان کہنے لگے تھے۔

لورینزو کے عہد حکومت میں فلورنس کی اقتصادی ترقی بہت پھلی پھولی، شرح سود گر کر 5% آگئی۔ لورینزو کے عہد آخر تک تجارت بھی سرگرمی سے ترقی کرتی رہی۔ مگر اسی زمانے میں ٹیکسٹائل کی برآمدی تجارت میں انگلستان فلورنس کے لیے باعث پریشانی بن کر ابھرا۔ لورینزو کی امن پالیسی نے خوشحالی کو زیادہ فروغ دیا۔ ترکوں کو اطالیہ سے نکالنے کے لیے فلورنس بھی نیپلز کے ساتھ مشترکہ

Scanned with CamScanner

دفاع میں شریک ہوگیا۔ مگر وینس اس اتحاد سے الگ تھلگ رہا۔

لورینزو کے عہد میں تجارت اور آرٹ دونوں میں فلورنس نے بے حد ترقی کی اور وہ نشاۃ ثانیہ کے اطالیہ کی بہترین ریاست بن گئی۔ خود لورینزو نشاۃ ثانیہ کے اطالیہ کی ایک عظیم شخصیت تھی جس نے اطالوی ادب میں خود بھی ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا اور اہل فنون کی سرپرستی کی۔ آزادی تحریر و تقریر کا وہ اتنا بڑا حامی تھا کہ اس نے اپنے دشمن راہب، سیوونارولا کو بھی آزادی سے واعظ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

لورینزو تاریخ کے ان چند افراد میں سے نہیں تھا جنہوں نے طویل عمر پائی۔ اپنے باپ کی طرح وہ گھٹیا کا مریض تھا اور اس کے پیٹ میں بھی خرابی تھی۔ 21 مارچ 1492ء کو اس کی پیٹ کی تکلیف شدت اختیار کر گئی اور اس نے 9 اپریل 1492ء کو 43 برس کی عمر میں وفات پائی۔

مآخذ:

یورپ کی بیداری از ول ڈیورانٹ

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم

Scanned with CamScanner

1476ء۔ ولیم کیکسٹن اور فن طباعت

1471ء میں جرمنی کے شہر کولون میں چھپائی کی مشین کھٹا کھٹ چل رہی تھی۔ طباعت کا فن ابھی یورپ میں نیا نیا تھا۔ اور ابھی تک انگلستان نہیں پہنچا تھا۔ انگلستان سے آنے والا ایک شخص اس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ یہ فن انگلستان کی سرزمین پر لگانا چاہتا تھا۔ یہ ولیم کیکسٹن William Caxton تھا۔ جو کئی برس سے جرمنی میں رہا اور اس نے وہاں چھپائی کا فن سیکھ لیا۔

ولیم کیکسٹن کینٹ انگلستان کے کسی مقام پر پیدا ہوا (1422ء)۔ سولہ برس کی عمر میں وہ ریشم کے کپڑے کے ایک دولتمند سوداگر رابرٹ لارج کے ہاں ملازم ہوا۔ یہ رابرٹ لارج بعد ازاں لندن کا میئر بن گیا۔ اس کے تین سال بعد جب رابرٹ لارج فوت ہوا تو وہ بروجس Bruges، بیلجیئم چلا گیا جہاں وہ تیس برس تک رہا۔ وہیں اس نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ 1464ء میں بیلجیئم اور ہالینڈ کے ساتھ تجارت کرنے والی ایک کمپنی نے کیکسٹن کو اپنا قائمقام گورنر بنالیا۔ یوں وہ ایک معمولی تاجر سے انگریز تاجروں کا گورنر بن گیا۔ اس کے اگلے برس جب اس کمپنی نے برگنڈی کے نواب فلپ (ڈیوک آف برگنڈی) کے ساتھ اون کی تجارت کے متعلق بات چیت کی ضرورت پیش آئی تو کیکسٹن ہی کو اس گفتگو کا مختار مقرر کیا گیا، لیکن اس کام میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ چار سال بعد جب برگنڈی کے نئے ڈیوک چارلس نے ایڈورڈ چہارم کی بہن شہزادی مارگریٹ سے شادی کرلی تو کیکسٹن پھر گفت وشنید کے لیے پہنچ گیا۔ اس مرتبہ اس کی بات چیت کامیاب رہی بلکہ کچھ عرصہ کے لیے ڈیوک کی اسی بیوی کے خانگی عملے میں مشیر تجارت کے عہدے پر بھی فائز رہا۔

اسی شہزادی مارگریٹ کی فرمائش پر کیکسٹن نے مشہور فرانسیسی قصے The Recuyell Of The Historyes Of Troy کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا پھر یہی کتاب انگریزی زبان کی پہلی کتاب بن گئی جو چھپی۔ یہ کتاب ولیم کیکسٹن نے کولرڈ مینشن نامی ایک شخص کی شراکت میں بنائے گئے پریس سے چھاپی۔ 1477ء میں کیکسٹن انگلستان واپس آ گیا اور اس نے انگلستان میں پہلا پرنٹنگ پریس ویسٹ منسٹر ایبے میں لگایا۔

اپنی پہلی کتاب History Of Troy کے دیباچہ میں ولیم کیکسٹن نے لکھا ہے کہ کس طرح ہاتھ سے کتاب کی نقل تیار کرنے میں اس کے ہاتھ تھک جاتے، آنکھیں دھندلانے لگتیں

Scanned with CamScanner

تھیں۔ اس محنت سے عاجز آ کر وہ عازم جرمنی ہوا اور وہاں دو سال قیام کے دوران اس نے طباعت کا فن سیکھا 1474ء میں جرمنی سے واپس آ کر اس نے برجس، بلجیئم میں اپنا پہلا پرنٹنگ پریس لگایا تھا اور پہلی کتاب چھاپی تھی۔ اس کی دوسری کتاب جو 1476ء میں چھپی وہ بھی فرانسیسی سے انگریزی ترجمہ تھا The Game Of The Playe Of The Chess تھا۔ اس کے علاوہ برجس میں کیکسٹن واپس آ گیا جہاں اس نے خود کو صرف چھپائی کے کام کے لیے مختص کر دیا۔

اگر چہ وہ انگلستان سے چھپائی کا کام شروع کرنے والا پہلا آدمی تھا مگر محققین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے کتابوں کو خوبصورت بنانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور نہ ہی خوبصورت کتابیں شائع کیں۔ انگلستان میں اس نے انگریزی کی جو پہلی کتاب چھپائی وہ ''فلسفیوں کے اقوال Dictes And Sayenges Of The Phylosophers تھی۔ جو 18 نومبر 1477ء کو شائع ہوئی۔ انگلستان کے بادشاہ سمیت بہت سے امراء نواب اور تاجروں نے اس کے کام کی سرپرستی کی اور اسے کتابیں چھاپنے کے لیے اخراجات فراہم کیئے۔ اسی وجہ سے کیکسٹن نے مختلف علوم پر کتابیں چھاپیں جن میں فلسفہ، تاریخ، اخلاقیات اور رومان سب ہی شامل تھے۔ اس نے 1481ء میں انگریزی زبان کا پہلا انسائیکلوپیڈیا The Myrrour Of The World'' شائع کیا جو انگریزی زبان کی پہلی باتصویر کتاب تھی۔ اس کے علاوہ اس نے انگریزی ادب کے اولین شاہکار بھی چھاپے جن میں چاسر Chauser کی کنٹر بری ٹیلو Canter Bury Tales، جان گاور Johen Gower کی Confessioamantis، حکایات لقمان اور پرنس آرتھر کے افسانے شامل ہیں۔ ولیم کیکسٹن نے 24 کتابوں کے انگریزی زبان میں تراجم کیئے جن میں چند ضخیم ترین کتابیں بھی شامل تھیں اس کے علاوہ اپنی موت تک وہ تقریباً 100 کتابیں چھاپ چکا تھا جو مختلف علوم سے تعلق رکھتی تھیں۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 2 بذیل مادہ کیکسٹن۔ سو بڑے آدمی از مولانا عبدالمجید مالک، 1000 اہم واقعات۔

Scanned with CamScanner

1480ء۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی اور ان کی ادبی خدمات

سرزمین ایران نے جو دانش مند پیدا کیئے ان میں نور الدین عبدالرحمٰن جامی بڑی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ جامی ایک بلند مرتبہ شاعر، مستند عالم اور نامور صوفی اور سب سے بڑھ کر عاشق رسولؐ تھے۔

آپ صوبہ خراسان کے قصبے جام کے علاقے خرجود میں 23 شعبان 817ھ بمطابق 1414ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام احمد بن محمد دشتی اور دادا کا نام شمس الدین ہے۔ دشت اصفہان کے ایک محلے کا نام ہے جہاں شروع شروع میں آپ کے آباؤ اجداد رہتے تھے اور اسی محلے کی نسبت سے وہ دشتی کہلاتے تھے۔ پھر یہ خاندان اصفہان کو خیر آباد کہہ کر علاقہ جام میں آباد ہوگیا۔

جامی اپنے والد کے ہمراہ سیر و سیاحت میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ہرات آئے تو یہاں کے مدرسہ نظامیہ میں اقامت اختیار کی اور مولانا جنید کے درس میں شامل ہوگئے۔ بہت سے نامور علما سے اکتساب علم کرنے کے بعد آپ کو ایک بزرگ سعد الدین کی صحبت میسر آئی یہ مولانا بہاء الدین نقشبند کے خلیفہ تھے انہیں کی بدولت جامی سلسلہ نقشبندیہ میں شامل ہوئے اور آپ نے باطنی تعلیم کے مختلف مدارج طے کیئے۔

877ھ بمطابق 1472ء میں آپ حج کو گئے اور ہمدان، کردستان، بغداد، کربلا معلیٰ، نجف، مکہ، مدینہ، حلب، دمشق اور تبریز سے ہوکر خراسان لوٹے۔ ان کا یہ سفر خاصا طویل تھا۔ اس سفر کا ذکر آپ نے "رشحات عین الحیات" میں کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں اہل بغداد نے آپ کے ساتھ آپ کے شایان شان سلوک نہ کیا ایک قصیدے میں آپ اہل بغداد کی شکایت کچھ نالاں بیان کرتے ہیں۔

بکشای ساقیا بلب، شط سر سبوی وز خاطرم کدورت بغدادیان بسوی

جامی کے زمانے میں ایرانی سلطنت دو حکومتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مشرق میں تیموری تھے جن کا دارالحکومت سمرقند اور ہرات تھے جب کہ مغرب میں ترکمان سلاطین کی حکومت تھی جن کا دارالسلطنت تبریز تھا۔

امیر تیمور کے بعد اسکا بیٹا شاہ رخ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں جامی نے تعلیم حاصل کی۔ ابو سعید گورگانی کے عہد میں جامی نے اپنا پہلا دیوان مرتب کیا۔ ایک مثنوی میں سلطان ابو

Scanned with CamScanner

سعید کی مدح میں بھی چند شعر کہے۔ آخری تیموری سلطان حسین بایقرا تھا جس کا وزیر میر علی شیر نوائی بڑا علم دوست، حضرت جامی سے اس کو خاص عقیدت تھی۔ آپ نے اکثر کتابیں میر علی کی فرمائش پر تصنیف کیں۔ جامی نے وفات پائی تو میر علی نے آپ کا مرثیہ کہا۔

اسی طرح ترکمان سلاطین سے بھی جامی کو قرب حاصل رہا۔ آپ نے ایک مثنوی "سلامان و ابسال" آخری حکمران یعقوب بیگ کے نام منسوب کی ہے۔ آپ کے دیوان سوم، "خاتمہ الحیوۃ" میں بھی یعقوب بیگ کی مدح میں چند قصائد موجود ہیں۔ نویں صدی ہجری کے آخری نصف حصے میں جامی کی شہرت کا آفتاب پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ اس وقت ایشیائے کوچک میں عثمانی سلاطین کی حکومت تھی۔ جامی کے مراسلات میں سلطان محمد فاتح اور سلطان بایزید دوم کے نام ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جامی کے علم و فضل کا چرچا مشرقی ایران سے نکل کر استنبول تک جا پہنچا تھا۔ یہ سلطان بھی جامی کو انعام و اکرام بھیجتے رہتے تھے۔

جامی نے صفویوں کا دور بھی دیکھا۔ صفوی حکمران شیعہ تھے جب کہ مولانا جامی اہل سنت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس لیے وہ انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ شائد اسمٰعیل صفوی نے جب ہرات فتح کیا تو کتابوں میں جہاں جہاں جامی کا نام لکھا تھا اس نے حکم دیا کہ اسے نقطہ بدل کر خامی کر دیا جائے۔ اس واقعہ سے ان کی دشمنی کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن معاصرین نے انہیں بڑی عزت و تکریم سے یاد کیا ہے۔ جیسے شہنشاہ بابر نے اپنی توزک میں ان کی بڑی عزت افزائی کی ہے۔ یہ بات حیرت کا باعث ہے کہ شاہ اسمٰعیل صفوی کے بیٹے سام نے اپنی تصنیف "تحفہ سامی" میں لکھا ہے کہ جامی کی ذہانت کی وجہ سے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کا حال مفصل لکھوں کیونکہ ان کے اوصاف کی کرنیں مشرق سے مغرب اقصیٰ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی سام مرزا صفوی نے اپنی اسی تصنیف میں جامی کی تصانیف نظم و نثر کی تعداد 45 بتائی ہے۔ ان کتابوں میں تفسیر تا بہ شواہد نبوت، اشعۃ اللمعات، نفحات الانس اور آپ کے شعری مجموعہ بہت اہم ہیں۔ ہم ذیل کے صفحات میں آپ کی چند تصانیف کے بارے میں معلومات پیش کریں گے۔

نفحات الانس:

نفحات الانس میں پانچ سو بیاسی صوفیائے کرام کا حال درج ہے۔ پہلے مقدمہ لکھا گیا ہے۔ پھر صوفیا کی اصطلاحات اور معرفت و حقیقت کا بیان ہے۔ بعد میں صوفیاء کی کرامات کا حال دیا گیا ہے۔

شواہد نبوت:

یہ کتاب سات ارکان (ابواب) اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمہ، نبوت اور رسالت کے بیان میں ہے۔ اس تصنیف کا سال تالیف 1480 ہے۔

Scanned with CamScanner

رکن اول میں وہ شواہد اور دلائل پیش کیئے گئے ہیں جو آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت سے پہلے اور اس موقع پر پیش آئے۔

رکن دوم میں آنحضرتؐ کی ولادت سے بعثت تک کے شواہد پیش کیئے گئے ہیں۔ رکن ثالث میں بعثت تا ہجرت تک کے دلائل و براہین ہیں۔ رکن خامس میں وہ دلائل و شواہد ہیں جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ظہور میں آئے مولانا نے صرف اس پر بس نہیں کیا بلکہ صحابہ کرامؓ اور تبع تابعین کے زمانے میں اور آئمہ اہل بیت سے ظاہر ہونے والے شواہد نبوت بھی رکن سادس میں اور رکن سابع دے دیئے ہیں۔

اشعۃ اللمعات:

مولانا جامی کی یہ تصنیف شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی کی کتاب ''لمعات'' کی تشریح ہے جو میر علی شیر نوائی کی خواہش پر مولانا نے 886ھ/ 1481ء میں لکھی تھی۔

بہارستان:

بہارستان سعدی کی تصنیف ''گلستان'' کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ اس کا سال تالیف 892ھ/ 1487ء ہے۔

مثنویات ہفت رنگ:

جامی کی سات مختلف مثنویوں کا مجموعہ جسے ہفت رنگ یا سعد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے مقدمے سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے پہلے نظامی اور امیر خسرو کی تقلید میں پانچ مثنویاں لکھیں بعد میں دو اور کا اضافہ کر کے خمسہ کو سبعہ کر دیا۔

سلسلہ ذہب:

یہ بھی مثنوی ہے۔ اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور دینی مسائل بیان کیئے گئے ہیں۔ اس مثنوی کا انداز حکیم سنائی اور جام جم اور حدی کا سا ہے۔ یہ تصنیف مولانا نے سلطان حسین بایقرا کے نام سے منسوب کی ہے۔

سلامان وابسال:

یہ ایک مثالیہ داستان ہے جو عشقیہ، مثنوی کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ اس کا نفس مضمون ایک یونانی بادشاہ کے بیٹے سلامان اور اس کی نرس ابسال کے گرد گھومتا ہے۔ یہ نرس شہزادے کے عشق کی اسیر ہو جاتی ہے۔ بادشاہ کو یہ عشق ایک آنکھ نہیں بھاتا جس پر یہ نرس شہزادے کو ایک ارضی جنت میں لے جاتی ہے جہاں وہ دونوں اس جنت ارض کی آگ میں کود پڑتے ہیں۔ رقاصہ زہرہ کے جادو سے ابسال جل کر خاک ہو جاتی ہے مگر شہزادہ بچ جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

دیوان جامی:

جامی نے اپنے دیوان کی تین مرتبہ ترتیب و تدوین کی۔ پہلی مرتبہ 1478ء میں دوسری مرتبہ 1480ء میں کچھ اشعار کا اضافہ کیا۔ آخری مرتبہ 1490ء میں اپنی وفات سے ایک سال پہلے اپنے دیوان کی تدوین کی۔ اگرچہ جامی غزلیات میں سعدی، حافظ کا مقام نہیں لے سکے۔ نہ قطعات میں سنائی اور ابن یمین کی برابری کر سکے نہ رباعیات میں خیام کے ہم پلہ قرار دیئے گئے مگر نعتیہ کلام اور عارفانہ مطالب کو جس طرح انہوں نے پیش کیا وہ صرف انہیں کا حصہ ہے۔

نسیما جانب بطحا گذر کن

Scanned with CamScanner

1485ء۔ انگلستان میں ٹیوڈور حکومت

انگلستان کا بادشاہ رچرڈ سوم جو یارک خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ 1485ء میں انگلستان کے تاج وتخت کے ایک اور دعویدار ہنری ٹیوڈور سے بوسورتھ Battle Of Bosworth کے میدان میں نبرد آزما تھا کہ اچانک اس کے سر سے تاج شاہی گر گیا۔ یہ جنگ رچرڈ سوم کی آخری جنگ ثابت ہوئی اس لیے بدشگونی سے گرنے والا یہ تاج پھر کبھی اس کے سر پر نہ رکھا جاسکا اور وہ میدان جنگ میں کام آیا۔ دوسری طرف یہی تاج ہنری ٹیوڈور کے ایک ساتھی لارڈ مینلے کو جھاڑیوں سے گرا ہوا ملا اور اس نے یہ تاج اٹھا کر ہنری ٹیوڈور کے سر پر رکھ دیا۔ یوں قدرت نے ٹیوڈور خاندان کو تخت انگلستان کا وارث بنا دیا۔

تاج شاہی پہننے کے بعد ہنری ہفتم نے ایڈورڈ چہارم کی بیٹی ایلزبتھ آف یارک سے شادی کرلی۔ جس سے دونوں خاندانوں میں چلی آنے والی قدیم مخالفت ختم ہوگئی اور ٹیوڈور خاندان کی حکومت مضبوط ہوگئی۔ انگلستان میں ٹیوڈور خاندان کے پہلے بادشاہ ہنری ہفتم نے 1483ء میں فرانس میں اپنی جلاوطنی کے دوران تخت کا دعویٰ کیا تھا۔ ٹیوڈور خاندان کی بادشاہت ایلزبتھ اول کے عہد میں اپنے عروج کو پہنچی۔

ہنری ہفتم نے برسراقتدار آنے کے بعد جہاں اپنے دشمنوں کو ختم کیا وہاں بڑے بڑے جاگیرداروں کی طاقت کو بھی کچل کر رکھ دیا۔ اس نے محلات اور خدمت گاروں پر بھی ٹیکس عائد کردیا۔ جب ارل آف آکسفورڈ نے اپنی ریاست میں ہنری کا استقبال کیا تو اس کی پاداش میں اسے 10000 پاؤنڈ جرمانہ کرکے ہنری نے سب کو حیران کردیا۔ مگر اس بے وجہ جرمانے سے امراء کو اپنی اطاعت پر مجبور کرنا آسان ہوگیا، کیونکہ خانہ جنگی کی وجہ سے طاقتور سے طاقتور امیر بھی کمزور ہوچکا تھا۔ اس کے باوجود ہنری نے جس سرعت اور جس شدید سختی سے کام لیا اس کے لیے بھی بہادری اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ بادشاہ کی طاقت پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی اور ملک نے بھی ترقی کی۔ 1497ء میں لندن آنے والے وینس کے سفیر نے اپنے روزنامچے میں لکھا تھا کہ اب لندن فلورنس اور وینس جتنا امیر ہوگیا ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں ملک میں نئے اسکول وکالج تعمیر کیے گئے۔

ہنری نے قانون سازی کے لیے بھی کام کیا مگر اس نے اپنے عہد میں پارلیمنٹ کا استعمال بہت کم کیا۔ خاص طور پر جب وہ محصولات کے مربوط نظام اور شاہی انتظامیہ کے ذریعے روپیہ جمع

Scanned with CamScanner

کرنے کے قابل ہوگیا تو اس نے کبھی پارلیمنٹ پر توجہ نہیں دی۔ 1492ء میں جب اس نے فرانس کے خلاف جنگ لڑی تو پارلیمنٹ نے اسے جنگ کے اخراجات کے لیے رقم جمع کرنے کا اختیار دیا۔

ہنری ہفتم ایک شاہ خرچ انسان تھا۔ اس نے کتابوں، موسیقی اور اپنی سلطنت میں تقریبات کے انعقاد پر بہت روپیہ صرف کیا۔ اس نے ویسٹ منسٹر ایبے میں عظیم کلیسائے ہنری ہفتم تعمیر کرایا۔ کیمبرج میں کنگز کالج کی تعمیر کے اخراجات اپنی جیب سے ادا کیئے۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جس کی زندگی کا پہلا حصہ خطرات اور جلاوطنی میں گزرا اور جس نے نہایت بہادری سے مشکلات کا مقابلہ کیا۔ اس نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ اب کبھی کمزور نہیں پڑے گا۔ آخری ایام میں وہ ترکوں کے خلاف جنگ میں شرکت کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اس نے اس جنگ میں شرکت کی شرط یہ رکھی تھی کہ اور شاہان یورپ بھی اس کا ساتھ دیں۔ 1501ء میں ہنری ہفتم کے بیٹے پرنس آرتھر کی شادی کیتھرین آف آراگان سے طے پائی۔ یہ شہزادی جب بہت سا جہیز لے کر لندن پہنچی تو شہزادہ آرتھر کا انتقال ہوگیا۔ 1503ء میں اس کی منگنی ہنری نے اپنے دوسرے بیٹے پرنس آف ویلز سے کردی جو بعد ازاں ہنری ہشتم کے نام سے تخت پر بیٹھا تھا۔ ان دونوں کی شادی 1509ء میں ہوئی۔ اس سے پہلے شاہ اسپین فرڈیننڈ پنجم اور ہنری دونون اس شادی پر غور کرتے رہے کہ آیا یہ نئی شادی قانونی طور پر جائز ہے کہ نہیں۔ پھر دونوں نے سیاسی وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے شادی کردی۔

ہنری کی بیوی کی وفات کے بعد خیال تھا کہ وہ خود کیتھرین کی جوانا آف تھسالیہ سے شادی کرے گا مگر ایک بڑی سلطنت کی تنہا وارث ہونے کے باوجود اس کا ذہنی وازن درست نہیں تھا۔ اس لیے ہنری نے اس سے شادی کا ارادہ ترک کردیا اور نوجوان بیوہ ملکہ نیپلز سے شادی کا ارادہ کرلیا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے سفیروں کو نیپلز بھیجا اور معلومات حاصل کیں کہ ملکہ کیسی ہے۔ مگر اس شادی کی محرک ملکہ کی جائیداد تھی جس کے بارے میں ہنری خوب جانتا تھا۔

1495ء میں ہنری ہفتم نے پارلیمنٹ کے اجراء کے بارے میں ایک فرمان جاری کیا۔ جس کے مطابق واضح کردیا گیا کہ آئرلینڈ کی پارلیمنٹ شاہ انگلستان کی منظوری کے بغیر اجلاس منعقد نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس پارلیمنٹ میں کوئی قانون شاہ کی منظوری کے بغیر پیش کیا جاسکتا ہے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم۔ 100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا۔ تاریخ تہذیب

Scanned with CamScanner

1487ء۔ پرتگیز "راس امید" کے گرد

پرتگیز بادشاہ جان دوم John II کے دربار میں ایک پرتگیز جہاز راں اپنے اکتشافی سفر کی روائیداد بیان کررہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ براعظم افریقہ کے انتہائی جنوبی سرے سے گھوم کر بحراوقیانوس سے بحرہند میں داخل ہوگیا تھا مگر آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ سمندر کے اس حصے میں اتنے شدید اور خطرناک طوفان آتے ہیں کہ ہم اس سرزمین کو "راس طوفان Cape of Storm" کہنے پر مجبور ہوگئے۔ بادشاہ جان اس ملاح کی یہ داستان سن کر گہری سوچ میں ڈوب گیا وہ اپنے خیالوں میں پرتگیز ملاحوں کو اس طوفانی راس سے آگے بحرہند میں سفر کرتے دیکھ رہا تھا۔ بادشاہ نے کچھ سوچنے کے بعد اس جہاز راں کو کہا کہ اگر ہم اس سرزمین کو "راس طوفان" کا نام دیں گے تو آئندہ کوئی جہاز راں، جہاز کے غرقاب ہونے کے خطرے کے باعث اس طرف جانے کی جرات نہ کرے گا اور پرتگیز اس راس سے آگے بحری سفر ترک کردیں گے۔ کیوں نا ہم اس سرزمین کو "نیک امیدوں Cape of Goo Hope" کی سرزمین کہیں تاکہ آئندہ جو مہم جو ہندوستان کے لیے راستے کی دریافت کے لیے بحرہند میں داخل ہونا چاہیں وہ نیک تمناؤں کے ساتھ اس طرف جاسکیں گے۔

یہ جہاز راں بارٹولومیو ڈیاز Bartholomewdias، (1457ء۔ 1500ء) تھا جو 1487ء میں راس امید تک پہنچا۔ اس سے پہلے وہ افریقہ کے مغربی ساحل تک کئی بار سفر کرچکا تھا۔ 1487ء میں پرتگال کے بادشاہ جان دوم نے اسے حکم دیا کہ وہ افریقہ کے گرد چکر لگائے تاکہ ہندوستان کے لیے راستہ تلاش کرنے کا جائزہ لیا جاسکے۔ بادشاہ کے حکم پر ڈیاز 3 بحری جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ پرتگال سے روانہ ہوا۔ دریائے آرنج کے دہانے تک اس نے افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کیا مگر پھر تیز وتند ہوائیں اسے جنوب کی طرف کھلے سمندر میں لے گئیں۔ راس امید کو دیکھے بغیر وہ گھوم کر خلیج موسل میں اترا جو موجودہ جنوبی افریقہ کی یونین میں شامل ہے۔ ڈیاز نے اپنا بحری سفر جاری رکھا حتیٰ کہ افریقی ساحل کے گھماؤ سے اس پر یہ ظاہر ہوا کہ وہ بحرہند میں داخل ہوچکا ہے۔ وہ اغلب تھا کہ اسی سفر میں ہندوستان کے ساحلوں تک پہنچ جاتا مگر اس کے تھکے ماندے اور خستہ حال ملاحوں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور وہ بغاوت پر اتر آئے۔ دراصل ملاح اس خوف میں مبتلا تھے کہ وہ کبھی ہندوستان تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے اور طوفانی تھپیڑے انہیں سمندر کی تہہ میں پہنچادیں گے، اس پر مستزاد یہ کہ بیشتر ملاح بیمار پڑ گئے

Scanned with CamScanner

اور موت کا شکار ہو گئے۔ ملاحوں کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے بارٹولومیو ڈیاز پرتگال واپسی پر مجبور ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں اس نے راس امید کو دریافت کیا۔ اس دریافت سے ہندوستان کا راستہ جلد دریافت ہو جانے کی امید بندھ گئی۔ ڈیاز اور اس کے ساتھی اس مہم سے دسمبر 1488ء میں واپس پرتگال آئے۔ 1494ء میں شاہ پرتگال نے دو نئے بحری جہاز تیار کرانے کا حکم دیا۔ انہیں جہازوں میں بعد ازاں واسکوڈی گاما نے ہندوستان تک کا سفر کامیابی سے کیا۔

پھر جب واپسی پر ڈیاز نے اپنی اس کامیابی کی روائیداد بادشاہ جان کو سنائی تو بہت سے مہم جو ہندوستان کا راستہ دریافت کرنے پر نکل پڑے۔

ہندوستان کی دریافت کا سفر بادشاہ جان دوم کے جانشین مانویل اول کے عہد میں ہوا۔ مارٹولومیو ڈیاز واسکودی گاما کی اس مہم میں مغربی افریقہ کے مقام منی Mina تک شریک تھا۔

واسکوڈی گاما کی ہندوستان سے کامیاب واپسی پر ہندوستان کے لیے ایک اور مہم تیار کی گئی جس کی قیادت پیڈرو آلواریز کابرال کے سپرد تھی۔ ڈیاز اس مہم میں بھی شریک تھا۔ ایک چھوٹے جہاز کی قیادت اسے دی گئی تھی۔ کابرال کے بحری بیڑے نے مشرق کی طرف راس امید کے لیے سفر کا آغاز کیا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر وہ بھٹک کر مغرب کی سمت میں سفر کرتے ہوئے برازیل جا پہنچے۔ اس دریافت میں ڈیاز شریک مہم تھا۔ جب کابرال نے برازیل سے واپسی پر راس امید کے گرد چکر لگایا تو راس امید کے دریافت کنندہ کا جہاز طوفان میں کہیں کھو گیا۔ اور انہیں پانیوں میں گم ہو گیا جہاں اس نے سب سے پہلے جہاز رانی کی تھی۔

افسوس اس عظیم جہاز راں اور اولین یورپی مفتش کی کوئی یادگار یا تصویر دست برد زمانہ سے نہیں بچی۔ البتہ اس کے پوتے پاؤلو ڈیار کو بعد ازاں پرتگیز حکومت نے انگولا کا گورنر مقرر کیا تھا۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا ورلڈ بک جلد 5 بذیل مادہ ''ڈیاز''

Explorers by David Marshal

Scanned with CamScanner

1492ء۔ سقوط غرناطہ

2 جنوری 1492ء کو چشم فلک نے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ غرناطہ میں مسلمانوں کے عظیم محل الحمراء کی طرف ایک جلوس بڑھ رہا تھا یہ جلوس مسلمانوں کا نہیں بلکہ بازیافت اسپین کے متوالے عیسائیوں کا تھا۔ اس جلوس میں بے شمار اسقف اور پادری لباس فاخرہ پہنے ہوئے شامل تھے اور رنگا رنگ کے پھریرے اور جھنڈے تھامے ہوئے تھے۔ قسم ہا قسم کی صلیبوں کی نمائش کی جاری تھی اور کیوں نہ ہو آج صلیب ہلال پر سبقت لینے جا رہی تھی۔ فاتح غرناطہ ملکہ ازابیلا اور فرڈیننڈ پنجم اس جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ راستے بھر بادشاہ اور ملکہ کو فتح غرناطہ کی مبارکباد ملتی رہی جب یہ جلوس قصر الحمراء کے صدر دروازے پر پہنچا تو غرناطہ کے آخری مسلمان تاجدار ابوعبداللہ نے اپنے حشم و قدم کے ساتھ پیشوائی کی۔ اس نے بڑھ کر شاہ فرڈیننڈ کی آستین کو بوسہ دیا اور بڑے احترام کے ساتھ الحمراء کی چابیاں بوجھل ہاتھوں سے فرڈیننڈ کو پیش کیں۔ فرڈیننڈ نے یہ چابیاں اپنی ملکہ کے سپرد کر دیں ملکہ نے انہیں اپنے ایک وفادار کاؤنٹ ٹنڈیلا کو تھما دیں۔ کاؤنٹ اپنے پانچ ہزار جانبازوں کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے الحمراء پر بادشاہ اور ملکہ کے نام پر قبضہ کر لیا۔ الحمراء کے سب سے بلند برج سے ہلال ہٹا کر صلیب نصب کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی ہلال آٹھ سو سال کی اقبال مندی کے بعد ہمیشہ کے لیے جزیرہ نما اسپین سے رخصت ہو گیا۔

2 جنوری 1492ء کا یہ دن اندلس کی تاریخ میں مسلمانوں کے لیے سیاہ ترین دن تھا۔ اس دن اسپین پر مسلمانوں کا سات سو اسی سال سالہ دور اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ مسلمانوں کا وہ عہد عروج جو طارق بن زیاد کے یہاں لنگر انداز ہونے سے شروع ہوا تھا آج مکمل طور پر گہنا گیا۔

سقوط غرناطہ کا یہ آخری سین کئی سال کے مذاکرات اور خط و کتابت کی صورت میں فرڈیننڈ و ازابیلا اور ابوعبداللہ کی حکومتوں کے مابین طے پایا تھا۔ اس سلسلے میں 25 نومبر 1491ء کو 67 شقوں اور پانچ ذیلی دفعات پر مشتمل معاہدہ سقوط غرناطہ کی ذیل دستاویز ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈیننڈ کی خدمت میں حتمی منظوری کے لیے پیش کی گئی جو انہی کی ایما پر ان کے معتمد خاص فرنانڈو زافرا نے تیار کی تھی۔ اس دستاویز کی اہم شقوں میں سے کچھ مندرجہ ذیل پیش کی جا رہی ہیں۔

(۱) اولاً مسلمانوں کا بادشاہ ملٹری چیف، عدلیہ کے حکام اور دیگر حکومتی مشینری کے لوگ، غرناطہ سے گرد و نواح کے مسلمان امن، محبت اور نیک امیدوں کے ساتھ اگلے چالیس

Scanned with CamScanner

دن میں قصر الحمرا اور قصر الخزان فرڈینڈ واز بیلا یا ان کے نمائندوں کے حوالے کر دینے کا عہد کرتے ہیں۔

(۲) چالیس دنوں کے بعد مسلمان رضا کارانہ طور پر غیر مشروط طور پر سقوط کی تکمیل کریں گے۔

(۳) سقوط کی شرائط پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے ابوعبداللہ کا معتمد خاص یوسف بن قاسم اور ابوعبداللہ کا بیٹا مع دیگر پانچ سو یرغمال شاہی حکومت کے حوالے کیئے جائیں گے۔

(۴) قصر الحمراء اور قصر الخزان کے سقوط کے ساتھ ہی مسلم اندلس کے تمام علاقے اور ان میں مقیم مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا اور ملکیت تصور ہوں گے۔

(۵) ملکہ از ابیلا اور فرڈینڈ کی مشترکہ افواج چالیس روز تک مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں معطل رکھیں گے۔

(۶) مسلمانوں کے بادشاہ کو قشتالیہ کی حکومت سے وفاداری کا حلف اٹھانا ہوگا۔

(۷) بلا امتیاز امیر و غریب، چھوٹے بڑے تمام مسلمانوں کے مال و جان کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔

(۸) مسلمانوں کے اجتماعی املاک (مساجد) میناروں اور منبروں کو تحفظ حاصل ہوگا۔

(۹) مسلمانوں کو (عیسائی سلطنت) مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کی اس آزادی کو تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

(۱۰) تین سال کے اندر جو مسلمان افریقہ جانا چاہیں انہیں بلا معاوضہ کسی بھی ہسپانوی بندرگاہ سے جانے کی اجازت ہوگی۔

(۱۱) جو عیسائی مذہب اسلام میں داخل ہو گئے ہیں انہیں اسلام ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۱۲) اگر کوئی مسلمان عیسائیت قبول کرنا چاہیے تو وہ برضا و رغبت ایسا کر سکتا ہے۔ مگر اس کے تصفیہ کا مسلمانوں کو اختیار ہوگا۔

(۱۳) مسلمانوں کے ملبوسات، مال اسباب، پرندے اور دیگر ذاتی اثاثے چھین لینے پر پابندی ہوگی۔

(۱۴) مسلمانوں کو شاہی افواج میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۱۵) غرناطہ اور اس کے نواح میں جو یہودی آباد ہیں ان پر اس معاہدے یکساں اطلاق ہوگا۔

اس معاہدے کو موثر بنانے کے لیے اس پر پاپائے روم کے دستخط ثبت کرائے جائیں اور وہ

Scanned with CamScanner

ہی اس کے ضامن اور تعمیل کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے۔

دستخط	دستخط	دستخط	دستخط
امیر ابوعبداللہ	از ابیلا و فرڈینینڈ	ابوالقاسم عبدالملک (گورنر غرناطہ)	فرنانڈوز افرا (شاہی معتمد خاص)

معاہدہ سقوط غرناطہ اپنی نوعیت میں مسلمانوں کے حق میں جتنا بے ضرر نظر آتا ہے۔ حقیقتاً اس کی مکمل 67 شقیں انتہائی ضرر رساں ثابت ہوئیں۔ معاہدہ کی کسی ایک شق پر بھی عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے بعد میں دنیا میں معاہدوں سے پھرنے کے رجحان نے زور پکڑا۔

عیسائی بادشاہ فرڈینینڈ پنجم اور ملکہ از ابیلا کے مقدر میں تحریک بازیافتہ اسپین کی اس مہم کا اعزاز حاصل کرنا لکھا تھا جو کئی صدیوں سے مدھم مدھم چلتی رہی تھی۔ آخری وقت میں فرڈینینڈ مالیاتی طور پر اس قدر پریشان تھا کہ اسے اپنے تاج تک گروی رکھنا پڑا مگر اس نے یہ مہم جاری رکھی نومبر 1491ء میں اس کی فوجوں نے مسلمانوں کے اندلس میں اس آخری حصار (غرناطہ) کا محاصرہ کرلیا۔ اگر چہ ابوعبداللہ پہلے ہی قشتالیہ کی حکومت کا تنخواہ دار تھا۔ مگر عوام کے ڈٹ جانے کی وجہ سے محاصرہ طویل ہوتا چلا گیا عیسائی افواج نے اہل شہر کی تمام رسد کاٹ دی اور توپوں سے کام لینے کی بجائے بھوکے مارنے کی یہ تدابیر بالآخر کامیاب ہوگئیں اور شہر والوں نے گورنر ابوالقاسم کو شرائط اطاعت طے کرنے کے لیے عیسائیوں کے پاس بھیجا۔

ادھر 31 دسمبر 1491ء کو امیر ابوعبداللہ نے غرناطہ کی عوام سے خطاب کیا اور شدت غم سے رندھی ہوئی آواز میں خود پر ماتمی کیفیت طاری کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اپنے باپ سے بغاوت کر کے تاج شاہی حاصل کرنا میرا جرم تھا، جس کے نتیجے میں آج یہ دشمن ہماری سلطنت تک آ پہنچا۔ میرے اللہ نے میری یہ تقصیر میرے سر پر دکھ دی۔ میں نے تمہیں تلوار سے بچانے کی خاطر یہ معاہدہ کیا ہے اور تمہیں فاقہ زدگی، اور تمہارے ازدواج اور بیٹیوں کو جنگ کی ہولناکی سے بچانے کے لیے بلکہ تمہارا مستقبل اور تمہارے مذہب کی بقا کے لیے تمہیں بد قسمت ابوعبداللہ کی بجائے خوش بخت حاکم (فرڈینینڈ از بیلا) کی پناہ میں دیتا ہوں۔

معاہدہ کی رو سے 40 دن دیئے گئے تھے مگر ابوعبداللہ اس قدر پریشان و سراسیمہ اور خوف زدہ ہوا کہ مندرجہ بالا تقریر کے دوسرے دن ہی اس نے فرڈینینڈ کو پیغام بھیجا کہ وہ شہر پر قبضہ کرلے۔

اور پھر چشم فلک نے وہ نظارا دیکھا جو اوپر بیان کیا گیا۔ ابوعبداللہ الحمرا کے جس دروازے سے باہر نکلا اس نے اسے اس غرض سے چنوادیا کہ اس کے بعد اس دروازے سے کوئی قصر میں داخل نہ ہوسکے۔ یہ دروازہ آج بھی اسی حال میں ہے۔ سلطان ساتھیوں کے ساتھ سیدھا فرڈینینڈ

Scanned with CamScanner

کی طرف آیا۔ فرڈیننڈ نے گھوڑے سے اتر کر اسے گلے سے لگایا امیر نے اسے قصر کی چابیاں پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کنجیاں اندلس میں عربوں کے اقتدار کی آخری نشانی ہیں۔"

فرڈیننڈ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے وعدوں پر اعتبار کرو۔ جب ابوعبداللہ الحمرا سے نکل کر البشارات کی ایک چوٹی پر پہنچا تو الحمرا پر آخری نگاہ ڈال کر زار و قطار رونے لگا۔ اس کی ماں ملکہ عائشہ اس کی یہ حالت دیکھ کر اپنے زخمی دل کو سخت کر کے بولی۔

"جب تم باوجود ایک مرد اور سپاہی ہونے کے اپنے بزرگوں کی اس یادگار کو مردانہ وار بچا نہ سکے اب تمہیں عورتوں کی طرح اس گمشدہ شے پر رونے کا کیا حق حاصل ہے؟"

ابوعبداللہ نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا۔

"جو صدمہ اس وقت میرے دل پر گزر رہا ہے وہ کسی دوسرے کو ہرگز نصیب نہ ہوگا۔"

تاریخ نے اس کی یہ آہ محفوظ کر لی اور وہ مقام آج بھی "مور کی آخری آہ" کے نام سے مشہور ہے۔

عیسائی حکمران اپنے وعدوں پر قائم نہ رہ سکے اور اسی ملکہ جس نے مسلمانوں کو ہر قسم کی مراعات دینے کا معاہدے میں وعدہ کیا تھا۔ 1499ء میں پہلا فرمان یہ جاری کیا کہ جو عیسائی نہ ہوا تو اسے اسپین چھوڑنا پڑے گا۔ پھر اگلی شرط یہ نافذ کی گئی کہ عربی زبان اور عربی ملبوسات چھوڑ دو یا اسپین۔ پھر یہ کہ اسپین چھوڑ دو والی یہ سہولت بھی چھین لی گئی اور مسلمانوں کو کہا گیا کہ دنیا چھوڑ دو یا اسلام۔

Scanned with CamScanner

1492ء۔کولمبس ''نئی دنیا'' کے سفر پر

ایک شام ایک ملاح بھاگا بھاگا کولمبس (کپتان) کے پاس خوشخبری سنانے کے لیے آیا کہ دور افق کے اس پار خشکی نظر آ رہی ہے اور اس نے اپنا انعام مانگا، کولمبس نے گھٹنوں کے بل جھک کر خدا کا شکر ادا کیا۔ چونکہ شام کے دھندلکے چھا گئے تھے اور صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے کسی نے بھی اس وقت اس خوشخبری کی سچائی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کو من عن درست تسلیم کر لیا تھا۔ رات بھر اس خوشی میں جہاز پر جشن منایا گیا مگر جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ جسے خشکی کا ٹکڑا سمجھ لیا گیا تھا وہ دراصل افق کے پار گھومتا ہوا ایک آوارہ بادل کا ٹکڑا تھا۔

مہینوں سے سمندر کے سینے پر سفر کرتے ہوئے جہازیوں کی کمر اس ناکامی نے توڑ دی۔ اب انہیں گھر کی یاد ستانے لگی۔ انہوں نے کولمبس سے پوچھا کہ جس ہندوستان کی وہ تلاش میں نکلے ہیں وہ کہاں ہے؟ ہم اب تک وہاں کیوں نہیں پہنچے؟ اور کب پہنچیں گیں؟ ان سوالات کے جواب میں کولمبس نے اپنے جہازیوں کی ہمت بڑھائی اور پھر چند روز اس طرح سفر میں گزر گئے۔ ایک دن انہیں کچھ پرندے جہازوں پر اڑتے دکھائی دیئے۔ کولمبس اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ یہ پرندے ہمیشہ خشکی کے نزدیک نظر آتے ہیں۔ وہ مطمئن ہو گئے کہ وہ خشکی کے کہیں آس پاس ہی ہے مگر کئی روز گزر گئے اور متوقع خشکی دکھائی نہ دی ایک مرتبہ پھر بددلی چھا گئی مگر کولمبس کسی قیمت پر واپسی جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ اسی دوران ایک مرتبہ پھر پرندوں کی ایک ڈار پرواز کرتی ہوئی دکھائی دی۔ جہازی ناکامی کی صورت میں بغاوت پر تلے ہوئے نظر آ رہے تھے کہ ایک دن آخر ایک طرف سے آواز بلند ہوئی ''وہ رہی خشکی'' اور واقعی ان کے سامنے خشکی کا ایک وسیع ٹکڑا پھیلا ہوا تھا۔

کولمبس نے سوچا کہ وہ ہندوستان کے مغرب میں کسی جزیرہ پر پہنچ گئے ہیں اور اب ہندوستان نزدیک ہی ہے۔ چنانچہ اس نے اس جزیرہ کا نام ''جزیرہ غرب الہند'' رکھا۔ اس جزیرے کے آس پاس پھیلے ہوئے جزیروں کو بھی یہی نام دیا۔ کولمبس نے خشکی پر اتر کر زمین کو چوما اور پھر اس پر ہسپانیہ کا جھنڈا گاڑ کر شاہ ہسپانیہ کے نام پر قبضہ کر لیا۔ اس مقام کا نام ''سان ڈیاگو'' رکھا گیا۔ یوں کولمبس نکلا تو ہندوستان کی تلاش میں مگر ایک نئی دنیا اور نئے براعظم میں پہنچ گیا جسے بعد ازاں امریکہ کا نام دیا گیا۔ سان ڈیاگو اسی براعظم کا ایک جزیرہ ہے۔

کولمبس کی صحیح تاریخ پیدائش کا تو پتا نہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ وہ 1440ء اور 1450ء

Scanned with CamScanner

کے درمیان اٹلی کی بندرگاہ جینواء میں ایک جولاہے کے ہاں پیدا ہوا۔ وہ نامساعد گھریلو حالات کی وجہ سے چند سال سے زیادہ تعلیم نہ حاصل کرسکا اور کپڑا بننے میں جت گیا۔ چودہ سال کی عمر تک باپ کا ہاتھ بٹانے کے بعد وہ ایک جہاز پر ملازم ہوگیا۔ اس طرح جینوا میں ہی اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا پھر جہاز رانی کے بارے میں اس کا تجسس بڑھا اور اس نے اس بارے میں اتنا علم حاصل کیا کہ اسے معلوم ہوا کہ زمین گول ہے اس لیے بحری جہاز چلتے چلتے نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے۔

انیس بیس سال کی عمر میں وہ اٹلی چھوڑ کر پرتگال میں آباد ہوگیا اور اس نے ایک پرتگالی عورت سے شادی کرلی۔ پرتگال ہی میں اسے ایک نقشہ نویس کے ہاں ملازمت مل گئی جو آگے چل کر اس کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس زمانے میں اہل یورپ تاریک دور سے نکل کر عہد اکتشاف میں داخل ہورہے تھے۔ کولمبس نے بھی اس دور میں ہندوستان کے متعلق اور اس کی افسانوی دولت کے متعلق سنا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مغرب کی سمت میں بھی بحری سفر کیا جائے تو زمین گول ہونے کے ناطے ایک دن ہندوستان پہنچا جاسکتا ہے۔ کولمبس نے اس مقصد کے لیے اس نے پرتگال کے مشہور جہاز راں پرنس ہنری سے رابطہ کرنا چاہا مگر وہ وفات پاچکا تھا اس لیے اس کی نگاہیں ملکہ اور بادشاہ ہسپانیہ پر پڑیں جو اسکی مدد کرسکتے تھے۔ کولمبس کو ملکہ ازابیلا اور شاہ فرڈی ننڈ پنجم کے دربار تک پہنچنے میں کافی مشکلیں پیش آئیں مگر بہرحال ملکہ اور بادشاہ نے کولمبس کی مدد کرنے کا وعدہ کرلیا۔

آخر 3 اگست 1492ء کو جمعہ کے روز سورج نکلنے سے پہلے وہ ہندوستان کی تلاش کے سفر پر نکلا۔ اسے اپنا ہندوستان کی تلاش کا خواب سچا ہوتا نظر آیا اس نے اپنے سفر کا آغاز مغرب کی طرف روانگی سے کیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مسلسل مغرب کی سمت میں سفر کیا جائے تو ایک دن ہندوستان پہنچا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ایک مقام پر مغرب و مشرق گلے ملتے تھے۔ راستے کی مشکلات نے اگرچہ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی کمر توڑ دی مگر اس نے سفر جاری رکھا۔ اس کے ساتھی اس سفر میں اٹھاسی آدمی اور تین بحری جہاز تھے جن کے نام "سانتا ماریا، پینٹا اور نینا" تھے۔

موسم کی خرابی کی وجہ سے انہیں پورے ایک ماہ تک میڈریا میں رکنا پڑا ساتھ ہی جہاز پینٹا میں کچھ خرابی ہوگئی تھی وہاں قیام کے دوران وہ بھی درست کرلی گئی۔ یہاں سے روانگی کے بعد جب انہیں سمندر میں سفر کرتے ہوئے ہفتوں گزر گئے تو کولمبس نے اعلان کیا کہ جو شخص سب سے پہلے خشکی دکھائی دینے کی خوشخبری لائے گا اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔

پھر اس کے ملاح کے غلط خوشخبری دینے کے بعد آخر وہ 12 اکتوبر 1492ء کی صبح ایک انجانی دنیا تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس مہم سے واپسی پر اسپین میں اس مہم جو کا فقید المثال

Scanned with CamScanner

استقبال کیا گیا۔ اپنی دوسری مہم میں (1493ء) میں کولمبس نے جزائر ٹروجن اور جمیکا دریافت کیئے اسے حکومت اسپین نے ہیٹی کا گورنر مقرر کیا۔ مگر وہ ایک حاکم کی حیثیت سے ناکام ثابت ہوا۔ اس پر نااہلی کے ساتھ ساتھ کئی قسم کے الزامات عاید کردیئے گئے۔ اس مرتبہ پھر وہ اسپین کے دارالحکومت کو لوٹا مگر لوگوں نے دیکھا کہ نئی دنیا دریافت کرنے والا مہم جواب بیڑیوں میں جکڑا ہوا شاہی دربار کی طرف رواں ہے۔

مآخذ:

دنیا کے مشہور انکشافی سفر۔

Scanned with CamScanner

1495ء۔ آتشک کے مرض کی دریافت

''نئی دنیا'' سے ''پرانی دنیا'' کو ملنے والا پہلا تحفہ

آتشک ایک متعدی مرض یا زہرادی مرض Venereal Disease ہے جو کسی سپائرو کیٹ Spirochete سے سرائیت زدگی پر پیدا ہوتا۔ عموماً جنسی اختلاط یا قبل ولادت سرائیت زدگی کے ذریعے لاحق ہوتا ہے۔ پہلے ایک پھنسی اکولہ نمودار ہوتی ہے۔ پھر دوسرے مرحلہ میں سپائروکیٹ پورے جسم میں پھیل جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں مختلف مقامات پر انسانی جسم پر ابھار Guminata پیدا ہوجاتے ہیں۔ کولمبس جب نئی دنیا کی دریافت اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد یورپ واپس لوٹا تو اس کے ساتھیوں کے جسموں پر یہی ابھار دیکھنے میں آئے تھے۔ یہ شاید ایڈانڈینوں کے ساتھ جنسی اختلاط کے نتیجے میں تھے۔

آتشک کے مرض کا سراغ یورپی تحریروں میں کولمبس کے ''نئی دنیا'' سے واپس لوٹنے کے بعد ملتا ہے۔ کولمبس کے ساتھ اس مرض کے جراثیم کی پرانی دنیا میں آمد کا ثبوت سائنسدانوں کو کولمبس سے پہلے کے امریکہ کے ریڈانڈینوں کے ڈھانچوں میں آتشک کے جراثیم کی موجودگی سے ملا ہے۔

کوڑھ کا مرض 1500ء سے پہلے یورپ میں موجود تھا اور اس مرض کے پھیلانے کے متعلق یہ نظریہ قائم تھا کہ یہ مرض جنسی اختلاط سے پھیلتا ہے۔ مگر بعد کے مشاہدے سے پتہ چلا کہ بہت سی صورتوں میں جنسی اختلاط سے پھیلنے والا مرض کوڑھ نہیں بلکہ آتشک ہوتا تھا۔ مگر اس حقیقت کا اعتراف کولمبس کی واپسی کے بعد آتشک نے یورپ میں وبائی صورت اختیار کرلی تھی سب یورپی مورخین نے کیا ہے۔ پہلے اس کا پارے کے ذریعے علاج دریافت ہوا پھر 1836ء میں اس کے علاج میں پوٹاشیم آیوڈائیڈ Potassium ,Iodide متعارف کرائی گئی 1909ء میں جرمن بیالوجسٹ پال ایرچ نے اس مرض کے علاج کے لیے اینٹی بایوٹک ادویات کا استعمال کیا۔ پھر 1943ء میں آتشک کا سب سے موثر علاج پنسلین کی صورت میں دریافت ہا۔ جس کے صرف ایک ہفتے کے استعمال سے مریض روبصحت ہوجانے لگے۔ مگر آتشک نئی دنیا سے ملنے والا تحفہ اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ نئی دنیا سے آنیوالے دیگر تحفوں میں آلو اور تمباکو شامل تھے۔

مآخذ: انسائیکلوپیڈیا برٹیکا جلد 11 بذیل مادہ ''Syphilis''، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول

Scanned with CamScanner

1495ء۔ یورپ کے نشاط ثانیہ

یورپ کے نشاط ثانیہ تاریخ عالم میں ایک ایسا زمانہ ہے جس کی آمد نے قرون وسطیٰ کے رجحانات میں انقلابی تبدیلیاں رونما کردیں۔ پہلے علمائے تحقیق کا خیال تھا کہ قرون وسطیٰ ایک تاریک عہد تھا۔ تب یہ کہا جاتا تھا کہ اطالیہ میں 1300ء کے بعد تہذیب نے نئی زندگی پائی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ جس کے دوران جدید زندگی کے خدوخال ظاہر ہوئے ،لیکن اب یہ باتیں قدیم ہوچکیں ہیں اور نشاط ثانیہ کا مفہوم تہذیب کی دوبارہ زندگی نہیں رہا۔ بلکہ اس سے مراد وہ تمام اہم ثقافتی ترقی ہے جو اطالیہ میں 1300ء کے بعد رونما ہوئی جس سے اطالیہ کی شہری ریاستیں چودھویں صدی کے آخر تک اختیار واقتدار کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئیں۔ اس کے بعد 1600ء سے قبل یہ تحریک تمام یورپ میں پھیل گئی۔

محدود معنی میں نشاط ثانیہ کا مطلب دور احیائے علوم لیئے یعنی قدیم یونانی اور رومی علوم وفنون اور ثقافت کی تجدید، کیونکہ ان علوم وفنون کو قرون وسطیٰ کے یورپ میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ اگر وسیع معنی میں دیکھا جائے تو نشاط ثانیہ کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس لیے یہ ایک تحریک کی حیثیت سے ایک ذہنی بیداری کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس ذہنی بیداری کے باعث یورپ میں جدید تہذیب کا آغاز ہوا۔ اس دور کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں لوگوں نے تہذیب اور کلیسائی قیود سے آزاد ہوکر غور وحوض کرنے کا طریقہ اپنایا۔ تحقیق اور مشاہدہ ، استفسار اور دلائل کی اہمیت کو تسلیم کرلیا۔

نشاط ثانیہ کے فروغ کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سب سے اہم معاشی سبب ہے، 1200ء کے بعد صنعت اور تجارت کو فروغ ملا۔ اس معاشی پہلو سے سب سے پہلے شمالی اطالیہ کا شہر وینس متاثر ہوا اور دولت مند اور خوشحال ہوگیا۔ دنیائے مشرق سے مصالحہ جات اور دیگر اشیائے تجارت اسی مرکز سے مغربی ممالک کو پہنچتی تھیں۔ میلان بھی ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں زرہ اور لوہے کا سامان تیار ہوتا تھا۔ فلورنس بنکاری کا مرکز تھا۔ اونی اور ریشمی کپڑے کی ایک عمدہ منڈی تھی۔ ان شہروں کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی تجارتی کاروبار کا بے انتہا اثر ہوا اور صنعتوں کو بے حد ترقی ملی۔ 1300ء سے 1600ء کے درمیان اطالوی شہری ریاستوں نے محنت اور جانفشانی کے بعد اپنی پرانی ہیئت میں انقلابی تبدلیاں کرلیا اور تجارت کے نئے نئے راستے دریافت کرلیے۔

Scanned with CamScanner

اہل یورپ کا عالم مشرق سے تعلقات پیدا کرنا بھی نشاۃ ثانیہ کے فروغ کا کا باعث ہوا۔ تہذیب کی بہت سی اقدار یورپ نے مشرق سے سیکھیں۔ قرون وسطیٰ میں یورپ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جب کہ عالم مشرق، عالم اسلام ترقی کی انتہائی معراج پر پہنچا ہوا تھا۔ مسلم اسپین نے بھی اطالیہ اور صقلیہ وغیرہ کو تہذیب یافتہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی اعلیٰ درسگاہوں میں یورپ کے عیسائی طالب علم بھی تعلیم پا کر اپنے ملکوں میں علم کی شمعیں روشن کرنے لگے۔

قسطنطنیہ کے اچانک مسلم قبضے میں چلے جانے سے جو یونانی اور رومی علوم کے ماہر متاثر ہوئے وہ یورپ کی سمت میں ہجرت کر گئے اور انہوں نے وہاں علم و عمل کی نئی راہیں کھولیں اور اہل یورپ کو تعلیم یافتہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور انہیں علم کی اقدار سے روشناس کرایا۔

سب سے پہلے جو ملک ان علوم وفنون سے بہرہ مند ہوا وہ اطالیہ ہی تھا۔ یہاں کے تاجروں نے دل کھول کر اپنی کمائی ہوئی دولت علم وفن کی ترقی پر خرچ کی عالی شان محلات، گزرگاہیں، حمام، تماشہ گاہیں اور لاتعداد دوسری عمارات تعمیر کی گئیں۔ اطالیہ کے شہروں کو بارونق بنایا گیا نئے ممالک کی تلاش کے لیے بحری مہمات روانہ کیں گئیں۔ سائنسدانوں نے تجربے اور تحقیق کے ذریعے نئے اصول دریافت کیئے اور ان سے علمی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مصوروں نے مناظر فطرت اور انسان کی معاشرتی زندگی کی عکاسی کی، شعراء نے آزاد اور خوشگوار فضا میں اپنی نظمیں تحریر کیں ان تمام علوم وفنون سے جو رائج ہوئے اس بات کی بو آتی ہے کہ دنیا کی ہر شے انسان کے لیے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت کا خیال رکھا گیا، شعرا اور ادباء نے اسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ معماروں نے اس کے رہنے کے لیے عمدہ مکانات تعمیر کیئے۔ مصوروں نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کے عکاسی کی۔ اس طرح نشاط ثانیہ کے عہد کا فلسفہ انسانیت Humanism اس کی اہم خصوصیت ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق انسان کی ذات ہی کائنات کا مرکز ہے۔ اس لیے بجائے عالم آخرت یا عالم تخیل کے، مجموعی انسانی زندگی کا مطالعہ اور اس کی ترقی کی کوشش انسان کی زندگی کا بڑا مقصد قرار پائی۔ نشاط ثانیہ کے ذہنی اور ادبی پہلو کو بھی انسانیت کی تحریک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس تحریک کے علمبرداروں نے ایسے ادب کی تشکیل کی جسے انسان اور اس کے معاشرے سے زیادہ تعلق ہے اور وقیانوسی مذہب سے کم۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک یورپ میں اصلاح مذہب کا باعث بھی بنی۔

اطالیہ کی نشاط ثانیہ میں جو ستارے جگمگائے ان میں پیٹرارچ (1304ء۔ 1374ء) بوکیشیو (1312ء۔ 1375ء) میکیاولی (1469ء۔ 1527ء) لیونارڈو ڈاونسی (1452ء۔ سے 1519ء) بوٹی سیلی (وفات 1510ء) مائکل اینجلو (1472ء۔ 1564ء) اہم ہیں۔

Scanned with CamScanner

انہیں کے علوم وفنون کی روشنی میں اطالیہ کے یہ شہر منور ہوئے۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب۔جلد اول۔

تاریخ یورپ (1539ء)

Scanned with CamScanner

1497ء۔ نیوفاؤنڈ لینڈ کی دریافت

1497ء میں شاہ انگلستان ہنری ہفتم کو جینوا (اطالیہ) کے ایک ملاح، جان کیبٹ John Cabot نے بتایا کہ اگر بحراوقیانوس میں مغرب کی سمت میں سفر کرنے کی بجائے، شمالی کی سمت میں سفر کیا جائے تو کولمبس کے دریافت شدہ جزائر غرب الہند تک پہنچا جاسکتا ہے بلکہ اس سمت میں سفر کرنے سے یہ سفر کولمبس کے دریافت کردہ راستے سے بہت کم مدت میں طے کیا جاسکتا ہے۔ شاہ انگلستان نے جان کیبٹ کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے اس سفر کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ اور کیبٹ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔ جان کیبٹ نے 1461ء سے 1476ء تک وینس میں اپنا کاروبار تجارت قائم کیا اور کاروباری سلسلے کی وجہ سے اسے مشرق میں بہت سے سفر کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ وہ عرب دنیا کے مرکز مکہ تک پہنچا۔ وہ عرب ملاحوں سے مل کر مشرق کا ایک ایسا راستہ دریافت کرنا چاہتا تھا جو مکمل طور پر سمندر ہو۔ انہیں دنوں کولمبس نے "نئی دنیا" دریافت کی اور کیبٹ نے شاہی وساطت حاصل کرنے کے لیے انگلستان کا رخ کیا۔

کولمبس کے مغرب کی سمت میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے شاہ انگلستان نے کیبٹ کے اکتشافی سفر کے تمام اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ کیبٹ اپنے تین بیٹوں سیبشن کیبٹ، لیونس کیبٹ اور سینٹوس کیبٹ کے ہمراہ انگلستان کی بندرگاہ برسٹل سے 2 مئی 1497ء کو اپنی مہم پر نکلا۔ تقریباً 52 دن کے بحری سفر کے بعد وہ جزائر کیبٹ بریٹون Cap. Bretone دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ کیبٹ نے ان جزائر کے ساحل کو ایشیا کا شمال مشرقی ساحل سمجھتے ہوئے اس پر انگلستان کا پرچم نصب کرکے شاہ انگلستان کے نام پر قبضہ کرلیا۔ ان جزائر کی دریافت کے بعد وہ بحراوقیانوس میں مزید شمال مغرب کی سمت میں بڑھا اور بالآخر نیو فاؤنڈ لینڈ دریافت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

نیو فاؤنڈ لینڈ بحراوقیانوس میں خلیج سینٹ لارنس کے دہانے پر واقع ہے۔ متعدد کھاڑیوں اور ساحل سے پرے بہت سے جزیروں کے کنارے ڈھلواں سنگلاخ چٹانیں ہیں۔ واپسی کے سفر میں بحراوقیانوس کو ایکبار پھر عبور کرکے کیبٹ 6 اگست 1497ء کو برسٹل واپس پہنچا جہاں سے ایک بار پھر وہ 1498ء میں ایک نئی مہم پر نکلا اور گرین لینڈ کے مشرقی ساحل تک پہنچ جانے میں کامیاب ہوگیا مگر اس کی اس دوسری مہم کا انجام نامعلوم ہے۔ براعظم شمالی امریکہ پر برطانوی ملکیت ہونے کا دعویٰ کیبٹ ہی کی دریافت کی وجہ سے قائم ہوا۔

Scanned with CamScanner

کیبٹ کے بیٹے سیبشن کیبٹ Sebation Cabot نے شاہ انگلستان کی وساطت سے مسکووی کمپنی Muscovy Co. کا گورنر بن کر روس سے تجارتی معاہدہ کیا تھا۔ اس قسم کے جہازراں مختلف قومیت رکھنے کے باوجود دوسری قوموں کی ملازمت اختیار کر کے سمندروں میں نئے نئے جزیرے اور بڑے بڑے علاقے بلکہ بعض اوقات براعظم تک دریافت کرلیا کرتے تھے۔

Scanned with CamScanner

1498ء۔ تکفیر دین کے جرم میں راہب سیوونرولا کو جلا دیا گیا

23 مئی 1498ء کو جمہوریہ فلورنس کے بانی رایب سیوونرولا Girolama Savonarola (1452ء۔ 1498ء) اور اس کے دو ساتھیوں کو تکفیر دین کے جرم میں سزائے موت دی گئی۔ انہیں قید خانے سے ننگے دھڑ اور برہنہ پا پیازا ڈیلا سگنورا تک لے جایا گیا جہاں انہوں نے بھی دو مرتبہ "سامان آرائش" نذر آتش کیا تھا۔ آج اسی چوک میں جہاں لوگ ان کے حکم پر غیر اخلاقی تصاویر، خصوصی لباس، نقلی بال، دیدہ زیب کپڑے، تاش کے پتے، پانسے، آلات موسیقی اور سامان زیبائش تک نذر آتش کرنے کے لیے آتے تھے آج انہیں لوگوں کا ایک بے پناہ ہجوم اسی مبلغ کی سزائے تکفیر دیکھنے کے لیے آیا تھا، جس کے اشاروں پر وہ سب کچھ جلا دینے کے لیے تیار تھے۔ آج حکومت نے اس خاص موقع پر انہیں کھانا اور مشروب پیش کیا۔ اس موقع پر ایک پادری نے راہب سیوونرولا سے سوال کیا "تم یہ شہادت کس جذبے کے تحت بھگت رہے ہو؟" اس نے جواب دیا۔ "خداوند نے مجھ سے کہیں زیادہ دکھ جھیلا تھا۔" پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی صلیب کو بوسہ دیا اور پھر خاموشی اختیار کر لی۔ پھر وہ تینوں بڑی بہادری کے ساتھ سوئے دار بڑھے۔ ان میں سے ایک ڈومینکو اپنی شہادت کے لیے شکرانے کے طور پر "Te Deum" کا گانا گاتا رہا۔ پھر ان تینوں کو ان کے مقام انجام پر پہنا دیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا مگر ابھی انہیں سزا دینے والوں کا جذبہ انتقام سرد نہیں ہوا تھا۔ شہر کے آوارہ لڑکوں کو اجازت دی گئی کہ ان کے سولی پر پھڑ پھڑاتے ہوئے جسموں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بنائیں اور ان پر آخری وقت میں سنگ زنی کریں۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا گیا۔ ان کے مردہ جسموں کے نیچے آگ بھڑکا دی گئی اور انہیں بھسم کر دیا گیا۔ پھر ان کی راکھ دریائے آرنو میں بہا دی گئی اور انہیں گرفتار کرنے والوں کو خطرہ تھا کہ کہیں مبادہ لوگ انہیں متبرک باقیات کے طور پر نہ پوجنے لگ جائیں۔ لیکن لوگ اگرچہ انہیں بچا تو نہ سکے مگر 23 مئی 1498ء کی صبح سے 1703ء تک مسلسل تین سو سال اس جگہ پر پھول نچھاور کیئے جاتے رہے۔ جہاں ان راہبوں کا خون ابل کر ٹپکا تھا۔ آج اینٹوں کے فرش پر گڑی ہوئی تختی ہر آنے والے سیاح کو فلورنس کی تاریخ کے اس اہم واقعہ کی یاد دلاتی ہے۔

سیوونرولا اطالوی احیائے علوم کی تحریک کا حامی اور علمبردار تھا وہ فرارا کے مقام پر 21 دسمبر 1452ء پیدا ہوا۔ وہ بچپن ہی سے بلا کا ذہین تھا۔ ابھی کم سن ہی تھا کہ اس نے علوم متداولہ میں خاصی دستگاہ حاصل کر لی۔ اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اس کے والدین اسے ڈاکٹر بنانا

Scanned with CamScanner

چاہتے تھے۔ مگر وہ اپنی ایک محبت کی ناکامی و نامرادی سے اتنا مایوس ہوا کہ اس نے رہبانیت اختیار کرلی اور ڈومینک مسلک کا پیرو بن گیا۔ لیکن جب آگے چل کر اس نے خانقاہوں کو طرح طرح کے عیوب و معاصی سے معمور پایا تو وہ اس خانقاہی زندگی سے بھی مایوس ہوگیا اور کھلم کھلا رہبانیت کے عیوب کے خلاف زہر اگلنے لگا۔ وہ ایک سحر بیان خطیب اور واعظ تھا۔ اس نے فلورنس کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

پیکوڈلا مرنڈولا کے زیر اثر اس نے میڈیچی خاندان کی نوازش حاصل کرلی۔ اور 1490ء میں سان مارکو کے ڈومینکی مرکز کا سربراہ بنادیا گیا۔ وہاں اسے رہنے کے لیے جو کمرہ ملا وہ فرا اینجلکو کی تصاویر سے مزین تھا۔ جلد ہی اس نے اپنے فصیح و بلیغ واعظوں سے سان مارکو کے کینسہ کو آباد کردیا۔ اپنے واعظوں میں وہ فلورنس کے لوگوں کی اخلاقی حالت سدھارنے لگا ساتھ ہی اسے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے متعلق پیشن گوئیاں کرنے میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ رفتہ رفتہ اپنے مواعظ سے قومی زندگی میں اس نے اتنا اثر و رسوخ پیدا کرلیا کہ 1492ء میں اس نے جمہوریت کے نام پر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور تقریباً تین برس تک ایک مطلق العنان آمر کی طرح حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں میڈیچی عہد کے فلورنس کی زندگی یکسر بدل گئی، لوگوں پر عیش و نشاط کے تمام دروازے بند کردئے گئے۔ اور وہ پیورٹین Puritan مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اپنی سخت مذہبی زندگی کے باوجود سیوونرولا فنون لطیفہ کا مخالف نہیں تھا۔ مگر بت پرستی اور مخرب اخلاق فن کا وہ سخت دشمن تھا۔ وہ کسی بھی مذہبی آدمی کو غیر مسیحی روش کے الزام سے بری نہ سمجھتا تھا چاہے وہ کتنا ہی بلند پایہ ہوتا اپنے ایک واعظ میں اس نے کہا "ابتدائی دور کے کلیسا میں پیالے لکڑی کے ہوتے تھے اور پادری سونے کے تھے۔ آج پیالے سونے کے ہیں اور پادری کاٹھ کے بن گئے ہیں۔

زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح وہ کلیسا کی بھی اس انداز میں اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے پوپ الیگزینڈر ششم کی کھلے بندوں مخالفت شروع کردی اس کے اثر و رسوخ اور ہر دلعزیزی کو دیکھ کر پہلے تو پوپ نے اس سے مصالحت کی کوشش کی لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو اس نے سیوونرولا کو ملحد قرار دے دیا۔ کچھ عرصہ تو سیوونرولا پوپ کے اس فتوے کا مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن عوام بھی اس کے متشدد نظریات سے تنگ آچکے تھے۔ اس کے خلاف ہوگئے۔ سیوؤ نارولا اپنے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ اس پر تکفیر دین کے نام پر مقدمہ چلایا گیا اور آخر چھ دن تک اذیتیں دینے کے بعد پھانسی پر چڑھا دیا گیا اور اس کی اور اس کے ساتھیوں کی نعشوں کو نذر آتش کردیا گیا۔

مآخذ: تاریخ جمالیات جلد اول صفحہ 272۔ تاریخ تہذیب جلد اول صفحہ 608۔ یورپ کی بیداری صفحہ 216۔

Scanned with CamScanner

1498ء۔ واسکوڈی گاما کی ہندوستان آمد

جب ہسپانیہ والوں نے بحری سفر کر کے امریکہ دریافت کیا تو ان کے ہمسایہ پرتگالیوں کو بھی ایسی ہی کسی بڑی دریافت کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو ان کی نظریں ہندوستان کے لیے بحری راستے کی دریافت کے لیے اٹھیں۔ جو ہسپانوی نہ کر سکے تھے۔ ہندوستان صدیوں سے یورپ کے لیے دلچسپی کا باعث بنا ہوا تھا۔ چونکہ ان دنوں کھانے میں ڈالے جانے والے گرم مصالحے یورپ میں بہت گراں تھے اور خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں عرب سوداگروں کے ذریعے یورپ پہنچتی تھیں اور بڑی مہنگی بکتی تھیں اس لیے یورپی اقوام اب از خود ہندوستان پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔

پرتگالی بادشاہ نے بھی ہندوستان کے سمندری راستے کا پتا لگانے کے لیے ایک مہم تیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس مہم کے لیے چار بحری جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا تیار کیا گیا جس کے سب سے بڑے بحری جہاز کا نام ''سان جبرائیل'' تھا۔ واسکوڈی گاما نامی ایک شخص اس بحری مہم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

ہندوستان تک ایک ایسا بحری راستہ دریافت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان سے بحری تجارت پر عربوں کی اجارادار ی تھی۔ دوسری طرف پندرہویں صدی کے نصف میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپیوں کے لیے ہندوستان پہنچنے کا یہ راستہ بھی بند کر دیا تھا۔ پرتگال چاہتا تھا کہ ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کر کے وہ یہ تجارت خود سنبھالنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کی طرف جانے والے خشکی کے راستے بھی گذشتہ صدیوں میں یورپیوں کی صلیبی جنگوں کی وجہ سے مسدود ہو چکے تھے۔

واسکوڈی گاما ایک تجربہ کار جہاز راں تھا اور اس نے فرانس کے جہازوں کو گرفتار کر کے قومی خدمات انجام دیں تھیں انہیں کی بنیاد پر اسے اس مہم کے لیے چنا گیا تھا۔

واسکوڈی گاما کی اس مہم کی تیاری سے کچھ عرصہ قبل ایک اور پرتگالی جہاز راں ''بارتھولو میوڈیاز'' افریقہ میں ''راس امید'' کا پتا لگا چکا تھا واسکوڈی گاما نے اس کے چھوٹے بھائی کو اپنی مہم میں شامل کر لیا تھا۔ یہ شخص بحیرہ روم کے علاقے عرب بندرگاہوں کی سیر کر چکا تھا اور عربوں کے سمندری راستوں سے بھی واقف تھا۔

8 جولائی 1497ء کو یہ پرتگالی بحری بیڑا لزبن سے اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ اس مہم کی غیر یقینی کا

Scanned with CamScanner

یہ حال تھا کہ اس بیڑے کا ہر فرد یہ سمجھ رہا تھا کہ ہم جواء کھیل رہے ہیں اور شاید پھر کبھی پرتگال واپس نہ آسکیں گے۔

لزبن سے یہ لوگ پہلے جزائر کیپ وردی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں چار دن قیام کے بعد وہ افریقہ کے مغربی ساحل سے دور رہتے ہوئے چلے اس افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ کئی ایسے مقامات تھے جہاں جہاز مشکلات میں پھنس جاتے تھے۔ ان جگہوں سے بچنا ضروری تھا۔ لیکن پھر بھی جب وہ راس امید کے پاس پہنچے تو انہیں ایک شدید سمندری طوفان نے آگھیرا ان کے جہاز چند روز تک طوفان کے تھپڑے کھاتے رہے۔ اس طوفان سے بحری جہازوں کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا مگر جہاز یوں کو یہ خوفزدہ کر گیا اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور انہوں نے اپنے امیر البحر کو کہا کہ اگے چلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہم جس ملک تک پہنچنا چاہتے ہیں ہمیں اس کے بارے میں اتنا بھی پتا نہیں کہ وہ کتنی ساعت پر ہے؟ اور وہاں ہم کب پہنچیں گے؟ اگر طوفان کی یہی کیفیت رہی تو ہم سب مارے جائیں گے۔ واسکوڈی گاما کے کہنے پر وہ کام پر تو لگ گئے مگر اب وہ اس کے خلاف سازشوں میں لگ گئے امیر البحر نے جلد ہی ان سازشیوں کو گرفتار کرلیا۔ ابھی طوفان سے بچے نہ تھے کہ جہازوں میں ایک سمندری بیماری پھوٹ پڑی اور لگاتار اموات ہونے لگیں جب انہوں نے ایک مقام پر لنگر ڈالا تو انہیں اپنے 30 ساتھیوں کی قبریں کھودنی پڑیں۔ یہ مقام جنوبی افریقہ میں واقع تھا جس کا نام کرسمس کی نسبت سے واسکوڈی گاما نے ''نٹال'' رکھا۔ یہاں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد وہ موزمبیق پہنچے جہاں کچھ ہندوستانی عیسائیوں اور عرب تاجروں سے ملاقات ہوئی۔ واسکوڈی گاما نے ان سے کافی معلومات حاصل کیں موزمبیق میں کافی عرب تاجر آباد تھے۔ انہیں پرتگالیوں کا آنا نہ بھایا ادھر عربوں سے زیادہ افریقہ کے لوگ بھی ان کی آمد سے خوش نہ تھے۔ پھر بھی واسکوڈی گاما یہاں کئی ماہ ٹھہرا۔ ادھر موزمبیق کے مسلمان سلطان نے واسکوڈی گاما کی اپنے دربار میں کافی توقیر کی اس کی ہر طرح سے مدد کی۔

پھر مشرقی افریقہ کی بندرگاہ ملندی میں اس کی ملاقات ایک عرب ملاح ''احمد'' سے ہوئی۔ اس کے پاس سمندروں اور سمندری راستوں کے نقشے تھے اور ایسے آلات بھی تھے جو بحری سفر میں مدد دیتے تھے۔ اسی عرب ملاح نے بحر ہند میں واسکوڈی کی رہنمائی کی اسے کالی کٹ تک پہنایا۔ یہ سچ ہے کہ اگر احمد بن ماجد واسکوڈی گاما کو نہ ملتا تو وہ کبھی اپنی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکتا کیونکہ خود اس کے جہازی اس پر اعتماد نہیں کر رہے تھے۔

24 اپریل 1498ء کو واسکوڈی گاما اور اس کے ساتھی کالی کٹ پہنچے۔ لزبن سے کالی کٹ کا فاصلہ نو ماہ اور دو دن میں طے ہوا۔ ان کا یہ سفر پر از مشکلات تھا اور کئی مرتبہ خود واسکو

Scanned with CamScanner

ڈی گاما کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ مگر اب منزل مقصود پر پہنچ کر اس کے ساتھی اور وہ خود بہت خوش ہوتے کہ جس ملک کے حدود اربع کا انہیں کوئی علم نہ تھا وہ آخر اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کالی کٹ ہندوستان کی ایک بہت پرانی بندرگاہ تھی اور اس کے مغربی ساحل پر واقع تھی۔ جب واسکوڈی گاما یہاں پہنچا تو اسے مقامی زبان میں ''کوزی کودی'' کہتے تھے۔ مالا باری زبان میں اس لفظ کا مطلب ''مرغ قلعہ'' تھا۔ اس بندرگاہ کو کالی کٹ کا نام بعد ازاں انگریزوں نے دیا۔

کالی کٹ کی یہ بندرگاہ مسلمانوں کے لیے بھی اہم تھی۔ کیونکہ اسی بندرگاہ کے راجہ ''زمودن'' نے آنحضرتؐ کا معجزہ شق قمر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور اپنے درباری نجومیوں سے اس کے اسرار کے متعلق پوچھا تھا۔ جب نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ ملک عرب میں ایک پیغمبر کا ظہور ہوا ہے اور یہ اس کا اعجاز ہے تو اس نے اپنے ملک کے چند دانشور (پنڈت) عرب روانہ کیئے تھے تا کہ حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کر سکیں۔ مگر جب یہ لوگ ساحل عرب پر اترے تھے تو آنحضرتؐ کا وصال ہو چکا تھا اور تخت خلافت پر حضرت عمرؓ متمکن تھے۔ انہوں نے ان دانشوروں کو بتایا تھا کہ آنحضرت ﷺ تو وصال پا گئے مگر ان کا لایا ہوا مذہب زندہ ہے۔ ادھر جب یہ لوگ واپس کالی کٹ پہنچے تو راجہ زمودن بھی مر چکا تھا اور اس کے اسلام کے متعلق جاننے کی حسرت اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ مگر اس واقعہ کے بعد عرب ہند تعلقات کا آغاز ہو گیا۔

اب واسکوڈی گاما اور اس کے ساتھی اسی شہر پہنچے تھے۔ یہاں کے موجود راجہ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی اور جب اسے پتہ چلا کہ وہ تجارت کی غرض سے آئے ہیں تو ان کی ہر طرح سے مدد کا وعدہ کیا۔ اس شہر میں عرب مسلمانوں کا بہت اثر تھا۔ انہیں راجہ کے دربار میں بھی رسوخ حاصل تھا۔ وہ صدیوں سے یہاں آباد چلے آ رہے تھے۔ پرتگالی چاہتے تھے کہ انہیں اس شہر سے فارغ کر دیں جو آسان نہیں تھا۔

شہر کے ہندو بھی پرتگالیوں کی آمد پر خوش نہ تھے۔ واسکوڈی گاما چار ماہ یہاں رہا اور اس نے مقامی عیسائیوں کی مدد سے راجہ پر دباؤ ڈالا کہ اسے تجارتی مراعات دی جائیں۔ لیکن اسے اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہ آیا۔

آخر 29 اگست 1498ء کو وہ واپس لزبن روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے اس نے اپنے 40 ساتھیوں کو کالی کٹ میں چھوڑا تا کہ وہ راجہ سے مراعات حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

واپسی میں چھ ماہ کے سفر کے بعد دو جہاز واپس لزبن پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دو

Scanned with CamScanner

جہازوں میں سے ایک ڈوب گیا تھا دوسرے کو واسکوڈی گاما کے حکم پر جلا دیا گیا تھا کیونکہ اس کے پورے عملے کو سمندری بیماری ہوگئی تھی۔ واپسی کے سفر میں واسکوڈی گاما اپنے بھائی کی سخت بیماری کی وجہ سے ایک چھوٹے جزیرے میں اتر گیا تھا۔ جب لوگ لزبن میں اس کے استقبال کے لیے آئے تو انہوں نے واسکوڈی گاما کو موجود نہ پایا۔ کچھ دن بعد واسکوڈی گاما پہنچا مگر اس کا بھائی اس کے ساتھ نہ تھا۔ واسکوڈی گاما کا یہ یادگار سفر دو سال اور دو دن کا تھا۔ اس نے کل چوبیس ہزار میل کا فاصلہ طے کیا۔

Scanned with CamScanner

1499ء۔ نئی دنیا کا نام امریکہ پڑا

جس شخص نے نئی دنیا کو پہلی مرتبہ ایک نیا براعظم تسلیم کیا وہ کولمبس سے بازی لے گیا۔ کیونکہ آج کی دنیا اس نئے براعظم کو کولمبس کی بجائے خود اس کے اعزاز میں رکھے گئے نام ''امریکہ'' سے یاد کرتی ہے۔ یہ شخص ایک اطالوی جہاز راں امریگو ویسپوچی تھا جو ایک ماہر جغرافیہ دان بھی تھا۔ کولمبس کے ''ہندوستان'' دریافت کرنے کے دعوے کے بعد جب اسپین اور پرتگال کے لوگوں کو احساس ہوا کہ وہ ہندوستان کی بجائے کسی اور ملک کی سرزمین پر پہنچا تھا تو سب سے پہلے جو سوال ابھرا وہ یہ تھا کہ آخر وہ کونسی سرزمین ہے؟ اس سلسلے کا دوسرا اہم سوال یہ تھا کہ آیا وہاں کونسی جگہیں پرتگال کی ملکیت ہیں اور کونسی اسپین کی؟ اس حق ملکیت کے سوال کو حل کرنے کے لیے ویسپوچی جیسے ماہر جغرافیہ داں کی خدمات حاصل کی گئیں۔

امریگو ویسپوچی Amerigo Vespucci۔ 1499ء ۔ 1500ء میں جنوبی امریکہ کے ساحل کے گرد چکر لگا کر اسپین کی ملکیت کی حد بندی کردی۔ اس طرح اس نے 1500ء۔ 1501ء تک دوسرا چکر لگا کر پرتگال کے حق ملکیت کو جغرافیائی خدوخال بخشے۔ ان دونوں چکروں میں اس نے مجموعی طور پر مشرقی اور شمالی ساحل امریکہ کے ساتھ ساتھ تقریباً 6000 میل کا سفر کیا۔

اپنی کتاب Mundus Novus میں ویسپوچی نے 1504ء میں لکھا کہ دوران سفر جب اس نے عرض بلد کی پیائش کی تو وہ 0/5 50 نکلا۔ اس پیائش کے نتیجے میں امریگو کو پتہ چلا کہ یہ سرزمین اس عرض بلد کے ساتھ ایشیا کا حصہ نہیں ہوسکتی کیونکہ ایشیا کرہ ارض کے اتنے جنوب میں واقع نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی نامعلوم براعظم ہے۔ اس بات کو اگرچہ کولمبس نے قبول نہ کیا مگر اس کی وفات کے بعد 1507ء میں ایک اور یورپی جغرافیہ دان مارٹن ویلڈسی ملر Martin Walld See Miller نے لورین میں ایک نقشہ عالم بنایا جس میں جنوبی امریکا کو نئے براعظم کے طور پر ظاہر کیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک تجویز یہ پیش کی کہ نئے براعظم کا نام اس کے جغرافیائی طور پر دریافت کنندہ کے نام پر امریکس Americus رکھا جانا چاہیے۔ یہی امریکس بعدازاں ''امریکا'' بن گیا اور آج زبان خلق پر عام ہے۔

ماخذ: 1000 اہم تاریخی واقعات۔ The Great Explores

Scanned with CamScanner

1500ء۔ برازیل کی دریافت اور اس کا دریافت کنندہ

برازیل براعظم جنوبی امریکہ کا سب سے بڑا ملک ہے جو تقریباً اس براعظم کے نصف حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ اتنا بڑا ملک محض اتفاقی طور پر دریافت کیا گیا تھا۔

واسکو ڈی گاما کے ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کے بعد ہندوستان کو بھیجے جانے والے دوسرے بحری بیڑے کا سربراہ پیڈرو الویر کابرال Pedro Alvares Cabral (1460ء۔ 1526ء) کو مقرر کیا گیا۔ پرتگال کے بادشاہ عمانویل اول نے اسے خصوصی احکامات جاری کیئے کہ وہ کالی کٹ پہنچ کر وہاں کی انتظامیہ اور حکومت کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرے مگر ساتھ ہی بعض مورخین نے لکھا ہے کہ چونکہ ہسپانوی جہاز راں امریکہ میں کامیابیاں حاصل کر رہے تھے اس لیے شاہ عمانویل اول نے کابرال کو خفیہ طور پر جزائر غرب الہند کا راستہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا تاکہ پرتگالی بھی اس نئے براعظم پر قدم جما سکیں۔

کابرال کا بحری بیڑا لذبن کی بندرگاہ سے 1500ء کے آغاز میں (9 مارچ) روانہ ہوا مگر راس امید پہنچنے سے پہلے ہی کسی نامعلوم وجہ سے مشرق کی بجائے مغرب کی سمت میں سفر کرنے لگا۔ جس کی وجہ سے بہت جلد وہ بحراوقیانوس میں جنوبی امریکہ کی سمت میں چلنے والی بحری رو میں پھنس کر 22 اپریل کو ایک انجانے مقام "برازیل" پہنچ گیا۔ اس نے اس سرزمین کو سچے صلیبی جزیرے Islands Of True Cross کا نام دیا جسے بادشاہ مانویل Manuel I نے جزائر ہال کر اس میں بدل دیا مگر بعد کے زمانے میں یہ سرزمین اس کے جدید نام "برازیل" سے موسوم ہوئی جو وہاں پائی جانے والی ایک قسم کی سرخ لکڑی کے نام پر رکھا گیا۔ کابرال کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے برازیل کے مقامی باشندوں سے انتہائی نرم سلوک کیا تھا اور انہیں اپنے جہاز پر آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر اس نرمی کے باوجود اس نے نئی دریافت شدہ سرزمین پر پرتگال کے بادشاہ کے نام پر قبضہ کر لیا اور شاہ پرتگال کو اپنی اس دریافت سے مطلع کرنے کے لیے اپنے جہازوں میں سے ایک جہاز کو واپسی پرتگال بھجوایا۔

برازیل میں امیر البحر کابرال نے صرف 10 روز تک قیام کیا اور پھر بادشاہ کے حکم کے

Scanned with CamScanner

مطابق ہندوستان کی راہ لی۔ مگر اس کا ہندوستان کا یہ سفر کامیاب مگر نقصانات سے بھرپور رہا۔ 13 ستمبر 1500ء کو وہ ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ میں لنگر انداز ہوا۔ مگر یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کے بحری بیڑے کے چار بحری جہاز راس امید کے گرد سفر کرتے ہوئے طوفان کی نذر ہو گئے بالکل اسی طرح جیسے راس امید کو دریافت کرنے والے پرتگیز جہاز راں بارٹولو میوڈیا Bartolomeu Dias کا جہاز اسی مقام پر طوفان کی نذر ہو گیا تھا۔

باقی جہازوں کے ساتھ ہندوستان پہنچنے پر زمورین راجاؤں نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور اسے کالی کٹ میں تجارتی چوکی یا قلعہ قائم کرنے کی اجازت دی۔ عرب تاجروں کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ اس پرتگیز چوکی پر 17 دسمبر کو حملہ آور ہوئے اگر عین وقت میں بندرگاہ میں کھڑے بحری جہازوں سے پرتگال امیر البحر امداد نہ بھجواتا تو امید تھی کہ تمام پرتگیز جو اس قلعہ میں قیام پذیر تھے مارے جاتے۔ امیر البحر نے (اس کے ساتھ ہی) اہالیان شہر کے خلاف بھی جوابی کاروائی کی اور اپنے توپخانے سے شہر پر گولے برسائے اور 10 عرب مسلم بحری جہازوں پر قبضہ کر کے اس کے عملے کو پھانسی دے دی۔

اس واقعہ کے بعد کابرال نے کالی کٹ سے لنگر اٹھایا اور جنوبی ہند کی ایک اور بندرگاہ کوچین کا رخ کیا۔ اس بندرگاہ پر بھی اس کا خیر مقدم کیا گیا اور اسے گرم مصالحے کی تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ کابرال نے کئی اور ہندوستانی بندرگاہوں سے بھی مصالحہ جات خرید کے اور 16 جنوری 1501ء کو لزبن کے لیے واپس روانہ ہوا۔ واپسی کے سفر میں اس کے بیڑے کے دو اور بحری جہاز غرق ہو گئے اور وہ صرف چار بحری جہازوں کے ساتھ دریائے ٹیگس کے دہانے پر 23 جون کو پہنچا۔ شاہ مانویل نے باوجود اس کے بحری بیڑے کو پہنچنے والے نقصانات کے اس کی کارکردگی اور کارناموں کا صراحا اور اسے ایک بڑی مہم کا سربراہ مقرر کیا مگر بعد میں یہ مہم واسکوڈی گاما کے سپرد کر دی گئی۔ بادشاہ کے مزاج میں اس اچانک تبدیلی کے متعلق مورخین نے بہت سے قصے بیان کیے ہیں۔ مگر اصل وجہ شاید یہ تھی کہ واسکوڈی گاما نے جسے شاہ مانویل نے ہندوستان کی طرف بھیجی جانے اولی تمام مہمات کا امیر البحر مقرر کر دیا تھا۔ کابراں کی سربراہی کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل دی تھی کہ ہندوستان کے امیر البحر کی لزبن میں موجودگی میں کسی دوسرے کو کیسے اس مہم کا سربرآہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کابرال کی مہم کو کامیاب ہونے کے باوجود جتنے نقصانات پہنچے تھے ان کے ہوتے ہوئے اس کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی اور مہم کی قیادت کرے مگر اتنی مخالفت کے باوجود برازیل کے دریافت کنندہ کی پرتگال کے شاہی دربار میں کسی تنزیلی کا شکار نہیں ہونا پڑا اور اس کی حیثیت برقرار رہی۔

Scanned with CamScanner

1848ء میں ایک برازیلی مورخ ایڈلفوورن ٹیچن نے اس کے آبائی شہر میں اس کا مزار دریافت کیا اور اسے اس کی اعزازی حیثیت کے ساتھ یاد کیا۔ 1968ء میں کابرال کی پانچسویں سالگرہ کے موقع پر پرتگال اور برازیل نے اس کی خدمات کے اعتراف میں اس سال کو اس کا سال قرار دیا۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل "کابرال"

Scanned with CamScanner

1502ء۔ ایران میں صفوی سلطنت کا قیام

طلوع اسلام کے بعد ایرانی تاریخ کے حکمران خاندانوں میں سب سے زیادہ مشہور اور عظیم الشان خاندان جس کا نام شیخ صفی الدین اسحٰق کے نام پر تھا مگر اس کا بانی اسمٰعیل اول صفوی تھا۔ یہ شیخ صفی الدین کے اولاد میں سے تھا۔ یہ خاندان عرصے سے اردبیل کے میں عوام کا روحانی پیشوا تھا۔ 1499ء/905ھ میں اسمٰعیل نے اپنے دو بڑے بھائیوں کی وفات پر خاندان کی سربراہی سنبھالی اور وسیع سیاسی اور دینی تبلیغ کے ذریعے اپنی حکومت کے لیے زمین ہموار کر کے شیروان، آذربائیجان، عراق اور باقی ایران پر حکومت قائم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

اسمٰعیل صفوی پہلا حکمران تھا جس نے شیعہ مذہب کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیا اور اسے شمال کے ترکی قبائل تک پھیلایا جنہیں اس نے اپنی ملازمت میں لے لیا اور وہ قزلباش کہلائے۔ اس طرح اس نے سنی مذہب کو تقریباً ختم کر دیا۔

صفوی خاندان کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے افراد کا پیشہ درس و تدریس تھا۔ اس لیے لوگ ان کی بہت توقیر کرتے تھے۔ صفی الدین اسحاق اس خاندان کے ایک صوفی منش بزرگ خاص طور پر تعلیم و ارشاد کی بدولت مرجع انام بنے تھے۔ لوگ جوق در جوق ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور اکتساب فیض کرتے تھے۔ آپ اہل بیت کرام کے صحیح معنی میں جانشین تھے۔

صفی الدین کے بعد ان کے بیٹے صدر الدین نے مسند تعلیم و ارشاد سنبھالی صدر الدین وہ بزرگ تھے جن کی خدمت میں امیر تیمور حاضر ہوا اور اس نے پوچھا تھا کہ میں آپ کے لیے کیا خدمت بجالا سکتا ہوں؟ آپ نے خواہش ظاہر کی کہ دیار بکر سے جو ترک قیدی بنا کر لائے گئے ہیں۔ انہیں رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ امیر تیمور نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔ ان ترکوں نے رہائی پا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور صوبہ گیلان میں آباد ہو گئے۔ بلآخر یہی ترک بعد کے زمانے میں صفوی حکومت قائم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوئے خاندان صفویہ کا بانی اسمٰعیل صفوی شیخ صدرالدین کی چوتھی پشت میں تھا۔ اسمٰعیل اپنے دو بھائیوں ابراہیم اور سلطان علی کے ساتھ ہجرت کر کے اردبیل آ گیا۔ مگر بعد ازاں گیلان میں اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے آباد ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف چودہ سال تھی۔ اس نے اپنے خاندان کے

Scanned with CamScanner

کچھ سرفروش ترک مریدوں کی ایک مختصر سی فوج تیار کی اور باکو اور شماخو شہر فتح کرنے میں کامیاب رہا۔ اس فتح کے بعد اس کی فوجی جمعیت سولہ ہزار افراد تک جا پہنچی۔ اس کے حوصلے بڑھے اور اس نے آق قویونلو خاندان کے شہزادہ الوند کو شکست دی پھر تبریز کا رخ کیا۔ اس کی آمد پر اہل تبریز نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہاں اسمٰعیل صفوی نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا اور صفوی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

ایران کے لوگ حضرت علی مرتضیٰؓ کے گھرانے سے بے حد عقیدت رکھتے تھے جب شاہ اسمٰعیل صفوی جو خاندان مرتضیٰؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ تخت حکومت پر بیٹھے تو اہل ایران اس کی اطاعت کے لیے پروانہ وار بڑھے۔ شاہ اسمٰعیل محض حکمران ہی نہ تھا بلکہ دینی راہنما بھی تھا۔ قزلباش ترک اس کے اتنے وفادار اور مرید تھے کہ اس کے نام پر مرمٹنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ شاہ اسمٰعیل نے اعلان بادشاہت کے بعد جلد ہی بغداد اور موصل کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ پھر دیار بکر کو فتح کیا۔ شاہ اسمٰعیل ان مہمات سے اتنا کامیاب رہا کہ چند سال کے عرصے میں اس نے آق قونلو حکمرانوں کو مکمل شکست دے کر ان کی وسیع سلطنت پر قبضہ کرلیا۔

شمالی مغربی ایران کی تسخیر کے بعد شاہ اسمٰعیل نے خراسان کا رخ کیا جس پر ازبک حکمران محمد شیبانی خان قابض تھا۔ 916ھ بمطابق 1510ء کو شاہ اسمٰعیل نے ازبکوں کو شکست دی اور شیبانی خان فرار ہوگیا مگر بالآخر اسیر ہوکر مارا گیا اس فتح کے بعد بلخ اور ہرات بھی صفوی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ شاہ اسمٰعیل کے عہد میں 1514ء میں عثمانی ترکوں کے ساتھ مذہبی اختلافات کی وجہ سے سلیم ثانی اور اسمٰعیل صفوی میں خوفناک تصادم ہوا جس میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا۔ اس جنگ میں شاہ اسمٰعیل کو شکست ہوئی اور تبریز پر عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ تبریز کی فتح کے بعد سلیم ثانی نے ایران میں مزید پیش قدمی کرنا چاہی مگر خود اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور اسے تبریز چھوڑ کر پھر ترکی واپس جانا پڑا۔

شاہ اسمٰعیل صفوی نے صرف 38 سال کی عمر میں 1522ء میں وفات پائی شاہ اسمٰعیل کے عہد کی خصوصیت کسی مورخ نے یوں بیان کی ہے۔ کہ اس کے عہد میں شمشیر "علم" سے بڑھ کر مصروف رہی۔

شاہ اسمٰعیل کی وفات پر اس کا بیٹا طہماسپ اول اس کا جانشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف دس سال تھی۔ شاہ طہمی سپ کے عہد کا اہم واقعہ شہنشاہ ہمایوں کی شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران میں پناہ لینے کا ہے۔ طہماسپ نے اپنے مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور عسکری پر اس کی مدد کی۔

مآخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ ادب نامہ ایران صفحہ 621 تا 625۔

Scanned with CamScanner

1504ء۔ رافاعیل اور اس کے شاہکار

دور احیا علوم میں سنگتراشی اور مصوری نے بڑی اہمیت حاصل کی۔ کلاسیکی دور کا احیا ہوا تو پوری عمارت کی شان قائم رکھنے کے بجائے اس کے مختلف حصوں کی خوبی پر زور دیا جانے لگا۔ ان حصوں کی تزئین و آرائش سنگتراشی اور مصوری کے ذریعے کی جانے لگی۔ پوپ لیو نے سیسٹائن گرجا کی گلکاریوں کے لیے کارٹونز کی ڈیزائنگ، ویٹکن گیلری کی تزئین کے لیے، سینٹ پیٹرز کی تعمیر، کلاسکی آرٹ کی تحویل و تحفظ کے لیے مائیکل اینجلو کو اس کی بے تحمل مزاجی کی وجہ سے نظر انداز کر کے ایک اور عظیم مصور کو منتخب کیا۔ یہ عظیم مصور رافاعیل تھا۔

رافاعیل مزاج اور ذوق دونوں اعتبار سے لیو کو مناسب لگا، دونوں ہی ملنسار اپنی قورین تھے۔

رافاعیل، اکتیس برس کی عمر میں باشعور مردانگی میں داخل ہوا۔ اس نے کالی داڑھی بڑھائی، شاید جوانی چھپانے کے لیے، وہ آرام و عیش کے ساتھ ایک محل میں رہا۔ جو برامانتے نے تعمیر کیا تھا۔

نوجوان آرٹسٹ ہر نئی تکنیک آزمانے کا شوق رکھتا تھا۔ برامانتے مائیکلو اینجلو کی اجازت کے بغیر ایک دن رافاعیل کو سسٹاین گرجا کے گنبد میں بنائی گئی مائیکل اینجلو کی تصاویر دکھانے کے لیے گیا ابھی تصاویر مکمل نہیں ہوئیں تھیں۔ وہ بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے پر مرتب ہوئے ان نئے اثرات کے تحت ہیلی ڈورس کے کمرے میں چھت کی تصاویر کے موضوعات اور پیکروں میں جلوہ گر ہونے دیا۔ خدا کا نوح پر انکشاف، ابراہام کی قربانی، یعقوب کا خواب، جلتی ہوئی جھاڑی، یہ اثر دوبارہ، پیغمبر یسعیاہ، میں نظر آیا جو اس نے سینٹ آگسٹائن کے کلیسا میں بنائی۔

1514ء میں اس نے کمرے کی مرکزی تصویر پر کام شروع کیا۔ قران وسطیٰ کی ایک حکایات بتائی ہے کہ کیسے پوپ لیو III (816ء۔ 795ء) نے محض صلیب کا نشان بنا کر ویٹکن کے اردگرد روم کا شہر جل کر راکھ ہونے سے بچایا تھا۔ اس میورل کے لیے رافاعیل نے صرف کارٹون بنایا اور رنگ بھرنے کا کام اپنے شاگرد جیان فرانسسکو پینی کو سونپ دیا۔ پھر بھی یہ رافاعیل کے بہترین قسط وار کہانی کے انداز میں ایک زبردست ترکیب ہے۔ رافاعیل کے کلاسیکل اور عیسائی کہانی کے انداز میں ایک زبردست ترکیب ہے۔ رافاعیل نے بائیں طرف

Scanned with CamScanner

ایک خوبصورت اور مضبوط جسم والا اینیاس Aneas دکھایا ہے جو اپنے بوڑھے مگر مضبوط جسم باپ Anchises کو بحفاظت لیے جا رہا ہے۔ اور ایک کامل طور پر بنایا گیا مرد ہے جو آتش زدہ عمارت کی دیوار پر لٹکا ہوا ہے۔ ان مردانہ وجاہت والے جسموں میں مائیکل اینجلو کا اثر نمایاں طور پر دکھائی دیتا تھا۔

رافائیل Raphael (1483ء۔ 1520ء) اطالوی نشاۃ ثانیہ کا عظیم ترین مصور تھا۔ اس نے بے شمار شاہکار تخلیق کیئے۔ سال 1504ء اس کی فنکارانہ زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال اس نے Marriag Of The Virgin نامی تصویر تخلیق کی جسے دیکھ کر اس کے مذہبی ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے پوپ لیو نے اس کا انتخاب کیا۔ 1504ء کے بعد وہ فلورنس چلا گیا تھا جہاں سے وہ 1508ء میں روم واپس آیا اپنی موت تک وہیں رہا۔

رافائیل لیونارڈو اور مائیکل اینجلو کا ہم عصر تھا۔ اس کا ایک بڑا کارنامہ ویٹکن کے گرجا گھروں کی دیواروں اور چھتوں پر رنگین تصاویر بنانا قرار دیا جاتا ہے۔ جو اس نے پوپ لیو کے حکم پر بنائی تھیں۔ یہ تصاویر آج کلاسیک کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور آج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اطالیہ کے ان گرجا گھروں میں دیکھی جا سکتیں ہیں۔

مآخذ:

1000 عظیم واقعات۔

یورپ کی بیداری، از ول ڈیوران۔

تاریخ میں سفر از عدنان طارق۔

تاریخ تہذیب از مولانا غلام رسول مہر۔

نوٹ: ہماری کتاب "تاریخ عالم کے اہم سنگ میل" کے سرورق پر ہم نے رافائیل کی مشہور تصویر "اسکول آف ایتھنز" لگائی ہے۔ جس میں رافائیل نے تمام یونانی فلسفیوں کے ساتھ ساتھ ابن رشد فارابی، ابن سینا جیسے مسلم فلسفیوں کو بھی دکھایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے "سرورق" اس تصویر میں افلاطون اور ارسطو کو فلسفے کی کتب فکر اخلاقیات اور طبیعی فلسفے کے نمائندوں کے طور پر دکھایا گیا ہے یہ دونوں مشہور فلسفی تصویر کے عین درمیان ہیں۔ سفید عبوری اور آسمانی رنگ میں ملبوس ہیں۔ ارسطو نے اپنی کتاب "اخلاقیات" ہاتھ میں تھامی ہے اور دوسرے ہاتھ سے وہ اشارہ کر رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

1504ء۔ کابل پر بابر کا قبضہ

907ھ/1503ء میں شیبانی نے بابر کو شکست دے کر سمرقند چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ بابر سمرقند سے اس حال میں نکلا کہ آدھی رات کے وقت اس کے ساتھ خواجہ ابولمکارم اور صرف ایک سو ہمراہی، ہمرکاب تھے۔ یہاں تک کہ اس پریشان حالی میں بابر اپنی ہمشیرہ اور حرم کی دیگر خواتین کو بھی ساتھ نہ لے جاسکا اور یہ خواتین بعد ازاں قلعہ میں رہ جانے کی وجہ سے شیبانی خان کے تصرف میں آ گئیں۔ بابر ان ہمراہیوں کے ساتھ توکل الٰہی کو راہنما بناتے ہوئے تاشقند پہنچا اور سلطان محمود خان کا مہمان بنا۔ سلطان محمود نے اپنے اس مہمان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ رہائش کے لیے ایک محل اور اخراجات کے لیے ایک موضع مخصوص کر دیا۔ محمود خاں رشتے میں بابر کا چچا تھا۔ مہمان گرامی قدر نے موسم سرما یہیں گزارا اور موسم بہار میں محمود خان سے کمک طلب کی محمود خاں اپنے بھائی کے ساتھ کمک کے لیے سوار ہو گیا اور یہ سب فرغانہ پہنچے۔ فرغانہ اس وقت احمد تنبل کے قبضہ میں تھا۔ وہ اطاعت قبول کرنے کی بجائے مقابلہ پر تیار ہو گیا۔ بابر نے فرغانہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ احمد تنبل نے شیبانی خان سے اعانت طلب کی اور وہ بلائے ناگہانی کی طرح فرغانہ آن پہنچا۔ اس کے آتے ہی طرفین میں جنگ چھڑ گئی۔ سخت مقابلہ کے بعد بابر کو ایک بار پھر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ شیبانی اب تاشقند پر بھی قابض ہوا اور بابر جان بچا کر مغلستان کی طرف نکل گیا۔ شیبانی خان کسی وقت میں محمود خاں اور اس کے بھائی کے ہاں ملازم رہ چکا تھا۔ ان قدیم حقوق کو پہچانتے ہوئے شیبانی خاں نے دونوں بھائیوں کو رہا کر دیا اور تاشقند بھی انہیں واپس کر دیا۔

اب بابر کا کوئی پرسان حال نہ رہا اور وہ حوادث عالم کا مردانہ وار تنہا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جب اس کا اپنا موروثی ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو یہی خواہوں نے اسے ہندوستان فتح کرنے کا مشورہ دیا۔

بابر نے ان حالات میں کابل جانے کا فیصلہ کیا اور وہ بدخشاں سے گزر کر حاکم بدخشاں، خسرو شاہ اس کا مخالف تھا اور صحرا نوردی کے ایام میں ایک مرتبہ اس نے بابر کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس مرتبہ اس نے مصلحتاً آو بھگت کی مگر اس کے امراء بابر سے مل گئے اور انہوں نے اس کے بعض باطن کی خبر دی۔ ان امراء نے بابر کو اپنے اس میزبان کو گرفتار کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر خسرو شاہ بدخشاں سے فرار ہو گیا۔ اور بدخشاں اس بے سروسامانی کے عالم میں

Scanned with CamScanner

بابر کے قبضہ میں آ گیا۔ خسرو شاہ کے چار ہزار لشکری بھی بابر سے مل گئے جس سے اس کی عسکری طاقت بڑھ گئی۔ بابر اس لشکر کو لے کر کابل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے ذہن میں ہندوستان فتح کرنے کا خیال سما چکا تھا۔ اور کابل ہندوستان کے لیے سب سے قریبی دروازہ تھا۔

کابل پر ان دنوں الغ بیگ کا ایک داماد محمد مقیم حکمران تھا۔ جو رشتے میں بابر کا چچا ہوتا تھا۔ جب اسے بابر کے عزم کابل کی خبر ملی تو وہ قلعہ بند ہوگیا مگر چند ہی روز بعد مایوس ہوگیا اور بابر سے امان کا طالب ہوا اور اس نے قلعہ بابر کے حوالے کردیا (جون 1504ء)۔

کابل میں قدم جما کر بابر نے اپنے بھائی جہانگیر مرزا کو غزنی کا حاکم مقرر کیا۔ اس زمانے میں خراسان میں انتشار کی خبریں بابر کو ملیں ان کی بنا پر بابر بادشاہ نے خراسان کا عزم کیا۔ اس دوران خبر ملی کہ جہانگیر کا انتقال ہوگیا۔ ادھر ایسی صورت پیدا ہوئی کے قندھار کے حاکم نے شیبانی خان کے اقتدار سے بچنے کے لیے۔ بابر کو شہر پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ بابر نے خراسان کا ارادہ ملتوی کردیا اور قندھار کی فتح کے بعد یہ قلعہ اپنے بھائی ناصر میرزا کے حوالے کردیا۔

کابل کی فتح بابر کی فتح ہندوستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہیں بابر کو ہندوستان حالات سے آگاہی حاصل ہوئی اور اس نے وہاں کی فتح کا عزم کیا۔

مآخذ:

بابر نامہ، منتخب الباب، جلد اول۔

Scanned with CamScanner

1505ء۔ مونا لیزا کی تخلیق اور لیونارڈو ڈاونچی

اطالوی تصویروں میں ابعاد ثلاثہ (Three Dimention) کی کیفیت جزواً اس وجہ سے بھی پیدا ہوئی کہ مصور خود مجسمہ تراش تھے اور بذات خود فن سنگتراشی کا مطالعہ بھی کرتے رہے تھے۔ مثلاً جیوٹو، مائکل اینجلو اور لیونارڈو ڈاونچی۔ حقیت یہ ہے کہ دور احیاء علوم میں مصوری اور مجسمہ تراشی کے درمیان گہرا تعلق قائم رہا۔ گویا وہ ایک ہی سکے کے دو مختلف پہلو تھے۔

نشاۃ ثانیہ کے مشہور زمانہ مصور لیونارڈو ڈاونچی Leonardo-Davinci (1452ء۔1519ء) نے 1505ء میں دنیائے مصوری کا وہ عظیم شاہکار تخلیق کیا جسے آج کل مونا لیزا کہا جاتا ہے۔ جس کی خوابیدہ خفیف سی مسکراہٹ آج کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی دیکھنے والوں کو ڈاونچی کی یاد دلاتی ہے۔ اس تصویر کی خوبصورتی بھی اس کی سہ ابعادی کیفیت میں مضمر ہے جو اس کے مصور کی سنگتراشی میں دلچسپی کی وجہ سے ہے۔

مونا لیزا ایک نوجوان عورت کی تصویر ہے جس کے چہرے پر مدھم اور خفیف سی خوابیدہ مسکراہٹ ہے۔ یہی مسکراہٹ اس کی وجہ شہرت ہے پہلی نظر میں یہ تصویر بالکل سادہ سی نظر آتی ہے۔ لیکن بغور دیکھنے کے بعد جب مسکراتی ہوئی اس عورت کے جذبات و تاثرات ناظر پر کھلتے ہیں تو اسے مصور کی فنکارانہ عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

لیونارڈو ڈاونچی صحیح معنی میں نشاۃ ثانیہ کا ایک فنکار تھا۔ اطالوی قصبے ونچی میں پیدا ہوا اور ایک قانون داں کا بیٹا تھا۔ 1482ء میں اس کا تقرر میلان میں بحیثیت انجینئر اور سائنسدان ہوا۔ اس نے مصوری کے ساتھ ساتھ سائنس کے میدان میں بھی بہت سی خدمات انجام دیں۔ اس نے آبیات کا مطالعہ کیا اور اس بات کا پتہ چلایا کہ نہروں میں پانی کس طرح بہتا ہے اور نہریں کس طرح بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کے دماغ میں بے شمار جدید تصورات تھے جو اس نے اپنی نوٹ بک میں مختلف خاکوں کے ذریعے ظاہر کیئے تھے۔ ان میں جدید ہیلی کاپٹر سے لے کر آبدوزوں تک کے تصوراتی خاکے موجود ہیں۔ اگرچہ اس کے یہ خاکے عملی طور پر مشینوں میں نہ ڈھل سکے مگر ان خاکوں نے لیونارڈو کے اپنے وقت سے بہت آگے ہونے کا ثبوت فراہم کردیا۔ مصوری میں لیونارڈو کا تعلق جیوٹو اور میساسیوں کے زمرے میں عام قاعدے سے استثنا کی ایک درخشاں مثال تھا۔ یعنی جو لوگ تصویریں بنا سکتے ہیں، بناتے ہیں

Scanned with CamScanner

جو نہ بنا سکے وہ معلم بن جائے۔ لیونارڈو کو نظر و عمل دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا۔
دوسرے بڑے مصوروں کے مقابلے میں لیونارڈو نے نسبتاً صرف چند تصویریں مکمل کیں کیونکہ اس نے اپنا بہت سا وقت، قوت اور صلاحیتیں سائنسی کے متعلق سرگرمیوں اور اپنے سرپرستوں کی خدمات میں صرف کیں آج اس کی صرف چند تصاویریں محفوظ ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر بری طرح خراب ہو چکی ہیں یا ان کی درستی ٹھیک ٹھیک نہ کی گئی۔ عشاء ربانی کی تصویر گیلی دیوار پر بنائی گئی تھی، جس کے ابتدائی رنگ جلد مدھم پڑ گئے۔ کم درجے کے فن کاروں نے بار بار اس پر تازہ رنگ پھیرے۔ اس سے چہروں کے ابتدائی تاثر بدل گئے۔ آج ہم میلان میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ لیونارڈو کے شاہکار کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے۔ بہ ایں ہمہ اس کی تصویروں میں اس کے کمالات بڑی حد تک نمایاں ہیں۔ اس کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں کا دائرہ حد درجہ وسیع تھا۔ اس کا اندازہ کرنا ہو تو اس کی یادداشتوں کا شائع شدہ مجموعہ دیکھنا چاہیے جس میں س کے بنائے گئے سائنسی ایجادات کے خاکے بھی موجود ہیں اور تصاویر کے ابتدائی نقوش اور عجیب و غریب آلات حرب کے خاکے بھی جو محض تفریح طبع اور مشغلے کے طور پر کھینچے گئے تھے۔

لیونارڈو نے قدرت کے مطالعہ کا مشورہ دیا تھا اور خود اسی پر وہ عمل پیرا رہا۔ اس نے پودوں، جانوروں اور متحجرات کی چھان بین کی۔ انسان جسم کے مختلف جوڑوں اور عضوؤں کا گہرا مطالعہ کیا اور انسانی اعصاب کا عمل کے لیے قاعدے وضع کیئے اور یہ بھی بتایا کہ جسم کے مختلف حصوں کے درمیان تناسب کیوں کر قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ایسے آدمیوں کے بہت سے خاکے کھینچے جن کی شکلیں بگڑی ہوئی تھیں اور جو انتہائی رنج و غم کی حالت میں تھے۔ اسیکو جیسے آدمی کی پیروی میں لیونارڈو نے سائنٹیفک صحت و درستی کی نئی روح پھونک دی اور ان مضحک شکلوں کو بھی پیش نظر رکھا جو گاتھوں کے گرجوں کے پرنالوں پر بنائی گئی تھیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ لیونارڈو نے انسانوں کی شخصیت و کردار کو نمایاں کرنے میں بہت دلچسپی لی جو ہمیں مونالیزا میں نظر آتی ہے۔

لیونارڈو کی مصوری کا یہ کمال ہمیں اس کی دوسری تصویر Madonna Of The Rocks میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ تصویر بھی آج کل لوور پیرس ہی میں محفوظ ہے۔ اس تصویر میں لباس میں جو سلوٹیں بھی پڑی ہوئی ہیں وہ بھی بڑی ہنرمندی سے نمایاں کی گئیں ہیں۔ ان سے لیونارڈو کا احساس مہندسی اور کمال نقاشی ظاہر ہوتا ہے۔

ماخذ:

تاریخ تہذیب۔ جلد اول۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ لیونارڈو

Scanned with CamScanner

1507ء۔ سیزری بورجیا اور اس کے بدنام زمانہ ہتھکنڈے

اطالیہ کے دور احیائے علوم کی ایک سر برآوردہ اور بدنام زمانہ شخصیت سیزری بورجیا Cerare Borgia (1476ء۔ 1507ء) ہے جو پوپ الیگزینڈر ششم کا چھوٹا بیٹا تھا اور میکیاولی کے ''دی پرنس'' کا آئینہ دار بھی ہے۔ پندرہویں صدی کے اطالیہ کا معاشرہ تمام تر اخلاقی کجرویوں شکار تھا اور اس میں اعلیٰ ترین شخصیات سے لے کر کم تر اور عام آدمی تک تمام لوگ نفس پرستی میں مبتلا تھے۔

اس ہوسناک اور برائیوں کے شکار معاشرے میں سیزر بورجیا وہ شخص تھا جس کی مکاریوں اور سازشوں، اوباشیوں اور بے اعتدالیوں نے خود ہم عصر اخلاق باختہ معاشرے کو متحیر کر دیا تھا۔ اگر چہ بورجیا خاندان تاریخ میں برائی کی تمثیل کے طور پر مانا جاتا ہے اور اس خاندان کی پوری تاریخ گھناؤنے واقعات کا مرقع ہے۔ اسی خاندان کو قدرت نے سولہویں صدی کی خباثتوں کی عکاسی کرنے کے لیے اسٹیج دنیا پر بھیجا تھا۔ اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ اس سراپا رسوائی خاندان نے نظام پاپائیت کو دو پوپ بھی عطا کیئے۔ سیزری بوجیا ان میں سے ہی ایک کا غیر قانونی بیٹا تھا۔

1493ء میں پوپ الیگزینڈر ششم نے اپنے اس بیٹے کو کارڈینل کے عہد پر مامور کیا۔ ابھی اس کی عمر صرف انیس سال تھی اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق وہ اقتدار کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے میں مشاق ہو چکا تھا۔ اس کے ان ہتھکنڈوں کا پہلا شکار خود اس کا بڑا بھائی ڈیوک آف گینڈیا ہوا۔ جون 1497ء میں وہ دونوں شاہ نیپلز کی تاجپوشی کے جشن میں شرکت کرنے کے لیے جانے والے تھے کہ ان کی ماں نے دونوں بیٹوں کے اعزاز میں ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ جب رات گئے وہ دونوں اس دعوت سے لوٹے تو شہر کے عین وسط میں ڈیوک آف گینڈیا سیزری سے الگ ہو گیا لیکن اگلے دن وہ پوپ کے پاس نہ پہنچا تو پوپ نے اسے تلاش کرایا۔ دریائے ٹائبر سے اس کی صرف لاش برآمد ہوئی جس کے دونوں ہاتھ باندھ کر اور گلا کاٹ کر اسے دریا برد کر دیا گیا تھا۔

پوپ نے غم و غصے سے قاتلوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر بے سود ثابت ہوا اور دو مہینے کی بھاگ دوڑ کے بعد پوپ نے اس تفتیش کو اچانک ختم کر دیا۔ کیونکہ وہ قاتل تک پہنچ گیا تھا۔ جو کوئی اور نہیں بلکہ اس کا چھوٹا بیٹا سیزری بورجیا تھا۔

Scanned with CamScanner

کہا جاتا ہے کہ سیزری اپنے بھائی کو راستے سے ہٹا کر اس کا منصب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر میکیاولی اس قتل کی یہ توجیہہ پیش کرتا ہے کہ قتل کا باعث گینڈیا کے اپنی بہن لوکریشیا Lucrltia سے جنسی تعلقات تھے چونکہ سیزری خود بھی اپنی بہن کے ساتھ ملوث تھا اور اسے گینڈیا کا تعلق (اس سے) ناگوار خاطر گزرتا تھا۔ اس لیے اس نے اسے اپنے راستے سے ہٹا دیا۔

کیتھولک مسیحیت میں پوپ اور کارڈینل شادی نہیں کر سکتے تھے مگر کارڈینل بورجیا نے اپنے عہدے کی مقدس قبا کو اتار کر شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے باپ کو اس کی خواہش پوری کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پوپ نے اسے کارڈینل کی بجائے ڈیوک آف فرانس بنا دیا اور وہ شاہ فرانس لوئی دوازدہم کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس کی شادی نوار کے بادشاہ کی بہن شارلٹ سے ہو گئی۔

اپنے والد کی حوصلہ افزائی سے وہ روماتا Romagna اور کئی دوسرے مقامات پر کلیسائی جاگیروں کا مالک بن گیا۔ اپنی جاگیرداری میں اضافے کے لیے اس نے اپنے دشمنوں کو بہلا پھسلا کر قلعہ سنی گالیا میں دعوت پر بلایا جہاں انہیں بعدازاں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بہنوئی الفانسو پر قاتلانہ حملہ کرایا اور جب وہ اس حملے میں بچ گیا تو اسے اس کے بستر میں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ اس کی بہن اب اس کی آغوش کو گرما سکتی تھی۔ مگر اس کی ایک اور شخص سے شادی طے پائی اور شادی کی تقریبات ویٹیکن جیسے مقدس شہر میں منعقد ہوئی جہاں سیزری نے روم کی بدنام زمانہ عورتوں کو شریک کیا اور باپ بیٹے نے دل کھول کر داد عیش دی۔ 1503ء میں پوپ الیگزینڈر ششم کا انتقال ہوا اور ساتھ ہی سیزری بورجیا کا ستارہ قسمت بھی گہنا گیا۔ اس نے اپنے ایک خاندانی دشمن جولیس دوم کو دھوکہ کھا کر پوپ منتخب کرا دیا۔ جس کے بعد اس کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔ اور جولیس دوم نے اس سے کلیسائی جاگیریں واپس لے لیں۔ ادھر لوئی دوازدہم بھی اس کے خلاف ہو گیا۔ مجبوراً سیزری نے اپنے بردار نسبتی شاہ نوار کے ہاں پناہ لی اور اس کے لیے ایک جنگ لڑتا ہوا مارا گیا۔

مآخذ:

سات خبیث انسان از محمد یونس حسرت، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا۔

Scanned with CamScanner

1508ء۔ مائیکل اینجلو اور سیسٹائن گرجا کی تزئین

ایک شخص روم میں مشہور کلیسا، سیسٹائن چیپل کی چھت پر آبی رنگوں سے تصویر کشی کر رہا تھا۔ یہ شخص مائیکل اینجلو تھا جو مہینوں بلکہ برسوں پشت کے بل لیٹ کر چھت کی تزئین و آرائش کرتا رہا۔ اس کی یہ تصویر کشی دنیا کے عظیم شہ پاروں میں شمار ہوتی ہے۔ تاہم مائیکل اینجلو خود کو بنیادی طور پر ایک سنگ تراش تصور کرتا تھا اگرچہ وہ احیا علوم کے دور کے اٹلی کا ایک اچھا مصور بھی تھا۔ اسی طرح دنیا کے متعدد ناقدین اسے دنیا کا صف اول کا سنگ تراش سمجھے۔ اگرچہ اس نے سیسٹائن چیپل میں فن مصوری کی انتہا کرتے ہوئے انجیل مقدس کے تاریخی مناظر نقش کیئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مائیکل اینجلو ایک اعلیٰ ماہر تعمیر بھی تھا۔ اس میدان میں اس کے اہم کارناموں میں سے ایک فلورنس میں ''میڈیچی چیپل'' کی عمارت ہے۔ وہ متعدد برس تک روم میں سینٹ پیٹر کے کلیسا کی تعمیر کے دوران اہم ترین ماہر تعمیرات بھی رہا۔ اور اس کی سرکردگی میں اس عمارت کے مشہور زمانہ گنبد کا ڈیزائن بھی تیار کیا گیا۔

نشاۃ ثانیہ کا یہ عظیم فن کار مائیکل اینجلو عالمی بصری فنون کی تاریخ کی ایک غیر معمولی شخصیت ہے۔ یہ عبقریت پسند مصور اپنے پیچھے شہ پاروں کا ایک عظیم خزانہ چھوڑ گیا ہے جو چار پانچ صدیوں سے دیکھنے والوں کے ذوق کی تسکین کا سامان بنا ہوا ہے۔ اس کے فن پاروں نے بعد کی یورپی مصوری اور سنگ تراشی کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ مائیکل اینجلو مشہور اطالوی شہر فلورنس سے تقریباً چالیس میل دور کیپریس نامی قصبے میں 1475ء میں پیدا ہوا۔ اوائل عمری ہی میں اس کے جوہر کھلنے لگے۔ تیرہ برس کی عمر میں وہ فلورنس کے ایک معروف مصور غرلاندیو کے ہاں ملازم ہوگیا۔ پندرہ برس کی عمر میں وہ فلورنس کے بے تاج بادشاہ لورنیزہ عالیشان کے خاندان کے ساتھ اس کے محل میں رہنے لگا اور لورنزو اس کا سرپرست بن گیا۔ اس عظیم فن کار نے اپنی پوری زندگی میں پاپائے روم اور کئی بے تعصب یورپی فرمانرواؤں کے لیے بے شمار فن پارے تخلیق کیئے۔ اسی تخلیقی عمل کے دوران اس کی زندگی مختلف محلوں میں بسر ہوئی۔ وہ اپنی زندگی کے بیشتر برسوں میں روم اور فلورنس میں مقیم رہا۔

اس نے اپنے مربی پوپ جولیس دوم کے مقبرے کی تزئین و آرائش پر چالیس سال صرف کیئے مگر پھر بھی وہ اپنے کام سے مطمئن نہ ہوسکا۔ یہی بات اس کی فنکارانہ عظمت کی دلیل ہے مائیکل اینجلو بڑا خود رائے شخص تھا۔ چنانچہ وہ بار بار اور بڑی سختی کے ساتھ اپنے اس

Scanned with CamScanner

سب سے بڑے تحکم پسند اور غضب ناک مربی پوپ جولیس دوم سے ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہا۔ مائیکل اینجلو حد درجہ جذباتی اور ترش رو تھا جیسے کہ پہلے ذکر آیا کہ اسے فن تعمیر اور مصوری میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی مگر وہ ہمیشہ مجسمہ تراشی کی طرف مائل رہا۔ 1508ء میں انتہائی جبر سے کام لے کر جولیس دوم نے مائیکل اینجلو کو سیسٹائن گرجے کی چھت پر تصویریں بنانے کے لیے آمادہ کیا۔ 1512ء میں اینجلو نے یہ تصویریں مکمل کر دیں۔ انتیس سال بعد ایک اور پوپ (پوپ پال سوم) کی طرف سے اسی قسم کا مطالبہ پیش ہوا۔ اس موقع پر مائیکل اینجلو نے گرجے کے ایک حصے میں دوسرا بڑا کام تخلیق کیا یہ تھا گرجے کی ایک دیوار پر ''انجیل مقدس کی آیات کی تفسیری تصویر'' یوم الحساب۔ گرجے کی چھت پر بنی ہوئی یہ تصویریں یقیناً اعلیٰ درجے کی ہیں۔ اس گرجے کی چھت 14x40 گز کی ہے جس پر مائیکل اینجلو نے کل 343 الگ الگ تصویریں بنائیں اور اس کام میں پورے چار سال صرف کیئے۔ وہ تقریباً تنہا اس کام میں مصروف رہا صرف ایک آدمی پلستر کے لیے اور دوسرا آدمی رنگوں کی آمیزش کے لیے اس کا مددگار تھا۔ وہ ایک اونچی سیڑھی پر چڑھ کر ایک مچان پر پشت کے بل لیٹ جاتا اور انتہائی تکلیف دہ حالت میں کام کرتا تھا۔ بعض اوقات رات کو بھی استراحت کے لیے نیچے نہ اترتا۔ پوپ بڑا بے صبر تھا، وہ اسے بار بار کہتا کہ کام کی رفتار انتہائی سست ہے اور مائیکلو اینجلو کو بار بار اس سے جھگڑنا پڑتا۔

اس شاندار کام کے لیے مائیکل اینجلو نے کوئی معمولی موضوع نہ چنا بلکہ کتاب ''پیدائش'' کے نہایت عالیشان مناظر انتخاب کیے گئے۔ مثلاً سورج اور چاند کی تخلیق، خدا کی روح کا پانی پر جنبش کرنا، آدم وحوا کی تخلیق، شجر ممنوعہ کا پھل کھانا، اور بہشت سے اخراج۔ ان تصویروں کے گرد جو خالی جگہیں بچیں وہاں اینجلو نے زیب و زینت کے لیے وہاں کوئی حاشیہ نہ کھینچا بلکہ درجنوں غلاموں، کاہنوں اور نبیوں کی تصویریں بنا ڈالیں۔ ان تصاویر میں جو تصویر بار بار ایک اعلیٰ مجسمہ تراش کو زیادہ موزوں معلوم ہوئی وہ ایک انسان کی برہنہ تصویر تھی، حقیقت سے قریب تر خصوصاً مرد کی۔ اس وسیع نگار خانے میں ہر قسم کی برہنہ تصویریں موجود ہیں۔ اس گرجے کی تصویروں میں خدا کے متعلق انسانی تصورات کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ خدا بار بار نمایاں ہوتا ہے لیکن وہ برہنہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے ایک لمبا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور وہ ہر لحظہ بدلتا ہوا بطریق معلوم ہوتا ہے۔ پانی پر جنبش کے دوران وہ حد درجہ فیاض اور کریم النفس دکھایا گیا ہے۔ کہیں وہ آدم کے لیے بے جان بت کو زندگی بخشتا نظر آتا ہے۔ مگر چاند اور سورج کی تخلیق کے دوران وہ قادر مطلق خدا بن جاتا ہے۔ اور حد درجہ زبردست اور بگولے کی طرح تیز تر دکھایا گیا ہے۔

ماخذ: تاریخ تہذیب، از مولانا غلام رسول مہر، سو عظیم آدمی، 1000 واقعات۔

Scanned with CamScanner

1509ء۔ ڈیسیڈریئس اراسمس کی "دومدح حماقت"

سولہویں صدی کا ڈچ مفکر اراسمس 1466ء میں پیدا ہوا۔ اراسمس نے ہالینڈ میں ہی تعلیم پائی۔ اس کے والدین کی وفات کے بعد اسے سرپرستوں کے سپرد کردیا گیا تھا جنہیں وہ ظالم کے طور پر یاد کرتا تھا۔ تعلیم کے بعد وہ پادری بن گیا۔

اسے پیرس یونیورسٹی میں الہیات پڑھنے کا موقع ملا۔ پیرس میں وہ انسانیت پسندوں کی صف میں جا کھڑا ہوا اور انجام کار ان سب سے بھی بڑا انسانیت پسند بن گیا۔ وہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے انتہائی صاحب علم لوگوں میں سے ایک تھا۔ مثلاً اس نے اپنے دوست اور ہم عصر انگریز عالم سر ٹامس مور سے کہیں زیادہ علم حاصل کیا تھا۔ اس نے اپنی کتاب "درمدح حماقت" ٹامس مور کے نام مصنون کی تھی۔ اراسمس نے عہد اصلاح Age of Reformation کی راہ ہموار کرنے کے لیے اس نے اپنے عہد کے تمام دیگر اہل علم سے زیادہ کوشش کی تھی۔ جرمن پروٹسٹنٹ آرٹسٹ ابریخت نے لوتھر کی موت کی افواہ پھیلنے کے بعد اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ اب اراسمس کلیسا کے خلاف آواز اٹھائے گا۔ بہت سے اور لوگوں کو بھی یہی توقع تھی۔ اراسمس ایک فلسفی سے زیادہ ایک تخیلاتی مصنف تھا۔ ایک ایسا مصنف جس نے اپنی تصنیفات کے ذریعے دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا چاہا۔ وہ حماقت اور بے وقوفی سے تنگ آ گیا۔ چنانچہ وہ حماقت کا ہجو گو بن گیا۔ غالباً وہ سب سے زیادہ جنگ کا مخالف تھا۔ اس کی اس تصنیف میں جنگ کے خلاف دلائل ملتے ہیں۔ لیکن اسی وجہ سے وہ اپنے عہد کے عیسائیوں کے لیے موزوں نہ بن سکا۔

ذرمدح حماقت دراصل انسانی تنوع اور قوائیت Vitality کے موضوع پر لکھی گئی تھی۔ اسے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس میں بیک وقت کئی خوبیاں ہوں۔ اراسمس ایک پیچیدہ طنز نگار تھا جو خود کو پیش آنے والے تمام تکلیف دہ معاملات کے مقابلے میں کچھ اطمینان بخش اور دل موہ لینے والی سادگی کا متلاشی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انسان کبھی بھی مستقل مزاج نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی شخصیت کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔

اراسمس کے زمانے میں حماقت یا احمق کا کردار عام ہوگیا تھا۔ جرمن مصنف سیباسٹیان برائٹ نے اسی موضوع پر "احمقوں کا جہاز" لکھی تھی جسے ہر ایک نے پڑھا اور اس پر بحث کی تھی۔ برائٹ کی اس اخلاقی تحریر کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ حالات سے سمجھوتہ کرنے میں ہی دانائی

Scanned with CamScanner

ہے۔ اراسمس نے سیاسٹیان کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے حماقت کو بیان کیا تھا۔ سب سے پہلے حماقت خود کہتی نظر آتی ہے کہ "یہ کتاب حماقت نے حماقت کی ہی مدح میں لکھی ہے۔" اس قسم کا عنوان یقیناً طنزیہ ہے۔ لیکن حماقت کی جانب سے حماقت کی مدح ایک حقیقی مدح ہے۔ یہ ایمان دارانہ اور فطری احساس، جبلت، توانائی اور سادگی کو خراج تحسین ہے۔ حتیٰ کہ ایک غیر ذمہ داری کے لیے بھی ایک خراج عقیدت ہے۔ جیسا کہ اراسمس نے لکھا ہے کہ "کم از کم اتنا تو یقینی ہے" تھوڑی بہت حماقت کے بغیر کسی پارٹی میں مزح پیدا نہیں ہوسکتا۔

اراسمس کی ادبی حیثیت سے قطع نظر اس کے بارے میں اصلاح کلیسا کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سلطنت روماء کے زوال کے بعد وہ پہلا ادیب تھا جو جنگ سے خوفزدہ تھا اور ہمیشہ اطمینان اور چین کو پیش کرتا تھا۔ اسے شور وغل اور ہنگاموں سے نفرت تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ریاست اور کلیسا کی خرابیاں خود بخود درست ہوجائینگی۔ جس بات کو اراسمس محسوس کرتا تھا وہ یہ تھی کہ ذمہ دار لوگ وقت آنے پر ان باتوں کو ہاتھ میں لے لیں گے اور درست کردیں گے۔ ہمیں ان کے بارے میں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں اور نا ہی پاپائیت پر براہ راست حملہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے جنگ چھڑ جائے گی اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی۔ جس بات کو اراسمس پہلے محسوس کرتا تھا لوتھر نے اسے اعلانیہ بغاوت کے بعد محسوس کیا اراسمس کے نزدیک علم الہیات ایک راستبازی تھی اور وہ راستبازی کو عملی طور پر زندگی میں ظاہر ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

Scanned with CamScanner

1509ء۔ تحریک اصلاح کلیسائے انگلستان اور ہنری ہشتم کی طلاق کا مسئلہ

سولہویں صدی میں جرمنی کے بعد جس ملک میں مذہبی کایا پلٹ ہوئی وہ انگلستان ہے مگر انگلستان میں تحریک اصلاح کلیسا لوتھر کے پچانوے احتجاجی نکات والے مرقع سے خاصی جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری ہشتم (1509ء۔ 1547ء) چاہتا تھا کہ اپنی ملکہ کیتھرائن کو الگ کر کے اپنے دربار کی ایک خاتون این بولین Ann Boleyn سے شادی کر لے۔ اس کا عذر یہ تھا کہ کیتھرائن میرے بڑے اور متوفی بھائی آرتھر سے بیاہی گئی تھی اور بھائی کی بیوی سے شادی مسیحی قوانین کے مطابق جائز نہیں۔ لیکن اس کا یہ دعویٰ قطعاً کبھی نہ رہا تھا کیوں کہ تقریباً بیس سال بعد اسے اس ممانعت کا علم ہوا۔ مزید براں کیتھرائن شہنشاہ چارلس پنجم کی پھوپھی تھی اور پوپ ہنری کے ساتھ کیتھرائن کی شادی منسوخ کر کے شہنشاہ کی ناراضگی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ تاہم شاہ ہنری نے اپنے وزیر لارڈ ولزے کے ذریعے سے بڑی کوشش کی اور جب ناکام رہا تو اسے وزارت سے برطرف کر دیا۔ پھر ہنری نے انگلستان اور براعظم کے اہل علم سے رائے لی اور چند موافق جواب حاصل کر لیئے۔ آخر این بولین سے شادی کری۔ شاہ ہنری ہشتم اپنی چھ شادیوں کے لیے مشہور ہے۔ اس نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دی، دو کو قتل کرایا، ایک طبعی موت مری اور ایک ہنری کی وفات کے بعد تک زندہ رہی۔ ملکہ این بولین ہی ایلز بتھ کی والدہ تھی کنٹر بری کے آرچ پشت ٹامس کرینمر نے جس کو ہنری نے پوپ سے بغاوت کر کے چرچ آف انگلینڈ کا سربراہ مقرر کیا تھا، ہنری اور کیتھرائن میں طلاق کا اعلان کر دیا۔ پوپ نے شاہ ہنری کو اس کے جواب میں دائرہ مذہب سے خارج کر دیا اور اس طلاق کو ناجائز قرار دے دیا۔ جواباً ہنری نے 1534ء میں قانون برتری منظور کرایا جس کے مطابق بادشاہ کو کلیسائے انگلستان کا رئیس برتر قرار دے دیا گیا۔

ہنری ہشتم کی نجی زندگی کے علاوہ بھی کچھ چیزیں انگلستان کی تحریک اصلاح کلیساء میں شامل تھیں۔ ہنری پارلیمنٹ سے قانون برتری اور پروٹسٹنٹ مذہب کے متعلق دوسرے قوانین کی منظوری حاصل نہیں کر سکتا تھا، اگر انگریزوں کے خاصے بڑے گروہ کی رائے پوپ یا رومہ سے قطع تعلق کے حق میں نہ ہوتی، خصوصاً طبقہ اوسط کے عوام کی رائے۔ انگریزوں کی قوم پروری مین پاپائیت کے خلاف جذبہ مدت سے موجود تھا۔ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ایڈورڈ سوم نے چودھویں صدی میں خاص قانون بنائے تھے جن کی رو سے کلیسائے انگلستان کے

Scanned with CamScanner

معاملات میں پوپ کی مداخلت کو محدود کر دیا گیا تھا۔ پادریوں کی مخالفت وکلف کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ ہنری ہشتم کے زمانے میں یہ جذبہ خانقاہوں کے خلاف بروئے کار آیا۔ جو اس وقت بھی وسیع اراضی کی مالک تھیں اور ازمنہ وسطیٰ کے بعد سے ان کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ بہت سے انگریزوں کے نزدیک خانقاہیں اصل مقصد ختم کر چکی تھیں اور ان میں اصلاح کی ضرورت تھی۔ یا یہ کہنا چاہیے کہ انہیں ختم کر دینا چاہیے تھا۔ مزید برآں لوتھر اور براعظم کے دوسرے پروٹسٹنٹ مفکرین کے افکار کے لیے انگلستان میں جلد ہمدردی کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے انگریز اہل قلم براعظم کے مصلحین سے رابطہ وضبط رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک یعنی ولیم ٹنڈیل Tyndale نے لوتھر کے ساتھ تعلیم پائی تھی اور 1526ء میں اس نے انجیل مقدس کے عہد نامہ جدید کا ترجمہ کیا تھا۔

ہنری ہشتم نے کلیسائے رومہ کے خلاف قانون برتری کے علاوہ اور تدبیروں کی بھی سرپرستی کی، جو انگلستان کے پروٹسٹنٹوں کے نزدیک پسندیدہ تھیں۔ ان میں اہم ترین تدبیر یہ تھی کہ خانقاہی نظام ختم کر دیا جائے اور ان کی جائدادیں ضبط کر لی جائیں۔ اس طرح جو کچھ ہاتھ آیا وہ امراء اور دیہاتی شرفاء میں تقسیم کر دیا گیا۔ یوں ذی اثر افراد خود ہنری اور اس کے خاندان کے ممنون ہوئے۔ نیز اس مسلک سے زمیندار امراء کی دولت میں اضافہ ہوا۔ جسے مجلسی اور اقتصادی انقلاب سمجھنا چاہیے ایک اور مثال یہ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ تحریک اصلاح کلیسا میں مذہب اور دنیاداری کتنے قریب آ گئے تھے۔

تاہم یہ بات حیرت انگیز ہے کہ شاہ ہنری اپنے آپ کو پروٹسٹنٹ نہیں سمجھتا تھا۔ قانون برتری کے مطابق اس نے جس کلیساء کی بنیاد رکھی وہ رومن کیتھولک کلیسا ہی تھا۔ اور آج تک اس کلیسا سے تعلق رکھنے والے لوگ اسے کیتھولک ہی سمجھتے ہیں۔ ہنری کو امید تھی کہ چرچ انگلستان کے قیام کے بعد بھی کیتھولک عقائد و رسوم قائم رہیں گے۔ صرف اتنا ہوگا کہ خانقاہی نظام ختم ہو جائے گا۔ اور پوپ کلیسائے انگلستان کا سربراہ نہیں مانا جائے گا۔ اس کے ان نظریات کے خلاف لوگوں نے آواز اٹھائی مخالفین کا ایک حصہ رومن کیتھولک تھا کیونکہ بعض قدامت پسند انگریز رومہ سے قطع تعلق پر سخت ناراض تھے مگر ان مخالفین میں زیادہ تر پروٹسٹنٹ ہی تھے۔ ہنری نے مخالفین کے خلاف طاقت استعمال کی اور بعض ممتاز آدمیوں کو سزائے موت دی جن میں سر ٹامس مور قابل ذکر ہے۔ اس طرح انگلستان مذہبی تنوع کا شکار ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

1512ء۔ سلطان بایزید ثانی کی معزولی

ترکی کی عظیم سلطنت عثمانیہ میں قانون تخت نشینی رائج نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ تخت نشینی کے لیے بردار کشی اور جدال وقتال کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی قانون کی عدم وجودگی کی وجہ سے نئے سلطان کو سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے سب بھائیوں اور ان کی اولاد نرینہ کو تہہ تیغ کرادینا پڑتا تھا۔ ایک سن رسیدہ سلطان کے فرزندوں پر یہ الم ناک فریضہ بھی عائد ہوجاتا کہ وہ اپنے باپ کی وفات پر اس سے پہلے ہی جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔ کم وبیشتر ساری عثمانی تاریخ انہیں واقعات سے پر ہے۔

سلطان محمد فاتح کے دو بیٹے تھے۔ بایزید ثانی اور شہزادہ جم شہزادہ جم نے یہ تمنا ظاہر کی تھی کی یوروپی علاقے بایزید کے پاس رہیں جب کہ ایشیائی مقبوضات اسے دے دیئے جائیں۔ بایزید نے اس تجویز کو منظور نہ کیا تو شہزادہ جم نے بغاوت کرکے جنگ تخت نشینی کی طرح ڈال دی۔ 20 جون 1481ء کو جم شکست کھا کر مصر چلا گیا۔ وہاں سے فوج لے کر پلٹا مگر پھر ایشیائے کوچک کے سرداروں کی مدد سے برسرپیکار ہوا مگر دوبارہ ناکام رہا اور جزیرہ روڈس پہنچا۔ وہاں کے عیسائی سردار نے اپنی چالاکی اور غداری سے اسے نظر بند کردیا اور اس کے عوض سالانہ 45000 دوکات سلطان ترکی سے وصول کرنا شروع کردیئے۔ بالآخر شہزادہ پوپ کے پاس پناہ گزین ہوا مگر پوپ کے جانشین سکندر بورجیا نے اسے قتل کرکے 300000 دوکات وصول کرلیے۔ بایزید ثانی نے اپنے بھائی کی لاش کو پورے اعزاز کے ساتھ بروصہ میں دفنا دیا۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے بالکل اسی قسم کا تنازع سلطان بایزید ثانی کی زندگی میں اس کے دو بیٹوں شہزادہ سلیم اور شہزادہ احمد کے مابین 1512ء میں رونما ہوا۔ 1511ء میں شہزادہ سلیم نے اپنے خسر تاتارخان کی مدد سے اپنے والد کو مجبور کیا کہ یا تو اسے صوبہ بلقان کا حاکم مقرر کرے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہوجائے۔

بایزید نے مجبوراً اسے حاکم بلقان بنادیا۔ لیکن شہزادہ سلیم اس پر اکتفا نہ کرسکا۔ اس نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ دارالسلطنت میں وزیراعظم علی پاشا شہزادہ احمد کا طرفدار ہے۔ اور اگر وہ ایشیائے کوچک میں شاہ قلی خان کی بغاوت فرو کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ضرور شہزادے احمد کو تخت نشین کرادے گا۔ شہزادے سلیم نے یہ خیال ذہن میں رکھتے ہوئے ادرنہ پر حملے کی ٹھانی۔

Scanned with CamScanner

مجبوراً سلطان بایزید کو "افراش درسی" کے مقام پر اس کا مقابلہ کرنا پڑا۔ شہزادہ اس جنگ میں شکست کھا کر کریمیا میں اپنے خسر کے پاس پناہ گزین ہوا۔ دوسری طرف شہزادہ احمد اور وزیر اعظم علی پاشا شاہ قلی خاں کو شکست دے کر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے۔ ان کا منشا تھا کہ قسطنطنیہ پہنچ کر تخت نشینی کا اعلان کر دیں۔ مگر ینی چری فوج شہزادہ سلیم کی طرفدار تھی۔ اس نے مطالبہ کیا کہ شہزادہ سلیم کو تخت نشین کیا جائے۔ بایزید نے ینی چری کا ایک وفد طلب کر کے اس سے اس مطالبے کی توضیح چاہی۔ وفد نے جواب دیا۔ "ہمارا بادشاہ بوڑھا ہو چکا ہے اور ناتواں ہے۔ اس لیے ہم جوان ہمت سلیم کو تخت نشین کرنا چاہتے ہیں۔ بایزید نے موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے اور ینی چری کی متوقع بغاوت کے پیش نظر اعلان کیا کہ وہ اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تاج و تخت سے دستبردار ہوتا ہے۔ اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ سلیم کو ایک خوشحال عہد حکومت عطا کرے۔ سلطان گوشہ نشین ہو کر دارالسلطنت سے روانہ ہوا مگر صرف تین روز بعد اس پر مرگ ناگہانی نے حملہ کیا اور وہ وفات پا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس کی موت زہر خورانی سے ہوئی۔

Scanned with CamScanner

1513ء۔ میکیاولی کی ''دی پرنس''

نشاط ثانیہ کا وہ مصنف جس نے علم سیاسیات کو سائنس کا درجہ دیا ایک اطالوی مفکر میکیاولی (1469ء۔ 1527ء) تھا۔ میکیاولی 30 مئی 1469ء کو فلورنس (اطالیہ) میں پیدا ہوا۔ 1498ء میں فرانس نے اٹلی پر حملہ کیا تو اٹلی کا مشہور حکمران خاندان میڈیچی اقتدار سے محروم ہوگیا اور فلورنس میں جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس نئی جمہوریہ میں میکیاولی کو ایک اہم عہدہ دیا گیا۔ یہ فرسٹ سیکرٹری کا عہدہ تھا۔ جس پر وہ 1520ء تک فائز رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ میکیاولی نے ایک سفارت کار کے طور پر بھی کام کیا۔

میکیاولی کو اس کی جس تصنیف کی بدولت عالمی شہرت نصیب ہوئی اور دور احیائے علوم میں اسے اقتدار دوست سیاسیات کا سب سے بڑا محافظ قرار دیا گیا۔ وہ اس کی کتاب ''الملوک یا دی پرنس The Prince'' ہے۔ اس کتاب میں میکیاولی نے چارلس ہفتم آف فرانس لورینزو عالیشان فرڈینینڈ، بادشاہ اراگون اور سب سے بڑھ کر سیزر بورجیا کی مدح وستائش کی ہے۔ میکیاولی خود ایک تجربہ کار ماہر سیاسیات تھا اور جیسا کہ پہلے ذکر آیا 1498ء سے 1512ء تک جمہوریہ فلورنس میں اہم سیاسی خدمات انجام دے چکا تھا۔ جب میڈیچی خاندان دوبارہ برسر اقتدار آیا تو اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ 1512ء کے بعد ہی اس نے کتاب ''دی پرنس'' مرتب کی اور اسے حکمران میڈیچی سے اس باطل امید پر منسوب کیا کہ اسے دوبارہ سیاسی اقتدار حاصل ہوجائے گا۔ جو نہ ہوسکا۔ کتاب دی پرنس کی رسوائی تو بہت ہوئی اور اس نے بڑی شہرت بھی حاصل کی مگر ناقدین کے مطابق اس کے مختلف حصے خاصے بے لطف بھی ہیں۔ بایں ہمہ اس میں ایسے بیانات بھی موجود ہیں جن کی بنا پر اسے بڑی بدنام زمانہ قرار دیا گیا اور ''میکیاولیت'' کی اصطلاح وجود میں آئی۔ میکیاولی انسانی فطرت تو سمجھتا تھا۔ ایک جگہ وہ اس کتاب میں لکھتا ہے۔

''کہا جاسکتا ہے کہ انسان عموماً شکر گزار یا باتونی اور حیلہ ساز ہوتے ہیں وہ خطرات سے بچتے ہیں۔ فائدے کے لیے حریص ہوتے ہیں۔ جب تک انہیں فائدہ پہنچتا رہے وہ ہمہ تن تمہارے معاون و مددگار رہیں گے۔ اپنا خون، اپنا مال، اپنی زندگی اور اپنی اولاد تک کی پیشکش میں انہیں تامل نہ ہوگا۔۔۔ یہ شرطیکہ ایسی ضرورت بہت مدت کے بعد پیش آنے والی ہو۔ لیکن اگر ان قربانیوں کا وقت آجائے تو فوراً آمادہ بغاوت ہوجاتے ہیں اور جو حکمران اپنی طرف سے

Scanned with CamScanner

پوری تیاری کیئے بغیر صرف انسانوں کے قول پر بھروسہ کرے گا وہ تباہ ہو جائے گا۔"
اسے ابتدائی گناہ کا ایک سیکولر نظریہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی انسانیت کو مسیحی قنوطیت کے مذہب کے دائرے سے نکال کر مجلسی اور سیاسی نفسیات کے دائرے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ کتاب "دی پرنس" میں جو سیاسی نظریات پیش کیئے گئے ہیں وہ فطرت انسانی کے متعلق اسی اندازے کا براہ راست نتیجہ ہیں۔

"ایک دور اندیش حکمران کو اس وقت عہد کا پابند نہیں رہنا چاہیے جب یہ پابندی خود اس کے مفاد کے خلاف ہو اور جب وہ وجوہات باقی نہ رہیں، جن کے تحت وہ عہد کیا گیا تھا۔ اگر تمام انسان اچھے ہوتے تو اس اصول کو اچھا نہ سمجھا جاتا، لیکن انسان چونکہ برے بھی ہیں اور وہ کبھی اپنے عہد کی پابندی نہ کریں گے لہٰذا تمہارے لیے بھی عہد کا پابند رہنا ضروری نہیں۔۔"

چنانچہ میکیاولی نے ان تمام بدعہدیوں اور عیاریوں کا جائزہ لیا جو سیزر بود جیا نے کلیسائی جاگیروں پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیے کیں تھیں وہ پھر اس نتیجہ پر پہنچا۔

ڈیوک (سیزر بورجیا) کے تمام اعمال پر نظر ڈالنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی عمل مستوجب الزام نہیں۔ اس کے برعکس میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ڈیوک کو ان تمام لوگوں کے سامنے ایک قابل تقلید مثال کے طور پر پیش کروں، جو اپنی خوش نصیبی اور دوسروں کی قوت کے بل بوتے پر اقتدار کے حامل بنے۔"

یہ مشہور میکیاولی اصول ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ مقصد بجائے خود وسائل کے لیے وجہ جواز بن جاتا ہے۔ کتاب دی پرنس کے مصنف کے سامنے ایک خاص مقصد تھا اور وہ یہ کہ اطالیہ کو استحکام حاصل ہو۔ اور غیر ملکی حملہ آور خارج ہو جائیں۔ کیونکہ میکیاولی کے زمانے میں فلورنس کا کوئی رئیس نہ تھا اور نہ ہی کوئی منظم کرنے والا تھا۔ اس لیے اپنی کتاب کے آخری حصے میں میکیاولی نے یہ محب وطن نظریات بھی پیش کیئے ہیں۔ باقی تمام کتاب اولاً اور آخراً ایک ہنگامی رسالہ ہے اور ان تمام سیاسی بیماریوں کے لیے ایک انتہائی علاج جن میں سولہویں صدی کا فلورنس مبتلا تھا۔ میکیاولی حکمران وقت کو مشورہ دیتا ہے۔ کہ وہ بلا امتیاز نیک و بد وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کر سکتا ہے جن سے حکومت مستحکم ہوتی ہو۔ اگر چہ میکیاولی کی اس کتاب کے کئی مثبت پہلو بھی ہیں مگر لوگ عموماً اس بات پر چونک اٹھتے ہیں کہ میکیاولی حکمرانوں کو جھوٹ بولنے، بدعہدی کرنے، ظلم و ناانصافی اور حتیٰ کہ ضروری ہو تو زہر خورانی اور لوٹ مار و قتل عام کرنے کی عام اجازت دیتا ہے اسی وجہ سے علامہ اقبال نے میکیاولی کو شیطان کا پیغمبر کہا تھا۔

ماخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول۔ دی پرنس از میکیاولی۔ دنیا کی سو عظیم کتابیں از ستار طاہر۔

Scanned with CamScanner

1513ء۔ بحرالکاہل کی دریافت

25 ستمبر 1513ء کو واسکو نیز ڈی بلبوا Vasco De Nunez Balboa پہلا یورپی تھا جس نے بحرالکاہل پر پہلی نظر ڈالی۔ اس سے پہلے اہل یورپ اور دیگر اقوام عالم ماسوا وہاں کے سرخ ہندیوں کے اس عظیم سمندر کے وجود سے ناآشنا تھے۔ بلبواء کی اس دریافت سے جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل پر ہسپانوی فتوحات اور اکتشافات کے لیے ایک نئی راہ کھل گئی۔ بلبواء اور دیگر ہسپانوی اس سمندر کو صرف جنوبی سمندر کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ یہ خاکنائے پاناما Isthmus Of Panama کے جنوب میں واقع تھا۔ 1520ء میں ایک پرتگیزی مہم جو فرڈینڈ میگلین Ferdinand Magellan نے اس سمندر میں مہم جوئی کر کے اس کے پانیوں کو دنیا کے دوسرے متلاطم سمندروں کے مقابلے میں پرسکون اور خاموش پایا تو اس سمندر کا نام "بحرالکاہل Pacific Ocean" رکھا جس کے معنی "پرسکون سمندر" کے ہیں۔

واسکو ڈی نیز بلبواء اسپین کے مقام جیریز ڈی لاس کیبلر Jerez De Los Caballer میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ اگرچہ طبقہ شرفا سے تعلق رکھتا تھا مگر اس کے پاس دولت اور اثر و رسوخ کی کمی تھی۔ اس وجہ سے بلبواء کو تعلیم حاصل کرنے کی بجائے ایک امیر کے ہاں بندرگاہ منگوئر Monguer میں ملازمت کرنا پڑی۔ کولمبس کے نئی دنیا دریافت کرنے کے بعد سے منگوئر کی بندرگاہ میں جہازوں کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی۔ بہت سے جہاز اس بندرگاہ سے بھی نئی دنیا کو جاتے اور بہت سے لوٹ کر اس بندرگاہ میں لنگر انداز ہوتے تھے۔ بندرگاہ میں رہنے کی وجہ سے نوجوان بلبواء کو بھی آنے جانے والے ملاحوں سے نئی دنیا میں افراط و مال و زر کی کہانیاں سننے کو ملتی تھیں جو اس کا نئی دنیا کی طرف سفر کرنے کا اشتیاق بڑھا دیتی تھیں۔ 1501ء میں بہرحال بلبوا نے نئی دنیا کو جانے والی ایک ہسپانوی مہم میں شرکت کا فیصلہ کیا اور نئی دنیا کی راہ لی۔ یہ ہسپانوی مہم نئی دنیا میں خلیج اریبا Gulf Of Uraba (آج کے کولمبیا) کے علاقوں میں مہم جوئی کے لیے بھیجی گئی تھی۔

چونکہ اس مہم میں اتنے لوگ نہ تھے جو خلیج اریبا اور بحیرہ کریبین میں واقع جزیرہ ہسپانیولا Hispanioa (آج کا ہیٹی) میں سکونت اختیار کرتے۔ ہسپانیولا اگرچہ اسپین سے نئی دنیا کے لیے بھیجی جانے والی مہمات کے لیے صدر مقام کی حیثیت رکھتا تھا مگر یہاں قیام کے

Scanned with CamScanner

دوران بلبواء کو بڑی سختیوں سے گزرنا پڑا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب روزی کمانے کے لیے بلبواء کو یہاں کے باشندوں کے سور چرانے پڑے۔

1509ء میں ہسپانیولا سے ایک نو آبادیاتی مہم روانہ ہوئی جس کا مقصد سرزمین جنوبی امریکہ پر نو آبادی قائم کرنا تھا۔ بلبواء نے بھی اس مہم کے ساتھ روانہ ہونے کی کوشش کی مگر وہ اتنا مقروض ہو چکا تھا کہ اس کے قرض خواہوں نے اسے ہسپانیولا چھوڑنے کی اجازت نہ دی۔ اس مہم میں لوگوں نے خلیج اریبا کے مشرقی کنارے پر ایک نو آبادی سان سیبستیان Sansebestian نامی قائم۔ 1510ء میں ہسپانیولا سے ایک بحری جہاز اس نو آبادی کے لوگوں کے لیے روزمرہ ضروریات کا سامان لے کر جا رہا تھا کہ بلبوا کو بھی سامان میں چھپ کر اس جہاز پر سوار ہونے کا موقع مل گیا۔ جب جہاز گہرے سمندر میں پہنچا تو بلبوا سامان سے باہر نکل آیا۔ جہاز کے کپتان نے خفگی کے باوجود اسے جہاز پر سفر کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر جب یہ جہاز خلیج اریبا پہنچا تو معلوم ہوا کہ سان سیبستیان کی نو آبادی اجڑ چکی ہے اور لوگ اشیائے خورونوش کی کمی اور سرخ ہندیوں کے حملوں کی وجہ سے یہاں سے جا چکے ہیں۔ اب اس جہاز کے لوگوں نے بلبواء کی پہلی مہم سے استفادہ کرتے ہوئے مغربی سمت میں مزید سفر کیا مگر خلیج میں ایک شدید طوفان کی وجہ سے ان کا جہاز تباہ ہو گیا۔ چونکہ ساحل نزدیک تھا اس لیے اس پر سوار لوگوں نے ساحل کا رخ کیا اور حادثہ میں بچ جانے والوں نے بلبواء کی راہنمائی میں ایک دریا جسے سرخ ہندی ڈارین Darien کہتے تھے کہ کنارے ایک نو آبادی انٹی گو Anti Gua قائم کی۔ شاہ ہسپانیہ اس نو آبادی کے قائم کرنے کی اطلاع بھجوانے پر بادشاہ نے عارضی طور پر بلبوا کو یہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ مقامی سرخ ہندیوں نے بلبواء اور اس کے ساتھیوں کی سونے میں گہری دلچسپی دیکھتے ہوئے انہیں اطلاع دی کہ انتہائی جنوب میں ایک سرزمین واقع ہے جہاں سونے کی بہتات ہے۔ اس سرزمین کے پہاڑوں کے اس پار ایک وسیع سمندر بھی موجود ہے۔ بلبوا بچپن سے مہم جوئی کی طبیعت رکھتا تھا۔ دوسری طرف اسے معلوم تھا کہ اگر وہ شاہ ہسپانیہ کے قدموں میں سیم و زر کے ڈھیر لگا دے گا تو اس کی گورنری کو استقلال حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے صرف 90 آدمیوں کے ساتھ اس مہم کے لیے کوچ کیا (7 ستمبر 1513ء)۔ چند روز کے بحری سفر کے بعد یہ لوگ خلیج سان میگوئیل Gulf Of Sanmiguel میں اس مقام پر لنگر انداز ہوئے جہاں سے صرف پچاس میل طویل ایک خاکنائے بحر اوقیانوس کو بحر الکاہل کو ملاتی ہے (آج کل یہاں نہر پانامہ واقع ہے) یہاں سے زمینی سفر شروع ہوا بلبواء اور اس کے ساتھی گھنے جنگلوں اور گہری دلدلوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھے کئی دنوں کے سفر کے بعد بلبواء کو اس کے سرخ ہندی گائیڈوں نے بتایا کہ قریبی

Scanned with CamScanner

پہاڑی پر چڑھ کر اس وسیع سمندر کی جھلک اب دیکھی جا سکتی ہے۔

یہاں سے بلبواء نے اپنے ساتھیوں کو روک کر اکیلے پہاڑی پر چڑھنا پسند کیا تاکہ وہ پہلا سفید فام انسان ہو جس نے بحرالکاہل کو دیکھا ہو۔ پھر جب بلبواء نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دوسری جانب دیکھا تو اسے پہاڑی ڈھلوانوں سے پرے ایک پرسکون اور وسیع سمندر نظر آیا جو اسکے سوا اقوام یورپ کے کسی اور شخص نے نہیں دیکھا تھا۔ 29 ستمبر 1513ء کو بیلبواء ہسپانیہ کا قومی پرچم تھامے اس سمندر میں پہلے سفید فام انسان کی حیثیت سے اترا اور اس نے اس پر شاہ ہسپانیہ کے نام پر قبضہ کرلیا۔

بحرالکاہل کے ساحل تک اس مہم میں بلبوا اور اس کے ساتھیوں کو بے شمار مال و زر ہاتھ آیا جو بلبوا کے خیال کے مطابق اسے مستقل گورنر بنا دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر بدقسمتی سے ابھی بلبوا کی کامیاب مہم جوئی کی خبر اسپین نہیں پہنچی تھی کہ شاہ اسپین نے اینٹی گوا کے لیے ایک مستقل گورنر پیڈریریاس ڈیولا Pedrarias Davila نامی شخص بنا کر بھجوادیا۔ یہ گورنر 1514ء میں یہاں پہنچا۔ پھر جب بادشاہ کو بلبواء کی مہم جوئی اور کامیاب فتوحات کی خبر ملی تو اس نے بلبواء کو نو مفتوح علاقوں پر پیڈریریاس کا نائب گورنر مقرر کردیا۔ بلبوا نے خاکنائے پانامہ کے شمال میں قصبہ Acla کی بنیاد رکھی اور مزید مہم جوئی کے لیے اپنے ساتھیوں کو دو بحری جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ جہاز مکمل ہونے پر اس نے 1518ء میں خلیج پانامہ کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ کئی اکتشافی سفر کیئے۔ وہ پیرو کی طرف بھی ایک مہم بھجوانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف پیڈریریاس اس کی مہمات اور مالیاتی کامیابیوں سے حسد کرنے لگا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے بلبواء پر ایک جھوٹی بغاوت کا الزام لگا دیا اور اس بہانے سے اسے گرفتار کرلیا۔ پھر جنوری 1519ء کی ایک سرد صبح کو بلبوا اور اس کے چار ساتھیوں کو جھوٹی بغاوت کا تیز تر مقدمہ چلا کر پھانسی دے دی گئی۔ یوں ایک خوش نصیب مہم جو ایک دردناک انجام سے دوچار ہوا۔

مآخذ:

Explorers and Exploratins

انسائیکلو پیڈیا ''ورلڈ بک'' بذیل مادہ بلبواء

Scanned with CamScanner

1514ء۔ عثمانی ترک اور ایرانی صفوی آمنے سامنے اور منصبِ خلافت

سلیم اول سلطنت عثمانیہ کا نواں تاجدار تھا۔ وہ اپنے باپ بایزید ثانی کی جبری دستبرداری کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے باپ کو سلیم کے طرفداروں نے جبراً تخت سے اتار دیا تھا۔ اس کے عہد میں یوروپی ممالک وینس، ہنگری اور روس کے ساتھ مصالحانہ تعلقات قائم ہوئے جو ان سفیروں کی گفت وشنید کا نتیجہ تھے جو ان ممالک نے قسطنطنیہ بھجوائے تھے۔

اب سلیم اول کے سامنے صرف مشرق کی سمت میں عسکری کاروائیوں کی راہ کھلی تھی۔ مشرق میں ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایک طاقتور سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ اسمٰعیل صفوی نے ترکی کی خانہ جنگی میں شہزادہ احمد کی حمائت کی تھی اور اس کے لڑکے مراد کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ مزید براں ایشیائے کوچک کے بعض عناصر میں اسمٰعیل کے بہت سے حامی اور طرفدار موجود تھے۔ اس کا اپنا خاندان اپنی کامیابی کے لیے اناطولیہ کے قزلباشوں کا مرہون منت تھا۔ جنہوں نے کچھ عرصہ قبل شاہ قلی کی سرکردگی میں سلطان بایزید کے خلاف ایک بغاوت کی تھی۔ 30 مارچ 1514ء کو سلطان سلیم ادرنہ سے نکلا اور ایک ماہ بعد ساری فوج کو اس نے نئی شہر میں جمع کرلیا۔ اس دوران سلطان سلیم نے اعلان جنگ کے بعد شاہ اسمٰعیل سے اپنی مشہور و معروف خط و کتابت شروع کردی۔ پے در پے ایسے خطوط لکھے گئے جن کا اسلوب تحریر نہایت شستہ اور پاکیزہ مگر نفس مضمون حد درجہ توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھا۔

اس کا نتیجہ اکثر اوقات یہ نکلتا کہ قاصدوں کو فوری قتل کروادیا جاتا ساتھ سلطان نے ازبکوں کے سردار عبید خاں کو شاہ اسمٰعیل کے خلاف اکسایا ترکی فوج قونیہ، قیصریہ اور سیواس سے گزری تو ذوالقدر خاندان کے علاء الدولہ نے اس مہم کا گرمجوشی سے استقبال نہ کیا۔ ارزنجان کے بعد سلطان کی فوج کے ہراول ینی چری نے مہم کی طوالت سے گھبرا کر بڑبڑانا شروع کیا۔ لیکن سلیم نے اس کی مخالفت کو چند آدمیوں کے قتل سے ٹھنڈا کردیا۔ آخر کار چالدران کے میدان میں جو جھیل ارمیہ اور تبریز کے درمیان واقع ہے۔ شاہ کی افواج سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ یہاں 2 رجب 920ھ/ 23 اگست 1514ء کو ایرانی فوج کو ترکی فوج نے مکمل طور پر تباہ کردیا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا توپخانہ ایرانیوں کے توپخانے پر فوقیت رکھتا تھا۔ شاہ اسمٰعیل کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ 5 ستمبر 1514ء کو سلیم اول تبریز میں داخل ہوگیا۔ یہاں سے وہ 13 ستمبر کو بیش بہا خزائن اور

Scanned with CamScanner

کئی سو کاریگروں کو لے کر نکلا۔ مگر واپسی میں اسے ینی چریوں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔

چالدران کی جنگ کے بعد کردستان کے بیگوں نے جن کی آبادی کا معتد بہ حصہ سنی تھا۔ سلیم اول کی حمایت اور وفاداری کا اعلان کر دیا۔ دریا بکر اور دوسرے قصبوں کے مکینوں نے اپنے شہروں کے دوازے ترکوں پر کھول دیئے۔ مگر بہت سے شہر ابھی بھی ایرانیوں کے قبضے میں تھے۔

اسی اثنا میں سلطان مصر، قانصورہ الغوری جو سلیم اول کے ہاتھوں بلاد ذوالقدر کے الحاق سے بہت پریشان تھا ایک لشکر جرار لے کر شاہ اسمٰعیل کی تائید وحمایت میں ترکوں سے لڑنے نکل کھڑا ہوا۔ سلیم اول نے یہ خبر پا کر کہ سلطان مصر حلب پہنچ گیا ہے۔ پہل کی اور اگست 1516ء میں اپنی طرف سے سفیر روانہ کیئے۔ سفیروں کی اچھی طرح آؤ بھگت تو نا ہوئی مگر وہ شاہ اسمٰعیل کے ساتھ جنگ میں ثالثی کی تجویز لے کر واپس ہوئے۔ سلیم نے یہ تجویز قبول نہ کی اس کے برعکس اس نے سلطان مصر کے سفیروں کو نہایت حقارت اور نفرت کے ساتھ واپس کر دیا اور ان کے کئی ساتھیوں کو قتل کروا دیا۔ آخر کار سلیم نے پیشقدمی شروع کی اور حلب کے شمال میں اس کی مڈبھیڑ مصری فوجوں کے ساتھ ہوگئی۔ 24 اگست کو مصریوں نے ایک مختصر لڑائی میں شکست کھائی۔ سلطان مصر خود اس جنگ میں مارا گیا۔ سلیم اول 18 دن تک حلب کے قریب کوک میدان میں خیمہ زن رہا۔ اس کے بعد وہ حما اور حمص کی راہ سے دمشق کی طرف روانہ ہوا جنہیں مملوکوں نے پہلے ہی خالی کر دیا تھا۔ سلیم نے 26 ستمبر کو دمشق پر قبضہ کر لیا۔ سلیم نے یہاں دو ماہ تک قیام کیا اور دوسری کئی عمارات کی تعمیر کے علاوہ محی الدین ابن عربی کے مزار کے پاس ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

22 اکتوبر کو قاہرہ میں طومان بائی کو نیا سلطان بنایا گیا۔ سلیم اول نے اس کے پاس سفیر بھیجے اور صلح کی یہ شرط رکھی کہ ترکی کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے مگر طومان بائی کی مرضی کے علی الرغم ان سفیروں کو قتل کر دیا گیا جس سے جنگ ناگزیر ہوگئی۔ مصریوں نے ایک بار پھر غزہ کے مقام پر شکست کھائی۔ پھر ترک فوج قاہرہ تک جا پہنچی اور 22 جنوری 1517ء کو قاہرہ کے نزدیک ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں مصریوں کو شکست ہوئی یہ جنگ تاریخ میں جنگ ایدانیہ کہلاتی ہے۔ اس جنگ کے بعد مصر ترکی کی زیر انتداب آ گیا۔ ان مشاہیر میں سے جنہیں سلیم اول نے مصر سے بطور یرغمال قسطنطنیہ بھجوایا تھا۔ ایک متوکل بھی تھا جو ''آخری عباسی'' خلیفہ تھا اور قاہرہ میں مملوکوں کے دربار میں مقیم تھا۔ وہ سلطان مصر قانصوہ کی معیت میں حلب گیا تھا جہاں لڑائی کے بعد وہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ سلیم اس سے بڑی مروت سے پیش آیا اور وہ اس کے ہمراہ مصر گیا۔ طومان بائی کو مسند نشین کرا دیا تھا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ المتوکل سلیم کے حق میں منصب خلافت سے باقاعدہ دستبردار ہو گیا تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ روایت سلاطین عثمانیہ کے دعویٰ خلافت کو برحق ثابت کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ واللہ باعلم صواب۔

Scanned with CamScanner

1513ء۔ البوقرق کا ہرمز پر قبضہ

جب 1515ء میں شاہ ایران، اسماعیل صفوی کے سالانہ خراج وصول کرنے والے کارندے خلیج فارس میں واقع جزیرے ہرمز پر پہنچے تو وہاں جزیرے کے بڑے حصہ پر پرتگیزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ پرتگیز وائسرائے البوقرق Albu Querque نے کچھ بندوق کے کارتوس اور چند تلواریں شاہ ایران کے کارندوں کو خراج کے طور پر پیش کیں اور کہا کہ آئندہ پرتگیز اس سکے میں خراج کی ادائیگی کریں گے۔

ہندوستان کے نئے بحری راستے کی دریافت کے بعد مشرق میں پرتگیز مقبوضات کی توسیع اور مشرقی سمندروں میں پرتگیز اجارادارى کی بنیاد پر رکھنے والا پہلا پرتگیز البوقرق ہی تھا۔ وہ پرتگیز ہندوستان کا دوسرا وائسرائے تھا۔ 1453ء میں لزبن کے قریب ایک قصبہ ایل ہینڈرا Al Handra میں پیدا ہوا۔ 1481ء میں اپنی پہلی مہم میں بحیثیت سپاہی ترکوں کے خلاف جنگ اوٹرانٹو Battle Of Otranito میں حصہ لیا۔ کچھ عرصہ پرتگال کے بادشاہ کے ذاتی محافظ دستے میں خدمات انجام دیں۔ 1503ء میں مشرق کے پہلے بحری سفر پر نکلا۔ کوچین میں پہلی پرتگیز تجارتی کوٹھی تعمیر کی مگر 1504ء میں واپس پرتگال چلا گیا۔ شاہ پرتگال مانویل اول نے اسے 1506ء میں ہندوستان کا دوسرا وائسرائے مقرر کیا اور وہ ایک وسیع بحری بیڑے کے ساتھ عازم ہندوستان ہوا۔ مشرقی افریقہ بحیرہ عرب اور خلیج فارس کے ساحلوں پر لوٹ مچاتا ہوا وہ 1507ء میں مالا بار پہنچا۔ یہاں پہلے پرتگیز وائسرائے نے اسے قید کر لیا۔ 1509ء میں وہ اس قید سے رہا ہوا اور اپنے توسیع پسندانہ عزائم پر کاربند ہو گیا۔ جنوری 1510ء میں اس نے کوچین پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر عرب مسلمان تاجروں کے ہندو راجاؤں کے ساتھ کوچین کا دفاع کرنے کی وجہ سے اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ فروری 1510ء میں البوقرق اس نتیجہ پر پہنچا کہ جب تک اس علاقے سے عرب مسلمانوں کو بے دخل نہیں کیا جاتا پرتگیزوں کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس مقصد کے لیے اس نے تموجہ نامی ایک بڑے بحری قزاق کو ساتھ ملا لیا اور 23 بحری جہازوں کے ایک بڑے بحری بیڑے کے ساتھ وہ اس بارگوا، پر حملہ آور ہوا۔ گوا ایک طویل عرصے سے عرب مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور ان کی نوآبادی کا کام دیتا تھا۔ مارچ 1510ء میں وہ گوا پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر مئی میں عرب مسلمانوں نے اسے شہر کے قلعہ سے باہر نکال دیا۔ لیکن وہ اپنے ارادے ترک دینے والا

Scanned with CamScanner

نسان نہیں تھا۔ نومبر 1510ء میں ایک بار پھر گوا پر حملہ آور ہوا۔ اگر چہ عرب مسلمانوں نے بڑی بے جگری سے اس کا مقابلہ کیا لیکن البوقرق شہر پر قبضہ کرنے میں ایک بار پھر کامیاب ہوگیا۔ اس مرتبہ اس نے شہر میں موجود تمام عرب مسلمانوں کو جنہوں نے شہر کا دفاع کیا تھا تہہ تیغ کردیا اور ان کی بیویوں کو زبردستی اپنے پرتگیز ساتھیوں میں تقسیم کردیا۔ اس طرح وہ گوا کو ایک پرتگیز نو آبادی بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ عرب مسلمانوں کی اس شکست کے بعد ہندوؤں نے پرتگیزوں کو ایک سپر طاقت کے طور پر تسلیم کرلیا۔ گوا پر قابض ہونے کے بعد البوقرق نے گرم مصالحے کی تجارت کو عرب مسلمانوں کے ہاتھ سے مکمل طور پر چھین لینے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے گوا کو اس نے مسلمانوں کے خلاف ایک بحری مستقر کے طور پر استعمال کیا۔ اسی سلسلے میں اس نے جولائی 1511ء میں جزیرہ نما مالائے کے اہم تجارتی مقام مالاکا پر قبضہ کرلیا۔ یہ گرم مصالحوں کی تجارت کے لیے مشرق میں ایک اہم ترین تجارتی چوکی تھی۔ ابھی وہ مالاکا میں تھا کہ عرب مسلمانوں نے ایک بار پھر گوا پر قبضہ کرلیا۔ مگر جنوری 1512ء میں اس نے تیسری بار پھر گوا مسلمانوں سے واپس لے لیا۔ گوا واپس لینے کے بعد البوقرق نے پرتگیزی اور ہندوستانی سپاہیوں کو ساتھ لے کر بحیرہ قلزم میں واقع اہم عرب بندرگاہ عدن پر حملہ کردیا۔ مگر فوج ناکافی ہونے کی وجہ سے وہ ناکام رہا۔ اور ہندوستان واپس آ گیا۔ واپسی میں اس نے ہندوستان کی مشہور بندرگاہ کالی کٹ پر قبضہ کرلیا یہ بندرگاہ اب تک اس کے دشمنوں کے قبضے میں تھی۔

1515ء میں البوقرق ایک بار پھر 26 بحری جہازوں کے وسیع بیڑے کے ساتھ گوا سے روانہ ہوا۔ اس مرتبہ اس کا رخ خلیج فارس میں واقع جزیرے ہرمز کی طرف تھا۔ جزیرے کے بڑے حصے پر قبضہ کرنے کے بعد وہ اچانک بیمار پڑ گیا۔ جب اسے افاقہ نہ ہوا تو اسے گوا واپس لایا گیا۔ ابھی وہ راستے میں تھا کہ اسے خبر ملی کہ شاہ پرتگال نے اس کے جانی دشمن لوپ سویر Lope Soare کو اس کی جگہ وائسرائے ہند مقرر کردیا ہے۔ اس خبر نے بیماری میں اسے شدید اذیت پہنچائی اور وہ اس کی تاب نہ لاتا ہوا اثنائے راہ میں وفات پا گیا۔ اس کی لاش کو گوا لایا گیا۔ اور وہ اسی سرزمین پر دفن ہوا۔ البوقرق نشاۃ ثانیہ کی یورپ کا ایک مثالی استعماریت پسند انسان تھا۔ جو اس مقصد کے لیے جائز اور ناجائز سب روا رکھتا تھا۔

ماخذ:

انسانی کلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول۔ بذیل مادہ ''البوقرق''۔

Scanned with CamScanner

1516ء۔ سر تھامس مور کی ''یوٹوپیا'' کی اشاعت

جنت سے نکالے جانے کے بعد سے حضرت انسان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ جس دنیا میں جنت سے نکالے جانے کے بعد وہ آباد ہوا ہے اسے ایک جنت ارضی میں بدل دے اور اس کا یہ خواب ہی رہا کہ یہ دنیا ایک مثالی دنیا بن جائے۔ گذشتہ صدیوں سے انسانیت کا یہ قدیم خواب جن انسانوں نے دیکھا اور یہ خواہش کی تھی ان میں سے ایک مشہور انگریز مفکر سر ٹامس مور Sir Thoms More (1478ء۔1535ء) تھا۔ اس کی کتاب یوٹوپیا Utopia کو بھی اسی موضوع پر عالمگیر شہرت حاصل ہے۔

سر تھامس مور ایک انقلاب آفریں عہد میں پیدا ہوا۔ تب یورپ میں نشاۃ ثانیہ اپنے عروج پر تھی۔ ایک نیا دور عہد وسطیٰ کی کوکھ سے جنم لے رہا تھا۔ نئی زندگی ماضی کی انحطاط پذیر قوتوں پر حاوی ہوتی جارہی تھی اور ہر شعبے میں انسان اپنے قدم تیزی سے آگے بڑھانے لگا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا یورپ صدیوں کی گہری نیند سے اچانک بیدار ہورہا ہے۔ اسی عہد میں طاس مور نے دوسرے انسانوں کے لیے اپنا یہ خواب کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ سر تھامس مور نے اپنی یہ شہرہ آفاق کتاب ''یوٹوپیا'' لاطینی زبان میں لکھی۔ لفظ یوٹوپیا کا لفظی معنی ''کہیں نہیں'' ہے۔ یعنی جس شے کی مثال عالم میں کہیں نہ ملتی ہو۔ دراصل افلاطون کی ری پبلک کی طرح یوٹوپیا بھی ایک ایسی فلاحی اور تصوراتی ریاست کی ایک خوبصورت تصویر ہے جس میں زندگی کی بنیاد عقل سلیم اور رواداری کو بتایا گیا ہے۔ اور جس کی مثال اس عالم ورنگ و بو میں کہیں نہیں ملتی۔ لاطینی زبان میں کتاب تحریر کرنے کی وجہ خود سر تھامس مور نے یہ بتائی تھی کہ لاطینی نشاۃ ثانیہ کے یورپ کی تہذیبی زبان ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1516ء میں بلجیئم میں چھپی اور اتنی مقبول ہوئی کہ جلد ہی اس کے ترجمے یورپ کی دوسری زبانوں میں ہوگئے۔ انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ خود طاس مور کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر یہ لندن سے شائع 1551ء میں ہوا۔ تاخیر سے اشاعت کی وجہ یہ تھی کہ اس اثنا میں سر طامس مور کا سر قلم ہو چکا تھا اور کسی کی مجال نہیں تھی کہ ہنری ہشتم کی زندگی میں مور کی کتاب برطانیہ میں شائع کرتا۔

یوٹوپیا پرتگال کے ایک فرضی سیاح کے ایک فرضی سفرنامے کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ اس سیاح کا نام رافاعیل ہے۔ اس کی ملاقات سر تھامس مور سے ہوتی ہے بقول سر طامس مور رافاعیل یونانی اور لاطینی زبانوں سے بخوبی آشنا ہے۔ اور امریگو ویسپوچی کے ساتھ تین بار

Scanned with CamScanner

امریکہ کا سفر بھی کر چکا ہے۔ البتہ آخری بار وہ امریگو ویسپوچی کے ہمراہ واپس نہیں آیا بلکہ دنیا کے ایسے مقامات کے سیاحت کے لیے نکل گیا جن کے نام دنیا کے نقشوں میں بھی نہیں ملتے۔

یوٹوپیا کا ملک بھی دنیا کے ایسے ہی ملکوں میں سے ایک تھا۔ رافائیل پانچ چھ برس تک ان دور افتادہ ممالک کی سیاحت کرتا رہا۔ تب وہ کالی کٹ پہنچا جہاں پرتگالی جہاز تجارتی اشیا لے کر آتے جاتے تھے۔ کچھ دن کالی کٹ میں قیام کے بعد وہ وطن واپس لوٹ آتا ہے۔

رافائیل کی ملاقات سر تھامس مور سے بلجیئم کے شہر اینٹورپ میں ہوتی ہے۔ رافائیل دوران ملاقات ایک ایسے جزیرے کے حالات بیان کرتا ہے جہاں ایسے قوانین رائج ہیں جو کمیونزم کے اصولوں پر ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس جزیرے کا نام یوٹوپیا ہے سر تھامس مور رافائیل کی سرگذشت بڑے شوق سے سنتا ہے اور قلمبند کر لیتا ہے۔ یہی قلمبند حالات ہی دراصل ''یوٹوپیا'' ہیں۔

رافائیل کی داستان دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں سر طامس مور نے رافائیل کے حوالے سے برطانیہ میں رونما ہونے والی سماجی برائیوں کا جائزہ لیا ہے۔ اور دوسرے حصے میں یوٹوپیا کی جنت ارضی کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس موازنے کا مقصد یہ تھا کہ پڑھنے والوں پر سابقہ نظاموں کی خرابیاں اور یوٹوپیا کے نظام کی خوبیاں واضح ہو جائیں۔

رافائیل کی زبان میں سر طالس مور قارئین کو یوٹوپیا لے جاتا ہے۔ یہ ایک جزیرہ ہے اور براعظم امریکہ کے جنوبی حصے میں کہیں واقع ہے۔ پہلے یہاں ایک وحشی قوم آباد تھی۔ پھر ایک بادشاہ، یوٹوپس نامی اسے فتح کرتا ہے۔ اور اسی کے نام پر یہ جزیرہ یوٹوپیا کہلاتا ہے۔ یہاں بچوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اور یہ یہاں لازم ہے۔

ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور رواداری کا یہ عالم ہے کہ کوئی کسی کے عقیدے میں دخل نہیں دیتا۔ جنگ اور خون خرابی کے یہ لوگ شدید مخالف ہیں۔ بیماروں کے علاج پر بڑی توجہ دی جاتی ہے اگر پھر بھی بیمار تندرست نہ ہو تو اسے خودکشی کی اجازت ہے۔ تمام انسانوں کی طرح یہاں کے باشندوں کو ہوس زر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ بہت سی الجھنوں اور پریشانیوں سے آزاد ہیں۔ غرض یہ کہ یوٹوپیا ایسی ریاست ہے جہاں کوئی کسی کا استحصال نہیں کرتا۔ اس طرح جب یوٹوپیا کی خوبیوں کا پورا نقشہ قاری کے سامنے آتا ہے تو وہ خود بھی اس کا مداح خواں بن جاتا ہے۔ سر طامس مور نے اس فرضی جنت کے حق میں اس انداز میں دلائل دیئے ہیں کہ آج پانچ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ کتاب پورے انہماک سے پڑھی جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

1517ء۔ مارٹن لوتھر کے 95 احتجاجی نکات

31 اکتوبر 1517ء کی رات جب وٹن برگ Wite Berg کے شہری "ولیوں کا دن All Saints Day" منانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک شخص رات گئے شہر کے سب سے بڑے کلیسا کیسل چرچ کے صدر دروازے پر اپنے 95 احتجاجی نکات میخوں سے چسپاں کر رہا تھا۔ یہ اعتراضات یا احتجاجی نکات اس نے رومن کیتھولک کلیسا کے عہدیداروں کے عام آدمی کے لیے گناہوں کے معافی ناموں کی فروخت کے خلاف مرتب کیئے تھے۔ ان 95 نکات میں اس نے یہ بات اٹھائی تھی کہ پاپائے روم سمیت کسی کلیسائی عہدیدار کو ایسے معافی ناموں کو فروخت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ معاف کرنے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے اور انسان خدا کی طرف سے اپنے معافی نامے فروخت نہیں کر سکتا۔ اگرچہ کلیسا کی بدعنوانیوں کے خلاف پہلے بھی لوگ دبی زبان میں احتجاج کرتے رہے تھے مگر یہ اولین کھلا احتجاج تھا اور احتجاج کرنے والا نشاۃ ثانیہ کی تحریک اصلاح مذہب کا سب سے بڑا راہنما مارٹن لوتھر Martin Luther تھا۔ اس کا احتجاج اتنا موثر ثابت ہوا کہ اس کے نتیجے میں آدھے سے زیادہ یورپ اس کے ساتھ رومن کیتھولک کلیسا کے خلاف اس احتجاج میں شامل ہو گیا اور احتجاج Protestan کہلایا۔ یہی یورپ میں پروٹسٹنٹ ازم کی ابتدا تھی اور رومن کلیسا کی سالمیت کا اختتام مارٹن لوتھر (1483ء۔ 1546ء) جرمن کے قصبے آئزل ناخ کے اسکولوں میں تعلیم پائی اور 1501ء میں ایرفورٹ Erfurt یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہ ابتداء میں قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکیل بننا چاہتا تھا مگر اس کی تقدیر میں مصلح بننا لکھا تھا۔ 1507ء میں ایرفورٹ کی ایک مسیحی خانقاہ سے تعلیم حاصل کر کے کیتھولک پادری بن گیا۔ واعظ کی حیثیت سے اسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ اپنی مصاحت و بلاغت کی وجہ سے وٹن برگ یونیورسٹی میں فلسفہ کا مدرس اور ایرفورٹ یونیورسٹی میں دینیات کا معلم ہو گیا۔

1511ء میں اسے روم جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں وہ رومن کیتھولک کلیساء کے اعلیٰ عہدہ داروں کی بدعنوانیاں اور زر پرستی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس سے بھی سنگین شے جس نے مارٹن کو بہت متاثر کیا اور اس کے احتجاج کو یکبارگی شدید کر دیا وہ کلیسا کی طرف سے معافی ناموں کی فروخت تھی۔ واپس آ کر مارٹن نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس مذہبی پستی کے خلاف 95 احتجاجی نکات مرتب کر کے کیسل Castle کے گرجا کے صدر دروازے پر چسپاں

Scanned with CamScanner

کردیے اور ان کی ایک کاپی عرضداشت کی شکل میں پاپائے روم کو بھجوادی۔ اس کے اس اقدام سے کلیسائی حکام سخت مشتعل ہوئے پوپ کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ وہ اپنا یہ احتجاجی عقیدہ ترک کر کے معافی کا خواستگار ہو۔ مگر 1518ء میں آگسٹس برگ کے مقام پر ایک واعظ میں اس نے اپنا احتجاجی عقیدہ ترک کرنے سے انکار کردیا اور وہ رومن کیتھولک کلیسائی نظام کے خلاف ڈٹ گیا۔

کلیسائی نظام کے خلاف لوتھر کے اقدامات تیزی سے بڑھے۔ جلد ہی اس نے پوپ کے اختیارات کو مسترد کردیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ اس کی راہنما فقط انجیل مقدس اور سادگی عقل ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تھی کہ رومن کلیسا بھی اس کے ان افکار کو خاطر میں نہیں لایا۔ لوتھر کو عدالت احتساب کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا گیا۔ متعدد سماعتوں اور غلطی تسلیم کرلینے کی ہدایات کے بعد 1521ء میں اسے بدعتی قرار دے دیا گیا اور اس کی تحریروں پر سخت ممانعت عاید کردی گئی۔

جس طرح لوتھر کے پیشرو احتجاجی راہنماؤں کو زندہ جلادیا گیا تھا اغلب امکان یہی تھا کہ اسے بھی ایسی ہی سزا سے دوچار کیا جاتا مگر جرمنی کی عوام اس کے ساتھ تھی اور اس کے خیالات جرمنی کے طول و عرض میں پھیل چکے تھے۔ چند بااثر جرمن شہزادے اور والیان ریاست بھی اس کے پشت بان تھے۔ مگر ان سب کے باوجود لوتھر کو ایک سال کے لیے روپوش ہونا پڑا۔ سکسنی کے نواب نے اسے اپنے ہاں پناہ دے دی اور وہ کلیسائی حکام کے غضب کا شکار ہونے سے بچ گیا۔

مگر اس دوران وہ پہلے سے زیادہ دلیر ہوگیا اور اس نے تین رسالے تصنیف کیئے جن میں پورے پاپائی نظام پر حملہ کیئے اور اعلان کیا کہ ہر فرد کو بائبل کی تفسیر و تاویل کا حق حاصل ہے۔ اس پر پوپ نے اس کو مقاطعہ اور اخراج از مذہب کی دھمکی دی جس کی لوتھر نے وٹن برگ کے ایک جلسہ عام میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ایک اور احتجاج میں اس نے پوپ کے حکم پر توبہ کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ رومن کیتھولک حکام نے قلمروئے جرمنی میں اس کا بائیکاٹ کردیا لیکن اس کے باوجود اس کے خیالات تیزی سے پھیلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ 1530ء میں سارا جرمنی اصلاح مذہب کے نعروں سے گونج اٹھا۔

لوتھر ایک ادبی اور زرخیز ذہن کا مالک تھا اس سے خود عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے جرمن زبان میں تراجم کیئے۔ کلیسائی نظام کو نئی جہت دینے کے لیے اور عبادات کے نظم و نسق کی ایک نئی صورت قائم کرنے کے لیے اس نے متعدد رسائل تصنیف کیئے۔ اہل کلیسا کے مجرد رہنے کو غیر فطری قرار دیتے ہوئے اس 1525ء میں ایک سابقہ راہبہ سے شادی کی جس سے

Scanned with CamScanner

چھ بچے پیدا ہوئے۔ 1540ء میں یہ کلیسا کے خلاف رونما ہونے والے پہلے ہنگامے کے سلسلے میں اس کا نام بھی آیا۔ کیونکہ اس نے فلپ آف ہیس کو دو بیویوں کی اجازت دے دی تھی۔ لوتھر نے 1540ء میں وفات پائی۔

Scanned with CamScanner

1518ء۔ برصغیر میں بھگتی تحریک کا عروج

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایک ایسے بزرگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے اسلام اور ہندومت کے عقائد کو ملانا چاہا اور ایسے فرقوں کی بنیاد رکھی جن میں دونوں بڑے مذاہب کے عقائد شامل تھے۔ ایسے ہی عقائد کے ملاپ سے بھگتی تحریک نے جنم لیا۔ جو دوسرے لفظوں میں ہندی اور اسلامی تصوف کا ملاپ تھا۔ اس تحریک کے بانیوں میں اول بھگت کبیر تھے (1440ء۔ 1518ء)۔ ان کے بعد گورونانک اور سوامی چیتینا کے نام آتے ہیں۔

"تذکرہ اولیا ہند" میں انہیں شیخ کبیر جولاہے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک وہ حضرت تقی الدین سہروردی کے خلیفہ تھے اور آپ نے اپنی ولایت کو طریقہ ملامتیہ میں چھپایا ہوا تھا۔ مگر آپ اپنے ہم عصر موحدان وقت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ہندو بھگت کبیر کو راما نند بیراگی کا مرید تصور کرتے ہیں جن کے پاس وہ چند روز رہ کر فن شاعری بہ زبان ہندی مین یکتا ہو گئے تھے۔ یہ راما نند بیراگی ایک مشہور ہندو مصلح مذہب تھا جس نے ہندوؤں کے ذات پات کے نظام کے خلاف نعرہ مستانہ بلند کیا تھا۔ اور ہر مذہب وملت کے لوگوں کو اپنی اس تحریک میں شامل کر کے یک رنگی کی تبلیغ کی تھی۔ اس کے بعد بھگت کبیر نے بانگ دہل اس بات کا اعلان کیا کہ مذاہب کے ظاہری اختلاف ہیچ ہیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا خدا اور بھگوان ایک ہی شخصیت کے دو پہلوں کا نام ہے۔ رام اور رحیم مین کوئی فرق نہیں۔ ان اعلانیہ نظریات کے ساتھ بھگت کبیر نے اپنے گرو راما نند کی بہ نسبت مذہب میں اور سادگی اور عظمت پیدا کی۔ راما نند نے مذہبی رسوم سے جہاں تک وہ ان کے اصولوں سے مطابقت رکھتیں تھیں پہلو بہ پہلو رہنے کی سعی کی مگر کبیر رسومات اور ضوابط مذہبی سے بالکل الگ چلے۔

ان کے مذہب میں سادگی ہی سادگی تھی۔ ان کا قول خدا کا عشق لامتناہی اور طریق نجات عبادت الٰہی تھا۔

ان کی سوانحمری ایک مخفی اسرار ہے۔ اپنی شاعری کی لازوال مقبولیت کے باوجود ہم ان کے حالات زندگی سے بالکل واقف نہیں۔ البتہ ان کی تعلیمات کا مجموعہ اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے اور ان کے اشعار سرحد بنگال سے لے کر پنجاب کے میدانوں تک لوگوں کی نوک

Scanned with CamScanner

زبان ہیں ہیں۔ گو ان کی زندگی کے سوانح صفحہ روزگار ہستی سے مٹ گئے مگر ان کا موثر صوفیانہ کلام لوگوں کے دلوں میں ایسا رچ بس گیا ہے کہ قیامت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔

مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن کی بیوہ لڑکی کے بطن سے پیدا ہوئے جس نے اس خوف سے کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے انہیں کسی جنگل میں چھوڑ دیا۔ اس وقت وہاں سے نوری جولاہا اور اس کی بیوی کسی پاس کے گاؤں میں جاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ ان دونوں نے جب ایک معصوم بچہ کو جنگل میں بلکتا ہوا پایا تو اسے اپنے گھر لا کر اپنی اولاد بنا کر اس کی پرورش کی۔

رامانند کا مرید ہونے سے پہلے کے بھگت کبیر کے حالات زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ البتہ لڑکپن ہی سے ان کے ذہن میں مذہب کا سودا سمایا تھا۔ ان کے سوتیلے باپ نے جوان ہونے کے بعد ان کی شادی بھی کر دی تھی مگر انہیں بیوی بچوں سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ وہ ہندوؤں کے متبرک شہر بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں گھر واپس لوٹنے کا خیال نہ رہا اور اس رات وہ دریائے گنگا کے کنارے کسی گھاٹ کی سیڑھیوں پر سو رہے۔ اگلی صبح اس گھاٹ پر رامانند بیراگی جو مشہور واعظ تھے وہاں اشنان کے لیے آئے۔ کبیر وہاں بے خبر سو رہے تھے اور ابھی روز روشن بھی نہ ہوا تھا۔ اندھیرے میں انہیں کچھ دکھائی نہ دیا اور ان کا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا جو انہیں کوئی انسانی جسم محسوس ہوا۔ ادھر ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا "رام رام" ادھر کبیر کلبلا کر اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے۔ "آخر کار میں نے اسے پالیا"۔

رامانند کبیر کے چہرے پر معصومیت دیکھ کر اسے اپنی کٹیا میں لے گئے اسی دن سے وہ باضابطہ طور پر رامانند کے چیلے بن گئے۔ مگر ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ کب تک وہ اپنے گرو کی اطاعت و پیروی میں رہے؟ غالباً مرشد کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی مورخین لکھتے ہیں کہ کچھ ہی دن میں وہ اپنے گرو سے بڑھ گئے اور ان کی تحریک پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقتور ہو گئی۔ وہ ملک میں معرفت الٰہی کے ایسے گیت گاتے پھرتے تھے جن میں رسوم زمانہ کو بدعت قرار دیا گیا تھا۔ نہ ان کی کوئی ذات و قوم و ملت تھی نہ ہی وہ کسی بت کو پوجتے اور کسی دیو مالا پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحب باطن بزرگ تھے اور عشق الٰہی کا راگ الاپنے والے گلوکار تھے۔ انہوں نے مسئلہ صلح کل کی تعلیم دے کر بکمال جرات انسانیت کو یک رنگی کی تبلیغ کی۔

ماخذ:

ہندوستان کے عظیم سپوت۔ از ممنتھ ناتھ دت۔ تذکرہ اولیائے ہند۔

Scanned with CamScanner

1520ء۔ سندھ میں ارغون عہد حکومت کا آغاز

سمہ خاندان کے زوال جو بیرونی خاندان سندھ میں برسر اقتدار آیا وہ ارغون خاندان کہلاتا ہے۔ اس کا پہلا حکمران شاہ بیگ ارغون تھا جس کا سلسلہ نسب آخر میں چنگیز خاں سے جا ملتا ہے۔ اس خاندان کے اسلاف میں ہلاکو خان کا پوتا ارغون خان تھا۔ اسی کے نام پر یہ خاندان ارغون کہلاتا ہے۔

شاہ ارغون کا نام شجاع بیگ ارغون تھا۔ اسی شاہ ارغون نے قندھار کی حکمرانی کے دوران سندھ کی حکومت ٹھٹھہ پر 1520ء میں حملہ کیا اور سمہ حکمرانوں سے اسے چھین لیا۔ شاہ بیگ فتح کے نقارے بجاتا ہوا ٹھٹھہ میں داخل ہوا۔ تاریخ معصومی میں ہے کہ 11 محرم سے 20 محرم تک قتل عام جاری رہا۔ عین جس وقت فاتح ٹھٹھہ میں کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رہے تھے سابقہ حکمران جام فیروز فرار ہو کر موضع پیر آر میں پناہ گزین ہوا۔ شاہ بیگ ارغون غیر معمولی طور پر بہادر تھا اور ساتھ ہی ایک عالم بھی تھا۔ اس نے چند کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حسین ارغون مسند نشین ہوا۔ اس نے ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور بھکر اور سیہون تک کے قلع مستحکم کر لیے۔ شاہ حسین ارغون نے بتیس سال حکومت کی اور 1555ء میں وفات پائی۔ اس کے ہاں اولاد نرینہ نہیں تھی صرف ایک بیٹی تھی جس کی شادی مرزا کامران پسر بابر سے کر دی تھی۔ وہ مرزا کامران کے ساتھ مکہ مکرمہ چلی گئی۔ ارغونوں کے بعد سندھ پر ترخان قابض ہو گئے تھے۔

Scanned with CamScanner

1520ء۔ سلیمان عالیشان کی تخت نشینی

30 ستمبر 1520ء کو سلطان سلیم اول کی وفات کے آٹھ روز بعد شہزادہ سلیمان دارالسلطنت آ رہا تھا۔ اگر چہ دارالسلطنت میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نئے سلطان سے کس قسم کی توقعات کی جاسکتیں ہیں۔ عمائدین سلطنت کی موجودگی میں وہ تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

وینس والوں کے بیان کے مطابق یہ ترک سلطان نہایت صلح پسند تھا۔ اس کے باوجود اس کی زندگی کا نہایت ہی نمایاں اور جاذب توجہ پہلو یہ ہے کہ اس نے بہ نفس نفیس تیرہ بڑی جنگوں کی قیادت کی۔ یہ لشکر کشی دس مرتبہ یورپ اور تین مرتبہ ایشیا میں ہوئی تھی۔

سلیمان عالیشان جو یورپ میں سلیمان قانونی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سلطان سلیم اول اور عائشہ سلطان کا فرزند تھا۔ اس کا عہد حکومت نہ صرف تاریخ عثمانیہ بلکہ تاریخ عالم میں ایک نہایت اہم دور ہے۔ اس عہد میں مغربی یورپ کی سلطنتیں قرون وسطیٰ کے خلفشار سے نکل کر عہد جدید کی معرکہ آرائیوں کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔

سلطان سلیمان اپنے دادا بایزید ثانی کے زمانے سے کم عمری ہی میں مختلف صوبوں کا حاکم رہ چکا تھا۔ پھر جب اس کے والد سلطان سلیم نے ایران پر حملہ کیا تو سلیمان کو نائب السلطنت کے طور پر قسطنطنیہ میں اپنا قائم مقام بنا کر گیا تھا۔ اس کے بعد ہونے والی جنگ مصر میں تھی وہ حاکم اور نہ تھا۔ پھر سلطان سلیم کے عہد کے آخری دو سالوں میں وہ ولائت صادو خان کا منتظم رہا۔ چنانچہ جب وہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا تو ایک کامیاب مدبر اور لائق فرمانروا تھا۔ اور ذاتی عظمت میں اپنے پیشروؤں سے بڑھا ہوا تھا اور فتوحات اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت لے گیا۔ اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ اپنی انتہائی حد کمال تک پہنچ گئی۔ داخلی طور پر بھی اس کی حکومت بے داغ تھی انصاف اس کا شیوہ تھا اور اس کی عدالت میں رنگ و نسل اور مذہب کی کوئی تعریف نہیں تھی۔

فرمانروا سلطنت عثمانیہ ہوتے ہی وہ یورپی طاقتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یورپی طاقتیں سلطنت عثمانیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھیں سلطان سلیم کے عہد کے آخری دنوں سے ہنگری سے آویزش جاری تھی۔ سلطان نے ہنگری پر حملہ کر کے بلغراد فتح کر لیا اگر چہ اب اسی پر ہنگری میں فتوحات کے دروازے کھل گئے تھے اور وہ چاہتا تھا ہنگری کے دارالسلطنت بودا پر

Scanned with CamScanner

آسانی سے قبضہ کرسکتا تھا۔ مگر اس کی خارجہ پالیسی میں جزیرہ اوڈس کی فتح ضروری تھی۔ کیونکہ یہ جزیرہ کافی عرصے سے یروشلم سے نکلنے والے عیسائی قابض تھے جو عثمانی مقبوضات میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ بلغراد اور روڈس کے معرکوں میں سلطان محمد فاتح جیسے حکمران نے بھی ناکامی اٹھائی تھی۔ سلیمان نے اس جزیرے پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور تین سو بحری جہازوں کا ایک بیڑا لے کر قسطنطنیہ سے روڈس کی جانب روانہ ہوا۔ یکم اگست 1522ء کو محاصرہ شروع ہوا جو تقریباً پانچ مہینے جاری رہا۔ بالآخر دسمبر میں فتح نصیب ہوئی روڈس اور بلغراد کی فتح نے سلیمان کی دھاک بٹھادی اور جمہوریہ وینس از سر نو سلطنت عثمانیہ کا باجگوار بن گیا۔ 1526ء میں سلطان نے ایک بار پھر ہنگری پر حملہ کیا اور اسے مکمل فتح کرلیا۔ اس سے پہلے سلطان نے مشرق میں مصر کی بغاوت اور ایشیائے کوچک کی شورشوں کو فرد کرنے میں مصروف رہا۔

انہیں دنوں چارلس پنجم نے شاہ فرانس کو پویا کی جنگ (1525ء) میں شکست دے کر گرفتار کرلیا۔ شاہ فرانس نے سلیمان عالیشان کو ہنگری پر حملہ کرنے کی استدعا کی تاکہ چارلس پنجم فرانس سے توجہ ہٹا کر ہنگری کی جانب متوجہ ہو یہی وجہ سلطان کے ہنگری کو فتح کرنے کا باعث بنی تھی۔ سلطان مئی 1529ء میں اپنی نئی مہم یعنی ویانا کی مہم پر نکلا۔ راستے میں بوڈا نے اطاعت اختیار کی۔ 27 ستمبر کو ترکی فوج نے ویانا کا مشہور محاصرہ شروع کیا۔ مگر 15 اکتوبر کو یہ محاصرہ اٹھانا پڑا مگر دو سال آسٹریا سے لڑائی ہوتی رہی۔ 1532ء میں سلطان نے وہ مہم شروع کی جسے ترکی ماخذ "شاہ ہسپانیہ کے خلاف جرمن مہم" کہتے ہیں۔ شاہ ہسپانیہ سے مراد چارلس خامس ہے۔ اس مہم کا اہم ترین واقعہ گونز Guns کی تسخیر تھا۔ سلیمان کی چھٹی عسکری مہم ایران کے خلاف مشرق میں تھی۔ وزیر اعظم ابراہیم نے جولائی 1534ء میں تبریز پر قبضہ کرلیا۔ تبریز سے ترکی فوج نے بغداد کا رخ کیا۔ ایرانی شاہ طہماسپ نے مزاحمت نہ کی۔ 20 نومبر 1534ء کو سلطان سلیمان بذات خود شاہانہ کروفر کے ساتھ بغداد میں داخل ہوا۔ اپنے چار ماہ قیام کے دوران سلطان نے بغداد میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مقبرہ تعمیر کروایا۔

سلیمان ذیشان کے عہد میں سلطنت عثمانیہ کا ارتقا سلطنت کے اندرونی نظام کی خوبیوں کا مرہون سمجھا جاتا ہے۔ اس ارتقاء کی بنیاد اگرچہ سابق سلاطین نے رکھی تھی لیکن سلطان سلیمان کے عہد میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ سلطنت کی بے پناہ وسعت فوجی پہلو کے مضبوط ہونے کی وجہ تھی۔ سلطان نے عسکری مہمات پر خصوصی توجہ دی۔ خود سلطان کی موت بھی آسٹریا، ہنگری کے خلاف ایک فوجی مہم کی قیادت کرتے ہوئے 1566ء 5 ستمبر کو ہوئی۔

مآخذ: تاریخ ترکیہ، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد۔ بذیل مادہ سلیمان اول۔

Scanned with CamScanner

1521ء۔ میکسکو کی ہسپانوی فتح

تاریخ عالم کے باب اکتشاف میں ہسپانیہ کے باشندے ہرنانڈو کورٹیز Henan Do Cortes کی فتح میکسکو، تاریخ کی چند چونکا دینے والی اور ناقابل یقین مہمات میں سے ایک اہم مہم ہے۔ اس مہم میں کورٹیز کی کامیابی محض حادثاتی تھی۔ اگر کور کو یقین ہوتا کہ اسے کس قدر طاقت وقوت کا سامنا کرنا پڑے گا تو عین ممکن تھا وہ میکسیکو کا بھی رخ نہ کرتا۔

میکسیکو کے ایزٹیک Azetecs لوگوں کی دولت اور ثروت کی خبر اہل اسپین کو کیوبا کی دریافت کے بعد ملی۔ شاہ اسپین ''نئی دنیا'' کے خزانوں میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے حاکم کیوبا کو اس نئے علاقے کی تسخیر اور بادشاہ کے نام پر اس کے خزانوں پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ حاکم کیوبا نے ہرنانڈو کوٹیز کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔

10 فروری 1519ء کو کورٹیز میکسیکو کے لیے روانہ ہوا اگر چہ اس کی یہ روانگی گورنر کیوبا ویلاس کوئز کی جانب سے تھی مگر اس کی خفیہ نیت یہ تھی کہ وہ اس نئی سرزمین کو فتح کر کے کیوبا سے تعلقات توڑے گا اور اس سرزمین کے گورنر کا عہدہ سنبھال کر براہ راست شاہ اسپین کی اطاعت قبول کرلے گا۔ ادھر ایزٹیک لوگوں کا شہنشاہ مونٹی زوما بھی سینکڑوں میل دور کورٹیز کی آمد سے باخبر تھا۔ اس کی مذہبی کتب نے اسے خبردار کیا تھا اور کورٹیز کے بارے میں پوری تفصیلات فراہم کی تھیں۔ حتیٰ کہ اس لمحے کی بھی نشاندہی کردی تھی جس لمحے کورٹیز کو میکسیکو کے ساحل پر قدم رکھنا تھے۔ مونٹی زوما یہ بھی جانتا تھا کہ کورٹیز ایک مختصر فوج کے ساتھ یہاں پہنچے گا۔ اس کی اس فوج سے نپٹنے کے لیے مونٹی زوما کی فوج کا صرف ایک مختصر حصہ ہی کافی ہوگا مگر اس کے باوجود اس پر خوف سے کپکپی طاری تھی اور وہ لرزہ براندام تھا۔

اتنی طاقت رکھنے کے باوجود اس پر یہ خوف اس کے مذہب نے طاری کر رکھا تھا اس عجیب غریب مذہب نے س امریکی قوم کو اتنا کمزور بنادیا تھا کہ چند مہم جو اس پر غلبہ پانے کے لیے کافی تھے۔ میکسیکو کا یہ مذہب عجیب غریب نوعیت کا حامل تھا اور اس میں دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنا سب سے ضروری امر تھا۔ اگر ان دیوتاؤں کو خوش نہ کیا جاتا تو ان کے عقیدے کے مطابق اس سرزمین پر سورج نکلنا بند ہوجاتا اور میکسیکو اپنی موت آپ مرجاتا۔ اس مذہب کے دیوتاؤں کو جو نذرانہ درکار تھا وہ انسانی دل تھا۔ اس ظالم اور شیطانی مذہب میں انسان کے سینے میں دھڑکنے والا دل زندہ انسان کی چھاتی سے نکال کر دیوتاؤں کے قدموں

Scanned with CamScanner

میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور اس وحشیانہ اقدام سے ان دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کی جاتی تھی۔

22 اپریل 1519ء کو کورٹیز میکسیکو کے ساحل پر اترا تو اس نے شہنشاہ مونٹی زوما سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے اسے تحائف بھجوائے۔ ایزٹیک شہنشاہ نے بھی خود چل کر اس کا بڑی شان وشوکت سے استقبال کیا۔ اور اپنی شاہانہ عظمت کی خوب نمائش کی۔ اس نمائش نے ہسپانویوں کی ہوس زر کو اور بھی تیز کر دیا۔ دارالحکومت میں قیام کے دوران ایک روز موقع پا کر کورٹیز نے شہنشاہ مونٹی زوما کو یرغمال بنالیا اور پھر شہنشاہ کو اپنا قیدی بنا کر ایزٹیک لوگوں پر حکومت کرنا شروع کر دی۔ اسی اثناء میں اس نے حاکم کیوبا کی وفاداری سے منحرف ہو کر اپنے میکسیکو کے گورنر ہونے کا اعلان کر دیا۔

1520ء میں حاکم کیوبا نے اس کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے ایک فوج میکسیکو پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی۔ کورٹیز کو اس فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے ایزٹیک دارالحکومت سے واپس ساحل پر آنا پڑا۔ ادھر اس کی غیر حاضری میں ایزٹیک لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ کورٹیز نے واپس آ کر اپنے خلاف ہونے والی اس بغاوت کو فرو کرنا چاہا مگر اسے شکست ہوئی اور اسے دارالحکومت چھوڑنا پڑا۔ مگر اسی شورش کے دوران ایزٹیک شہنشاہ مونٹی زوما مارا گیا۔

ہسپانویوں نے شکست کھا کر ساحل کی راہ لی۔ قریب تھا کہ وہ اس سرزمین سے ناکام و نامراد واپس لوٹ جاتے کہ راستے میں ان کی ملاقات ایزٹیک لوگوں کے ایک دشمن قبیلے ٹلاکس کلان سے ہوگئی۔ یہیں قبیلہ تھا جس نے ہسپانویوں کے لیے میکسیکو کی فتح کو دوبارہ ممکن بنا دیا۔ ان لوگوں کے تعاون سے کورٹیز نے ایک بڑی فوج تیار کی اور اپریل 1521ء میں دارالحکومت پر ایک بار پھر حملہ کر دیا۔ چار مہینے کے محاصرے کے بعد بالآخر اگست میں یہ شہر فتح ہو گیا۔

کورٹیز کو اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی حماقت کی بدولت ہاتھ سے نکل جانے والے ملک پر وہ دوبارہ فتح حاصل کر چکا ہے۔ اس جنگ میں کورٹیز کی قسمت اس کے ساتھ تھی۔ کیوبا کے گورنر نے جو فوج اس سے لڑنے کے لیے بھیجی تھی اسے کمک پہنچانے کے لیے دو مزید دستے بھیجتا رہا۔ وہ فوج پہلے ہی کورٹیز کے ساتھ مل چکی تھی لہٰذا گورنر کی بھیجی ہوئی یہ کمک بھی اس کے لیے مددگار ثابت ہوئی اور اس نے میکسیکو کو فتح کر لیا۔ اس فتح میں میکسیکو کے لوگوں کے مذہب نے بھی کورٹیز کی بڑی مدد کی قدیم زمانے سے مذہبی کتابوں میں یہ پیشین گوئی درج چلی آ رہی تھی کہ آخر زمانہ میں دیوتا کوئٹزل کوٹل ایک سفید فام انسان کی شکل میں نمودار ہوگا۔ اس مذہبی پیشین گوئی سے بھی کورٹیز نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور خود کو دیوتا کوئزل

Scanned with CamScanner

کوٹل ظاہر کر کے ایرٹیک لوگوں پر دھاک بٹھادی۔ شاہ اسپین نے اس کے اس شاندار کارنامے پر اسے "مارکوئیس" کا خطاب دیا مگر اس کے اختیارات میں کمی کردی گئی۔ آہستہ آہستہ اس کے اختیارات بالکل ختم کردیئے گئے اور فاتح میکسیکو نے بڑی کسمپرسی کے عالم میں 1541ء میں اشبیلیہ میں وفات پائی۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا ورلڈ بک بذیل مادہ کورٹیز۔

Scanned with CamScanner

1522ء۔ دنیا کے گرد پہلا بحری سفر

15 ویں صدی تک اس دنیا یا کرہ ارض کے بارے میں انسانی علم بڑا محدود تھا جس میں حضرت انسان خود رہائش پذیر تھا۔ دنیا کے مختلف جغرافیائی خطوں کے دریافت کنندگان اگرچہ ہندوستان، امریکہ، افریقہ اور چین تک کے راستوں سے رسائی حاصل کر چکے تھے مگر ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں کہ مصداق ابھی کرہ ارض کے بہت سے راز کھلنے کے لیے باقی تھے۔

کولمبس کا نظریہ تھا کہ اگر مسلسل مغرب کی سمت میں سفر کیا جائے تو ضرور ہندوستان (مشرق) تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد اس نے دنیا گول ہے کہ نظریہ پر رکھی تھی۔ جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل کی دریافت اور بحرالکاہل یا جنوبی سمندر کی دریافت نے اس نظریہ کو تقویت پہنچائی کہ دنیا کے گرد سفر کرتے ہوئے مغربی سمت سے بھی ہندوستان پہنچا جا سکتا ہے۔ جن مہم جوؤں نے اس راستے کو اپنی مہمات کے لیے منتخب کیا انہیں میں سے ایک فرڈیننڈ میگلن Ferdinand Magulan (1480ء۔ 1521ء) تھا۔ اسی پرتگالی جہاز راں کی اس مہم نے زمین کے گول ہونے کا علمی ثبوت تاریخ میں پہلی مرتبہ فراہم کیا تھا۔

20 ستمبر 1519ء کو جنوبی اسپین کی بندرگاہ سان لوکر San Lucar سے پانچ بحری جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا دنیا کے گرد پہلے بحری سفر پر روانہ ہوا۔ یہ سفر دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا سفر تھا جو براعظم امریکا سے گزر کر براعظم ایشیا کے انتہائی مشرقی ساحلوں تک پہنچنے کے لیے یورپ سے مسلسل مغرب کی سمت میں کیئے جانے والا تھا۔ اس سفر کی قیادت باوجود کہ جہازروں اور ان کے عملے کے ہسپانوی ہونے کے پرتگیز جہاز راں فرڈیننڈ میگلن کر رہا تھا۔ پرتگیز ہونے کی حیثیت سے اس نے اپنی اس بحری مہم کا نقشہ شاہ پرتگال مانویل اول کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ مگر شاہ پرتگال نے اس نقشہ کو ناقابل عمل قرار دے کر مسترد کر دیا تھا۔ میگلن نے مزید دو سال تک پورٹو میں فلکیات اور جہاز رانی کا مطالعہ کیا۔ وہیں اس کی ملاقات ایک ماہر فلکیات اور جغرافیہ دان Ruy Faleiro سے ہوئی جس نے اسے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ گرم مصالحے کے جن جزائر تک وہ براستہ مغربی ہمیشہ سفر کرنا چاہتا ہے وہ 1494ء میں ہونے والے ایک معاہدے کے تحت اسپین کے حصے میں آئے تھے۔ اس تاریخی حقیقت کو جاننے کے بعد میگلن نے شاہ ہسپانیہ سے اپنی اس مہم کے

Scanned with CamScanner

لیے مدد مانگنے کا فیصلہ کیا اور وہ 1517ء میں اسپین پہنچا اور اس نے شاہ اسپین چارلس اول کو اس مہم میں مدد دینے کے لیے رضامند کرلیا۔ بحراوقیانوس میں دو ماہ سفر کرنے کے بعد اس کا بحری بیڑا برازیل پہنچا وہاں دو ہفتے قیام کے بعد وہ براعظم جنوبی امریکہ کے مزید جنوب کی طرف بڑھے کہ بحرالکاہل میں داخل ہونے کا راستہ یہیں سے مل سکتا تھا۔ مگر گرمیوں کے آخر تک انہیں اس راستے کا سراغ نہ مل سکا۔ مارچ 1520ء میں جب موسم سرما کا آغاز ہورہا تھا۔ انہوں نے سردیاں گزرانے کے لیے سان جولین San Julian کا انتخاب کیا۔ یہ جگہ آج کے جنوبی ارجنٹائن میں واقع ہے۔ یہاں سے وہ پورے نو ماہ تک ٹھہرے اسی اثناء میں ایک سمندری طوفان نے ان کا ایک بحری جہاز تباہ کردیا۔ ادھر پرتگیز امیرالبحر کے خلاف ہسپانوی جہازیوں نے بغاوت بھی کردی جس پر میگلن نے بڑی مشکل سے قابو پایا۔ 18 اکتوبر جنوبی ہمیشائر میں جب گرمیاں شروع ہوچکی تھیں۔ انہوں نے اپنا سرمائی مستقر چھوڑا اور دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کیا۔ میگلن کا منصوبہ تھا کہ وہ انتہائی جنوب میں واقع کسی آبنائے سے گزر کر بحرالکاہل میں داخل ہوجائیں گے۔ آخر کار انہیں جنوبی امریکہ کے ایک گوشہ میں واقع تین سو ساٹھ میل طویل یہ آبنائے مل گئی۔ یہ آبنائے امیرالبحر میگلن کے نام پر آج بھی آبنائے میگلن کہلاتی ہے۔ جیسے ہی وہ آبنائے میں داخل ہوئے ان کے بیڑے کے ایک جہاز سان انٹونیو نے بغاوت کردی اور وہ واپس اسپین روانہ ہوگیا۔ 20 نومبر 1520ء کو میگلن اپنے بقایا جہازوں کے ساتھ اس سمندر میں داخل ہوگیا جو اب تک جنوبی سمندر کہلاتا تھا۔ اگرچہ اس سمندر کو بیلبوا نے دریافت کیا مگر اس کے پرسکون اور خاموش پانیوں کو دیکھ کر اس کا نام بحرالکاہل Pacific Ocean میگلن نے رکھا۔ یہ سمندر میگلن کے اندازے اور سوچ سے کہیں وسیع تر تھا۔ 98 دن کے مسلسل سفر میں میگلن کو صرف دو غیر آباد جزیرے مل سکے۔ اس طویل سفر کے بعد ان کے جہازوں کا سامان خوردونوش اور پینے کا پانی ختم ہوگیا۔ فاقوں سے بچنے کے لیے میگلن اور اس کے ساتھیوں کو چوہے اور بیلوں کی کھالیں تک کھانا پڑیں۔ جہازوں کا عملہ تازہ پھلوں اور سبزیوں کی کمی کی وجہ سے سمندری بیماری سکروی Scurvy کا شکار ہوگیا۔ بالآخر 6 مارچ 1521ء کو وہ گوام Guam پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اگر گوام کے مقامی باشندوں کے ساتھ جھگڑے نے انہیں اپنے جہازوں کو سامان خوردونوش بھرنے سے روک دیا مگر کسی نہ کسی طرح جہازوں کے عملے نے اتنی خوراک جہازوں پر لادلی جو انہیں جزائر فلپائن تک کے سفر کے لیے کافی رہی۔

جزائر فلپائن میں وہ کئی ہفتے قیام پذیر رہے ان جزائر کے لوگوں کا رویہ دوستانہ تھا۔ میگلن نے یہاں کے بہت سے باشندوں کو مسیحی بھی بنایا جس سے انکے تعلقات مزید دوستانہ

Scanned with CamScanner

ہوگئے۔ مگر پھر بدقسمتی سے کپتان مقامی لوگوں کی باہمی رقابت میں ایک گروہ کا ساتھی بن گیا۔ 27 اپریل 1520ء کو کپتان میگلن نے فلپائن باشندوں کی ایک جنگ میں اپنے حلیف گروہ کی طرف سے شرکت کی جس میں وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ جنگ میکتان Mactan نامی جزیرے پر لڑی گئی اس میں کپتان کے علاوہ بہت سے ہسپانوی بھی مارے گئے۔ جنگ میکتان میں کپتان کے مارے جانے کے بعد تین بقایا بحری جہازوں پر کل 110 ارکان زندہ بچے اور یہ عظیم جہاز راں اپنے اس عظیم منصوبے کا انجام دیکھنے اور جزا پانے کے لیے زندہ نہ رہ سکا۔

چونکہ تین جہازوں کے لیے 110 آدمی کم تھے اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ ایک جہاز کو یہیں چھوڑ دیا جائے۔ مزید جنوب مغرب کی طرف سفر کرنے کے بعد بالآخر یہ جہاز گرم مصالحہ کے جزیروں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں انہوں نے دونوں جہازوں کو مصالحوں سے لاد لیا۔ واپسی کے سفر کے لیے دونوں جہازوں نے الگ الگ راستوں سے اسپین واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ بحری جہاز ٹرینی ڈاد Trini dad نے کپتان گونزولو اسپائی نوزا Gonzalo Espinosa کی قیادت میں واپس خاکنائے پانامہ کے راستے سے واپسی کی ٹھانی جب کہ دوسرے جہاز "وٹوریا Vittoria" نے جس کی قیادت جوآن سباستین Juan Sebestian نے مغرب کی سمت سے اسپین پہنچنے اور کپتان میگلن کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا۔ دونوں جہازوں کو واپسی کے سفر میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹرینی ڈاد خاکنائے پانامہ سے واپسی کراہ نہ پا کر مصالحہ کے جزیروں کو واپسی لوٹا مگر یہاں اب کی بار اسے پرتگیزوں نے گرفتار کرلیا۔

وٹوریا مغرب کی سمت میں سفر کرتے ہوئے بہت سے سفری مصائب کا سامنا کرنے کے بعد بالآخر 6 ستمبر 1522ء کو دنیا کے گرد پہلا سفر مکمل کر کے بندرگاہ سان لوکر واپس پہنچ گیا۔ سفر کے آغاز کے تقریباً تین سال بعد اس پر اب صرف اٹھارہ آدمی سوار تھے۔

اس سفر سے لوٹنے والوں میں ایک اطالوی بھی تھا جس کا نام انٹونیو پگ فا Antonio Piga Feta تھا۔ اس اطالوی سے اس طویل سفر کی روائیداد قلمبند کی۔ اس نے لکھا کہ اس سفر میں تقریباً 50،610 بحری میل یا 81,449 کلومیٹر کا سفر کیا گیا اگرچہ میگلن مصالحہ کے جزیروں تک کوئی مختصر راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں رہا تھا مگر اس کا یہ سفر کرہ ارض کے گرد پہلا اکتشافی سفر ہونے کی وجہ سے آئندہ نسلوں کے لیے بڑا مفید تھا۔ اور پھر میگلن نے براعظم جنوبی امریکہ سے بحرالکاہل میں داخل ہونے کے لیے جو آبنائے دریافت کی وہ بھی آئندہ ہونے والے سفروں کے لیے ایک سنگ میل سے کم نہیں۔

مآخذ: انسائیکلوپیڈیا ورلڈ بک بذیل مادہ "میگلن"

Scanned with CamScanner

1523ء۔ زونگلی کے 67 اصلاحی مقالات

یورپ میں تحریک اصلاح مذہب تنہا مارٹن لوتھر کی کوششوں سے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ بہت سے مصلحین کی مشترکہ کوششوں سے پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ انہیں مصلحین میں ایک الرخ زونگلی Ulrich Zwingli بھی تھا۔ زونگلی نے 1518ء میں تحریک اصلاح مذہب کی باگیں تھامیں جس کے نتیجے میں زیورخ Zurich ، سوئزرلینڈ میں 1525ء میں رومن کیتھولک کلیسا کی رسوم وعبادات منسوخ کردیں گئیں۔

الرخ زونگلی (1484ء۔ 1531ء) نے باسل میں 1506ء میں تعلیم مکمل کی اور کلیسائی عہدہ دار کے طور پر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ 1516ء میں زونگلی آئن سیڈلین Ein Siedeln نامی شہر میں مبلغ مقرر ہوا۔ اوراس نے اپنے اصلاحی نظریات عوام تک پہنچانے شروع کیئے۔ بحیثیت مبلغ اسے اتنی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ زیورخ کے کلیسا نے اسے اپنے آ کر تبلیغ کرنے کی دعوت دی (1518ء)۔

دسمبر 1518ء میں زونگلی مارٹن لوتھر کی ابتدائی اصلاحی تحریروں کے زیر اثر آ گیا اور لوتھر کے موقف کی حمایت کرنے لگا۔ اس نے جلد ہی پاپائے روم کو حضرت مسیحؑ کی اصل تعلیمات کا دشمن قرار دے دیا۔ اس اصلاحی سرگرمیوں سے وٹن برگ کے بعد زیورخ نے اصلاح مذہب کے دوسرے اہم مرکز کی حیثیت اختیار کرلی۔ 1522ء میں زونگلی نے کیتھولک رسومات کو مسترد کردیا اور ان کے خلاف ایک مقالہ بھی تحریر کیا۔ سوئزرلینڈ کی حکومت نے اس پر اس کا نوٹس لیا اور اس کی تعلیمات پر بحث کے لیے بہت سے ماہرین الہیات کو ایک مباحثے کی دعوت دی۔ یہ مباحثہ جنوری 1523ء میں زیورخ میں منعقد ہوا۔ اس مباحثے میں ایک رومی کیتھولک عالم دین جون فیبر Johanne Faber نے اس کے پیش کردہ 67 اصلاحی مقالات اور نظریات کو مسترد کردیا اس کے باوجود زونگلی نے 1525ء میں ایسٹر کے موقع پر زیورخ کے کلیساؤں سے رومن کیتھولک رسومات کو سرکاری طور پر منسوخ کردیا۔ اوران کی جگہ پروٹسٹنٹ رسومات اور عقائد سرکاری طور پر اپنا لیے گئے۔

آہستہ آہستہ سوئزرلینڈ میں اصلاحی تحریک کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا گیا۔ مگر پھر پانچ کینٹن Canton (صوبے) سختی سے رومن کیتھولک ازم پر قائم رہے اور انہوں نے 1531ء میں اچانک زیورخ پر حملہ کردیا۔ ان حالات میں زونگلی نے اہل قلم ہونے کے ساتھ ساتھ تلوار بھی سنبھال لی اور بذات خود اس جنگ میں شرکت کی مگر وہ میدان جنگ میں کام آ گیا۔ لیکن اس کے نظریات اس کے ساتھ نہیں مرے اور پروٹسٹنٹ ازم کے ساتھ ساتھ پھلے پھولے۔

Scanned with CamScanner

1523ء۔ حضرت شاہ کمال قادری کی ہندوستان آمد

افغانستان میں جو دریا غزنی کے جنوب مشرق سے نکلتا ہے وہ کوہستان سلیمان کو چیرتا ہوا پاکستان میں ڈیرہ اسماعیل خان سے اوپر میدان میں داخل ہوتا ہے۔ اسے درہ گومل کہتے ہیں۔ سولہویں صدی کے آغاز میں ایک مرد خدا اسی راستے سے پہاڑوں سے گزرتا ہوا برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوا اور دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا ٹھٹھہ میں قیام فرما ہوا۔ یہ مرد خدا حضرت شاہ کمال کیتھلی تھے۔ جو سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے اپنے مرشد کے حکم پر بغداد سے ہندوستان آئے تھے۔

ان دنوں ہندوستان سیاسی بے چینی اور افراتفری کا شکار تھا۔ اگر چہ کئی صدیوں سے یہاں اسلامی سلطنت قائم تھی مگر اچھے حکمرانوں کے ساتھ برے حکمران بھی تخت نشین ہوتے آئے تھے۔ جن سے عوام تنگ آ گئی تھی اس وقت تخت دہلی پر لودھی حکمران تھے جن کے عہد میں فلاحی کاموں کی بجائے محلاتی سازشیں زوروں پر تھیں۔ عوام فرقہ پرستی کا شکار تھے اور اسلام میں ہندوانہ رسوم راہ پا گئیں تھیں جس سے عجیب و غریب رخنہ اندازیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ وہ مذہب جس نے یہاں ذات پات کے نظام کی نفی کی تھی اب خود ایک نڈھال مریض کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ جو منتظر تھا کہ کوئی مسیحا اس کے تن میں نئی روح پھونکے اور حالات کی اصلاح کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر فرعون کے لیے موسیٰ پیدا کیا ہے۔ ہندوستان ان حالات کے لیے اس نے ایک درویش باعمل حضرت شاہ کمال قادری ؒ کو منتخب کیا جنہیں بغداد میں ان کے مرشد حضرت شاہ فضیل قادری نے خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد ہندوستان جانے کا حکم دیا اور ولایت ہند تفویض کی۔ آپ اس حکم کی تعمیل میں عازم ہندوستان ہوئے۔ پہلے پہل آپ نے ٹھٹھہ میں قیام کیا جو اس زمانے میں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ یہاں آپ کی آمد سے اصلاح احوال ہوئی اور آپ کے دست حق پرست پر جہاں بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ وہیں کاملاں را راہنما کے مصداق سید محمد مدرس نامی ایک عالم نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ سید محمد مدرس علوم ظاہری سے آراستہ تھے مگر حضرت شاہ کمال ؒ نے باطنی فیض سے ان کا سینہ منور کر دیا۔ اور انہیں خرقہ خلافت بھی عطا کیا۔

ٹھٹھہ کے بعد آپ کچھ عرصہ برصغیر کے مشہور شہر ملتان بھی رہے جو محمد بن قاسم کے وقت

Scanned with CamScanner

سے اسلامی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یہاں شیر شاہ سوری کے نائب ہیبت خاں نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی اور آپ کو سرکاری مراعات مہیا کرنا چاہیں۔ مگر درویشوں کو کب محل سلطانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے خوش دلی سے یہ سب مراعات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ملتان سے آپ مشرقی پنجاب میں لدھیانہ چلے گئے۔ جہاں آپ کے فیوض و برکات سے انوار الٰہی کی وہ بارش ہوئی کہ سرزمین لدھیانہ اسے کبھی فراموش نہ کر سکی اور تقسیم ہند تک لوگ آپ کی یاد میں یہاں ایک میلہ منعقد کرتے تھے۔ جسے مقامی زبان میں بڑے پیر کی روشنی کہتے ہیں۔ آپ کسی ایسی سرزمین کی تلاش میں برصغیر کے ان شہروں میں گھوم رہے تھے جہاں آپ یکسوئی سے اشاعت اسلام کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔ سرہند کے قصبے میں کچھ دن قیام کے بعد آپ بالآخر اس سرزمین تک پہنچ گئے جہاں آپ آج بھی محو استراحت ہیں۔ یہ آج کے صوبہ ہریانہ کا شہر کیتھل شریف تھا۔ اس شہر کی سرزمین نے بھی آپ کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا، آج تک سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی یہاں کا بچہ بچہ آپ کا دل سے احترام کرتا اور اس احترام میں مذہب کا امتیاز بھی موجود نہیں۔ آپ کے مزار اقدس پر ہر روز سینکڑوں ہندو بھی حاضری دیتے ہیں اور مسلمان بھی۔ آپ کی یاد میں ہر سال یہاں آپ کا عرس مبارک مارچ کی آخری تاریخوں میں منعقد ہوتا ہے۔

جب آپ کیتھل شریف میں مستقل قیام فرما ہوئے تو جہاں بے شمار اہل ہندو نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا وہیں شش جہات سے علم و عرفان الٰہی کی اس شمع پر ہدایات کے حصول کے لیے مسلم پروانے بھی ٹوٹ پڑے۔ ان پروانوں میں خواجہ فتح علی خان، عبدالاحد کابلی (والد حضرت مجدد الف ثانیؒ) شاہ یوسف بھکری اور قاضی عبدالرحمان دیپالپوری وغیرہ قدس اسرار ہم شامل ہیں۔ ان فرزانوں نے اس روشن مینار سے جس قدر ممکن تھا استفادہ کیا اور آپ کے تبحر علمی اور شان جلالت سے یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے۔

یہ آپ کا فیض تھا کہ تقسیم ہند سے قبل شہر کیتھل شریف میں لاکھوں مسلمان آباد تھے۔ جب آپ کی اولاد امجاد میں سے حضرت سید علی احمد کیتھلیؒ نے یہاں ہجرت کی تو اس شہر میں صرف چند مسلمان رہ گئے مگر آپ کے عقیدمندوں میں پھر بھی کوئی کمی نہ آئی اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی آج بھی اہل ہنود آپ کے گرویدہ ہیں اور سالانہ عرس کی تقریبات تک خود منعقد کراتے ہیں۔ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ برصغیر تشریف لانے والی ان شخصیات میں شامل ہیں جن کے ہندوستان ورود سے عالمگیر سلسلہ قادریہ کو تقویت حاصل ہوئی۔ جو آپ کے خانوادے کی جد اعلیٰ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے قائم کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

1525ء۔ انجیل مقدس کا پہلا انگریزی ترجمہ

سولہویں صدی عیسوی تک انجیل مقدس عام آدمی کی فہم سے بالاتر تھی۔ انجیل مقدس کو صرف لاطینی اور یونانی زبانوں کے عالم ہی سمجھ سکتے تھے۔ رومی کیتھولک کلیسا نے صدیوں سے انجیل مقدس کا ترجمہ عام زبانوں میں کرنا ممنوع قرار دے رکھا تھا۔

نشاۃ ثانیہ نے جہاں دیگر علوم کا احیا کیا وہیں جمے ہوئے مذہب کے خلاف بھی علم اٹھایا۔ مارٹن لوتھر نے جو پروٹسٹنٹ فرقے کا بانی تھا اور نشاۃ ثانیہ کی پیداوار تھا جس نے اسے اعلیٰ اقدار کا متلاشی بنادیا تھا۔ اس نے انجیل مقدس کا جرمن زبان میں ترجمہ کر کے اسے عام آدمی کی رسائی میں دے دیا۔

اسی زمانے میں انگریزی زبان میں انجیل مقدس کا مکمل ترجمہ کیا گیا۔ اس سے پہلے ویکلف اور دیگر عالموں نے جو تراجم انگریزی زبان میں کیے تھے۔ وہ جزوی تھے اور ان میں کوئی بھی مکمل ترجمہ شامل نہیں تھا۔

1525ء میں ایک انگریز عالم ولیم ٹینڈیل William Tyndale نے جو جرمنی میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ انجیل مقدس کو مکمل طور پر انگریزی میں منتقل کر دیا۔ یہ ترجمہ صرف عہد نامہ جدید پر مبنی تھا۔ بعد ازاں ٹنڈیل نے عہد نامہ عتیق کا ترجمہ بھی کیا۔ ٹنڈیل کے ان تراجم کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس نے ان میں ایک مخصوص زبان استعمال کی تھی۔ یہ زبان انگریزی زبان کے دل میں پوشیدہ مذہبی جذبات سے ہم آہنگ زبان کے قریب تر زبان تھی۔ اس کو قائم رکھتے ہوئے ٹنڈیل کے تمام انجیل کا ترجمہ کرنے کی ایک اچھی کوشش کی تھی۔ اس کے ترجمے میں ایک افاقیت تھی جس کی بنا پر معمولی فہم والے ایک آدمی سے لے کر بڑے سے بڑا عالم اس سے اپنے انداز میں استفادہ کر سکتا تھا۔ لیکن انجیل مقدس کے ترجمے کا اتنا بہتر کام کرنے والے اس عالم کو اس کی اس نیکی کا اجر یہ ملا کہ 1536ء میں جرمنی ہی میں اس پر الحاد کا الزام لگا کر اسے پھانسی کی سزا دے دی گئی۔

1529ء میں سر تھامس مور نے ٹینڈیل کے ترجمے پر تنقید کی جس کے جواب میں ٹینڈیل نے ترجمے کی خوبیاں اور فوائد پیش کیئے ساتھ ہی اس نے عہد نامہ عتیق کی پہلی پانچ کتب کا ترجمہ بھی کر دیا۔ عہد نامہ عتیق کی پانچ کتب کے ساتھ وہ ہامبرگ Hamburg کو روانہ ہوا تا کہ اس مسودہ کو بھی چھپوائے لیکن راستہ میں اس کا مسودہ جہاز کی غرقابی کے ساتھ

Scanned with CamScanner

برباد ہوگیا۔ پھر اسے کارڈ ویل ملا جو عید القیامت یعنی اپریل سے دسمبر تک اس کے ساتھ رہا۔ دونوں نے مل کر عہد نامہ عتیق کی پانچ کتب کا ترجمہ کیا اور اسے مختلف چھاپہ خانوں سے طبع کرایا ٹینڈیل پھر اینٹ ورپ، بلجیئم آ گیا اور 1534ء میں اس نے عہد نامہ جدید کے ترجمہ پر نظر ثانی کی اب اس کے خلاف پوپ کے غصے کی آگ بھڑک چکی تھی اور ادھر بادشاہ کے حکم سے اس کی کتب کو مطعون قرار دے دیا گیا تھا تب ایک رومی شخص ہنری فلپ کو مقرر کیا گیا کہ وہ اینٹ ورپ پہنچ کر ٹینڈل کا سراغ لگائے۔ وہاں ہنری ٹینڈل کا دوست بن گیا اور دونوں ایک ہی مکان میں رہنے لگے۔ جس کے باعث اس نے ٹینڈیل کے کام اور اس کے مددگاروں کا سراغ لگالیا۔ پھر ہنری فلپ برسلز چلا گیا اس نے شاہ چارلس پنجم کے کارندوں کو اینٹ ورپ بھیجا جنہوں نے ٹینڈل کو گرفتار کرلیا ڈیڑھ برس قید رکھنے کے بعد اسے 1536ء میں پھانسی کی سزا دی گئی اور اس کا جسد خاکی جلا ڈالا گیا۔ پھانسی پر لٹکتے وقت ٹینڈل کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ''اے خداوند انگلستان کے بادشاہ کی آنکھیں کھول۔''

جنرل کرامویل کے حکم پر بشپ آف لندن نے ولیم ٹینڈیل کے ترجمے کی دو ہزار جلدوں کو سینٹ پال کیتھڈرل کے چوراہے میں نذر آتش کردیا تھا۔

مآخذ:

تاریخ اصلاح کلیسا از پادری خورشید عالم۔ تاریخ ادب انگریزی از محمد احسن فاروقی۔

Scanned with CamScanner

1526۔ بابر کی فتح ہندوستان

8 رجب 932ھ/ 21 اپریل 1526ء کو پانی پت کے میدان میں جب بابر ابراہیم لودھی کی افواج کے مقابل پہنچا تو اس کا لشکر دشمن کی فوج کے دسویں حصے کے برابر تھا۔ دشمن کی افواج کی کثرت دیکھ کر بابر کے لشکری گھبرا گئے اور پہلے کی طرح اسے واپس ہو جانے کا مشورہ دینے لگے لیکن بابر کی موروثی شجاعت حرکت میں آ چکی تھی۔ اس نے بہر قیمت مقابلہ کا فیصلہ کیا اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنی فوج کو صف بندی کا حکم دیا۔ یہ ہندوستان پر اس کا پانچواں حملہ تھا۔ شہزادہ ہمایوں مرزا اور دوسرے تجربہ کار فوجی سرداروں کی کمان میں سپاہیوں کو میمنہ اور میسرہ پر متعین کیا گیا۔ محمد سلطان میرزا کی سرکردگی میں ایک دلیر اور جانباز فوج کو میسرہ پر مقرر کیا گیا۔ اس طرح دوسرے بہادر جرنیل قلب اور دیگر حصوں میں متعین کئے گئے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو دونوں طرف سے فوجیں غضب ناک موجوں کی طرح بڑھیں اور جوش وخروش میں صفیں صفوں سے ٹکرا گئیں۔ ہر طرف سے ایک شور وغل اور ہنگامہ برپا ہوا۔ رہ رہ کر نبرد آزما بہادروں کے نعرے دل ہلانے لگے اور تاحد نظر خون کے فوارے پھوٹنے لگے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں نے گرد وغبار کی ایک چادر کھڑی کر دی تو ہاتھیوں کے بڑھتے ہوئے غولوں سے دن پر رات کا شبہ ہونے لگا۔ اس قیامت خیز ہنگامہ میں باپ بیٹے کو پہچاننے سے قاصر تھا۔ توپوں کی گھن گرج سے کان بند ہونے لگے۔ افغان فوج نے جو ٹڈی دل کی طرح بڑھتی چلی آ رہی تھی ایسے تابڑ توڑ حملہ کیئے کہ بس الامان الامان۔ معلوم ہوتا تھا کہ روئے زمین کانپ اٹھے گی۔ طلوع آفتاب سے نصف النہار تک اس جنگ عظیم میں ہزار ہا افراد کے سر گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندے گئے اور قتال وجدال کا ہنگامہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ آخر افغانوں پر مغل افواج کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ راجہ بکر ماجیت اور سلطان ابراہیم پانچ ہزار افغانوں کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مگر سلطان کے مرنے کے کافی دیر بعد بابر بادشاہ کی نظر سلطان ابراہیم کے سر پر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی بہادروں نے اپنی نگاہیں کھینچ لیں اور جنگ ختم ہوگئی۔ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ بابر کے حق میں رہا۔

کہتے ہیں کہ پانی پت کی اس پہلی جنگ میں پندرہ سے سولہ ہزار افراد سلطان ابراہیم کے لشکر کے قتل وگرفتار ہوئے۔ اعلان فتح کے ساتھ ہی امرائے نامدار نے بادشاہ بابر کو تہنیت اور مبارک باد دی۔ بابر نے تھکے ماندے ہونے کے باوجود آگرہ اور دہلی کی تسخیر کے لیے

Scanned with CamScanner

کار پرواز مقرر کیئے۔ شہزادہ ہمایوں آگرہ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا اور خود بابر نے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ بروز منگل 12 رجب 932ھ/ 25 اپریل 1526ء کو دہلی میں بابر فاتحانہ شاہانہ انداز میں داخل ہوا۔ شیخ زین العابدین کو حکم دیا گیا کہ وہ ظہیر الدین بابر کے نام کا خطبہ پڑھیں۔ دوسرے دن بابر نے دہلی کے قلعہ اور شاہی محلات کی سیر کی اور دہلی کے بائیس خواجاؤں کے مزارات پر حاضری دی۔ دس دن قیام کے بعد بابر آگرہ روانہ ہوگیا۔

ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا بانی ظہیر الدین بابر کسی تعارف کا محتاج نہیں اس کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں امیر تیمور سے جا ملتا ہے۔ اس کی ماں قتلوک خانم تھی جو پندرہ پشتوں کے بعد چنگیز خاں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ 14 فروری 1484ء بابر پیدا ہوا اور جون 1494ء میں اپنے والد کا فرغانہ میں جانشین ہوا۔ باپ کے زمانے ہی سے بابر کے چچاؤں اور ماموؤں سے لڑائیاں چھڑ چکی تھیں۔ جو بدستور جاری تھیں بابر کو دس سال تک شکست و فتح کے نشیب و فراز دیکھنے کے بعد آخر وطن چھوڑنا پڑا۔ جون 1504ء میں اس نے کابل کا رخ کیا جس پر 1501ء تک اس کے چچا کا قبضہ تھا۔ لیکن اس وقت ارغون کے قبضے میں تھا۔ بابر نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے کابل فتح کیا اور وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ کابل میں قدم جمانے کے بعد اس نے 1507ء میں قندھار فتح کیا۔ مگر جب شیبانی خاں نے قندھار کا محاصرہ کرلیا تو اسے بچانے کے بجائے بابر نے ہندوستان کا رخ کیا۔ ادھر شیبا خان شاہ اسمٰعیل صفوی سے مرو کے مقام پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس پر بابر نے تیسری بار سمرقند پر قبضہ کرلیا مگر شاہ اسمٰعیل صفوی کے متوسل کی حیثیت سے۔ مئی 1512ء میں بابر کو اوزبکوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اسے ایک بار پھر سمرقند چھوڑنا پڑا۔ مئی 1522 میں اس نے بذریعہ گفت وشنید ایک بار پھر قندھار پر قبضہ کرلیا۔ اسے حاصل کرلینے کے بعد بابر نے اپنی پوری توجہ ہندوستان کی طرف مبذول کردیں جہاں کے حالات وہ 1516ء سے چھوٹی چھوٹی مہمات کے ذریعے معلوم کرتا رہا تھا۔

فاتح قندھار کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت لاہور کے دولت خاں اور سلطان ابراہیم لودھی کے چچا عالم خاں نے دی تھی۔ تاکہ وہ آکر ابراہیم کے خلاف ان کی مدد کرے۔ دوسرے حملے کے موقع پر بابر نے دولت خاں کو تو بے دخل کردیا اور افغانوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے عالم خاں کو استعمال کیا۔ پھر اپریل 1526ء میں وہ پانی پت کے میدانوں میں ابراہیم لودھی کے خلاف صف آرا ہوا اور فتح نے اس کے پاؤں چومے مگر ایک اسی فتح سے پورا ہندوستان تسخیر نہیں ہوا بلکہ اسے ہندوستان میں قدم جمانے کے لیے مزید جنگیں بھی لڑنا پڑی۔

مآخذ: منتخب الباب جلد اول۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3۔

Scanned with CamScanner

1526ء۔ پیرو کی ہسپانوی فتح

جنوبی امریکہ کا شمالی حصہ جہاں جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل کے ممالک آباد ہیں بہت سے تضادات کا حامل ہے۔ اس کے مختلف علاقوں کی آب ہوا بھی مختلف ہے۔ یہاں ہی پیرو Pero واقع ہے جہاں سولہویں صدی میں ''انکا'' سلطنت واقع تھی۔ اسی سلطنت کے متعلق بیلبوء کی مہم میں کچھ سرخ ہندیوں نے بتایا تھا کہ جنوب کے پہاڑوں میں ایک ایسا ملک ہے جہاں سونے کی بہتاب ہے۔ اس ملک میں سونا اتنا عام ہے کہ جتنا خود اسپین میں لوہا۔ جن لوگوں نے ان سرخ ہندیوں سے جنوب کے اس ملک کے بارے میں سنا تھا ان لوگوں میں سے ایک فرانسسکو پیزارو Francisco Pizzaro تھا۔ اگرچہ یہ ہسپانوی مہم جو ایک غیر تعلیم یافتہ شخص تھا۔ مگر وہ نئی دنیا کی سرزمین پر کئی مہمات میں شرکت کر چکا تھا اور اس کا تجربہ وسیع تھا۔

جنوب کے پہاڑوں میں سونے کی بہتات والے اس ملک کی سنہری سرزمین کی تسخیر فرانسسکو پیزارو کا خواب بن گئی۔

نومبر 1524ء میں پیزارو جنوب کے اس ملک کی تسخیر کے لیے پانامہ سے نکلا۔ کئی سال کے سفری مصائب جھیل کر جب وہ اس سرزمین پر پہنچا تو ان لوگوں کے زیورات کی ایک جھلک دیکھی جو خالص سونے کے بنے ہوئے تھے۔ تو اس کے جسم میں کپکپی کی ایک لہر دوڑ گئی جو خوف کی نہیں تھی بلکہ حرص کی تھی۔ اس نے ہر قیمت پر ان لوگوں سے سونے کے یہ خزائن حاصل کرنے کا عزم کرلیا۔ اس سرزمین کا سروے کر کے اس نے ایک بار پھر 28 دسمبر 1530ء کو تین بحری جہازوں 1806 جوانوں اور 27 گھوڑوں کے ساتھ اس سرزمین کا رخ کیا۔ اس مرتبہ ایک خوشخبری یہ تھی کہ جس سرزمین کو فتح کرنے جارہا تھا وہ خانہ جنگی کا شکار ہو چکی تھی۔ انکا سلطنت کے شہنشاہ حانہ پاک نے اپنی سلطنت اپنے دو بیٹوں آتاہوالپا اور حاسکار میں تقسیم کردی تھی مگر ان دنوں میں جنگ چھڑ گئی، جو پیزارو کے لیے خوش آئند تھی۔

پھر ایک وقت آیا جب آتاہوالپا Atahualpa فرانسسکو پیزارو کی دعوت پر 15 نومبر 1535ء کو اپنے چار ہزار غیر مسلح ساتھیوں کے ساتھ اسے ملنے کے لیے ہسپانوی کیمپ آیا۔ پیزارو نے ان غیر مسلح لوگوں کے استقبال کے لیے اپنے ساتھیوں کو مسلح کر کے کمین گاہوں میں چھپادیا اور خود اکیلا انکا شہنشاہ کے استقبال کے لیے بڑھا۔ اس کے ہمراہ ایک

Scanned with CamScanner

جے سوٹ پادری تھا۔ جو مدعو شہنشاہ کو عیسائیت کی دعوت دینے لگا۔ عیسائیت پر پادری صاحب کا پرمغز خطبہ سن نے کے بعد آتاہوالپا نے جواب میں کہا کہ عیسائیت میں کچھ خامیاں اور کمزوریاں ہیں لہٰذا اس کا عیسائیت قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ پادری نے شہنشاہ کو انجیل مقدس پیش کی۔ آتا نے انجیل پادری سے لی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا لیکن اس دوران مقدس کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ آتاہوالپا انجیل مقدس کے احترام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ مگر پھر بھی ہسپانوی تو کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ پادری نے انجیل کی بے حرمتی پر شوروغل مچادیا۔ پیزارو جو پہلے ہی جنگ کی تیاریاں مکمل کیئے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو جو آس پاس چھپے ہوئے تھے نہتے انکاؤں پر حملے کا اشارہ کردیا۔ اور ہر طرف بندوقوں کی گرج سنائی دینے لگی۔

ہسپانوی سپاہی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر آتاہوالپا کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے سینکڑوں غیر مسلح انکا جو اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتے تھے پلک جھپکتے میں زمین پر آرہے۔ جو انڈین خوفزدہ ہوکر بھاگے ان پر توپخانے سے گولہ باری کی گئی قتل و غارت کا یہ کھیل لمحوں میں ختم ہوگیا اور دو ہزار انکا مارے گئے۔ آتاہوالپا کو زندہ گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح دھوکے سے ایک طاقتور شہنشاہ کو منٹوں میں بے بس کردیا گیا۔ اس شب پیزارو نے پیرو کے گورنر اور کیپٹن جنرل کے ساتھ ساتھ سپریم جج کا عہدہ سنبھال لیا اور اس کی اطلاع شہنشاہ اسپین کو بھجوادی گئی۔ اس کا سنہری خواب جو وہ مدت سے دیکھ رہا تھا آج پورا ہوگیا۔ انکا شہنشاہ نے اپنی رہائی کے لیے اپنے محل کا ایک کمرہ جو 22x17 تھا سونے کی اشیاء سے بھر کر بطور فدیہ ادا کرنے کی پیش کش کی مگر چالیس لاکھ پاؤنڈ سونا وصول کرلینے کے بعد بھی شہنشاہ کو رہا نہ کیا گیا۔ پیزارو نے جواب مقتدر اعلیٰ تھا یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں شہنشاہ اپنی رہائی کے بعد سفید فام حملہ آوروں کے خلاف بغاوت نہ کردے۔ اس کے ایک ساتھی ڈی سوٹو نے اسے مشورہ دیا کہ انکا شہنشاہ کو اسپین کی مذہبی عدالت کے سپرد کردینا چاہیے۔ لیکن یہ مسئلہ ہسپانویوں کے ترجمان فلی پلو نے حل کردیا۔ اس نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے پیزاروں کو بتایا کہ آتاہوالپا خفیہ طور پر ہسپانویوں کے خلاف ایک سازش تیار کررہا ہے۔ اور اس نے اپنا ملک آزاد کرانے کے لیے ایک عظیم فوج کی تیاری کا خفیہ حکم اپنے ساتھیوں کو بھجوادیا ہے جو ایٹو کے قریب جمع ہونے لگی تھی۔

پزارو کے ساتھی یہ جھوٹی خبر سننے کے بعد فوری کاروائی کا مطالبہ کرنے لگے۔ انکا پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ یہ مقدمہ ایک جھوٹا ڈرامہ ہونے کے سوا کچھ نہ تھا کیونکہ انکا کو عدالت میں پیش نہ کیا گیا اور نہ ہی اسے اپنا دفاع کا موقع دیا گیا۔ پھر اسے عدالت نے سزا

Scanned with CamScanner

سنادی۔۔۔زندہ جلادینے کی سزا۔ پہلی مرتبہ آتا ہوالپا نے اپنی وکالت کی اور کہا کہ اگر اسے زندہ جلایا گیا تو اس کی رعایا خزانے چھپالے گی اور پھر یہ خزانے ہسپانیوں کو کبھی نہ مل سکیں گے۔لیکن پیزارو عدالت احتساب کا فیصلہ بدل نہیں سکتا تھا۔اس نے جو کچھ کیا وہ صرف انکا شہنشاہ کو ایک آسان موت کی پیش کش تھی۔ پھر اگست 1533ء میں اس بے گناہ انسان کو گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا گیا۔اس کی موت کے بعد اس کی سازش کی تحقیقات کرنے والے کمیشن نے اطلاع دی کہ شہنشاہ کے سازش کرنے کی اطلاع غلط تھی اور کہیں بھی بغاوت کے آثار نہیں پائے گئے۔اس طرح آتا ہوالپا کے ساتھ کیا گیا سلوک ہسپانوی نو آبادتی تاریخ کا ایک سیاہ باب بن گیا۔

Scanned with CamScanner

1527ء۔ جنگ کنواہہ

تاریخ ہند میں کنواہہ کی جنگ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔ یہ جنگ ہندوستان کے فاتح بابر اور چتوڑ کے مہاراجہ رانا سانگا کے درمیان آگرہ کے قریب فتح پور سیکری میں کنواہہ کے مقام پر لڑی گئی تھی۔ 16 مارچ 1527ء کو ہونے والی اس جنگ میں ایک طرف راجپوتانہ کے تقریباً تمام راجپوت، راؤ اور ٹھاکر متحد ہو کر ایک بڑی فوج ساتھ لے کر آئے تھے دوسری طرف بابر تنہا تھا جس نے اگرچہ پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر تاج و تخت حاصل کر لیا تھا مگر ہندوستان کی بادشاہت ابھی تک اسے نصیب نہ ہوئی تھی۔ متحدہ افواج بابر کی فوج سے کئی گنا تھیں مگر بابر کا پلہ فنون حرب میں جدید مہارت رکھنے کی وجہ سے بھاری تھا۔ اس جنگ کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ اگر اس جنگ میں مسلمان شکست کھا جاتے تو برصغیر سے مسلمانوں کی حکومت سولہویں صدی ہی میں ختم ہو جاتی اور ہندو راجے اکھنڈ بھارت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

پانی پت میں بابر کی کامیابی کے بعد اگرچہ بابر نے ہندوستان میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا تھا مگر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ مغل جرنیل بھی امیر تیمور ہی کی طرح ہندوستان سے واپس چلا جائے گا۔ لیکن جب بابر نے ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تو رانا سانگا جو خود بھی پورے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ شکست خوردہ افغانوں کے ساتھ اس کے خلاف متحرک ہو گیا۔

اگرچہ رانا سانگا بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بابر کو خطوط لکھ کر سلطنت دہلی پر حملے کی دعوت دی تھی مگر اس نے پانی پت کے میدان میں ہونے والی جنگ میں بابر کی کوئی مدد نہ کی تھی اور اس کی فتح کے بعد اب صورتحال مزید بدل چکی تھی اور وہ ایک مخالف قوت کے طور پر بابر کے سامنے آ گیا تھا۔

انہیں دنوں افغانوں نے بابر کو کھانے میں زہر دے دیا۔ یہ زہر ابراہیم لودھی کی والدہ نے محل کی دو عورتوں کے ذریعے دلوایا تھا۔ مگر زہر کی مقدار کم ہونے سے بابر کی جان بچ گئی۔ بابر نے ابراہیم لودھی کی والدہ کو اس جرم کی پاداش میں کابل بھجوا دیا۔

رانا سانگا ان حالات میں تخت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مارچ 1527ء رانا سانگا نے بابر کے خلاف جنگی تیاریاں مکمل کر لیں۔ ادھر بابر بھی اپنی فوج کے ساتھ آگرہ سے نکلا اور فتح پور

Scanned with CamScanner

سیکری میں خیمہ زن ہوگیا۔ جلد ہی دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوگئے۔ اس جنگ کی تیاری کے باوجود بابر کی افواج کا حوصلہ پست تھا۔ کیونکہ رانا سانگا سے ہونے والی جھڑپوں میں رانا سانگا کا پلہ بھاری رہا تھا۔ ادھر رانا سانگا کی فوج میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مورخین نے اس کی فوج کی تعداد دو لاکھ بتائی ہے۔

اسی اثناء میں جب ہر روز بابر کو کوئی بری خبر مل رہی تھی۔ ایسے نازک وقت میں کابل سے پانچ سو سواروں کی کمک پہنچ گئی۔ اس دستہ کے ساتھ بہترین شراب بھی کابل سے آئی تھی۔ ہمراہ ایک محمد شریف نامی منجم بھی تھا جس نے بابر کی شکست کے بارے میں پیش گوئی کی جس سے بابر کے لشکر میں مزید بے چینی پھیل گئی۔ بابر کسی نہ کسی طرح اپنی فوج کا مورال بلند کرنا چاہتا تھا اسے یقین تھا کہ وہ رانا سانگا کو اپنی کم تعداد فوج سے ضرور شکست دے گا۔

آخر اس نے مذہب کا سہارا لیتے ہوئے شراب کو ترک کر دینے کی قسم کھائی۔ اس کے ساتھ تقریباً تین سو امراء نے بھی شراب سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے بعد بابر نے میدان جنگ میں اپنی فوج سے ایک پرزور خطاب کیا اور اپنے سپاہیوں کو یاد دلایا کہ ہر انسان کو ایک دن مرنا ہے مگر عزت کی موت ذلت بھری زندگی سے بدرجہ بہتر ہے۔

پھر جنگ کا آغاز ہوا اور رانا سانگا کی فوج نے بابر کی افواج کے دائیں بازو پر ایک شدید حملہ کیا۔ بابر کے پاس ایک جدید اور طاقتور توپ خانہ تھا وہ طاقتور دشمن کے مقابلے میں اس کو حرکت میں لے آیا ور شدید گولہ باری سے جلد ہی دشمنوں کی فوج میں شکست و اضمحلال کے آثار نظر آنے لگے اور دشمن کے ہاتھی توپوں کی مسلسل گولہ باری سے گھبرا کر آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کی طرف ہٹنے لگے۔ عین اسی وقت بابر نے دشمن کے قلب پر ایک زوردار حملہ کا حکم دیا دشمن کی فوج شدید گولہ باری کے بعد اس زوردار یلغار کے لیے تیار نہ تھی اور اس نے بالآخر پسپائی کا راستہ اختیار کیا۔ بابر کے خلاف ابھرنے والی متحدہ راجپوت قوت بکھر کر رہ گئی اور بابر ہندوستان کا حقیقی شہنشاہ بن گیا۔ غنیم سے حاصل ہونے والا مال غنیمت امراء، سالاروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کنواہہ کے میدان میں بابر کی فتح نے ہندوستان میں مسلم اقتدار کو مزید سوا تین سو سال دے دیئے۔

مآخذ:

بدر سے پانی پت تک از مختار احمد گیلانی۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد 3۔

Scanned with CamScanner

1528ء۔ پیراسیل سیکس کا باسل سے فرار

باسلے Basle کی سوئس آبادی میں ایک عدالت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی جو مقدمہ اس عدالت میں درپیش تھا اس میں ایک فریق یونیورسٹی کے کچھ طلبا تھے جو اپنے استاد پیراسیل سیکس کی طبی صلاحیت اور جرات کے مداح تھے۔ دوسری طرف صاحب ثروت ڈاکٹر اور عطار تھے جو پیراسیل سیکس کے طریقوں سے نفرت کرتے تھے کہ وہ طب کے قدیم اور مسلمہ عقائد کو تسلیم نہیں کرتا تھا اور نت نئی باتیں اور نئے طریقہ ہائے علاج اختراع کرتا تھا۔ کچھ ایسے طبیب بھی اس مقدمہ کی کاروائی اس امید پر دیکھنے آئے تھے کہ آج پیراسیل سیکس کو ان کا مذاق اڑانے اور ذلیل کرنے کا اجر ملنے والا تھا۔ بوڑھے جج نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ڈاکٹر پیراسیل سیکس کی خدمات کا معاوضہ اس کے دعویٰ کے مطابق سوگلڈن (سوئزرلینڈ کا سکہ) نہیں ہوسکتا۔ اس نے ڈاکٹروں میں رائج طریقہ ہائے علاج میں سے کوئی طریق بھی اختیار نہیں کیا۔ مریض کی فوراً شفایابی صرف اتفاقی اور قدرتی ہے۔ ڈاکٹر پیراسیل سیکس کی دی ہوئی چند دوائیں اس کی وجہ نہیں ہوسکتی۔ عدالت کی رائے میں فاضل طبیب کو مریض کی چھ گلڈن کی پیشکش بڑی فراخدلانہ ہے۔

پیراسل یہ نامنصفانہ فیصلہ سن کر اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر غم وغصہ جھلک رہا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے میں یہ اس کی بددماغی کے اثرات تھے۔ وہ اپنی جگہ سے چیخا "یہ انصاف کی تضحیک ہے۔ جج صاحب۔ عدالت نے نالائق ڈاکٹروں، عطاروں اور دوسرے دھوکہ بازوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف مجرمانہ رویہ اپنایا ہے۔"

اس کے دوستوں نے اسے زبردستی کھینچ کر بٹھایا۔ اس قسم کی باغیانہ گفتگو سے توہین عدالت کا پہلو نکلتا تھا اور عدلیہ کی تضحیک ہوتی تھی، پیراسیل سیکس جو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ دشمنوں میں گھیرا ہوا تھا۔ اپنے ان الفاظ سے مزید گھر گیا۔ 1528ء کی اسی رات دشمنوں نے اس کے ان الفاظ کو ریاست اور عدلیہ کی توہین کی بنیاد بنا کر اس پر غداری کا الزام لگانے کی تیاریاں مکمل کرلیں۔ اس مقدمے کے نتیجے میں لازماً پیراسیل کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے جو اس کے دشمنوں کا منشا تھا۔ مگر اس کے دوستوں نے اس رات اسے باسل سے نکل جانے کا بروقت مشورہ دے کر بچالیا۔ پیراسیل سیکس نے اسی رات باسلے کو چھوڑ دیا۔ اس کی زندگی کے اگلے تیرہ سال مسافرت، جلاوطنی اور دربدری میں گذرے۔ سچ ہے کہ کسی بڑے

Scanned with CamScanner

آدمی کو اس کے عہد میں عزت نہیں ملتی بعد کے زمانے کے لوگ ان کے صحیح مقام کو جان کر انہیں عزت دیتے آئے ہیں۔ یہی پیراسیل جیسے عظیم طبیب کے ساتھ ہوا۔ اس نے صرف اڑتالیس سال عمر پائی۔

پیراسیل سیکس اگر چاہتا تو بڑی پرسکون زندگی گزار سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ بھی ایک خوشحال ڈاکٹر تھا اور اس کی ماں ایک ہسپتال کی سربراہ۔ اس طرح اسے علم طب اور باسلے یونیورسٹی کی تعلیم کا پس منظر ورثے میں ملا۔ پیراسیل کا اصل نام تھیوفراسٹس بومباسٹس وان ہومنہائم ۔۔۔تھا۔ باسلے میں اس نے کمال خودستائی سے کام لیتے ہوئے پیراسیل سکس Pera Celsus رکھ لیا۔ اس سے وہ چاہتا تھا کہ ثابت کرے کہ وہ مشہور رومی طبیب سیکس Celsus کا ہم پلہ ہے۔ لفظ پیرا Pera کے لفظی معنی بھی مساوی کے ہیں۔ نشاۃ ثانیہ کے طور طریقے اپناتے ہوئے پیراسیل سیکس نے بھی دیگر اہل علم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طب کے روائتی اور قدیم طور طریقوں کو للکارا جس طرح مارٹن لوتھر نے کلیسا کے اصولوں کو اور کوپرنیکس نے بطلیموسی قوانین کو چیلنج کیا تھا۔

تحصیل علم کے بعد کافی عرصہ تک پیراسیل سیکس سویڈن میں دوا سازی اور دوفروشی کا کام کرتا رہا۔ بعدازاں دس برس تک وہ طب کے وسیع ترین اور سب سے زیادہ قابل عمل علم کی تلاش میں یورپ اور دوسرے براعظموں کے مختلف حصوں میں سرگرداں رہا۔ اس سلسلے میں وہ قسطنطنیہ، مصر اور ایران بھی گیا کہ کہیں سے یہ گوہر نایاب ہاتھ آ جائے۔ جب 1526ء میں وہ سوئٹزرلینڈ واپس آیا تو وہ کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اسی شہرت کی بنیاد پر اسے باسلے یونیورسٹی میں طب کے پروفیسر کی نشست مل گئی۔ بہت سے نئے عقائد اب پیراسیل سیکس کے ذہن میں جڑ پکڑ چکے تھے اور وہ قدما یعنی بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا کے نظریات کے رٹے کے خلاف تھا۔ اس کے نزدیک یہ سب کچھ علم طب کی تضحیک تھی، وہ جدید نظریات کا حامل ہونے کی وجہ سے یقین رکھتا تھا کہ بیماری کی وجہ طفیلی جراثیم ہیں جو انسانی جسم کے نظام کو درہم برہم کر کے اسے بیمار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے دور کے مطابق ایسے کیمیائی مرکبات تلاش کیئے اور انہیں استعمال کرایا جو ان جراثیم کے خلاف جسم کی قوت مدافعت میں اضافہ کر سکیں۔

جب اسے اس نئے طریق علاج میں کامیابی حاصل ہوئی تو اس نے باسلے کے پرانے طبیبوں کے عقائد کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ جس سے لوگ اس کے دشمن ہو گئے اس نے باسلے کے سرکاری ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے عطاروں اور دوا سازوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی تیار کردہ ادویات اور نسخوں کا معائنہ کرائیں اچھے اصول اپنانے کے ساتھ ساتھ

Scanned with CamScanner

پیراسیل سیئس کا رویہ کچھ متکبرانہ اور خود پسندانہ تھا جس سے لوگ اس سے متنفر ہو گئے۔ اگر چہ اس کے عہد میں نئے نئے نظریات ہر شعبے میں دکھائی دینے لگے تھے مگر اس دور میں روایات سے انحراف کرنا بھی خطرات سے بھرپور تھا جس کا شکار پیراسیل سیئس ہو گیا اور اسے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

مآخذ:

دنیا کے عظیم سائنسدان۔ History Of Science

Scanned with CamScanner

1529ء۔ محاصرہ ویانا

ویانا Vienna آسٹریا کا صدر مقام ہے۔ یورپ کا یہ مشہور شہر اس مقام پر واقع ہے جہاں سے دریائے ڈینیوب کوہستان ایلپس کے درمیان اپنا راستہ بناتا ہوا گزرتا ہے۔

سولہویں صدی کے نصف اول میں شاہ چارلس پنجم یورپ کا سب سے بڑا فرمانروا تھا۔ وہ اسپین، ہالینڈ، جرمنی اور اٹلی کی مملکتوں کا تنہا وارث تھا۔ شاہ فرانس، فرانس اول نے اطالیہ کے صوبہ میلان کے لیے شاہ چارلس پنجم سے جنگ لڑی جس میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شاہ فرانس نے عثمانی سلطان سلیمان عالیشان سے مدد طلب کی اور وہ سلطان سے خواستگار ہوا کہ چارلس کی توجہ فرانس سے ہٹانے کے لیے سلطان ہنگری پر حملہ کرے۔ سلطان نے چارلس کے بھائی فرڈیننڈ کو شکست دے کر ہنگری پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد سلطان سلیمان عالیشان چارلس کے علاقوں کی طرف بڑھا اور اس نے ویانا کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ ویانا کے وقت چارلس پنجم اٹلی میں فرانس اول کے خلاف جنگ میں مصروف تھا۔ اس لیے ترکوں کے مقابلے کے لیے فوج نہ بھیج سکا اور آسٹریا کو صرف اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کرنا پڑا۔ چنانچہ اس محاصرے سے قبل بہت سے شہریوں کو فوج میں بھرتی کرلیا گیا اور ہمسائیوں کو بھی مدد کی درخواست کی گئی مگر پھر بھی ترکوں کے مقابلے کے لیے فوج ناکافی رہی۔ فرڈیننڈ نے مجلس سلطنت سے مدد کی درخواست کی جس نے صرف بارہ ہزار پیدل اور چار ہزار سوار فوج بھیجنا منظور کیا۔

مجلس کو بمشکل یقین دلایا جاسکا کہ سلیمان ویانا کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ بہرحال جلد ہی معلوم ہوگیا کہ آسٹریا اتنی فوج جمع کرنے سے قاصر ہے۔ جو ترکوں کو آگے بڑھنے سے روک سکے۔ اس لیے آسٹریا کے لوگوں نے صرف دارالسلطنت کی حفاظت کی تیاریاں شروع کردیں۔ فرڈیننڈ خود تو سلیمان کے خوف سے ویانا سے بھاگ گیا۔ لیکن خوش قسمتی سے چند جانباز افسر اور اسپین و جرمنی کے آزمودہ کار دستے محاصرہ شروع ہونے سے پہلے ویانا پہنچ گئے اور ان کی مدد حد درجہ اہم ثابت ہوئی۔

فوجی دستوں کا سالار کاؤنٹ ڈی سام Count Desalm تھا۔ اور مدافعت کی نگرانی اسی کے سپرد تھی۔ ترکوں کے ویانا پہنچنے سے پہلے ہی تمام امکانی تیاریاں مکمل کرلی گئیں۔ شہر کے استحکامات زیادہ تر بوسیدہ ہوچکے تھے۔ اور ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ شہر کی فصیل بھی ایک ہی تھی جو بمشکل چھ فٹ چوڑی تھی۔ شہر کے اندر مٹی کی ایک نئی دھس تیار کی گئی، دریا کے ساحل پر خندق کھودی

Scanned with CamScanner

گئی اور لکڑی کے بڑے بڑے مضبوط لٹھوں سے باڑھ لگادی گئی۔ آتشزدگی کے خیال سے چوبی کھپریلیں جن سے عام طور پر مکانات چھاتے ہوئے تھے۔ شہر کے ہر مکان سے نکال دی گئیں۔ سڑک کی سنگل پٹڑیاں اکھاڑ دی گئیں تاکہ دشمن کے لوگوں کا اثر زائل ہوجائے۔ سامان رسد کے حصول اور گھوڑوں کے چارے کی فراہمی کے لیے گردونواح میں گشتی ٹیمیں روانہ کی گئیں۔ پھر جو لوگ شہر کی مدافعت کے قابل نہ تھے جن میں عورتیں بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے شہر چھوڑنے پر مجبور کردیئے گئے۔ نواح شہر کی تمام عمارتوں کو مسمار کردیا گیا تاکہ وہ دشمنوں کے کام نہ آسکیں۔ 27 ستمبر کو سلیمان عالیشان ویانا پہنچ گیا۔ اور شہر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ بارش کی کثرت کی وجہ سے شاہراہیں اس قدر خراب ہوگئیں تھیں کہ ترکی افواج اپنی بڑی بڑی توپیں اپنے ساتھ نہ لاسکی اور اب صرف ایک ہی طریقہ فصیل گرانے کے لیے کام میں لایا گیا۔ وہ تھا سرنگیں لگا کر دیواریں گرانے کا۔ لیکن محصورین ہر کمزور مقام پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے بہت جلد ترکوں کی ہر تدبیر ناکام ہوگئیں اور ان کی تمام کوششیں بے سود رہیں۔ بالآخر 10 اکتوبر کو سرنگ کے ذریعے شہر پناہ میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہوگیا مگر محصورین نے بڑی سرعت سے وہ رخنہ پر کردیا۔ اسی طرح 11 اور 12 اکتوبر کو بھی ترکوں نے ان مقامات پر جہاں سرنگوں سے رخنے کیئے گئے تھے سخت حملے کئے مگر عیسائی ایسی جانبازی سے لڑے کہ ترک شہر میں داخل نہ ہوسکے۔

سلیمان یہ حالت دیکھ کر پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ ادھر آسٹریا کا موسم سرما شدت اختیار کرتا جارہا تھا اور ترکوں کے پاس رسد کی کمی ہوتی جارہی تھی۔ مسلسل ناکامیوں سے لشکری دل شکستہ ہوتے جارہے تھے۔ سلیمان نے اپنے سپاہیوں کا دل رکھنے اور حوصلہ بڑھانے کے لیے بہت فیاضی سے روپیہ تقسیم کرایا اور وعدہ کیا کہ جو شخص سب سے پہلے فصیل پر چڑھے گا اسے مالا مال کردیا جائے گا۔ آخر سلطان نے یہ فیصلہ کیا کہ 14 اکتوبر کو آخری حملہ کیا جائے۔ صبح سویرے ینی چری اور دیگر عسکری دستے حملے کے لیے بڑھے مگر عیسائیوں کی سرفروشی نے ترکوں کے قدم شہر میں نہ پڑنے دیئے۔ حالانکہ دوپہر تک ترک کاریگروں نے فصیل کا ایک بڑا حصہ گرادیا تھا۔ مغربی مورخین کے مطابق اس کے بعد ترکوں کی ہمت جواب دے گئی اور ینی چری نے مزید حملے کرنے سے انکار کردیا۔ آخر کار مایوس ہوکر سلطان سلیمان کو محاصرہ اٹھانے کا حکم دینا پڑا اور اس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح ویانا کو اس کے مدافعین نے سرفروشی سے بچالیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ محاصرے کی ناکامی کی بڑی وجہ موسم سرما کی شدت تھی ورنہ آج یورپ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

Scanned with CamScanner

1530ء۔ بزداشتم! بزداشتم! بزداشتم

کہتے ہیں کہ جب ہمایوں حالت مرض میں سنبھل سے آگرہ کے نواح میں پہنچا تو اس کی بیماری نے شدت اختیار کرلی۔ جب ہر قسم کے علاج معالجہ سے اسے کوئی افاقہ نا ہوا تو ایک دن میر ابوالبقا نے جو اس زمانے کے ایک فاضل انسان تھے ہمایوں کی حالت دیکھ کر کہا کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادے کی زندگی کسی صدقہ کی طالب ہے جس کے بغیر قضا ٹل نہیں سکتی۔ اگر بادشاہ سلامت کسی ایسی چیز کا صدقہ کریں کہ اس سے کچھ انہیں عزیز نہ ہو تو امید ہے کہ اس قربانی سے اللہ تعالیٰ شہزادے کو شفا کامل عطا کرے گا۔ تجویز یہ ہوئی کہ وہ قیمتی الماس جو سلطان علاء الدین کے جواہر خانے میں تھا اور شہزادے ہمایوں کو فتح آگرہ کے موقع پر ہاتھ آیا اور اس نے اسے بادشاہ کی نذر کردیا تھا، صدقہ میں کسی کو دے دیا جائے یا اسے فروخت کرکے اس سے حاصل ہونے والی رقم مستحقین میں تقسیم کردی جائے تو شاید شہزادے کی جان بچ جائے۔ مگر شہنشاہ بابر نے کہا کہ پتھر کا یہ ٹکڑا میری اور شہزادے کی جان سے زیادہ عزیز نہیں۔ ہمایوں کے بعد اگر کچھ مجھے عزیز ہے تو میری اپنی جان ہے۔ میں ہمایوں پر ایک بے جان پتھر وارنے کی بجائے اگر اپنی جان صدقہ کروں تو شاید اللہ تعالیٰ اس صدقے کو قبول کرلے۔

یہ بیش نقد جان گو ہر چہ باشد　　نثا دوست باشد ہر چہ باشد

اس کے بعد بابر نے خلوت میں جا کر سجدہ ریز ہو کر دعا مانگی کہ اے خدا! تو شہزادے کی جان کے بدلے میری جان قبول کر۔ پھر تین مرتبہ بیٹے کے اطراف میں چکر لگا کر کہا۔ ''بزداشتم! بزداشتم! بزداشتم! (یعنی میں نے اس کی بیماری اپنے سر لی) بس اسی دن سے ہمایوں میں صحت کی بحالی کے آثار پیدا ہوگئے۔ اور شہنشاہ بابر عارضہ جسمانی میں مبتلا ہوگیا۔ اس کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ بابر اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا۔

ادھر شہزادہ ہمایوں روبصحت ہو کر کالنجر کے قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا تو بابر نے اسے واپس دارالسلطنت آگرہ بلا کر اپنا جانشین مقرر کیا اور بھائیوں سے صلہ رحمی کی وصیت کی۔ 25 دسمبر 1530ء بروز اتوار بمطابق 5 جمادی الاول 937ھ کو بابر نے بعمر 47 سال وفات پائی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی نعش کابل لے جائی گئی اور وہاں اسے قدم گاہ نبوی ﷺ میں دفن کیا گیا۔

بابر کی تاریخ وفات ''بہشت روزی باد'' سے نکلتی ہے۔ بابر صرف 12 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے کل 35 سال کاروبار حکومت میں گزارے، جن میں سے کئی سال ایسے بھی

Scanned with CamScanner

گزرے جب اسے تاج وتخت چھوڑ کر صحرا نوردی کرنا پڑی تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ بابر ایک بہادر، بامروت، غیرت مند اور جری بادشاہ تھا۔ اس کی مثال شاہان سلف میں بہت کم ملتی ہے۔ بابر کی ایک خاص صفت ''خطا بخشی اور جرم پوشی تھی'' اس زندگی میں ہزار ہا موقع ایسے آئے کہ خود اس کے امیروں اور رشتہ داروں نے اس سے غداری کی مگر جب بھی وہ لوگ پشیمان ہو کر بابر کے سامنے آئے تو بابر نے انہیں کھلے دل سے معاف کر دیا۔ بابر صاحب سیف وقلم تھا اور نہ صرف ایک صاحب علم بلکہ ایک علم دوست بادشاہ تھا۔ جس کا ایک ثبوت اس کی خودنوشت ''تزک بابری'' ہے۔ علم فقہ، انشا پردازی اور فارسی وترکی شاعری میں بادشاہ کو کمال حاصل تھا۔ ترکی زبان ہی میں بابر نے اپنی یہ سوانح عمری لکھی جو آج بھی اس یادگار کے طور پر ہم میں موجود ہے اور باذوق حضرات میں آج بھی اس کا مرتبہ بلند کر رہی ہے۔

بابر اپنی خدا ترسی کے لیے بھی بہت مشہور تھا۔ کہتے ہیں کہ بابر ابھی نوجوان تھا اور اسی زمانے میں شراب نوشی کا عادی ہو گیا تھا۔ جوانی اور شراب کے ساتھ حکمرانی کا نشہ سہ آتشہ ہو گیا مگر ابھی سلطنت استوار نہیں ہوئی تھی اس لیے روپیہ پیسے کی تنگی رہتی تھی۔ اسی زمانے میں بابر کو خبر ملی کہ ملک خطا (چین) کا ایک کاروان بھٹک کر جنگل میں پھنس گیا ہے۔ اور غذا نہ ملنے کی وجہ سے دو وقت ان پر فاقہ زدگی کے گزر چکے ہیں۔ مزید ستم یہ کہ شام ہوتے ہی اس پہاڑی جنگل میں برف باری شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ بے سہارا کارواں سردی میں ٹھٹھر کر مر گیا صرف دو آدمی زندہ بچے جو کاروان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہی لوگ بادشاہ تک قافلے کی تباہی کی خبر لے کر آئے۔ بابر نے اس آفت زدہ کارواں کا مال ومتاع (باوجود اپنی احتیاج کے) اپنے قبضے میں نہ کیا بلکہ ان کے وارثوں کو بلوا کر ان کا متروکہ ان کے حوالے کیا۔

مآخذ:

منتخب الباب جلد اول صفحہ 92۔ تاریخ فرشتہ جلد۔ تزک بابری۔

Scanned with CamScanner

1530ء۔ انگریز مدبر ولزے کا عروج وزوال

سولہویں صدی کے مشہور انگریز مدبر اور مبلغ ٹامس ولز سے Thomas Wolsey (1472ء۔1530ء) کی شخصیت عروج وزوال کی علامت ہے۔اس شخص نے بڑی سرعت کے ساتھ ایک قصاب کے بیٹے سے لارڈ چانسلر کے عہدے تک کے مراحل طے کیئے مگر اس سے بھی زیادہ سرعت سے وہ اپنے تمام اعزازات کھو بیٹھا اور تنزل کے گڑھے میں جا گرا دوسرے وہ ایک شہاب ثاقب کی مانند چمکا اور اندھیروں میں ڈوب گیا۔

ٹامس ولزے اپسوچ Ipswich (انگلستان کے ایک قصاب کا بیٹا تھا۔اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔1498ء میں وہ پادری بن گیا۔اس کے پانچ سال بعد وہ ایک امیر کبیر سر رچرڈ نانفن Sir Richard Nanfan کا چپلن (نجی گرجا کا پادری) مقرر ہوا۔اسی امیر کبیر نے اس کا تعارف شاہ انگلستان ہنری ہفتم سے کرایا۔ 1507ء میں وہ بادشاہ کا نجی پادری مقرر ہوگیا۔اس نے شاہ ہنری ہفتم کے ساتھ اس کی زندگی کے آخری دو سال گزارے۔ 1509ء میں شاہ ہنری ہفتم کی وفات پر اس کا بیٹا ہنری ہشتم برسر اقتدار آیا۔اس نے ولزے کی قابلیت اور لیاقت کو دیکھتے ہوئے اسے آرچ بشپ آف یارک مقرر کیا۔مگر اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اگلے ہی سال کارڈنیل کے عہدے پر فائز کردیا گیا۔

ہنری ہشتم سے اس کی قربت مزید رنگ لائی اور دسمبر 1515ء میں اس کی انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے تعیش پسند بادشاہ نے اسے لارڈ چانسلر انگلستان بنادیا۔شاہ ہنری کی ہی سفارش پر پوپ نے بھی اسے اپنا خصوصی نمائندہ قرار دیا۔بادشاہ کے مہربان ہونے اور ان بڑے عہدوں پر فائز ہونے کا ولزے نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور جلد ہی وہ شاہ انگلستان کے بعد دوسرے نمبر کا دولتمند بن گیا۔

ولزے اپنے عہد کے یورپ کے بہترین سیاسی مدبروں میں سے ایک تھا اس نے اس وقت کی یورپی طاقتوں مثلاً اسپین اور فرانس کو بڑی چابکدستی سے زیر کیا اور انگلستان کو ایک نئی طاقت کے طور پر منوایا۔انگلستان کے روائتی حریف فرانس سے عرصہ دراز سے جنگ چلی آرہی تھی ولزے نے 1518ء میں اس سے صلح کی اور دونوں ملکوں کے بادشاہوں میں ملاقات کا انتظام کیا۔انہیں دنوں فرانس اور مقدس رومی سلطنت کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ولزے نے بہترین خارجہ حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے مقدس سلطنت کا ساتھ دیا اور فرانس کے خلاف خود ایک جنگ کی

Scanned with CamScanner

قیادت کی، اس جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اسے انگلستان کی عوام پر نئے ٹیکس لاگو کردینے پڑے جس کی وجہ سے عوام میں بے چینی پھیل گئی ایک کامیاب وزیر خارجہ ہونے کی وجہ سے وہ 1528ء میں فرانس کے حق میں شاہ چارلس پنجم کے خلاف ہوگیا۔ لیکن اگست 1529ء تک فرانس اور شاہ چارلس پنجم میں معاہدہ امن طے پا گیا جس کی وجہ سے انگلستان اپنی خارجہ حکمت عملی کی وجہ سے تنہا رہ گیا۔

خارجہ حکمت کی مصروفیتوں کی وجہ سے ولزے کی داخلی امور اور کلیسا امور پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ دوسری طرف وہ دنیاوی دولت اکٹھی کرنے میں مصروف تھا اس لیے اس نے خانقاہی نظام کی اصلاح کے بہانے تقریباً 29 خانقاہوں کو محض دولت حاصل کرنے کے لیے کچل دیا۔ یہ دولت اسے آکسفورڈ یونیورسٹی میں کرائسٹ چرچ کالج تعمیر کرنے کے لیے درکار تھی۔ اسی طرح ولزے نے کئی دوسری عمارات بھی تعمیر کرائیں جن میں ہمپٹن کورٹ سب سے نمایاں ہے۔ ہمپٹن کورٹ شان وشوکت میں اس وقت کے دربار شاہی کا حریف تھا اور بادشاہ بھی اس کی شان وشوکت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اتنی سرعت سے اتنی بلندی پر پہنچنے کے بعد اچانک اس کا زوال شروع ہوگیا۔ وہ دیگر تمام امور میں کامیابی حاصل کرنے کے باوجود بادشاہ اور ملکہ میں طلاق کے معاملے پر پوپ کو رضامند کرنے میں ناکام رہا۔ دربار میں ایسے امراء کی بڑی تعداد موجود تھی جو اس کی ترقی سے حسد کرتے تھے اور ایک غریب خاندان سے اس کے تعلق کی وجہ سے اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔ جب جولائی 1529ء میں بادشاہ اور ملکہ کے نکاح کو فسخ کرنے کی اس کی آخری کوشش بھی ناکام ہوگئی تو اس کے دشمنوں نے اس معاملے کو اسے تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اور بڑی آسانی سے سہل پسند بادشاہ کو اس کے خلاف کردیا۔

اکتوبر 1529ء میں بادشاہ نے اس پر اس کے اختیارات کا ناجائز استعمال کا الزام لگا کر اس کے تمام اعزازات سے اسے محروم کردیا اور وہ صرف آرچ بشپ آف یارک کے عہدے پر فائز رہ گیا۔ اپریل 1530ء میں آخر وہ یارک چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اسے چین سے رہنے نہ دیا گیا اور حاسدین نے بادشاہ کو اس شک میں مبتلا کردیا کہ وہ اپنے پرانے اختیارات کی بحالی کے لیے بادشاہ کے خلاف سازشیں کررہا ہے۔ 4 نومبر 1530ء کو بادشاہ کے حکم پر اسے بغاوت کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا (اس پر شاہ فرانس سے خط وکتابت کرنے کی وجہ سے یہ الزام لگایا گیا تھا) نومبر کے آخر میں اسے بادشاہ کے سامنے جوابدہی کے لیے لندن لے جایا جارہا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد 12 بذیل مادہ "ولزے"۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ولیم لینگر۔

Scanned with CamScanner

1532ء۔ تلسی داس۔ایک عظیم ہندوستانی شاعر اور مصلح کی پیدائش

تلسی داس جس کا نام اور کام گزشتہ 4 صدیوں سے زائد عرصے سے زندہ ہے۔ اور ان لوگوں پر بے پناہ اثر و رسوخ کا حامل ہے جن کے لیے اس نے یہ کام تحریر کیا تھا اس کے علاوہ دنیا بھر کے مفکرین کی توجہ کا مرکز بھی ہے جو اس کو دنیا کا ایک متاثر کن شاعر سمجھتے ہیں۔

تلسی داس ایک عظیم شاعر ہونے کے علاوہ ایک عظیم مذہبی بن مصلح بھی تھا۔ اگر چہ اس نے ہندوازم میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد رکھی مگر دراصل اس نے مروج ہندو نظریات کی تشریح از سر نو انجام دی۔ آج کے ہندوستان میں بھی اس کی تعلیمات 100 ملین کے قریب ہندوؤں کی توجہ کا مرکز ہیں جو بالائی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

تلسی داس نے شہنشاہ اکبر کا زمانہ پایا اور اپنے عہد کی دیگر اہم شخصیات کے ساتھ جن میں شہنشاہ اکبر کا وزیر خزانہ ٹوڈرمل اور مان سنگھ شامل تھے اس کے مراسم تھے۔ ان کے ہم وطن انہیں ایک ایسے سادہ شخص کے طور پر جانتے تھے جو انہیں تعلیمات فراہم کرتا اور اس کی خوشی اور غمی میں شریک تھا۔

کہتے ہیں تلسی داس 1532ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین نے اسے منحوس ستاروں کا حامل بچہ گردانتے ہوئے دشت دنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔ اسے ایک آوارہ گرد سادھو نے گود لے لیا اور پورے ہندوستان کا سفر کرتے ہوئے اس کی پرورش انجام دی اور جہاں تک ممکن ہوا اسے تعلیم سے بہرور کیا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد تلسی داس نے شادی بھی کی اور اس کے ہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔ اس کی بیوی جس کا نام مورخین (رتن والی دیا ہے) اپنی زندگی کو رام کی پوجا کے لیے وقف کرنے کے بعد اپنے والد کے ہاں واپس چلی گئی اور تلسی داس نے جوگ لے لیا اور اودھ شہر کو اپنا مرکز قرار دے دیا۔

43 برس کی عمر میں اس نے اپنی عظیم ترین تحریر رامائن پر کام شروع کیا۔ مابعد اس کا اپنے پیروں سے کسی مسئلے پر اختلاف ہو گیا۔ اور وہ دلبرداشتہ ہو کر بنارس چلا گیا۔ اور وہاں اپنا تحریری کام جاری رکھا اور اپنی تعلیمات کی تبلیغ بھی کی۔ آخری عمر میں اس پر طاعون کا حملہ بھی ہوا مگر وہ اس حملے سے بچ گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس نے 1623ء میں بعہد جہانگیر وفات پائی۔ تلسی داس کے نام اور کام کے بارے میں کئی ایک روایات موجود ہیں ایک روائت کے مطابق تلسی داس بڑھاپے کی حدود میں پہنچ کر واپس اپنی بیوی کے گاؤں جا پہنچے اور بے خبری میں مہمان نوازی کی

Scanned with CamScanner

درخواست کی۔ ان کی بیوی بھی بوڑھی ہو چکی تھی۔ اس نے مہمان نوازی شروع کی تو کچھ دیر بعد وہ انہیں پہچان گئی مگر وہ شش و پنج کا شکار تھی کہ اپنے خاوند کو حقیقت بتائے یا نہ بتائے کہ اس نے اس کو پہچان لیا ہے کیونکہ اس کی شناخت اس کے خاوند کی توجہ اس اس کی جانب مبذول کروا سکتی جو اب ایک جوگی برہم چاری بن چکا تھا۔ تاہم کھانے کے دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کا خاوند چونکہ جوگی بن جانے کے باوجود اشیائے خورونوش سنبھالے ہوئے ہے اس لیے شاید وہ روحانیت کی منزل پانے میں ناکام رہا ہے لہٰذا اس نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور کہا کہ ''میں آپ کی بیوی ہوں اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی دنیاوی ساز و سامان کو ساتھ لیے گھوم رہا ہے اور اگر چاہے تو مکمل طور پر تارک الدنیا ہو جائے۔'' اپنی بیوی کی یہ بات سن کر تلسی داس نے تمام تر دنیاوی اسباب دور پھینک دیئے اور جنگل کی راہ لی۔

تقریباً بیس کے قریب شاعرانہ شاہکار تلسی داس کے نام سے منسوب ہیں لیکن ان سے صرف بارہ کا تعلق ان سے ہے اور باقی قدرے کم اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ رامائن کی منظوم ترتیب ہے جس میں اس کی تعلیمات کو بڑی خوبصورت زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''کویتاوالی'' اس کا ایک اور عظیم شاہکار ہے جس میں اس نے رام اور انسانوں کی جنگ کی شاعرانہ عکاسی کی ہے۔ ''گیتاوالی'' ایک مختلف نوعیت کا حامل شاہکار ہے اگرچہ یہ بھی رام کی زندگی کی تصویر کشی پر مبنی ہے لیکن اس شاہکار کا بڑا حصہ رام کے بچپن اور اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہے۔ تلسی داس نے اپنی کتاب ''ونایا پتریکا'' میں ایک مختلف انداز تحریر اپنایا ہے۔ پہلے وہ اپنی اس عرضداشت میں چھوٹے دیوتاؤں کو پیش کرتا ہے پھر وہ رام کو ان کے لارڈ کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ تلسی داس نے اپنے دوست راجہ ٹوڈامل کی وفات پر بھی ایک نظم تحریر کی تھی۔

ماٰخذ:
تاریخ ادبیات عالم جلد۔ برصغیر کے عظیم لوگ از ایل ایف اشیروک ولیم۔

Scanned with CamScanner

1530ء۔ توزک بابری کی تکمیل

توزک بابری یا بابر نامہ، بابر بادشاہ کا روزنامچہ ہے۔ جس میں اس نے اپنے عہد طفولیت سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک اپنی زندگی کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ روزنامچہ اس نے چغتائی ترکی میں تحریر کیا تھا۔ اس روزنامچہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں بابر نے انتہائی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنی کمزوریوں، اپنی غلطیوں اور اپنی شکستوں میں سے کسی چیز کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے کسی لحاظ سے بھی "عذر گناہ" یا صفائی کی کوشش نہیں کہا جاسکتا اس کتاب کا انداز بیان اتنا سادہ اور بے تکلف ہے کہ قاری کو بہت بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک بادشاہ کا روزنامچہ ہے۔ اگر چہ اس کتاب کی واقعات نگاری میں بابر نے اپنے متعلق یا اپنے دوستوں اور دشمنوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں حتی الوسیع کوشش کی ہے کہ غیر جانب دار رہے مگر پھر بھی محققین کہتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے جانب داری سے کام نہیں لیا۔ مثلاً ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب وہ شیبانی خان جیسے اہم اور قابل انسان کی تنقیص کرنا چاہتا ہے تو توازن کھو بیٹھتا ہے۔ لیکن اس طرح کی چند مثالوں کو چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو اس کی یہ توزک اس قسم کی دوسری تصانیف کی سطح سے بہت بلند اور لائق اعتماد ہے۔ بابر کی عمیق قوت مشاہدہ اور اس کی قدرت تجزیہ و تحلیل کا ثبوت اس کے بیانات اور عبارتوں سے ملتا ہے جن میں اس نے فنی آثار یا کسی جگہ کے جانوروں، پھولوں اور نباتات کے متعلق یا قوموں کی جماعتی نفسیات یا بعض افراد کے کردار کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ بطور ادبی کتاب کے تزک کی سادہ اور پاکیزہ زبان، اس کا قدرتی اسلوب بیان، مناظر قدرت کے ذکر میں اس کی رنگین اور دل آویز عبارت ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہم توزک کو نہ صرف چغتائی نثر بلکہ عام ترکی نثر کا ایک نفیس ترین نمونہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔

توزک تاریخی واقعات کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کی معاشرتی سرگرمیوں کا نقشہ بھی کھینچتی ہے اور نہایت قیمتی جغرافیائی معلومات کا خزانہ بھی ہے۔ بابر نے ایک اچھے نقاد کی حیثیت سے اپنی اس کتاب میں اپنے زمانے کی موسیقی، شعر و ادب مصوری اور خطاطی تک جیسے فنون اور علوم پر جا بجا بے لاگ تبصرے کیئے ہیں۔ فارسی میں اس کا ترجمہ اکبر بادشاہ کے حکم پر عبدالرحیم خانخاناں نے کیا تھا۔ بعد کی صدیوں میں انگریزی، اردو اور فرانسیسی زبانوں میں اس کے تراجم کیے گئے۔

Scanned with CamScanner

1533ء۔ آئیون (خونخوار) چہارم کی تخت نشینی

روس کے شاہی دربار لگا ہوا تھا۔ کم سن زار آئیون چہارم نے دربار کے طاقتور ترین امیر کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے اس کے سپاہیوں نے اس کی تعمیل میں اس امیر کو گرفتار کرلیا اور بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل مزید اس طرح کی کہ اس امیر کو قید خانے لے جاتے ہوئے راستے میں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ یہ آئیون خونخوار کے حکم پر قتل کیا جانے والا پہلا انسان تھا۔ جب یہ کم سن زار سولہ سال کی عمر کو پہنچا تو اس نے امرائے دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنے دو عزم ظاہر کیئے۔ ایک تو وہ اب باقاعدہ رسم تاجپوشی ادا کر کے زار کا لقب اختیار کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے اپنے لیے کوئی خوبرو ملکہ تلاش کرنا تھی۔ 16 جنوری 1547ء کو اس کی تاجپوشی ہوئی۔ کلیسا اور ریاست میں اس موقع پر بڑا عظیم الشان جشن منایا گیا۔ یہ آئیون چہارم آئیون سوم کا پوتا تھا جو صرف تین سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا۔ ملکہ کے منصب کے چناؤ کے لیے پوری سلطنت میں ایک مقابلہ حسن منعقد کیا گیا جس کے کئی دور ہوئے۔ پہلے یہ صوبوں میں منعقد ہوا اور صوبوں سے چیدہ چیدہ حسینائیں دارالحکومت ماسکو بھیجی گئیں۔ مزید چناؤ کے بعد صرف پانچسو لڑکیاں ایک دوسرے کے مد مقابل رہ گئیں۔ ان لڑکیوں کو آراستہ کر کے شاہی محل پہنچا دیا گیا۔ آئیوان اپنے حسن شناس امراء کے ساتھ ان لڑکیوں میں سے ملکہ کا انتخاب کرنے کے لیے آیا۔ اس کی نظر انتخاب انیس ٹیسیا پر پڑی وہ ایک قدیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ (آئندہ برسر اقتدار آنے والا رومانوف خاندان بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔) شادی کے بعد اس کی زندگی میں خوفناک حادثہ پیش آیا اور جس سے اس کی سفاکی کو بڑھا دیا۔ وہ 21 جون 1547ء کو ماسکو میں لگنے والی ایک آگ تھی۔ آتشزدگی کے بعد جب آگ کا شکار ہونے والے کچھ افراد شاہی گورنر کی شکایت لے کر آئے تو اس نے ان کی شکایت کا ازالہ کرنے کی بجائے ان کو کوڑوں سے پٹوا کر ان پر جلتی ہوئی شراب پھنکوا دی جس سے ان مظلوموں کی چیخیں بلند ہوگئیں مگر زار ان پر ترس کھانے کی بجائے چیخوں سے حظ اٹھانے لگا جیسے وہ بچپن میں کتوں کو شاہی محل کی فصیل سے پھنکوا کر لطف انداز ہوتا تھا۔ مگر ماسکو کی اس عظیم آتشزدگی نے جلد ہی شاہی محل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مظلوموں کی آہ سے اس کا محل اور خزانہ اور دیگر عمارات جل کر خاکستر ہو گئے۔ زار کو ماسکو سے نکل کر ایک پہاڑی علاقے وارابیوو میں مقیم ہونا پڑا مگر اس کی فطرت نہ بدلی درباری پادریوں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ آگ جادو ٹونے کا نتیجہ تھی۔ آئیوان نے اس موقع سے

Scanned with CamScanner

فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی خون آشامی کی تسکین کا سامان کیا اور جادوگری کا الزام لگا کر بہت طاقتور امرائے دربار کے سر قلم کرا دیئے۔ اور ان کی جگہ غیر معروف لوگوں کو دے دی۔

اپنے نظام سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد آئیوان نے اپنی سلطنت کی مشرقی حدود کو وسیع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے تاتاری مسلمانوں کی روس میں قائم ریاست قازان کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔ روس کی مشرق کی طرف توسیع میں صرف یہی ریاست حائل تھی۔ جب قازان پر فوج کشی کی گئی تو آئیوان ماسکو میں دعاؤں میں مصروف تھا اس کی زندگی کا یہ تضاد مورخین کے لیے عجیب ہے کہ ایک سنگدل اور سفاک حکمران کو قازان زبردستی گھسیٹ کر لے جایا گیا۔ جب اہل قازان نے اس کے وعدوں پر ہتھیار ڈال دیئے تو اس نے اپنی خونخواری کی انتہا کر دی اور قازان میں وہ قتل عام کرایا کہ چھ ہزار شہری بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ جب قتل و غارت کا یہ طوفان تھما تو اس نے اہل کلیسا کو آسمانی باپ کی حمد گانے کے لیے کہا اور خود اپنے ہاتھوں سے وہاں صلیب نصب کی۔ جیسے یہ اسلام پر مسیحیت کی فتح تھی۔

مشرق میں توسیع کی پالیسی اختیار کرنے کے بعد مغرب میں واقع سرحدوں میں بھی توسیع کی گئی اور بالٹک ریاستوں میں جرمن نو آبادی لیووینا پر حملہ کر دیا گیا۔ لیوینا پر حملے میں بھی اس کی فوج نے اس شقاوت اور سفاکی کا مظاہرہ کیا جیسا وہ قازان اور استراخان میں کر چکی تھی۔ اس کے سپاہیوں نے جب شہر کی خوبرو عورتوں کی عصمت دری کر لی تو انہیں درختوں سے باندھ کر تیر اندازی کا ہدف بنایا گیا۔ مردوں کو قتل کرنے کی تو بات ہی کیا۔

کئی سال تک اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد اس کی پہلی ملکہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ اب نئی ملکہ کے انتخاب سے اپنے خارجہ حکمت عملی کو بھی فائدہ پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے پولینڈ کے بادشاہ سگسمنڈ کے دربار میں اپنے سفیر بھجوائے تاکہ اس کی دو بہنوں میں کسی ایک سے شادی کر سکے اور پولینڈ کو بغیر لڑے تسخیر کر لیے۔ سگسمنڈ آئیوان کو اپنا دشمن خیال کرتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی ایک بہن کیتھرین کی شادی شاہ سویڈن کے بھائی ڈیوک آف فن لینڈ سے کر دی۔ اس پر آئیوان نے غضب ناک ہو کر پولینڈ پر چڑھائی کر دی۔ اور پولینڈ کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ سمجھوتے کے لیے ایک شرط یہ رکھی کہ کیتھرین اسے واپس کی جائے۔ یورپ کے شاہی خاندانوں میں بیویوں کی تجارت کی شرمناک مثال اب تک کہیں نہیں تھی مگر آئیوان چاہتا تھا کہ معاہدہ جیسا بھی ہو کیتھرین اس کی شرط اول ہو گی۔

مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور ڈیوک آف فن لینڈ نے اپنے بھائی کو جو آئیوان سے معاہدے کرنے پر راضی تھا۔ تخت سے ہٹا کر خود قبضہ کر لیا۔ شاہ پولینڈ نے آئیوان کی زیادتیوں کا بدلہ یوں لیا کہ سلطان ترکی قازان اور استراخان کی مسلم ریاستوں پر آئیوان کے مظالم کا بدلہ لینے

Scanned with CamScanner

کے لیے اکتایا۔ سلطان ترکی اور تاتاریوں کی متحدہ افواج ماسکو کے دروازوں تک جا پہنچیں اور آئیوان نے ماسکو کو اس کے حال پر چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ مگر بعد ازاں سلطان سے مکاری کر کے اسے روس سے واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ دوسری طرف اس نے سویڈن کے نئے بادشاہ کو بھی خوفزدہ کرنا چاہا مگر وہ اس کے صحیح خدو خال سمجھ چکا تھا اس لیے جب آئیوان نے ایستھونیا پر حملہ کیا تو شاہ سویڈن نے اسے لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ آئیوان نے اپنی اس ناکامی کا بدلہ پولستانی لیووینا پر ایک بار پھر حملہ کر کے لیا اور نووگراڈ کو بھی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ ماسکو واپسی پر ایسے لوگ ظلم و ستم کی مشق کرنے کے لیے ڈھونڈ نکالے جو اس کے خلاف نووگراڈ کی سازش میں شریک تھے۔ ماسکو کے ایک چوراہے میں ان لوگوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا گیا اس کے تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

آئیوان چہارم کی خارجہ حکمت عملی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ کو بھی شادی کی پیشکش کی تھی۔ ملکہ بڑی کایاں تھی اس نے بڑی خوبصورتی سے اس کی پیشکش کو ٹال دیا۔ آئیوان نے ملکہ کو سیاسی اتحاد کی بھی پیشکش کی تھی جس کا جواب بھی اس نے انتہائی عقلمندی سے دیا تھا مگر اس کا یہ جواب آئیوان کو بھڑ کے ڈنک کی طرح لگا اور اس نے ملکہ ایلزبتھ کو ایک دشنام آمیز خط لکھا۔ اگر چہ ملکہ نے اس کی ان دشنام طراریوں کو نظر انداز کر دیا مگر اس نے پھر بھی اپنے ملک میں انگریز تاجروں کو دی گئی مراعات منسوخ کر دیں۔ کئی سال دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات منقطع رہے۔ جب یہ تعلقات بحال ہوئے تو زار نے ملکہ کی بھتیجی سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر ملکہ نے اس بار بھی اسے ٹال دیا۔

مورخین نے آئیوان کے آخری دنوں میں نیم پاگل ہو جانے کا لکھا ہے کیونکہ اس نے غصے میں اپنے بڑے بیٹے اور بہو کو بھی قتل کروا ڈالا تھا۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، سات خبیث آدمی۔

Scanned with CamScanner

1534ء۔ امیر البحر خیر الدین بابروسہ کے کارنامے

سلطان سلیمان عالیشان کے عہد کے ابتدائی حصے میں شمالی افریقہ کے مسلمان فرمانروا اسقدر کمزور تھے۔ کہ اپنی مملکت کے جنوبی ساحلی علاقوں پر اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکتے تھے اور یہ ساحلی علاقے بحری قزاقوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ ان بحری قزاقوں میں سے بعض ان فرمانرواؤں کی اطاعت برائے نام تسلیم کرتے تھے لیکن اکثر بحیرہ روم کے علاقوں میں لوٹ مار مچاتے رہتے تھے۔ ان قزاقوں کے سردار نہایت جری اور تجربہ کار تھے اور مال غنیمت کے حصول کے لیے یہ لوگ اسپین، اٹلی، فرانس اور انگلستان کے ساحلوں تک پر حملے کرتے رہتے تھے۔

سلطان سلیم کے عہد سے سلطنت عثمانیہ بحری قوت کی تعمیر پر خصوصی توجہ دیئے ہوئی تھی۔ سلطان سلیمان عالیشان نے یورپی بحری طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بحیرہ روم کے ان قزاقوں کی مہارت سے استفادہ کرنے کا ارادہ کیا اور ان قزاقوں میں سے جو اپنی قابلیت اور تجربے میں سب سے ممتاز تھے، سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے مدعو کیا اور انہیں اور ان کے جہازوں اور ملاحوں کو بلا کر ترکی بیڑے میں شامل کرلیا۔

ان بحری قزاقوں میں سے اپنی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے شہرت حاصل کرنے والا مشہور خیر الدین باربروسہ (سرخ داڑھی والا) تھا یہ شخص پہلے اپنی بحری بیڑے کے ساتھ بحیرہ روم سے گزرنے والے تجارتی جہازوں پر چھاپے مارا کرتا تھا پھر ساحلی علاقوں پر حملے کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے بطور خود الجزائر پر حملہ کیا اور شہر اور گردونواح کے علاقوں پر قابض ہوگیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ اپنی خود مختار حکومت قائم نہ رکھ سکے گا اس نے سلطان سلیم کی فرمانروائی قبول کرلی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہسپانیہ کی عیسائی حکومت مسلمانوں پر انتہائی مظالم کررہی تھی۔ خیر الدین باربروسہ ستر ہزار نے زائد ہسپانوی مسلمانوں کو اندلس سے الجزائر پہنچایا۔ پھر جب سلطان سلیمان عالیشان تخت نشین ہوا تو اس نے خیر الدین باربروسہ کی ذاتی قابلیت کی بنا پر اسے عثمانی بحریہ کا امیر البحر مقرر کیا۔ 1534ء میں خیر الدین نے سلطان کے حکم پر شہنشاہ چارلس پنجم کے زبردست بحری بیڑے پر حملہ کیا اور کورن، پڑاس اور دوسرے ساحلی شہروں کو جن پر چارلس پنجم کے مشہور امیر البحر اینڈریا ڈوریا Andrea Doria نے قبضہ کرلیا تھا پر حملہ آور ہوا۔ یہاں سے واپس پر سواحل اطالیہ پر حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد سلطان سلیمان کی تحریک پر اس نے تونس پر حملہ کرکے اسے الجزائر کی ریاست میں شامل کرلیا۔ تونس کے مسلمان حکمران سلطان حسن نے شہنشاہ چارلس پنجم سے فریاد کی۔ چارلس

Scanned with CamScanner

خود پانچ سو جہازوں کے بیڑے اور تیس ہزار فوج کے ساتھ تونس پر حملہ آور ہوا۔ خیر الدین کو شکست ہوئی اور اسے تونس چھوڑنا پڑا۔ چارلس پنجم فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوا ور گو وہاں کے باشندوں نے ہسپانوی حملے کے خلاف خیر الدین کو کسی طرح کی مدد نہ دی تھی۔ تاہم چارلس کی انتہائی بے مہری سے کام لیتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو شہر لوٹنے کی اجازت دے دی۔ اس موقع پر ایک مغربی مورخ کے مطابق مظالم اور غارت گری کے جو منظر پیش آئے وہ ناقابل یقین تھے۔ شہر کے تیس ہزار باشندے بلاقصور قتل کر دیئے گئے اور دس ہزار غلام بنالیے گئے۔ مسجدیں اور خاص خاص عمارات جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ کتب خانے برباد کر دیئے گئے۔ اتنی کتابیں راستوں میں بکھر گئیں کہ کوئی شخص انہیں روندے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ لوگوں کو جبری عیسائی بنالیا گیا۔ مسلمانوں کی جائیدادیں چھین کر عیسائیوں کو دے دی گئیں۔ تونس سلطنت عثمانیہ کے انتداب سے نکل کر سلطان حسن کے زیر نگین آ گیا مگر اسے اسپین کی اطاعت قبول کرنا پڑی اور اس کی خود مختاری کا خاتمہ ہو گیا۔

شہنشاہ چارلس اور فرانس کے درمیان جنگ کے دوران فرانس اور ترکی کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کی سطوت اور اقتدار کو یورپ میں کسی حد تک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ سلطان سلیمان نے اہل فرانس کو سلطنت عثمانیہ کے ہر حصے میں وہ حقوق عطا کر دیئے جو انہیں 1528ء میں مصر میں حاصل ہوئے تھے۔ فرانسیوں کو باب عالی سے یہ مراعات خیر الدین باربروسہ کی سفارت شات پر عطا کی گئی تھیں کیونکہ امیر البحر سلطان کے دربار میں فرانسیسوں کا لیڈر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد سلطان نے باربروسہ کو قسطنطنیہ طلب کیا اور قپودان پاشا بنا دیا۔ سلطان چاہتا تھا کہ اسے چارلس پنجم اور اس کے اتحادیوں کے خلاف ہونے والی جنگ کی قیادت سپرد کر دے۔ اس لیے خیر الدین واپس افریقہ نہ گیا اور قسطنطنیہ میں بڑے انہماک سے اس نے ترکی بحری بیڑے کو از سر نو ترتیب دیا اور اس میں اضافہ کیا اور آئندہ کی بحری جنگوں میں اس نے ذاتی طور پر سرگرمی سے حصہ لیا۔

1537ء میں اس نے اپولیا Apulia کے ساحلی علاقے کو تباہ کر دیا پھر اچانک حملہ کر کے برنڈزی Brindis، اٹلی کو مسخر کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے کورفو Corfu کے محاصرے میں حصہ لیا مگر اس پر بھی قبضہ نہ ہو سکا۔ البتہ اس نے بحیرہ ایجہ میں مقبوضات بندقیہ کی طرف توجہ دی اور ڈوڈے کانیز Dodecanes کے جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ اگلے سال اس نے سکیاتوس Sciatos، سکیروس Scyros اور کروپاتوس Carpathos کے جزیروں کو مسخر کر کے مجمع الجزائر Archipelago جزائر ارخیل کی فتح کو مکمل کیا۔ اور پھر جزیرہ اقرلیطش Crete پر اترا جہاں اس نے دو شہر اور اسی گاؤں نذر آتش کر دیئے۔

Scanned with CamScanner

بحرایونی Ionian Sea میں اینڈریا ڈوریا کے مقابلے میں پرویزا Preveza اور سینٹ مورا St. Maura کے مقام پر دو کامیابیاں حاصل کیں۔ 1539ء میں اس نے اپنے دو قائدین حسن کرسو اور طرغوت کی مدد سے کیٹل نوودو Castelnuovo پر جو خلیج کٹارو Cattaro میں واقع ہے قبضہ کرلیا۔ چارلس پنجم نے 1541ء میں الجزائر کے خلاف جو مہم بھیجی اس کے منحوس انجام نے خیر الدین بابروسہ کی شہرت کو چار چاند لگادیئے۔ نیس Nice کی صلح (1538ء) کے بعد جنگ وجدل کی حالت رک گئی تھی 1541ء میں ہسپانیہ اور فرانس میں پھر جنگ چھڑ گئی باربروسہ کو اس جنگ میں ترکی بحری بیڑے کی قیادت مل گئی۔ اس بحری بیڑے کو فرانسیسوں سے تعاون کرنا تھا۔ 1544ء میں اس نے اطالوی ساحل پر حملے کیئے اور ریجیو Reggio پر قبضہ کرلیا۔ کلابریا Calabria کے ساحلی علاقوں کو تباہ کرتے ہوئے وہ Duc D Enghieno ڈک ڈی انفین سے مارسلیز Marscilles میں جا ملا اور بعد میں نیس کا محاصرہ کرلیا۔ نیس پر قبضہ ہوگیا مگر اس کے قلعے پر قبضہ نہ ہوسکا۔ اینڈریا کے بحری بیڑے کے آجانے اور ایک ہسپانوی فوج کی مدد پہنچنے سے ترکوں کو نیس چھوڑنا پڑا۔ واپسی میں اس نے نیپلز پر بھی حملہ کیا۔ اس بڑی مہم سے واپس آکر خیر الدین نے قسطنطنیہ میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ 4 جولائی 1546ء کو اس نے تریسٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا اور وہ اس مسجد میں سپرد خاک ہوا جو اس نے خود بیوک درہ Buyuk Dere میں تعمیر کرائی تھی۔

ماخذ:

تاریخ ترکیہ صفحہ 136، دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 9، صفحہ 82۔ بذیل مادہ ''خیر الدین بابروسہ''

Scanned with CamScanner

1536ء۔ جان کیلون کی مبادیات مسیحیت

یورپ کی مسیحی احتجاجی Protestants History تاریخ کی چند مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک جان کیلون John Calvin (1509ء۔ 1564ء) ہے۔ وہ فرانس کے شہر نویون Noyon میں پیدا ہوا۔ کیتھولک تعلیمات حاصل کیں۔ مگر 1532ء میں اس نے اچانک کیتھولک عقائد ترک کر دیئے۔ الہیات، انفرادی اخلاقیات اور حکومت جیسے موضوعات پر اس کے خیالات اور اس کے کام نے چار سو سال سے زیادہ عرصہ تک لاکھوں انسانوں کی زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کیئے ہیں۔ جان کیلون کی عمر صرف آٹھ برس تھی جب مارٹن لوتھر نے وٹن برگ میں گرجا کے دروازے پر اپنے پچانوے احتجاجی معروضات چسپاں کیئے۔ اور پروٹسٹنٹ اصلاح کا آغاز کیا تھا۔ جب کیلون نے پروٹسٹنٹ ہونے کا اعلان کیا تو اس کے خلاف کلیسائی مشنری حرکت میں آ گئی اور اسے تعذیب سے بچنے کے لیے پیرس سے بھاگنا پڑا۔ کچھ عرصہ یورپ کے شہروں میں گھومنے کے بعد وہ سوئزرلینڈ کے شہر Basle باسل میں مقیم ہو گیا، وہاں وہ ایک فرضی نام اختیار کر کے الہیات کا مطالعہ کرتا رہا، 1536ء میں جب وہ چھتیس برس کا ہوا تو اس نے اپنی معروف کتاب ''مبادیات مسیحیت'' شائع کی اس کتاب میں اس نے پروٹسٹنٹ ازم کو نہایت جامع اور مربوط انداز میں پیش کیا۔ اس کتاب کی اشاعت سے وہ جلد ہی مشہور ہو گیا۔ اسی سال وہ سوئزرلینڈ کے دارالحکومت جینوا پہنچا جہاں اس وقت پروٹسٹنٹ ازم تیزی سے پھل پھول رہا تھا۔ اسے وہاں پروٹسٹنٹ فرقہ نے اپنے معلم اور راہنما کی حیثیت سے ٹھہرنے کی پیشکش کی۔ لیکن جلد ہی جینواء کے خالص پسندوں Puritans کے ساتھ شدید تنازعات پیدا ہو گئے اور شہر کے حکام نے ان تنازعات کی بنیاد پر اسے خارج البلد کر دیا۔ کچھ عرصے تک وہ پھر باسل اور دیگر شہروں میں تبلیغ کرتا رہا۔ 1541ء میں اسے واپس جینوا آنے کی دعوت دی گئی۔ وہ لوٹ آیا اور اس نے یہاں اپنا تبلیغی مشن از سر نو شروع کیا۔ جلد ہی وہ پورے شہر کا متفقہ راہنما بن گیا، وہ اپنی موت 1564ء تک یہیں مقیم رہا۔ اور اس نے یہاں کی سیاست میں بھی موثر طور پر حصہ لیا۔

اصولی طور پر وہ جینوا کا حاکم بن گیا مگر اس نے ذاتی حیثیت میں کبھی ایک آمر کی حیثیت اختیار نہیں کی۔ جینوا کے بہت سے شہریوں کو حق رائے دہی کے حقوق حاصل تھے۔ جب کہ باضابطہ سیاسی اختیارات کا بیشتر حصہ ایک مجلس کی تحویل میں تھا جو پچیس افراد پر مشتمل تھی۔ اگرچہ کیلون اس مجلس کا رکن نہیں تھا لیکن عملی طور پر وہ ہی اس شہر کا فرمانروا بن گیا۔ 1555ء کے بعد تو وہ فی الواقع

Scanned with CamScanner

ایک مطلق العنان حکمران بن گیا۔
کیلون کے زیر قیادت جینواء پروٹسٹنٹ فرقے کا مرکز بن گیا۔ وہ خود دوسرے ملکوں میں بھی پروٹسٹنٹ ازم کے فروغ کے لیے کوشاں رہا۔ خصوصی طور پر فرانس میں، یہ اس کی محنتوں کا ثمر تھا کہ ایک دور میں جینوا "پروٹسٹنٹ ازم کا روم" کہلانے لگا تھا۔ جینوا میں پہلا مربوط کام اس نے یہ کیا کہ اصلاح یافتہ کلیسا کے لیے ایک ضابطہ قانون بنادیا۔ اس کا یہ ضابطہ قانون پورے پروٹسٹنٹ یورپ میں اصلاح یافتہ کلیسا کے لیے نمونہ تقلید بن گیا۔
کیلون کا جینوا ایک کٹر مذہبی فرقہ پیورٹن (خالص پسند) کا گڑھ بن گیا۔ نہ صرف زناکاری اور ناجائز تعلقات کو یہاں ایک سنگین جرم قرار دے دیا گیا بلکہ پورے یورپ میں صرف یہاں قمار بازی اور شراب نوشی، رقص وسرور اور فحش گیتوں پر بھی ممانعت اور پابندی لگادی گئی۔ جس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جاتیں۔ کیلون نے تعلیم و تدریس پر بھرپور زور دیا اور اس کے عہد میں جنیوا یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔
تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے وہ یہ کہ کیلون جہاں پروٹسٹنٹ ازم کا ایک عظیم ترین مصلح ہے وہیں وہ ایک تنگ نظر انسان بھی تھا۔ جن لوگوں کو وہ بدعتی تصور کرتا انہیں جنیوا میں رہنے کے لیے معافی نامے حاصل کرنا پڑتے۔ اس کا معروف ترین شکار مائیکل سیروٹیس Michal Serotese تھا جو ایک ہسپانوی ماہر طبیعیات اور الہیات دان تھا۔ اور توحید فی تثلیث The Trinity کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ جب سیروٹیس جنیوا آیا تو اسے گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلا گیا اور 1553ء میں اس بے گناہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ کیلون کے عہد میں رومن کیتھولکوں کی طرح بہت سے افراد کو جادوگری کے الزام میں بھی زندہ جلایا گیا جو اس کی مذہبی تنگ نظری کی مثال ہے۔
کیلون کی اصل اہمیت اس کی سیاسی زندگی اور کارناموں میں نہیں بلکہ اس کے ان افکار میں ہے جو اس سے منسوب کیئے جاتے ہیں۔ اس نے انجیل کی اہمیت اور فضلیت پر زور دیا اور لوتھر ہی کی طرح رومن کیتھولک عقائد کو ترک کردیا۔ کیلون کا موقوف یہ تھا کہ تمام انسان بنیادی عصمت سے داغدار ہیں۔ خاص طور پر تقدیر وغیرہ پر اس کے خیالات اہم ہیں۔ کیلون کے مطابق خدا یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہے کہ کسے سزا دینا ہے اور کسے بخش دینا ہے۔

Scanned with CamScanner

1539ء۔ گرونانک صاحب کی وفات

بابا گرونانک صاحب سکھ مذہب کے بانی تھے۔ ان کے حالات زندگی ان جنم ساکھیوں میں ملتے ہیں۔ جو ان کی زندگی اور وفات کے بعد تحریر کی گئیں۔ ان جنم ساکھیوں (سوانحعمریوں) کے مطابق گرونانک کا نام نانک چند ولد مہتہ کلیان چند، مذہب ہندو، ذات، کھتری، گوت بیدی، والدہ کا نام ترپتا دیوی، دایہ دولتان، ہمشیرہ نانکی، چچا لال چند، نانا رام داس، نانی بھرائی دیوی، ماموں کرش چندر، بیوی سلکھنی دیوی عرف چندورانی، سسر مولا مل چونا تھے۔

15 اپریل 1469ء (سمت 1524) کو بہلول لودھی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور 22 دسمبر 1539ء کو ضلع سیالکوٹ کے موضع کرتارپور میں وفات پائی۔ ان کے مولد کا پرانا نام تلونڈی رائے بھوئے ہے آج کل اسے ننکانہ صاحب کہتے ہیں۔ یہ ضلع شیخوپورہ پاکستان میں واقع ہے۔ بابا گرونانک کا یوم ولادت ہر سال ماہ نومبر میں پورے چاند کی رات (کاتک پورن ماشی) کو منایا جاتا ہے۔

بابا نانک صاحب کے والد کو دوکاندار یا پٹواری بتایا گیا ہے۔ بابا نانک نے ہندی کی تعلیم ایک پنڈت گوپال سے پڑھی۔ 1478ء میں ان کو سنسکرت کی تعلیم کے لیے برج ناتھ شرما کے پاس بھیجا گیا۔ فارسی ایک مسلمان عالم سے پڑھی۔ ''سیر المتاخرین'' میں اس عالم کا نام سید حسن دیا گیا ہے جب کہ بابا نانک سے زنار پہننے پر رحمدلی اور طمانیت قلب کا دھاگہ پہننے کو ترجیح دی۔ دوران تعلیم ایک دن والدین نے بابا صاحب کو اشیائے خوردنی خرید کر لانے کے لیے روپے دیئے مگر نانک جی کو راستے میں جنگل کے قریب بھوکے فقیروں کا ایک گروہ مل گیا انہوں نے ان روپوں سے اشیائے خوردنی خرید کر ان فقیروں کی ضیافت کردی اور خوش وخرم گھر لوٹ آئے جب والدین نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے ان روپوں کا کیا کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں نے ''سچا سودا'' کیا ہے۔ بابا نانک صاحب نے جہاں ان بھوکے فقیروں کی ضیافت کی تھی وہاں آج کل ایک گوردوارے کا نام ''سچا سودا'' ہے۔ بابا نانک اپنے گاؤں کے ایک مراسی مردانہ کے ساتھ 1484ء میں حضرت فرید گنج شکر کے عرس پر گئے۔ 1487ء میں ان کی شادی سلکھنی دیوی سے ہوئی والدین کا خیال تھا کہ ان کا بیٹا شادی کے بعد درویشیوں اور جوگیوں سے میل جول ختم کردے گا مگر نانک صاحب شادی کے بعد بھی درویشوں کی صحبت میں رہ کر خوش رہے۔ آخر جب وہ دوکاندار نہ بن سکے تو سلطان پور میں انہیں نواب دولت خاں کے ہاں ملازمت دلوائی گئی مگر خدا کی

Scanned with CamScanner

محبت میں کھو کر وہ نواب صاحب کے غلہ کے گودام میں اناج تولنے کی خدمت صحیح طور پر انجام نہ دے سکے۔ ان کا دوسرا بیٹا لکھی داس ابھی شیر خوار تھا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر فقیری اختیار کر گئے۔

بابا نانک نے اپنی اس زندگی کے دوران چار سفر کیئے جو تقریباً 22 سال پر محیط ہیں۔ وہ 1499ء سے 1521ء تک سفر میں رہے انہوں نے پہلے پنجاب کے شہروں کا سفر کیا۔ اور یہاں سکھ ازم کا پرچار کیا پھر 1501ء میں چونیاں کے راستے ہندوستان کے مذہبی مرکزوں اور تیرتھوں کی طرف تبلیغ کی خاطر روانہ ہوئے۔ اسی سفر کے دوران انہیں بنارس میں بھگت کبیر ملے۔ اسی سفر میں نانک صاحب مشرق بنگال اور آسام تک گئے اور بیسیوں بڑے شہروں میں انہوں نے اپنا دوسرا سفر اختیار کیا یہ سفر جنوبی اور مغربی ہند کا سفر تھا۔ اس سفر میں دیگر مقامات کے علاوہ انہوں نے اجمیر، ناسک، راس کمار، سومنات اور اچ شریف کا سفر کیا۔ واپسی میں وہ تلونڈی آئے اور اپنے ماں باپ سے ملے اور سلطان پور میں اپنی بہن کے ہاں بھی گئے۔ 1512ء میں انہوں نے کرتار پور ضلع سیالکوٹ کی بنیاد رکھی اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے آئے۔ 1514ء میں انہوں نے اپنا تیسرا سفر شروع کیا۔ اس سفر میں وہ ملتان، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان اور سندھ سے ہوتے ہوئے مورخین کے مطابق مسلمانوں کے مقدس مقامات یعنی مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ بھی پہنچے اور واپسی میں انہوں نے بغداد، توران اور جلال آباد کے راستے پشاور اور کشمیر تک کا سفر کیا۔ 1521ء میں وہ ایمن آباد آئے اور یہاں انہوں نے بابر سے بھی ملاقات کی۔ پھر 1539ء تک یعنی اپنی وفات تک یہیں رہے۔ بابا نانک ایک موحد تھے اور انسانی مساوات کے قائل بھی۔ انہوں نے سکھ ازم کی بنیاد رکھی۔ وہ سکھوں کے پہلے گرو ہیں۔

ماٰخذ:

دائرہ العارف اسلامیہ جلد نمبر دوئم۔

Scanned with CamScanner

1539ء۔ نئی دنیا سے آلوؤں کی درآمد

اگر چہ یہ بات یقین سے نہیں کی جاسکتی کہ آلو کا اصل وطن کونسا ہے؟ کیونکہ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ آلو کا وطن جنوبی امریکا ہے جب کہ کچھ ماہر کہتے ہیں کہ یہ یورپ ہی کا آبائی ہے۔ آئرلینڈ اور یورپ کے بعض ممالک میں صدیوں سے ہزارہا لوگ اس کے آٹے کو گندم کے آٹے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

یونیسکو جیسے عالمی ادارے نے آلو کو امریکی قرار دیا ہے۔ اس کا آبائی وطن جنوبی امریکا، میکسیکو اور پیرو ہے۔ جہاں یہ مدت تک جنگلی بوٹیوں کی طرح آزاد حیثیت سے اگتا رہا۔ پھر دو ہزار قبل از مسیح میں انسان کے علم میں آیا۔ پیرو اور میکسیکو کے سرخ ہندی ''پاپا'' کہتے تھے۔ قدیم سرخ ہندی مقابر ایسے نشانات پائے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ''نئی دنیا'' میں اس کی کاشت سینکڑوں سال سے جاری تھی۔

کولمبس کے امریکا دریافت کرنے کے بعد صرف پچاس سال کے اندر اندر تقریباً 1539ء میں آلو اسپین پہنچا اور پھر آہستہ آہستہ یورپ کے دیگر ممالک میں پہنچا۔ آلو کی تاریخ کے بارے میں مشہور چند افسانوں میں سے ایک یہ ہے کہ ملکہ ایلزبتھ اول کے امیر البحر سر فرانسس ڈریک نے نئی دنیا کی ایک مہم کے دوران چلی کے لوگوں کو آلو کھاتے ہوئے دیکھا تھا وہ اسے بطور راشن اپنے جہازوں پر لاد کر آئرلینڈ لایا تھا۔ جہاں باقاعدہ طور پر اس کی کاشت ہونے لگی۔ 1580ء میں آلو اٹلی پہنچا اور 1588ء میں آئرلینڈ میں رائج ہوگیا۔ سولہویں صدی کے اختتام تک یورپ کے بیشتر ممالک میں اس کی کاشت شروع ہوگئی۔

شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ آلو ایک زہریلی شے ہے۔ پادریوں نے اس وجہ سے اس کا کھانا حرام قرار دے دیا تھا کہ اس کا ذکر بائبل مقدس میں نہیں ہے۔ انگلستان میں ملکہ ایلزبتھ نے اس کی کاشت پر خصوصی توجہ دی۔ اس نے ایک شاہی ضیافت کا اہتمام کیا اور بڑے بڑے امراء اور رؤسا کو آلوؤں کی اس ضیافت میں مدعو کر کے مختلف کھانوں میں آلو پیش کیے اور ان کا بطور خوراک تعارف کرایا۔ لیکن اس کے باوجود آلو کھانے کی مخالفت بڑھتی چلی گئی اور کہیں جا کر اٹھارہویں صدی میں ہونے والی قحط سالی نے یورپ میں آلو کو رائج ہونے میں مدد دی۔ تب آلو اس قدر مقبول ہوا کہ شاہ فرانس نے آلو کے پھول اپنے کوٹ کے کالر میں لگانا شروع کر دیئے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک آلو کے رواج کے باوجود سمجھا جاتا تھا کہ اس کا اصلی وطن ورجینیا ہے۔

Scanned with CamScanner

حالانکہ ورجینیا میں یہ ترکاری 1621ء میں متعارف ہوئی تھی۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلے امریکا نے یورپ میں آلو متعارف کرایا لیکن جب آلو امریکہ سے سرخ ہندیوں کے ساتھ ہی غائب ہوگیا تو ایک پادری یورپ سے آلو امریکا لے گیا اور وہاں سفید فام لوگوں نے اس کی کاشت شروع کی۔

برصغیر پاک و ہند میں آلو شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں متعارف ہوا۔ مشہور ہے کہ 1615ء میں آصف خاں نے اجمیر میں سر تھامس رو کی دعوت کی جس میں پہلی بار آلو استعمال ہوئے تھے۔ 1675ء میں ایک انگریز سیاح ہندوستان وارد ہوا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس وقت کرناٹک اور سورت کے علاقوں میں آلو کاشت ہوتے ہیں۔

آج کل یورپ کے شمالی اور وسطی حصوں میں آلو بطور خاص غذا کا کام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کی مرغوب غذاؤں میں شامل ہے۔ یہ دنیا کے تقریباً ہر ملک میں کاشت کیا جاتا ہے۔ دنیا کا نوے فی صد آلو یورپ میں پیدا ہوتا ہے۔ 1950ء میں ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، آئرلینڈ اور اٹلی نے اپنی درآمدات کی نسبت آلو زیادہ برآمد کیئے تھے۔

Scanned with CamScanner

1540ء۔ کوپرنیکس کا نظریہ گردش زمین

عظیم ماہر فلکیات کوپرنیکس بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا کہ اسے اپنی کتاب کا پہلا مطبوعہ نسخہ ملا۔ (24 مئی 1543ء) مرض کی شدت کی وجہ سے وہ کتاب پر بلا اجازت لکھا گیا مقدمہ نہ پڑھ سکا جس میں اس کے پیش کردہ گردش زمین کے مضبوط ترین دلائل کو محض ایک مفروضے کی حیثیت دے دی تھی۔ صرف اس خوف سے کہ کہیں لوگ اس کی اشاعت پر اعتراض کنان نہ ہوں اور کتاب ضبط نہ ہو جائے۔ Copernicus۔

19 فروری نکولس کا پرنکس Nicolaus (1473ء۔ 1543ء) بحیرہ بالٹک کے کنارے پولینڈ کے ایک چھوٹے سے ساحلی قصبے تھورن Thorn میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک تاجر تھا۔ دس سال کی عمر میں کوپرنیکس یتیم ہو گیا اور اس کی پرورش اس کے چچا نے کی جو ایک اسقف اور پولینڈ کی سرکردہ شخصیت تھا۔ جب کولمبس نے 1492ء میں امریکہ دریافت کیا تو کوپرنیکس پولینڈ میں کریکو Cracow یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ اس یونیورسٹی کے ایک استاد البرٹ برڈزیوسکی Albert Brudzew Skys نے اس پر گہرا اثر چھوڑا اور اس کے مضامین کی آبیاری کی۔

کریکو میں تعلیم لے کوپرنکس پر علم کے دروازے کھول دیئے اور اس نے اٹلی میں جو نشاۃ ثانیہ کا اولین مرکز تھا، تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا بولونیا Bologna یونیورسٹی اٹلی میں اس نے فلکیات اور قانون کی مزید تعلیم حاصل کی۔ یہیں اس نے یونانی زبان سے بھی آشنائی پیدا کی تاکہ وہ عرب ماہرین فلکیات کے ترجموں کے ساتھ قدیم یونانی عالموں کی اصل کتب سے بھی استفادہ کر سکے۔ کوپرنیکس نے شاعری اور مصوری میں بھی مہارت حاصل کی۔

تحصیل علم کے بعد وہ روم یونیورسٹی میں فلکیات پڑھانے لگا۔ فلکیات میں اس زمانے تک بطلیموس کے روائتی نظریے ہی پڑھائے جاتے تھے۔ بطلیموس کے نظریات کے ساتھ ساتھ کوپرنیکس نے جب فیثا غورث اور دوسرے قدما کے نظریات کو پڑھا تو اسے بطلیموس کے ارض المرکز نظریے Geo Centric Theory کی صحت کے بارے میں شک وشبہ ہو گیا۔ یہ نظریہ گذشتہ پندرہ سو 1500 سال سے تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا۔

زمانہ قبل از تاریخ سے تمام مہذب اقوام عالم زمین کو مرکز کائنات تسلیم کرتی تو چلی آ رہی تھی۔ صرف تیسری صدی قبل از مسیح کے ایک یونانی ماہر فلکیات ایرسٹارکس

Scanned with CamScanner

Aristarchus نے سب سے پہلے سورج کو مرکز کائنات قرار دیا تھا۔ اس کے بعد آرشمیدس نے اس مسئلہ پر اپنا نظریہ پیش کیا۔ پھر ایک ہزار آٹھ سو سال کے بعد کوپرنیکس بھی اسی نتیجے پر پہنچا کہ ایرسٹارکس اور ارشمیدس ٹھیک نظریات رکھتے تھے اور بطلیموس کا نظریہ غلط ہے۔ بطلیموسی نظریے نے ہی فلکی تغیرات کی غیر حقیقت پسندانہ توضیحات کر کے اور تضادات اور پراگندگی کا جالا بن کر فلکیات کے اصولوں کی خود ہی تردید اور تضحیک کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

جس نظریے کی کوپرنیکس نے تصدیق اس کے مطابق سورج کائنات کا مرکز تھا۔ زمین اور باقی سیارے اس کے گرد گھومتے تھے اور ستارے ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کوپرنیکس جانتا تھا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے جس سے دن اور رات عمل میں آتے ہیں۔ یہ تمام حرکات فطرت کے قانون ریاضی کے عین مطابق ہیں جو خطا اور غلطیوں سے بالاتر ہے۔ اس سائنٹیفک نظریے کے مطابق ریاضی کے فارمولوں کے اطلاق سے کسی بھی سیارے کے کسی خاص وقت پر مقام اور گرہن تک پیشن گوئی کی جاسکتی ہے۔

کوپرنے اگرچہ فلکیاتی حقائق کو پالیا تھا مگر ان کو دنیا سے تسلیم کروانا ایک خطرناک اور سست رفتار کام تھا۔ نشاۃ ثانیہ اگرچہ احیائے علوم کا دور تھا۔ مگر اگر کسی سائنسی نظریئے پر کلیسائی عقائد سے اختلاف کا شبہ بھی ہو جاتا تو اس پر اہل کلیسا فوراً ہی فتویٰ کفر عائد کر دیتے۔ اور ایسے نظریہ پیش کرنے والے اکثر زندہ جلا دیئے جاتے تھے۔

ان تمام خطرات کے باوجود کوپرنیکس نے اپنے انقلابی نظریات کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے مذاکرات کے ذریعے دیگر اہل علم لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش کی مگر اسے کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیونکہ یہ طریقہ کار بھی پرازخطر تھا۔ اور کوئی بھی شخص اس کے نظریات کو غلط رنگ دے کر کلیسائی عہدہ داروں کو پیش کرسکتا تھا۔ مارٹن لوتھر جیسے ذی علم لوگوں نے بھی اس بارے میں رائے دی کہ یہ کوئی احمق شخص ہے جو فلکیات کے فن کو تہس نہس کرنا چاہتا ہے۔ کیلون جیسے مصلح مذہب نے اپنے 93 ویں مناجات میں لکھا کہ "دنیا اس طرح قائم ہے کہ اس کو ہلایا نہیں جاسکتا۔"

ان مخالفتوں کے باوجود کوپرنیکس نے اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک کتاب بعنوان De Revoluttonibus Orbium Coele & tium لکھی۔ اس نے کلیسا کو خوش رکھنے کی خاطر یہ کتاب پوپ پائی سوم کے نام معنون کر دی لیکن اس کے ساتھ مزید ستم ظریفی یہ ہوئی کہ نورمبرگ میں اس کے ناشر نے کتاب کی انقلابی نوعیت سے ڈرتے ہوئے کتاب کے پیش لفظ میں یہ لکھوا دیا کہ یہ کتاب کوئی سائنسی رسالہ نہیں بلکہ فرضی خیالی پلاؤ

Scanned with CamScanner

ہے اگر کوپرنیکس یہ پیش لفظ پڑھ لیتا تو یقیناً اسے سخت غصہ آتا مگر بدقسمتی سے یہ کتاب اسے بستر مرگ پر ملی اور وہ اسے پڑھے بغیر ہی 21 مئی 1543ء کو چل بسا۔

ماٰخذ:

مقدمہ سائنس، دنیا کے عظیم سائنسدان، اردو سائنس بورڈ سو تاریخی واقعات از غلام رسول
Pioneers in Science Astronomy.

Scanned with CamScanner

1540ء۔ شہنشاہ ہمایوں کی شکست اور جلاوطنی

عجیب منظر تھا، بادشاہ وقت، ہمایوں مرزا پانی کے تیز دھارے میں اپنے شکست خوردہ لشکریوں کے دھکے کھا کر گھوڑے سے دریائے گنگا کے پانی میں گر پڑا مگر کوئی شہنشاہ کا پرسان حال نہ ہوا۔ دریا کے پانی میں جگہ جگہ گرداب پڑے ہوئے تھے۔ قریب تھا کہ ہمایوں کو کوئی گرداب نگل لے کہ ایک سقہ نے بڑھ کر بادشاہ کی بلا امتیاز مدد کی اور زندہ و سلامت بچا کر کنارے پر پہنچا دیا۔ ہمایوں نے اپنے بدن پر جو کپڑے پہنے ہوئے تھا صرف وہی لے کر آگرہ روانہ ہوا۔ وہاں اس کے دونوں بھائی کامران مرزا اور ہندال مرزا اپنے کیے پر نادم ہوئے۔ کامران مرزا سرکشی پر تلا رہا مگر ہمایوں نے اسے بے سروسامانی کے باوجود شکست دیکر بھگا دیا۔

ہمایوں نے چھ ماہ تک آگرہ میں مجالس مشاورت منعقد کیں جو بے سود رہیں یہاں تک کہ اس کا بھائی کامران مرزا بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا۔

شیر خاں (شیر شاہ سوری) نے بھائیوں کا نفاق تائید غیبی سمجھا اور ایک بڑی فوج کے ساتھ شہنشاہ کو ایک مرتبہ پھر زک پہنچانے کے لیے بنگال سے نکلا۔ ہمایوں اگرچہ ایک لاکھ سے زائد فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا مگر لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ دوسری قیامت یہ ٹوٹ پڑی کہ قنوج کے قریب لشکر گاہ پر بڑی سخت بارش شروع ہوگئی۔ ہمایوں نے اپنے لشکریوں کو دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا۔ حسب الحکم شاہی لشکری خیمے اکھاڑنے اور پانی اور کیچڑ سے سامان نکالنے میں مصروف تھے کہ اچانک شیر خان نے دھاوا بول دیا۔ کسی کو ہتھیار سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور شاہی لشکر بے سروسامانی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوا۔

شہنشاہ ہمایوں نے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے خود کو دریا کے کنارے پہنچا دیا اور گھوڑا پانی میں ڈال دیا مگر اس بار بھی بادشاہ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس مرتبہ مرزا کامران کے ایک نوکر شمس الدین نے بادشاہ کو دریا عبور کرایا۔ بادشاہ مختصر سی جمعیت کے ساتھ وہاں سے پنجاب پہنچا۔ چونکہ شیر خان مسلسل تعاقب میں تھا۔ اس لیے لاہور میں مرزا کامران نے بھی منافقت سے کام لیتے ہوئے امان نہ دی۔ اور ہمایوں نے سندھ اور کھگر کے راستہ ایران اور قندھار چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر جب ہمایوں قندھار

Scanned with CamScanner

کے قریب پہنچا تو اس کے ایک بھائی مرزا عسکری کے ارادے نیک نہ نظر آئے اور اس نے ایران جانے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف گنتی کے ساتھی رہ گئے۔ ایک روایت کے مطابق اس کی تعداد صرف ستر تھی۔ ان لوگوں کا سردار بیرام خان تھا۔ جو ہمایوں کا وفادار تھا۔ جلاوطنی کے اس سفر میں مستقبل کے شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی پیدائش ہوئی۔ نومولود کو ایران لے جانا ممکن نہ تھا۔ اس لیے ایک خادمہ کے حوالے کر کے لشکر گاہ میں چھوڑا اور خود عازم ایران ہوا۔ بے مروت بھائیوں کو جب ہمایوں کی روانگی کی اطلاع ملی تو انہوں نے ہمایوں کی لشکر گاہ لوٹ لی اور اکبر کو قندھار لے گئے اور پھر کسی مصلحت کی بنا پر کابل بھیج دیا۔

ہمایوں دشت نوردی کی منازل طے کرتے ہوئے خراسان کے علاقہ سیستان پہنچا اور وہاں سے بیرام خان کو شاہ طہماسپ صفوی، شاہ ایران کے پاس بھیجا۔ شاہ ایران کو جب ہمایوں کا سفیر اور اس کے خط ملے تو وہ آبدیدہ ہو گیا اور جواب میں یہ شعر لکھا۔

ہمائی اوج سعادت بدام افتد
اگر ترا گذری بر مقام افتد

شاہ ایران نے اپنے شاہی مہمان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور بڑے تپاک سے اس سے ملاقات کی۔

نصیر الدین ہمایوں ہندوستان کا دوسرا مغل فرمانروا تھا۔ بابر اور ماہم بیگم کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ کابل کے محل میں 6 مارچ 1508ء کو پیدا ہوا۔ 29 جنوری 1530ء کو ہندوستان کے تخت پر بیٹھا اور 28 جنوری 1556ء کو دہلی میں اپنے کتب خانے کے زینے سے گر کر وفات پائی۔ ہمایوں اگرچہ ایک آرام طلب اور افیون کھانے کا عادی شخص تھا۔ مگر جوانی میں وہ ایک مستعد سپاہی بھی تھا۔ چنانچہ اس نے گجرات فتح کیا مگر وہ اپنے بے وفا بھائیوں پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے خاصے عرصہ اپنے بھائیوں کو مخاصمانہ حرکات برداشت کیں اور اپنے باپ کی وصیت پر عمل کیا مگر بالآخر اسے مرزا کامران کو نابینا کروانا پڑا۔ وہ بنگال گیا، مگر گور میں اس نے بڑی بے پروائی سے قیام کیا۔ ہمایوں نے شیر خان کی شورش کو دبانا چاہا اسی دوران آگرہ میں اس کے بھائیوں مرزا کامران اور ہندال مرزا نے شورش بپا کر دی۔ ہمایوں کو ان کی غداری سے سخت تشویش لاحق ہوئی۔ چوسہ کے مقام پر اس نے شیر خان کی صلح کی پیشکش قبول کر لی جو اس نے بدنیتی سے کی تھی۔ شیر خان نے اپنے منصوبے کے مطابق صلح نامے کا پاس نہ کرتے ہوئے اگلے دن ہی شاہی لشکر پر حملہ کر دیا اور تمام فیل خانہ، جواہرات و خزانہ پر قبضہ کر لیا۔

Scanned with CamScanner

شیر خان نے شاہی لشکر کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اور دریا عبور کرنے والے مقررہ راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی ایسے میں ہمایوں نے اپنا گھوڑا دریا کے دھارے میں ڈال دیا۔ اور بقیہ شکست خوردہ لشکر بھی اس کے پیچھے دریا گنگا میں اتر گیا۔ ایسے میں بے رحم افغانوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ اس طرح بادشاہ کو مکمل شکست ہوگئی۔

مآخذ:

منتخب الباب جلد (ا)۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 23۔

Scanned with CamScanner

1542ء۔ جاپان میں اجنبی یورپیوں کی آمد

عہد وسطیٰ کے اواخر یعنی 1500ء تک اہل یورپ کو جاپان کے بارے میں صرف سطحی معلومات حاصل تھیں۔ جس میں سے بیشتر خیالی اور نادرست تھیں۔ یہ معلومات اہل یورپ کو سفر نامہ مارکو پولو سے حاصل ہوئیں تھیں۔ جو کئی صدی پہلے ضابطہ تحریر لایا گیا تھا۔ مارکو پولو کی جاپان کے بارے میں معلومات خود بڑی ناقص تھیں کیونکہ 13 ویں صدی کا یہ یورپی سیاح خود کبھی جاپان کی سرزمین تک نہ پہنچا تھا۔ تاہم کرسٹوفر کولمبس کو اپنے 1492ء کے تاریخی سفر میں توقع تھی کہ وہ جاپان کی افسانوی سرزمین کو تلاش کرلے گا۔ اس طرح رسائی ممکن نہ ہونے کی وجہ سے جاپان سولہویں صدی کے نصف اول تک دنیا کا ایک بالکل الگ تھلگ ملک بنا رہا۔

پرتگیز وہ پہلی قوم ہے جس نے مشرق کے ساتھ بحری رابطہ قائم کیا اور وہ ہندوستان تک ایک نیا بحری راستہ دریافت کرنے میں کامیاب رہے۔ پرتگالیوں ہی کو اہل یورپ میں سب سے پہلے چڑھتے سورج کی سرزمین، جاپان پہنچنے کا اعزاز حاصل ہے۔ تقریباً 1542ء میں کچھ پرتگیز مہم جو جاپان پہنچے۔ جہاں کی عوام کے لیے وہ بالکل اجنبی تھے نہ جیسے خود ان کے لیے سرزمین جاپان۔ جاپانی ذرائع کے مطابق یہ پرتگیز جزیرہ تانجہ Tanega کے قریب ایک پرتگیز بحری جہاز کی غرقابی کے بعد جاپان پہنچے تھے۔ انہیں مہم جوؤں میں ایک ''فرناؤ میڈیز پینٹو'' بھی شامل تھا جس نے اس سفر کا ایک دلچسپ سفر نامہ لکھا ''پریگرینا سوؤ کا'' ان اجنبیوں کی سرزمین جاپان پر آمد سے جاپان اور یورپی اقوام میں تعلقات کا آغاز ہوا جس کا سلسلہ اگلے سو سال تک جاری رہا۔ 1549ء میں جاپان میں جے سوٹ Jesuit پادریوں کی آمد ہوئی۔ ان میں مشہور زمانہ مبلغ سینٹ فرانس زیویرے Frances Xevere کا نام شامل ہے۔ ان مسیحی مبلغین نے بہت سے جاپانیوں کو مسیحی بنایا۔ جاپانیوں نے اہل یورپ کی تبلیغی اور تجارتی سرگرمیوں سے 1640ء تک کوئی تعرض نہ کیا۔ جب اہل اسپین نے جزائر فلپائن پر اپنا تسلط قائم کیا تو اہل جاپان کو اہل یورپ کی استعمارانہ حکمت عملیوں سے واقفیت حاصل ہوئی تو انہوں نے یورپیوں پر اپنے دروازے بند کرلیے۔ اس طرح اگلے دو سو سال کے لیے جاپان ایک بار پھر دنیا سے الگ تھلگ ہوگیا۔ اور اجنبیوں کا اس سرزمین داخلہ ممنوع قرار پایا۔

Scanned with CamScanner

1543ء۔ کوپرنیکس کی تصنیف ''فلکیاتی مداروں کی گردش پر''

کوپرنیکس دنیا کا پہلا شخص نہیں تھا جس نے سورج کو نظام شمسی کا مرکز قرار دیا ہو مگر اس کا یہ کارنامہ تاریخ عالم میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوپرنیکس کی زندگی کے آخری دنوں میں شائع ہونے والی اس کی کتاب Onrevolution Of The, Celestial Orbs کو کلیسا کی ممنوعہ کتابوں کی فہرست میں فوراً شامل نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم یہ کام 1616ء میں ہوا۔ پھر نظریہ مرکزیت سورج کے قبول عام ہوجانے کے بعد 1757ء میں یہ کتاب ممنوعہ کتب کی فہرست سے نکال دی گئی تھی۔

جان کپلر کی طرح کاپرنیکس بھی کائنات کی ہم آہنگی کو بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے افلاک کی گردش کی سائنس میں اپنی بنیاد اس نظریہ کو بنایا کہ سورج ''کائنات منور کرنے کا چراغ ہے'' چونکہ وہ اپنے زمانے میں سورج کے گرد ایک مستقل رفتار سے گھومنے والے افلاک کی اجسام کا ادراک نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ وہ کبھی بھی اپنے نظریہ کو اپنے مشاہدات کے مطابق نہ بنا سکا۔ اپنا مضحکہ اڑانے سے خوفزدہ کوپرنیکس نے 1539ء میں اپنے اس انقلابی نظریئے پر کتاب لکھنا شروع کی تو ونبرگ یونیورسٹی کا ریاض کا پروفیسر جارج یوآکم بھی اس کے ساتھ مل گیا۔ مگر جب اس کتاب کے شائع ہونے کا موقع آیا تو کوپرنیکس بستر مرگ پر گر گیا اور آخری سانسیں لینے لگا۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں لگ سکا کہ کتاب کے دیباچے میں ایک پروٹسٹنٹ Osiander نے لکھ دیا تھا کہ سورج کی مرکزیت کا نظریہ محض ایک مفروضہ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے نہ کہ بطور صداقت بہرحال اس کا ایک مفروضہ ہونا محفوظ ہوگیا تھا۔

کاپرنیکس کی کتاب اگرچہ ادھوری رہ گئی تھی مگر یہ کام ٹائیکو براہے۔ جوہانس کپلر اور اطالوی گلیلیو گلیلی اور بالآخر آئزک نیوٹن کے حصے میں آیا اور مکمل ہوا۔

دراصل کاپرنیکس کے انقلابی نظریات نے جھوٹی اور مصنوعی عیسائیت کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔ اس زمانے میں عیسائیت کا اندرونی نظام اتنا فرسودہ ہوچکا تھا کہ وہ اسے سچائی کو برداشت کرنے کے قابل نہیں تھی۔ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک دونوں کے کلیسائی حکام اس ناروائی کے مرتکب ہوئے تھے۔ لوتھر جیسے پروٹسٹنٹ کلیسا کے سربراہ نے بھی کوپرنیکس کو ایک خبطی اور آسمانی صحائف کی شان میں گستاخی کرنے والا قرار دیا تھا۔ اس نظریئے کی مخالفت نے بعد کے زمانے میں گلیلیو کو عدالت احتساب کے سامنے اس سے انکار پر مجبور کردیا تھا۔

Scanned with CamScanner

1545ء-1540ء- شیر شاہ سوری اور اس کا عہد

برصغیر پاک و ہند کے سکے (روپیہ) کا موجد شیر شاہ سوری دنیا کے ان چند اہم حکمرانوں میں سے ایک ہے جن کے ساتھ تاریخ نے انصاف نہیں کیا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی وفات کے صرف دس سال کے اندر اندر نہ صرف اس کا خاندان نیست و نابود ہو گیا بلکہ عنان حکومت بھی اس کے خاندان کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی مخالف قوم کے ہاتھ میں آ گئی کہ جس کا اقتدار صدیوں تک ہندوستان پر قائم رہا۔ اسی مخالف قوم کے درباری مورخوں نے پہلے تو کم سے صفحات میں شیر شاہ سوری کو جگہ دی اور کہیں بھی اس کا ذکر متعصبانہ رنگ آمیزی سے خالی نہیں چھوڑا۔ اور ایک ایسے زاویہ سے اس کی تصاویر پیش کیں کہ وہ ہمیں عہد شکن، فریبی اور مکار نظر آئے، لیکن اس کے باوجود شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا۔ یہ باہمت شخص کسی شہنشاہ کے ہاں پیدا ہوا بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ایک معمولی منصب دار سے تخت ہندوستان تک پہنچا۔ اس کے والد حسن خان کو سکندر لودھی نے بہار میں سہسرام کی جاگیر عطا کی تھی۔ شیر شاہ یا شیر خان کی پیدائش اس کے سوانح نگار کا لکارنجن قانونگو کے مطابق 1486ء میں نارنول نامی قصبہ میں ہوئی۔ اس نے محکمہ مال کے نظم و نسق کی تمام جزئیات کا علم حاصل کیا تا کہ اپنے باپ کی جاگیر کا انتظام سنبھال سکے۔ بابر کی فتح ہندوستان کے بعد وہ ایک مرتبہ بابر کے ہاں ملازمت کے سلسلے میں پیش ہوا مگر اس کی غیر شعوری نفرت کو دیکھتے ہوئے بابر جیسے جہاندیدہ شخص نے اسے مغل سلطنت کے لیے ایک خطرناک ترین شخص قرار دیا جس کی وجہ سے وہ آگرہ سے شیواجی کی طرح فرار ہو گیا۔ باپ کے انتقال کے بعد اس نے اپنی قابلیت اور حسن انتظام کی بدولت بنگال کے سلطان پر فتوحات حاصل کیں اور وہ عملاً بہار کا ایک خود مختار فرمانروا بن گیا۔ ہمایوں نے اپنے عہد میں بہار اور بنگال پر حملہ کر کے وہاں بظاہر اپنی حکومت قائم کر لی۔ لیکن شیر خان قلعہ رہتاس میں محفوظ و مامون رہا۔ جب ہمایوں کو اس کے بھائی مرزا ہندال کی بغاوت کی وجہ سے بنگال سے واپس جانا پڑا تو شیر خان نے کچھار سے نکل کر شیر کی طرح اپنے شکار کا تعاقب کیا اور 26 جون 1539ء کو دریائے گنگا کے کنارے "چوسہ" کے مقام پر ہمایوں کو زبردست شکست دی جو زیادہ تر اس کی بہادری اور موسم کی خرابی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ اس فتح کے بعد شیر خان بنگال کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ اور اس نے اگلے سال آگرہ پر چڑھائی کر دی۔ ہمایوں نے 17 مئی 1540ء کو قنوج کے مقام پر اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی جو اصلاً شیر خان کی بہادری کا نتیجہ تھی مگر مغل درباری مورخ اسے اس کی

Scanned with CamScanner

عہد شکنی کی وجہ سے بتاتے ہیں۔ ہمایوں آگرے میں مختصر قیام کے بعد لاہور کی طرف بھاگ گیا۔ شیر خان اب شیر شاہ بن گیا تھا اس نے بھگوڑے شہنشاہ کا تعاقب کیا مگر ہمایوں بھاگ کر سندھ چلا گیا اور شیر شاہ اب شمالی اور مشرقی ہندوستان کا بلاشرکت غیرے بادشاہ بن گیا۔

اس نے نندنہ کی پہاڑیوں میں ایک قلعہ تعمیر کروا کر اس کا نام بہار کے مضبوط قلعہ رہتاس پر رکھا اور اپنی شمالی مغربی سرحدوں کو مضبوط بنالیا۔ پھر بنگال جا کر اس نے اس صوبہ کو چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں تقسیم کر دیا تا کہ کوئی ماتحت حاکم خود اس کی طرح خود سر نہ ہو جائے۔ 1541ء میں اس نے مالوہ میں اپنی حکومت قائم کی اور شجاعت خان کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ 1542ء میں واپس آگرہ آ گیا۔ 1544ء میں اس نے جودھ پور کے ہندو راجہ پر حملہ کر دیا۔ اور اسے شکست دی مگر اتنی دقت سے کہ اس نے اس سرزمین کے غیر زرخیز ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''وہ باجرے کی ایک مٹھی کے عوض ہندوستان کی سلطنت کو تقریباً کھو بیٹھا تھا۔''

1545ء میں اس نے کالنجر کے مضبوط قلعے کا محاصرہ کیا۔ 22 مئی کو وہ گولہ باری کے نتائج کا خود جائزہ لے رہا تھا کہ ایک گولہ بارود کے اس ذخیرہ میں آ گرا جس کے نزدیک خود شیر شاہ سوری کھڑا تھا۔ بارود میں ہونے والے اس اچانک دھماکے کی وجہ سے وہ بری طرح جھلس گیا مگر اس کی بہادری کا کیا کہیے کہ تھوڑی بہت زندگی باقی تھی مگر وہ اپنا حال کسی پر ظاہر کیئے بغیر اپنے لشکر کو حملے پر اکسا رہا تھا۔ اور برابر قلعہ کی تسخیر میں مصروف تھا۔ یہاں تک کہ 12 ربیع الاول 954ھ کو ادھر قلعہ فتح ہونے کی خوش خبری پہنچی اور ادھر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

وہ ہندوستان پر صرف پانچ سال حکومت کر سکا مگر اس کا عہد ایک زریں عہد تھا۔ وہ کئی باتوں میں اکبر اعظم پر بھی سبقت لے جاتا ہے۔ اس نے بنگال کے مقام شنارگاؤں سے دریائے سندھ تک جو شاہراہ تعمیر کروائی اور آگرہ سے مانڈ تک۔ یہ سڑک 1800 کوس لمبی ہے۔ اس سڑک پر ہر کوس کے بعد اس نے سرائیں تعمیر کروائیں جن میں ہر ایک سرائے کے ساتھ ایک مسجد تھی اور پورا میزبان عملہ تعین کیا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے الگ الگ کچے اور پکے کھانوں کا انتظام کیا گیا۔ ڈاک کے گھوڑے ہر وقت تیار رہتے اور مسافروں کے لیے سڑک کے کنارے پھل دار درخت موجود تھے جن سے وہ ہر دم تازہ دم رہتے تھے۔ شیر شاہ سوری نے ملک میں امن و امان اس حد تک قائم کر دیا تھا کہ ''ایک بڑھیا رات کے وقت کھلے میدان میں سونے کی ٹوکری لے کر بغیر کسی محافظ کے سو سکتی تھی۔'' مورخ بدایونی اس بات پر شکر خدا ادا کرتا ہے کہ وہ ایسے انصاف پرور بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوا۔ مگر خود بادشاہ اور اس کی رعایا اس بات پر افسوس کرتی تھی کہ اسے سلطنت اس وقت ملی جب اس کی زندگی کا سورج غروب ہونے کو تھا۔ شیر شاہ کا مقولہ ہے کہ۔

''افسوس مجھے شام کے وقت بادشاہی ملی۔'' (شیر شاہ سوری)

Scanned with CamScanner

شیر شاہ کو اگرچہ صرف پانچ سال حکومت کرنا نصیب ہوئی مگر اس قلیل عرصے میں اس نے نہ صرف عظیم الشان جنگی کارنامے انجام دیئے بلکہ ایک زبردست مرکزی نظام حکومت بھی تشکیل دیا جس میں نظم ونسق کو جدید ترین خطوط پر قائم کیا گیا تھا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اصلاحات ہوئیں جن کا نتیجہ ملکی امن وامان اور خوشحالی کی صورت میں نکلا۔

اس نے ملکی نظم ونسق چلانے کے لیے ایک سائنٹیفک نظام مال گزاری تشکیل دیا۔ جو معمولی سی تبدیلی کے بعد اکبر اعظم نے اپنالیا اور مغل سلطنت میں صدیوں تک چلتا رہا۔ کئی مورخین کے نزدیک ہندوستان کے حکمرانوں میں شیر شاہ پہلا حکمران تھا جس نے ڈاک کا انتظام سواروں کے ذریعے کیا اور جیسے کے پہلے ذکر آیا آج تک چلنے والا سکہ ''روپیہ'' بھی اسی بادشاہ کی ایجاد تھی۔ اس کا روپیہ ایک تولہ چاندی کا تھا (1543ء۔)

بحیثیت انسان اور حکمران شیر شاہ بہت عظیم تھا۔ وہ عابد وزاہد، شجاعت، بہادر، عادل اور فیاض تھا۔ اس نے اپنی رعایا کے مفلوک الحال لوگوں کو آج کی رفاہی حکومتوں کی طرح باقاعدہ وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا تاکہ وہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا سکیں اور نہ ہی امن عامہ میں رخنہ اندازی پیدا ہو۔

مآخذ:

شیر شاہ اور اس کا عہد، کالکار انجمن قانونگو۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱

Scanned with CamScanner

1549ء۔ ایڈورڈ ششم (پروٹسٹنٹ) کی کتاب مناجات اور انگلستان

یورپ میں سولہویں صدی، مذہبی انقلابات کی صدی تصور کی جاتی ہے۔ اس صدی کے دوران اصلاح کلیساء کی تحریک نے جنم لیا، جس کے نتیجے میں عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا۔ تحریک اصلاح کلیسا سے پہلے یورپ کی مذہبی زبان لاطینی تھی جو عوام کے لیے ایک مشکل زبان تھی۔ اسے صرف تعلیم یافتہ اور کلیسائی عہدے داروں کی زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ تحریک اصلاح کلیساء کے دوران اس بات پر زور دیا گیا کہ عوام پادریوں کی بجائے خود مذہبی احکامات تک رسائی حاصل کریں۔ انہیں مذہبی احکامات کو زیادہ آسانی سے سمجھنے کے لیے اہل یورپ کی قومی زبانوں میں مذہبی کتب کے تراجم مرتب کیئے گئے تاکہ عوام اپنی ہی زبانوں میں انجیل مقدس اور دیگر احکامات کو سمجھ سکیں۔ ایسا ہی ایک قدم 1549ء میں انگلستان میں اٹھایا گیا۔ کلیسائے انگلستان نے دوران عبادت ہر شخص کے لیے انگریزی زبان میں ایک کتاب مناجات مرتب کرائی اور اسے لازم قرار دیا گیا۔ یہ کتاب ''شاہ ایڈورڈ ششم کی کتاب'' کہلائی اور انگریزی زبان میں عام فہم اور آسان دعاؤں کا ایک مجموعہ تھی۔

ایڈورڈ ششم کے مختصر عہد حکومت میں کوشش کی گئی کہ اس کتاب مناجات اور اصول عقائد کی بنا پر جو پارلیمنٹ نے تجویز کیئے تھے، مذہبی عبادات میں یکسانی پیدا کی جائے۔ کنٹربری کے آرچ بشپ کرینمر Cranmer نے اس کتاب کی اشاعت و نفاذ کا کام کلیسائے انگلستان کے نام پر کیا۔ پارلیمنٹ نے یکسانی ایکٹ Act Of Uniformtn کے ذریعے جنوری 1549ء سے یہ حکم نامہ کیا کہ ہر اس شخص کے پاس جو کلیسائے میں عبادت کے لیے جائے اس کتاب کا رکھنا لازم ہے۔ 1552ء میں اس کتاب کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا گیا جو صرف آٹھ ماہ کارآمد رہ سکا۔ 1552ء میں انگلستان میں ملکہ میری ٹیوڈور کے برسراقتدار آنے کے بعد ایک بار پھر رومن کیتھولک مذہب کو انگلستان کا سرکاری مذہب اور لاطینی کو ملک بھر کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ انگریزی زبان اور ایڈورڈ ششم کی ''کتاب مناجات'' معتوب قرار پائیں۔ لیکن یہ کیفیت بھی زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکی۔ 1558ء میں میری ٹیوڈور کی موت کے بعد ملکہ ایلزبتھ اول تخت نشین ہوئی جو پروٹسٹنٹ عقیدہ کی حامل اور محافظ ملکہ تھی۔ اس نے مناجات کی اس کتاب کو پھر سے بحال کردیا اور یوں انگریزوں کی اکثریت نے پروٹسٹنٹوں کا طریق عبادت اختیار کرلیا۔

مآخذ: تاریخ یورپ 1732ء۔ 1453ء۔، 1000 Great Events۔

Scanned with CamScanner

1551ء۔ سینٹ فرانسس جیویر جاپان میں

دسمبر 1552ء میں چین کی مشہور بندرگاہ کینٹن کے نزدیک سینشن نامی جزیرے پر سولہویں صدی کے مشہور مسیحی مبلغ اور داعی سینٹ فرانسس ڈیویر St. Francis Xavier کی بعارضہ بخار موت واقع ہوئی۔ یہ کوئی معمولی انسان نہیں تھا بلکہ سینٹ پال کے بعد اسے مشرق میں مسیحیت کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسے حواری انڈیز A Postle Of Indese کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

عہد جدید کا یہ عظیم رومن کیتھولک ایک مبلغ 7 اپریل 1506ء کو شمالی اسپین کے صوبے نوار کے قصبے جے ویر Xavier میں پیدا ہوا۔ تعلیم کے لیے پیرس یونیورسٹی میں قیام کے دوران اس نے 15 اگست 1534ء کو اپنے ایک ہم نشین اگناٹیس لوئیلر Agnatius Loyola کے ساتھ مل کر ایک مذہبی تنظیم جے سوٹ سوسائٹی Jesuit Society کی بنیاد رکھی جس کی تعلیمات میں غربت میں بیمار انسانیت کی خدمت اور تبلیغ کا فریضہ پیش پیش تھے۔ اس سوسائٹی کے سات رکن تھے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان ساتوں نے وینس میں اپنی تبلیغ اور بیماروں کی خدمت سے اتنا نام پیدا کیا کہ اس زمانے کے کئی کیتھولک سربراہان مملکت نے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ انہیں سربراہان مملکت میں پرتگال کا بادشاہ جان سوم تھا جس نے اسے اپنی ایشیائی نوآبادیوں خصوصاً ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کا مشن جے ویر کو سونپا۔

15 مارچ 1540ء کو فرانس جے ویر اطالیہ سے پہلے لزبن اور پھر دنیائے مشرق بعید کے لیے روانہ ہوا۔ 6 مئی 1542ء کو جے ویر اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلے میں گوا پہنچا۔ جب کہ اگناٹیس لوئیلہ اور اس کے دوسرے ساتھی لزبن ہی رہ گئے۔ اگلے تین سال تک سینٹ فرانسس جے ویر نے جنوب مشرقی ہندوستان کے اس مشہور پرتگیز شہر میں غریب ماہی گیروں اور موتی نکالنے والے غوطہ خوروں کی بستیوں میں تبلیغ کرتے گزارے۔ کہتے ہیں کہ 30 ہزار افراد کو یہاں اس نے حلقہ بگوش مسیحیت کیا۔

1545ء میں وہ عیسائیت کی مشرق بعید میں تبلیغ کے لیے سیلون، آرچی پلیگو اور ملاکا اور دیگر جزائر مشرق الہند پہنچا جہاں وہ 1548ء تک مقامی باشندوں کو مسیحیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ 1548ء میں وہ واپس گوا آیا جو ایک تبلیغی مرکز بن چکا تھا اور یہاں اس کی تنظیم کے بہت سے جے سوٹ پادری یہاں پہنچ چکے تھے۔ گوا میں قائم ہونے والے کالج آف ہولی فیتھ college of Holy

Scanned with CamScanner

Faith کو اس نے مقامی عیسائیوں کے تعلیمی مرکز میں بدل دیا۔ جے ویر کی دور رس نگاہیں اس دوران مشرق بعید کی ایک ایسی سرزمین پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ٹھہریں جسے یورپی مہم جوؤں نے صرف پانچ سال پہلے دریافت کیا تھا۔ یہ تھی سرزمین جاپان، چڑھتے سورج کی سرزمین۔

15 اگست 1549ء کو وہ پہلے مسیحی مبلغ کی حیثیت سے جاپان کی بندرگاہ کوگوشیمہ Kagoshima پہنچا۔ اس کے ساتھ وہ نو عیسائی جاپانی انجیرو Anjiro بھی تھا جس کے رغبت دلانے پر وہ جاپان گیا تھا۔ سینٹ فرانسس نے جاپان سے اپنے ساتھیوں کے نام جو خط لکھا اس میں وہ جاپانیوں سے بڑا پرامید تھا۔ اس نے لکھا کہ اب تک دریافت ہونے والے لوگوں میں جاپانی سب سے اچھے ہیں اور وہ بہت جلد مسیحیت قبول کرلیں گے۔ مگر ڈاک کی آمدورفت میں تنگی کی وجہ سے اس نے 1551ء میں عارضی طور پر ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ہندوستان پہنچنے کے بعد وہ جاپان واپس نہ آسکا اور پرتگیزوں کے ایک نئے صوبے ''انڈیز'' کے انتظامی امور میں الجھ کر رہ گیا۔ اسی دوران سینٹ فرانسس نے محسوس کیا کہ جاپان جانے سے پہلے چین جانا ضروری ہے کیونکہ جاپانی دانشمندی، حکمت اور مذہبی امور کے لیے چین کے لوگوں پر انحصار کرتے ہیں۔

1552ء میں وہ اس خیال سے عازم چین ہوا مگر کبھی چین نہیں پہنچ سکا اور اس نے چین کے ساحل سے دور ایک جزیرہ پر عارضہ بخار وفات پائی۔ جزیرے پر اسے اس لیے رکنا پڑا تھا کیونکہ ان دنوں غیر ملکیوں پر چین کے دروازے بند تھے اور وہ چین کی حکومت سے راہداری کی سہولت حاصل کرنے کے لیے بات چیت میں مصروف تھا کہ فرشتہ اجل آ گیا۔

بیسویں صدی میں سینٹ فرانسس کے متعلق جدید تحقیق ہونے سے پہلے سینٹ فرانسس جے ویر کے متعلق بہت سے افسانے مشہور تھے۔ یہ تو سچ ہے کہ مشرق بعید میں مسیحیت اس کی مساعی جمیلہ کی مرہون ہے مگر اس کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کرنے والوں کی تعداد میں افسانوی طور پر مبالغہ سے کام لیا جاتا تھا اور مشہور یہ تھا اس کے ہاتھ پر دس لاکھ سے بھی زائد افراد نے مسیحیت قبول کی تھی۔ مگر جدید محققوں نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اس کے ہاتھ پر صرف تقریباً 30000 افراد نے مسیحیت قبول کرنا ثابت ہوا ہے۔

مآخذ:

مشرق بعید میں عیسائیت۔ Britannica Vol.12۔

Scanned with CamScanner

1553ء۔ میری کیتھولک اور لیڈی جین گرے کا نو روزہ دور حکومت

1543ء میں ہنری ہشتم کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا ایڈورڈ ششم جانشین ہوا۔ اس کی عمر صرف دس سال تھی۔ عملاً اقتدار اس کے ماموں ڈیوک آف سمرسٹ کے پاس تھا اور اس کی حکومت نے بھی پروٹسٹنٹزم کو سرکاری مسلک کے طور پر اپنایا تھا۔ کنٹربری کا آرچ بشپ ایک مسلمہ پروٹسٹنٹ تھا جس نے لوتھر کی طرح ہی شادی کر کے کیتھولک ازم سے قطع تعلق کر لیا۔

نوجوان ایڈورڈ ایک بیمار طبع انسان تھا جس کی صحت برابر نازک ہی رہی اور وہ 1553ء میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد ملک کے پروٹسٹنٹ چاہتے تھے کہ تاج ایک پروٹسٹنٹ خاتون لیڈی جین گرے کو مل جائے جو ہنری ہفتم کی نواسی اور ایک خاموش طبع پڑھی لکھی عورت تھی۔

اسے اس کے بے ایمان چچا ڈیوک آف نارتھمبر لینڈ نے اپنے بیٹے لارڈ گلفورڈ ڈوڈ ئے Lord Gilli Ford Dudley سے بیاہ دیا تھا تا کہ اگر وہ تاج و تخت سنبھالے تو اس کے نام پر اقتدار حاصل کیا جا سکے۔ اس خواہش میں لیڈی کا باپ بھی اس کا شریک تھا۔

6 جولائی 1553ء کو ایڈورڈ ششم کا انتقال ہوا اور 10 جولائی کو لیڈی جین گرے کے ملکہ بننے کا اعلان کر کے اسے تاج شاہی پہنا دیا گیا۔ مگر تخت و تاج کی دوسری دعویدار میری Mary کے حمائتی زیادہ طاقتور تھے انہوں نے صرف 9 دن تک لیڈی جین گرے کو ملکہ انگلستان رہنے دیا اور 19 جولائی کو بے چاری ملکہ کو ٹاور کے قید خانے پہنچا دیا۔ میری جو ایڈورڈ ششم کی بڑی بہن تھی انگلستان میں تخت نشین ہو گئی۔ میری نے لیڈی جین، اس کے والد لارڈ آف سفوک اور اس کے خاوند پر مقدمہ چلایا۔ جب کہ اس کا چالاک چچا صاف بچ نکلا۔ بعد ازاں اس کے والد کو بھی معاف کر دیا گیا مگر لیڈی جین گرے اور اس کے خاوند کو موت کی سزا سنائی گئی۔ پہلے لیڈی جین گرے کی سزائے موت کے فیصلے پر عملدرآمد روک دیا گیا تھا مگر جب فروری 1554ء میں اس کا باپ لارڈ آف سفوک ایک اور بغاوت میں ملوث پایا گیا جو میری کی حکومت کے خلاف سر تھامس ویاٹ Sir Thomas Wyat نے کی تھی، تو 12 فروری 1554ء کو لیڈی جین گرے اور اس کے خاوند کی گردن مار دی گئی جب کہ اس کے گیارہ دن بعد اس کے باپ کو بھی بغاوت کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔

میری ٹیوڈور کیتھولک ازم کی پرستار تھی اس نے تخت نشین ہوتے ہی انگلستان میں ایک بار پھر کیتھولک ازم کا احیا کر دیا اور کلیسا سے وہ تمام اصلاحات ختم کر دی جو ہنری ہفتم اور ہنری ہشتم

Scanned with CamScanner

نے پروٹسٹنٹ ازم کے بول بولا کے لیے کیں تھیں۔

میری کیتھولک ملکہ بنی تو سب سے پہلے اس کی شادی کا سوال اٹھا۔ میری نے پوری انگریز قوم کے احتجاج کے باوجود اسپین کے بادشاہ فلپ سے شادی کر لی۔ چونکہ اس زمانے میں اسپین اور انگلستان میں مخاصمت تھی لہٰذا اس شادی سے انگلستان کے عوام خصوصاً پروٹسٹنٹ متنفر ہو گئے۔ میری نے مزید کیتھولک ازم کا احیا کرتے ہوئے ان شادی شدہ پادریوں کو ان کی بیویاں چھوڑ دینے کا حکم دیا تا کہ وہ کیتھولک ازم کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اگر وہ پہلے حکم پر عملدرآمد نہ کر سکیں تو پھر ملک چھوڑ دیں الحاد کے خلاف تمام متروکہ کیتھولک قوانین کا احیاء کر دیا گیا جس سے میری کے مختصر سے عہد حکومت میں 300 سے زائد سرکردہ پروٹسٹنٹ راہنما عدالت احتساب نے زندہ جلوا دیئے۔ ان میں چرچ انگلستان کا اسقف اعظم کرنیمر، نکولس رائیڈلے اور لیٹمر Latimer جیسے راہنما اور اہم لوگ بھی شامل تھے۔ اتنے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگ لینے کی وجہ سے ملکہ میری اول تاریخ انگلستان میں ''خونی میری'' کے نام سے مشہور ہے۔

Scanned with CamScanner

1554ء۔ پری رئیس کے سائنسی مشاہدات

سولہویں صدی میں یورپی اقوام نے علوم و سائنس میں جو ترقی کی وہ فقید المثال ہے۔ لیکن اس صدی تک مسلمانوں کے خرمن میں بھی ایسی چنگاریاں موجود تھیں جو عالم اسلام کو منور کیئے ہوئے تھیں۔ ایسی ہی ایک منور شخصیت پری رئیس کی ہے جسے سلیمان عالیشان نے جنوبی سمندروں کا امیر البحر مقرر کیا تھا اور جو علوم البحر کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر جغرافیہ دان بھی تھا۔

پری رئیس کا اصل نام محی الدین تھا۔ وہ ترکی کے یورپی شہر گیلی پولی میں پیدا ہوا اور اس نے 1554ء میں مصر میں وفات پائی۔ اس کے خاص موضوعات جغرافیہ اور بحری نقشہ کشی تھی۔ پری رئیس ایک عرصہ تک مشہور مسلمان امیر البحر خیر الدین باربروسہ کی ملازمت میں رہا۔ 1517ء میں پری رئیس کو چند ایسے بحری جہازوں کی کمان سونپ دی گئی جو مصر کے خلاف ایک عثمانی مہم میں حصہ لے رہے تھے۔ اسی مہم کے دوران پری نے سکندریہ کو فتح کیا۔ جس کے نتیجے میں اسکی رسائی سلیم اول کے دربار تک ہوگئی۔ فتح مصر کے بعد پری رئیس گیلی پولی واپس لوٹ آیا اور اس نے اپنی کتاب ''البحریہ'' لکھنی شروع کردی۔ اسی دوران مصر میں دوبارہ خلقشار پیدا ہوا تو پری کو ایک بار پھر مصر جانا پڑا۔ اس بار مصر جاتے ہوئے اس کے بحری جہاز طوفان میں گھر گئے۔ جس کے باعث اسے ایک ماہ تک جزیرہ روڈس میں رکنا پڑا۔ اس دوران پری رئیس بار بار اپنی کتاب کو مکمل کرنے میں مصروف رہا۔ ابراہیم پاشا جو اس کے ساتھ تھا اس نے اس کا شوق دیکھتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اسے اپنی کتاب مکمل کرنے کی اجازت دی اور پھر کتاب کی تکمیل پر وہ سلطان کی خدمت میں پیش کردی گئی۔ سلطان نے اس کی تصنیف کو سراہتے ہوئے 1526ء میں اسے جنوبی سمندروں کا امیر البحر مقرر کردیا۔

1929ء میں طوپ قپو کے عجائب گھر سے سولہویں صدی کے ایک نقشے کا ٹکڑا دریافت ہوا۔ اس نقشے میں جزیرہ نمائے ہسپانیہ، شمالی افریقہ کا مغربی نکلا ہوا حصہ، بحر اوقیانوس کے ساتھ ساتھ جزائر سواحل امریکہ بھی ظاہر کیئے گئے ہیں۔ اس کو ہرن کی کھال پر بڑی احتیاط سے بنایا گیا ہے۔ اس میں رنگین تصاویر اور حاشیے پر ملکوں، قوموں، جانوروں اور نباتات کے بارے میں اہم معلومات درج ہیں۔ اس نقشے پر ثبت دستخطوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ 1513ء میں پری رئیس نے بنایا تھا۔ اور سلطان سلیم اول کی خدمت میں 1517ء میں پیش کیا تھا۔

یہ نقشہ بندرگاہوں کا ایک چارٹ ہے، یہ ڈیزائن سادہ سمجھا گیا اور اس کی کوئی ریاضیاتی

Scanned with CamScanner

اساس نہیں ہے۔ اس پر طول بلد اور عرض بلد ظاہر نہیں کیئے گئے۔ اس کے بجائے بعض مراکز سے کچھ خطوط کھینچے گئے ہیں۔ اس نقشہ کے بارے میں ریاضیاتی مفروضہ غلط قائم کیا گیا تھا۔ اس کے وجود کی دلیل بحر اوقیانوس میں پانچ تعطیلی مراکز کی موجودگی سے ظاہر کی گئی ہے۔ حاشیے میں پری رئیس نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ نقشہ تقریباً بیس نقشوں کی مدد سے بنایا ہے۔ ان میں سے آٹھ نقشے ایسے تھے جو سکندر اعظم کے زمانے میں تیار کیئے گئے تھے۔ چار نقشے پرتگالی مہم جوؤں کے تیار کردہ تھے اور ان میں وہ دریافتیں دکھائی گئیں تھیں جو 1508ء سے قبل جنوبی امریکہ کے ساحل پر ویسپی Vespucci اور دیگر جہاز رانوں نے کیں تھیں۔ ایک نقشہ کسی ہندوستانی ملاح کا تیار کردہ تھا جو کولمبس کے استعمال میں رہ چکا تھا۔ یہ آخری نقشہ پری کے قبضے میں اس وقت آیا جب 1501ء میں بحیرہ روم کے مغربی حصے میں ہسپانویوں سے جنگ لڑی گئی تھی۔

پری کے نقشے پر وہ تمام معلومات بھی درج ہیں جو کولمبس کے نقشے پر درج تھیں۔ مثال کے طور پر ترینیڈاڈ Tri Nidad کو کیلے راٹ لکھا گیا ہے، اسی طرح دیگر مقامات کے بھی وہ نام ہی درج ہیں جو کولمبس نے درج کیئے تھے۔

اپنے تمام مشاہدات کو پری رئیس نقشوں میں ظاہر نہ کر سکا۔ اس نے اپنے مزید مشاہدات کو اپنی کتاب "بحریہ" میں درج کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب ایک راہنما کتاب کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اس میں اہم ساحلی بحری راستوں کے بارے میں بنیادی معلومات دی گئیں ہیں، اس میں بڑے بڑے نقشے اور مختلف رنگوں میں مفصل چارٹ دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا زیادہ تر حصہ بحیرہ روم کے سواحل اور جزیروں کے لیے وقف ہے۔ کتاب کے اکیس باب ہیں۔ ابتدا میں مصنف نے تاریخی اور جغرافیائی معلومات اکٹھی کر دیں ہیں۔ اس کے بعد جہاز رانی کے عملی پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے اور تیسرے باب میں پری نے کتاب کی تصنیف کا مقصد بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنی بحری زندگی کی تفصیلات مہیا کیں ہیں۔ باب پنجم تک طوفانوں، ہواؤں اور کمپاس کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ یہاں تک کہ اہل یورپ کے بحری اکتشافات کا بھی ذکر موجود ہے۔

مآخذ:

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، بذیل مادہ "پری رئیس۔ معروف مسلم سائنسدان صفحہ 1057۔

Scanned with CamScanner

1555ء۔ ہمایوں کی بازیافت ہندوستان

951ھ/1544ء میں شاہ ایران طہماسپ صفوی سے ہمایوں کی ملاقات ہوئی۔ شاہ ایران نے اپنے اس عظیم الشان مہمان کا اس کے شایان شان استقبال کیا اور بے حد خاطر تواضع کی۔ قیام ایران کے دوران شاہ طہماسپ صفوی کے درباریوں اور اس کے بھائی بہرام شاہ نے اختلاف مذہب کی آڑ لے کر ہمایوں کی مخالفت کی اور اسے ہمایوں سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی مگر ہمایوں کی نرم مزاجی اور فروتنی نے شاہ کو برگشتہ نہ ہونے دیا۔ دوسری طرف ہمایوں کی اہل بیت سے وابستگی اور محبت کی وجہ سے شاہ ایران ہمایوں کی امداد پر راضی ہوگیا۔ اس نے ہمایوں سے وعدہ لیا کہ ہندوستان میں برسر منبر دوازدہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا اور شیعہ مذہب کو ہر طرح تقویت پہنچائی جائے گی۔ اس وعدے کے بعد شاہ ایران نے ہمایوں کو دس ہزار سپاہیوں (سوار) اور بیس ہزار پیادوں پر مشتمل لشکر فراہم کیا۔ ہمایوں نے سب سے پہلے خراسان میں واقع گرم سیر کے قلعوں کو فتح کیا اور تبریز اور مشہد مقدس کے راستے قندھار کی راہ لی۔ قندھار پر عسکری مرزا کا قبضہ تھا۔

عسکری مرزا کو جب ہمایوں کی بمعہ افواج آمد کی خبر ملی تو اس نے شہزادے اکبر کو جو اس نامہربان چچا کے پاس یرغمال تھا کابل کامران مرزا کے پاس بھجوادیا۔ ہمایوں نے قندھار فتح کر کے بیرم خان کو وہاں کا گورنر بنادیا اور خود کابل روانہ ہوا۔ جب ہمایوں کابل کے دروازوں پر پہنچا تو کامران مرزا نے شہزادہ اکبر کو فصیل پر بیٹھادیا مگر جنگ کی آگ میں شہزادے کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ مرزا کامران اپنی جان بچا کر غزنی بھاگ گیا۔ بھائیوں کا فتنہ دبانے کے بعد ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کا عزم کیا۔ بیرم خان نے بادشاہ کے ساتھ ہمرکاب رہنے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی۔

کابل میں شہزادہ حکیم مرزا اور منعم خان کو چھوڑ کر ہمایوں نے دہلی کا رخ کیا۔ جب وہ پنجاب کے قریب پہنچا تو اس کی فوج میں صرف پندرہ ہزار سوار تھے۔ اس وقت اسے خبر ملی کے سکندر شاہ سوری مقابلے کے لیے آرہا ہے۔ دوسری طرح عدلی کا گماشتہ ہیموں بقال ایک لاکھ سوار لے کر ہمایوں کے مقابلے پر نکلا اس کے لشکر میں دو ہزار ہاتھی بھی شامل تھے۔ مگر دشمن کی اس کثرت سے ہمایوں کے عزم میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہ آئی۔ اس نے پیشقدمی کرتے ہوئے ملتان اور پنجاب کے درمیان شیر شاہ کے بنائے ہوئے قلعہ رہتاس پر قبضہ کرلیا پھر دیبال پور اور دیگر شہروں پر فوج کشی

Scanned with CamScanner

کی۔

جب عسا کر ہمایوں لاہور میں خیمہ زن ہوئے تو خبر ملی کہ سکندر شاہ کی طرف سے تاتار خان اور ہیبت خاں چالیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہمایوں نے ان کے مقابلے پر بیرم خان کو بھیجا۔ تقدیر مہربان تھی کہ بیرم خان کی ایک ہی تدبیر سے یہ معرکہ سر ہو گیا۔ بیرم نے اس جنگ کے دوران دشمن پر ایک شب خون مارا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔

اب سکندر شاہ سوری خود اسی ہزار فوج اور بے شمار ہاتھی لے کر مقابلے پر آیا۔ ہمایوں نے لاہور سے نکل کر کیمپ لگایا۔ سکندر شاہ سرہند تک آ چکا تھا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ چغتائی بہادروں نے بڑی جانشانی دکھائی اور اس بے جگری سے لڑے کہ میدان کارزار لاشوں سے ہٹ گیا۔ پٹھان شکست کھا کر بھاگے اور بے شمار گرفتار ہوئے۔ سکندر شاہ سوری شکست کھا کر سوالک کے پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ ہمایوں نے بیرم کو سکندر کے تعاقب پر مامور کیا۔ اس کے بعد جب ہیموں کو اس فتح کی خبر ملی تو وہ مشرقی علاقوں کی طرف پسپاہ ہو گیا اور ہمایوں پر ہندوستان کے تمام دروازے کھل گئے۔

ہمایوں ماہ رمضان المبارک 962ھ/1555ء میں دہلی میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اس عرصہ میں ملک کا سارا نظم و نسق بگڑ چکا تھا۔ ہمایوں نے از سر نو سارے انتظام مکمل کرائے۔ ابوالمعالی کو پنجاب کا صوبہ دار مقرر کیا اور آگرہ میں سکندر خان ازبک کو گورنر مقرر کیا گیا۔ سنبھل اور میرٹھ کا بندوبست علی قلی کے سپرد کیا گیا۔

دہلی کے انصرام مکمل کرنے کے بعد ہمایوں آگرہ جانا چاہتا تھا مگر موت دروازے پر کھڑی تھی۔ 5 ربیع الاول 962ھ کو مغرب کے وقت ہمایوں اذان سننے کے لیے اپنے کتب خانے کی چھت پر چڑھا مگر اس کا پاؤں سیڑھیوں پر پھسل گیا اور وہ بلند زینے سے لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ اسے سخت چوٹیں آئیں جن سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور گیارہ ربیع الاول 962ھ بمطابق 28 جنوری 1556ء کو خانوادہ بابری کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ہمایوں کی تاریخ وفات "ہمایوں بادشاہ از بام برما فتاد" سے نکالی گئی اور اسے دہلی میں دفن کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ ہمایوں احکام شرعی اور امر و نواہی کا بڑا پابند تھا۔ کبھی بے وضو نام خدا زبان پر نہ لاتا تھا۔ ایک علم دوست اور بڑا مرتبہ شناس انسان تھا۔

مآخذ:

منتخب اللباب جلد اول، طبقات اکبری۔

Scanned with CamScanner

1555ء۔ نشاۃ ثانیہ کے لاطینی مصور اور ان کا فن مصوری

یورپ کا دور احیاء العلوم فنون کی تاریخ میں واقعی ایک عظیم الشان دور تھا۔ دور احیاء علوم یا نشاۃ ثانیہ کی اصطلاح چودھویں صدی سے سولھویں صدی عیسوی تک کے دور کے لیے مستعمل ہے۔ لیکن اکثر اس اصطلاح سے مراد اٹلی میں پیدا ہونے والی ثقافتی اور علمی تحریکیں لی جاتی ہیں۔ اٹلی میں اس تحریک کو پندرہوں اور سولھویں صدی میں عروج حاصل ہوا۔ اطالوی نشاۃ ثانیہ کے بصری فنون میں مصوری ایک اہم فن ہے۔ فن مصوری کی اہم شخصیات میں چند بڑے نام، رافائیل Raphael (1483ء۔ 1520ء) ، مائیکل اینجلو (1475ء۔ 1519ء) ، لیونارڈو (1452ء۔ 1519ء) جیوٹو، فرا اینجلیکو ٹیٹیاں اور ٹینوریٹو Tinoretio تھے۔

دور احیاء علوم کے مصور مذہبی اور سیکولر ملی جلی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ ان کے لیے دونوں موضوع اہم تھے وہ دونوں موضوعات میں اپنے پیش نظر فنی کمالات میں جوہر دکھاتے تھے۔ یہ فرض کرلینا تاریخی اعتبار سے بالکل غلط ہے کہ ازمنۂ سطی میں فنون لطیفہ مقدس تھے اور دور احیاء علوم میں غیر مقدس بن گئے۔ جیسا کہ ازمنہ وسطی کے فنون میں بھی سیکولر ازم موجود تھا۔ اگر چہ زیادہ غلبہ اس وقت کے مذہبی تصورات کو حاصل تھا۔ دور احیائے علوم کے مصور بھی بار بار حضرت مریم، ولادت مسیح، واقعہ صلیب، عید استقبال مریم اور اس قسم کے دیگر مذہبی موضوعات پر تصویریں بناتے رہے، لیکن ان کی تعبیر انہوں نے اپنے طریقے پر کرلی تھی۔ خواہ وہ حقیقت پسندی پر مبنی ہو یا ڈرامائی حیثیت پر، اسے تقدس کا نتیجہ سمجھا جائے یا زہد و عرفان کا البتہ وہ کلاسیکی اساطیر میں سے مختلف مناظر پر اپنی صلاحیتیں صرف کرتے تھے پھر اپنے ہم عصروں کی تصویریں بھی بناتے تھے اور ان موضوعات کو بھی پیش نظر رکھتے تھے، جو مسیحی روایات سے دور افتادہ تھے، دور احیائے علوم میں تنوع کی ایسی فیصلہ کن شہادتیں کسی جگہ نہ مل سکیں جیسی بڑے بڑے مصوروں میں ملتی ہیں۔

دور احیائے علوم میں ایک ابہام عہد بت پرستی کی تصویروں اور کلاسیکی تصویروں کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ ابتداء میں مصوروں کا قاعدہ تھا کہ مشتری اور زہرہ کی افسانوی شکلوں کو اولمپائی منظر سے الگ کرکے کسی امیر یا کسی بیگم کی شکل میں پیش کردیتے۔ ان میں تاریخی موزونیت کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا۔ بعد کے مصوروں نے ایسی تصویروں کا بے سراپن محسوس کیا۔ لہٰذا انہوں نے دیوتاؤں اور دیویوں کو ان کے مناسب کلاسیکی ماحول میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ بعض اوقات وہ بت پرستوں کے عام طریقے کے مطابق انہیں لباس کے بغیر ہی پیش کردیتے، لیکن اس بے ستری بلکہ برہنگی

Scanned with CamScanner

وغیرہ کے باوجود کبھی بت پرستی کا غلبہ نظر نہیں آیا، یعنی یہ کبھی نہیں ہوا کہ ان تصویروں سے جسمانی خوبیوں کی نمائش پر زور دیا گیا ہو اور آئندہ کے محاسن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ دور احیاء علوم کے بڑے بڑے فن کاروں نے کلاسیکی قدامت سے محبت کو اعلیٰ درجہ پر کبھی نہ پہنچایا۔ جس کی گونج ہمیں زیادہ پرجوش ہیومونسٹوں کے ہاں سنائی دیتی ہے۔

سولہویں صدی کا ایک معروف اطالوی مصور ٹینوریٹو تھا جس کا اصل نام جیکو پورابسٹی Jaco Porqbusti تھا لیکن اسے اس کے عرف عام نام ''ٹینوریٹو'' کے نام سے پکارا جاتا تھا جس کا مطلب ''چھوٹا انگساز بنتا ہے۔ اس کا والد چونکہ ایک رنگ ساز تھا اسی نسبت سے اسے یہ نام دیا گیا تھا۔ ٹینوریٹو نے مصوری کی ابتدائی تعلیم مشہور زمانہ مصور ٹیٹین Titian سے حاصل کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیٹین نے ٹنوریٹو سے حسد رکھتے ہوئے اسے اپنے اسٹوڈیو سے نکال دیا تھا۔ جس کے بعد ٹینوریٹو نے مصوری میں مہارت ذاتی تجربات کی بنیاد پر حاصل کی اور صرف اکیس سال کی عمر میں اپنا ایک الگ اسٹوڈیو قائم کر کے دکھایا۔

ٹینوریٹو کی شہرت کا دارومدار ان تصاویر پر ہے جن میں اس نے انجیل مقدس میں مندرج متعدد واقعات کو ڈرامائی انداز میں نقش کیا ہے۔ اس کی سب سے مشہور تصویر ''سینٹ مارک ایک غلام کو بچاتے ہوئے'' St. Mark Rescuing A Slave۔ جو اس نے 1548ء میں تخلیق کی تھی۔ اس تصویر میں چونکہ غلام کو برہنہ دکھایا گیا تھا۔ اس لیے اس زمانے میں کئی مذہبی حلقوں نے اس پر اعتراض کیا، لیکن آہستہ آہستہ پھر اس تصویر میں پیش کیئے گئے مصورانہ انداز ان اعتراضات پر فوقیت حاصل کر لی۔ 1555ء میں ٹینوریٹو نے اپنی مشہور تصویر ''سینٹ جارج اور اژدھا'' قرطاس پر اتاری۔ یہ تصویر اس کی تخلیق کردہ تصویروں میں اہم ترین ہے۔ اور اس کے شاہکاروں میں ایک بڑا شاہکار تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ تصویر آج کل وینس کے ڈوکل محل میں آویزاں ہے اور 74x34 فٹ وسیع ہے۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول صفحہ 519۔ یورپ کی بیداری ترجمہ جواد ناصر۔

Scanned with CamScanner

1556ء۔ اکبر اعظم کی تخت نشینی اور پانی پت کی دوسری جنگ

اکبر اعظم کا شمار دنیا کے عظیم فاتح بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد اگرچہ ظہیر الدین بابر نے کی تھی۔ مگر اس سلطنت کا صحیح معنی میں قیام و استحکام جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہی کا کارنامہ ہے۔

ہمایوں نے سلطنت ہندوستان کھو کر دوبارہ پالی تھی مگر موت نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ اس سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر سکے۔ اس کی وفات پر سلطنت مغلیہ پنجاب دہلی و آگرہ تک محدود تھی۔ اکبر کی تخت نشینی کے بعد اسے وسعت ملی اور صرف چھ سال بعد یہ ہندوستان کے ایک بڑے حصے اور کابل و قندھار تک قائم ہوگئی۔ لیکن نوجوان اکبر پھر بھی چین سے نہیں بیٹھا اور اگلے چودہ سال اس نے مزید جنگ و جدول میں بسر کیئے اور پورے شمالی ہندوستان کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے دم لیا۔ ہمایوں کی رحلت کی خبر ملنے کے بعد بیرم خاں اور دیگر امرائے دربار نے قصبہ کلانور میں اکبر کو تخت شاہی پر بٹھا دیا۔ اور 14 فروری 1556ء کو اس کی باقاعدہ تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ اس وقت اکبر کی عمر صرف 13 سال تھی اور وہ ابھی کم سن تھا۔ خاں خاناں بیرم خان چغتائی حکمرانوں کا وفادار تھا اور سفر ایران میں بھی ہمایوں کے ساتھ رہا تھا۔ اب اکبر کی کم سنی کی وجہ سے وہ سلطنت کے تمام اختیارات اور معاملات کا مختار کل بنا دیا گیا۔

ہندوستان میں یہ عہد طوائف الملوکی کا عہد تھا۔ لودھی، سوری آپس میں دست و گریبان تھے۔ جس کو جہاں موقع مل جاتا وہاں اپنی حکومت قائم کر لیتا۔ سوری افغان جو دہلی و آگرہ سے شکستیں کھا کر راہ فرار اختیار کر رہے تھے مقدر آزمائی کے لیے واپس پلٹ آئے۔ ایسے آڑے وقت میں ہمایوں کے معتمد خاص بیرم خاں کی عالی ہمتی کام آئی اور تقریباً تمام میدانوں میں اس کی حکمت عملی کی وجہ سے فتح مغلوں کا مقدر بنی۔

مغل لشکر ابھی سکندر شاہ سوری کے استیصال سے فارغ نہ ہوا تھا کہ عادل شاہ سوری کے ہندو وزیر ہیمو بقال نے آگرہ و دہلی پر قبضہ کر لیا۔ دارالحکومت پر قبضہ کے بعد ہیموں نے اطراف و اکناف میں اپنی عمل داری قائم کی۔ جب وہ آگرہ سے دہلی فتح کرنے کے لیے نکلا تھا تو اس کے ساتھ پچاس ہزار سوار تھے، دہلی کی فتح کے بعد اس کی رکاب میں فوج کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ اس عظیم الشان لشکر کے ساتھ وہ راجہ بکر ماجیت کا لقب اختیار کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔ اس کا عزم تھا کہ وہ غیر ملکی مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال دے۔ ہیموں کی پیش قدمی کی خبریں اکبر نے

Scanned with CamScanner

جالندھر میں سنیں مگر وہ سکندر شاہ سوری کے سرداروں کی سرکوبی میں مصروف رہا۔ اس کے بعد اس نے نگر کوٹ کے راجہ رام چند کو اطاعت پر مجبور کیا۔ اسی دوران کابل سے خبر آئی کہ اکبر کے چچازاد بھائی مرزا سلیمان نے ایک بڑی فوج کے ساتھ کابل پر حملہ کر دیا۔ چاروں طرف سے تشویش ناک حالات کو دیکھتے ہوئے اکبر نے ان سے نمٹنے کے لیے بیرم خاں پر مزید اعتماد کرتے ہوئے سلطنت کے تمام امور اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اکبر خود ہیمو بقال کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی فوج کے ہراول دستے نے جس کی قیادت علی قلی خاں شیبانی کر رہا تھا۔ ہیمو کے ہراول دستے پر پانی پت ہی میں حملہ کر دیا اور دشمن کو شکست دے کر اس کے پورے توپ خانے پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح یہ چھوٹی سی فتح آئندہ کی فتح عظیم کا پیش خیمہ بن گئی۔

جب ہیموں کو اپنے ہراول دستے کی شکست کی اطلاع ملی تو وہ اپنا لشکر لے کر پانی پت کی طرف بڑھا۔ اس کی فوج کے آگے آگے پانسو منتخب لڑاکا ہاتھی اور ان کے پیچھے توپخانہ تھا۔ عقب میں جہاں تک نظر جاتی زرہ پوشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اس نے پانی پت پہنچ کر اپنے سرداروں میں یہ ہاتھی تقسیم کر دیئے تاکہ اس کے سردار ہاتھیوں پر سوار ہو کر میدان جنگ پہنچیں اور مغل مرعوب ہو جائیں۔ 10 محرم الحرام 964ھ / بمطابق 5 نومبر 1556ء کو پانی پت کے میدان میں مغلوں کی تاریخ میں دوسری بار معرکہ کارزار گرم ہوا۔ طرفین کے تجربہ کار بہادر جنگجوؤں نے نہایت بہادری سے مردانگی کے جوہر دکھائے۔ یہ ہنگامہ ور جنگ برپا تھا کہ تقدیر نے یاوری کی اور تیموری لشکر کے کسی تیر انداز نے تیر کمان سے ایسا تاک کر چھوڑا کہ سیدھا ہیموں کی آنکھ میں لگا اور اس کی آنکھ کی یہ سرخی افغانوں کی تیرہ بختی بن گئی۔ وہ تیر لگنے کے بعد گرا اور مغلوں کی قید میں آ گیا۔ اس کے ہاتھی کو علی قلی خاں نے پہچان لیا تھا۔ ہیموں کے گرتے ہی تمام افغان راجپوت اور میواتی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے ہاتھی اور دیگر مال و اسباب مغلوں کے قبضے میں آ گیا۔ ہاتھی اور توپخانہ تو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ باقی مال و اسباب سپاہیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ بیرم خاں نے ہیموں بقال کو خود اکبر کے ہاتھ سے قتل کرایا۔ پانی پت کی یہ جنگ مغلوں کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی جنگ میں فتح یاب ہو کر وہ ہندوستان پر 1857ء تک حکومت کر سکے بصورت دیگر وہ 1556ء ہی میں ہندوستان سے نکال دیئے جاتے۔

Scanned with CamScanner

1558ء۔ ملکہ ایلزبتھ اول کی تخت نشینی اور اس کا عہد

17 نومبر 1558ء کو انگلستان کی کیتھولک ٹیوڈور ملکہ میری کا اچانک انتقال ہوگیا اور ایلزبتھ جو اس کی چھوٹی اور سوتیلی بہن تھی صرف پچیس برس کی عمر میں ملکہ انگلستان قرار پائی۔ ملکہ ایلزبتھ کا دور حکومت انگلستان کی تاریخ میں سنہرا عہد مانا جاتا ہے۔

خاندانی پس منظر کی وجہ سے یہ بات ناقابل یقین ہے کہ ایلزبتھ پیدا ہوئی تو اس کے باپ ہنری ہشتم نے اس کی ماں این بولین Ann Boleyn کو سزائے موت دے دی اور خود ایلزبتھ کو اس کی غیر قانونی اولاد قرار دیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو اس کی سوتیلی بہن میری تخت انگلستان پر بیٹھی۔ کئی لوگوں نے ایلزبتھ کو اسکے خلاف محلاتی سازشوں میں ملوث کرنا چاہا۔ مگر وہ ان سازشیوں کا آلہ کار نہ بنی۔ دوسری طرف میری کی سخت گیر کیتھولک حکومت کے دوران ایلزبتھ ملک کے پروٹسٹنٹ عوام کی امید بن گئی خاص طور پر اس وقت جب میری نے ہسپانوی کیتھولک بادشاہ فلپ دوم سے شادی کا ارادہ کیا۔ میری کی شادی پر جو ہنگامہ بپا ہوا گو اس میں ایلزبتھ کا کوئی ہاتھ نہیں تھا مگر پھر بھی اسے لندن کی مشہور جیل ٹاور میں قید کر دیا گیا۔ بعدازاں وہ اپنے ٹھنڈے مزاج کی وجہ سے رہا ہوئی مگر وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو چکی تھی۔ وہ میری کے دربار میں واپس آئی مگر اس احساس کے ساتھ کے اس کی چھوٹی سی لغزش بھی اسے تخت الشری میں پہنچا دے گی، وہ بھی اس جگہ جہاں کچھ عرصہ پہلے اس کے ماں نے جلاد کے آگے سر جھکایا تھا۔

پھر اچانک اس کے سر سے فکروں کا بادل اٹھ گیا اور میری نے وفات پائی۔ ایلزبتھ نے جب تاج و تخت سنبھالا تو انگلستان کے چالیس لاکھ لوگوں کی حالت بہت خستہ و خراب تھی، ملکی تجارت خسارے میں جا رہی تھی۔ فوج کمزور پڑ چکی تھی، خزانہ خالی تھا، ملکہ میری کے مظالم کی وجہ سے پروٹسٹنٹ رعایا کا برا حال تھا۔

ایلزبتھ کے ہم عصر یہ سمجھتے تھے کہ یہ دراز قد نوجوان عورت جس کے سرخی مائل سنہرے بال، سیاہ غزالی آنکھیں اور رنگت ملائم پیلی ہے۔ اور انداز و اطوار پر کشش ہیں۔ ان قومی مسائل کو سلجھی انداز میں لے گی اور پھر وہ عورت بھی تو ہے جو حکومت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے کمزور ہے۔ مگر ایلزبتھ نے اپنی ذہانت و لیاقت، بحرانوں سے ٹکرانے والے حوصلے سے لوگوں کو حیران کر دیا۔ وہ منظر عام پر آئی تو شاہانہ طمطراق کا خیال رکھتی۔ دوستوں کے بارے میں تو کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ عوام اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس نے شادی عمر بھر نہیں کی اس لیے اس

Scanned with CamScanner

کے بارے میں بہت سی افواہیں پھیل گئیں جن کی کوئی توجیہہ طبی اور نفسیاتی نقطہ نظر سے نہیں کی جاسکتی۔ حکومت کے ابتدائی دور میں اس نے ملکی اور غیر ملکی خواہشمندان عقد کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا اور اس طرح اپنی خارجہ حکمت عملی کے لیے عمدہ نتائج پیدا کر لیے اور اس کی خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ جنگ کے خطرات و مصارف سے بچا جائے اور کچھ صرف کیے بغیر ہو حاصل کر لے۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا شادی نہ کرنا ابتداء میں محض حکومت کی مصلحت کا تقاضا تھا پھر وہ آخری عمر تک اسی مسلک پر قائم رہی۔ لرے جیسے قابل وزیروں کے ماتحت اس کی حکومت بڑے نظم و ضبط سے جاری رہی۔ ڈپلومیسی سے کام لے کر فرانس اور ہالینڈ کو ہسپانیہ کے خلاف استعمال کیا گیا اور فلپ سے براہ راست مقابلہ 1588ء تک ملتوی رہا۔ ایلزبتھ نے میری آف اسکاٹ لینڈ کو قید کر لیا تھا۔ میری چونکہ ایلزبتھ کے بعد تاج انگلستان کی وارث بھی تھی اس لیے وہ ایلزبتھ کے خلاف منصوبے بنانے والے افراد کے لیے امید کی کرن تھی اس لیے مروانا ضروری تھا۔ قسمت سے ایک سازش پکڑی گئی جس میں میری ملوث تھی لہٰذا اسے سزائے موت دے دی گئی۔

ایلزبتھ کے عہد کا نازک ترین دور وہ تھا جب ہسپانیہ کے بحری بیڑے آرمیڈا نے انگلستان پر حملہ کیا۔ اس عظیم الشان بحری بیڑے کی شکست ملک کی سب سے بڑی فتح تھی۔ تاہم ایلزبتھ کا بڑھاپا کامل اطمینان سے نہیں گزرا۔ آئرلینڈ کے عوام پر انگلستان کے وہ بڑے بڑے زمیندار امراء و حکمران جنہیں عوام کے حالات میں قطعاً آگاہی اور دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے آئرلینڈ کی آزادی کی جدوجہد شروع ہوگئی جو ملکہ کے لیے دردسر بنی۔ یہ بغاوت بڑی خونریزی سے دبادی گئی۔ ایلزبتھ کا دور امن کا دور نہیں تھا۔ اس میں جنگیں بھی ہوئیں اور بغاوتیں بھی مگر ایلزبتھ اول کے عہد میں انگریزی ثقافت نے بہت فروغ پایا۔ شیکسپیئر، سپینسر، فرانسس بیکن اور سر والٹر ریلے جیسے لوگ اسی عہد میں ہوگزرے۔ اس دور کے انگلستان میں مصوری، مجسمہ تراشی اور دیگر فنون لطیفہ اور موسیقی نے بھی ترقی کی ایلزبتھ کے عہد کے اشراف و خواتین عشقیہ نظمیں گاتے تھے اور ستار بجاتے تھے ایلزبتھ کے عہد کے خواتین و حضرات وہی لباس پہننا پسند کرتے جو یورپی ثقافت کے مرکز یعنی اطالیہ میں مروج تھا۔ تاہم ایک چیز کا ذکر ضروری ہے کہ انگلستان موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ کی کوئی بڑی سرزمین نہیں تھی۔ ایلزبتھ کے عہد کے انگلستان کی عظمت سر فرانس ڈریک، جم ہاکنس، ولٹر، سر ٹامس مور جیسے عظیم لوگوں کی تصانیف میں موجود ہے۔

بہرحال عہد ایلزبتھ کے بارے میں ثقافت بیان کرنے کی کوششیں مختلف ہوسکتیں ہیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ عہد ایلزبتھ کے انگریز اچھے محب وطن تھے اور انگلستان نے دنیا میں پہلے جو کامیابی حاصل کی اس کے نشے میں مخمور وہ اپنے ملک کے شیدائی تھے۔ یہاں ہم شیکسپیئر سے ایک نہایت

Scanned with CamScanner

مشہور اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جو انگریزوں کے اس دور احیاء علوم کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس میں یونانی، رومی اساطیر کے متعلق تلمیح بھی موجود ہے۔ جو اس دور کو نشاۃ ثانیہ بناتی ہے۔

"یہ بادشاہوں کی تخت گاہ، یہ عالی قدر جزیرہ یہ عظمت کی سرزمین،۔۔۔ یہ مریخ کا مقام یہ دوسرا عدن، یہ نصف بہشت۔۔۔۔ یہ حصار، جو قدرت نے خود اپنے لیے بنایا۔۔۔۔ تاکہ ہر برے اثر اور جنگ کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ انسانوں کے لیے خوش باش نسل، یہ چھوٹی سی دنیا۔۔۔۔ یہ بیش قیمت ہیرا، جو روپہلے سمندر میں جڑا ہوا ہے۔ وہ سمندر جو اس کے لیے فصیل کا کام انجام دیتا ہے۔۔۔۔ یا اسے اس کی حفاظتی خندق کی حیثیت حاصل ہے۔ ان سرزمینوں کے مقابلے میں، جنہیں قدرت سے شادمانیاں نہیں ملتی یہ مقدس خطہ یہ زمین، یہ سلطنت یہ انگلستان۔"

(شیکسپیئر)

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول۔ 1000 Great Events

Scanned with CamScanner

1562ء۔ غلاموں کی تجارت اور جان ہاکس

دنیا کی قدیم اقوام مثلاً یونانیوں اور رومیوں کے ہاں بھی غلامی کا رواج تھا اور اسے ایک قانونی طریقے کا درجہ حاصل تھا۔ غلام جنگ میں پکڑے جانے والے قیدی ہوتے تھے یا وہ جنہیں غلامی کا کاروبار کرنے والے دوسرے علاقے سے اغوا کر کے یا زبردستی پکڑ کر فروخت کرتے تھے۔ تاریخ انسانی میں جب ایک مرتبہ غلامی جیسی لعنت کا ادارہ قائم ہوگیا تو ہر دور کے مذاہب اور اخلاقی اقدار نے اس کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اس کے وجود کو انسانی ضرورتوں کے لیے مباح قرار دیا۔ اگرچہ اسلام میں بھی یہ ادارہ قائم رہا مگر نبی اکرمؐ نے غلاموں سے حسن سلوک کی تاکید کی جس کا نتیجہ تھا کہ عالم اسلام میں اکثر بادشاہوں کے خاندان غلاموں سے وجود میں آئے جیسے ہندوستان کے غلام خاندان اگرچہ غلامی ایشیاء یورپ اور امریکہ ہر براعظم میں قائم رہی مگر دنیا میں سب سے زیادہ غلامی کی اذیت سے دوچار ہونے والا براعظم افریقہ ہی رہا۔ ابتداء ہی سے افریقی غلاموں کی مانگ دنیا بھر میں رہی۔ لیکن افریقیوں کا بحیثیت غلام سب سے زیادہ استحصال یورپی اقوام نے کیا۔ ان یورپی اقوام میں پرتگیز، ہسپانوی اور ولندیزی سرفہرست ہیں۔ ان اقوام کے بعد انگریزوں کا نمبر آتا ہے۔ مگر انگریز غلاموں کی تجارت میں باقی سب یورپی قوموں کو پیچھے چھوڑ گئے اور انہوں نے اس شعبہ میں بربریت اور سفاکی کی انتہا کردی۔ انگریز قوم جو پہلا فرد غلاموں کی تجارت میں ملوث ہوا اس کا نام جان ہاکنس John Hawkins تھا۔ وہ 1562ء میں اسباب تجارت لے کر انگلستان سے افریقہ روانہ ہوا جہاں اس نے مال کے بدلے مال کے نظام تجارت کے ذریعہ اغوا شدہ حبشی باشندے خریدے جنہیں وہ اپنے ساتھ جہازوں میں بھر کر نئی دنیا لے گیا اور ہسپانیہ کی امریکی نوآبادیوں میں انہیں موتیوں، شکر اور ادرک کے بدلے میں بیچ دیا۔ ایک اور بحری سفر میں جان ہاکنس انگلستان کے سرکاری بحری بیڑے کی قیادت کر رہا تھا کہ اس کی مڈبھیڑ خلیج سان جان ڈی الوا Bay Of John De Ulua میں ہسپانوی بحری بیڑے سے ہوگئی۔ دونوں بحری بیڑے آپس میں الجھ گئے۔ اس بحری جھڑپ میں دو برطانوی جہاز غرق ہوئے۔ جان ہاکنس نے اس بحری جنگ میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اسی بہادری کے صلے میں اسے ملکہ ایلزبتھ اول نے شاہی بحریہ میں ایک کلیدی عہدہ پیش کیا، ہسپانیہ اور انگلستان میں یہ بحری مخاصمت بالآخر ہسپانوی بحری بیڑے آرمیڈ کے جمع کرنے کا سبب بنی۔

جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ دنیا کی تمام بڑی بڑی تہذیبوں میں غلامی کا رواج رہا ہے، یہ غلام

Scanned with CamScanner

جنگ میں پکڑے جانے والے قیدی ہوتے تھے یا وہ لوگ جنہیں غلامی کا کاروبار کرنے والے جیسے بعد کی یوروپی اقوام، دوسرے علاقوں سے اغوا کر کے یا زبردستی پکڑ کر فروخت کرتے تھے۔ غلام خریدنے والے لوگوں میں بادشاہوں سے لے کر امراء تک شامل ہوتے تھے۔ جو غلاموں کو اپنے گھریلو کاموں، اپنے حفاظتی دستوں اور کارخانوں اور کھیتوں میں استعمال کرتے تھے، یورپی اقوام کو امریکہ میں نو آبادیوں قائم کرنے کے بعد جب افرادی قوت کی قلت کا سامنا کرنا پڑا تو غلامی نے باقاعدہ ایک صنعت کی حیثیت اختیار کر لی اور تین سو سال سے زائد عرصہ تک زور و شور سے جاری رہی۔

غلامی کے خاتمہ کی تحریک بھی برطانیہ ہی سے شروع ہوئی۔ اس کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی ہمدردی اور جذبہ کارفرما تھا۔ اہل برطانیہ اور اہل یورپ صدیوں سے ہونے والے غلاموں کے ساتھ مظالم اور ناانصافیوں سے اس قدر متاثر ہوئے انہوں نے اس ادارے کے خاتمہ کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اس تحریک کو مزید تقویت مذہبی جماعتوں کی طرف سے ملی جو اسے عیسائیت کے خلاف سمجھتیں تھیں۔ بحرحال 1830ء تک غلامی کے خلاف کوئی تحریک برطانوی پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکی۔

Scanned with CamScanner

1562ء۔ ٹیٹین اور اس کا فن عروج پر

نشاۃ ثانیہ کا وہ مصور جس نے یورپ کے فن مصوری کو اگلے دو سو سال تک متاثر کیا، اس کا تعلق وینس سے ہے وہ تھا ٹیٹین Titian (1477ء۔ 1576ء) ٹیٹین اس عہد کے دوسرے فن کاروں کے مقابلے میں بعض اعتبار سے نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ اس کا معمول تھا کہ وہ ہر ماہ ایک تصویر تخلیق کرتا تھا۔ اور یہ سلسلہ تقریباً 80 سال جاری رہا۔ نوے برس کی طویل عمر پانے کے باوجود بھی اس میں جوانی کی ہنر مندی بڑی حد تک باقی تھی۔ ٹیٹین کا شمار وینس کے اساتذہ مصوری میں ہوتا ہے۔ وہ چارلس پنجم اور فلپ دوم جیسے عظیم فرمانرواں اسپین کے درباروں سے منسوب رہا۔ جو فرمائشیں اس سے کی جاتیں تھیں ان کے علاوہ بھی وہ خاصا کام کرتا رہا اور اس نے دو احیائے علوم میں جو تصویریں بنائیں ان کے اندر خاص کشش تھی۔ وینس میں اپنے کام کے آغاز پر ٹیٹین نے جرمن تاجروں کی نو آبادی کے مرکز میں تصویریں بنانے کا کام سنبھالا تھا۔ پھر وہ دولت مند تاجروں، قربان گاہوں، گرجوں اور خانقاہوں کے لیے مریم عذرا کی تصویریں بناتا رہا۔ حاکم وینس کے محل کے لیے اس نے میدان جنگ کی ایک تصویر بھی بنائی۔ جمہوریہ وینس نے اس کے لیے ایک اچھے مشاہرے کا عہدہ تجویز کر دیا۔ سولہویں صدی کے وسط تک ٹیٹین کا فن عروج پر پہنچ چکا تھا اور وہ اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ اٹلی کے مطلقالعنانوں اور یورپ کے تاجروں میں سے کم از کم نصف درجن اصحاب اس سے فرمائشیں کر چکے تھے۔

ٹیٹین کے کام میں مذہبی مناظر اور دیومالائی مناظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ وینس سے جو بیل بوٹے اور شان و شکوہ منسوب ہیں ان میں سے زیادہ تر کو ٹیٹین اپنی تصویروں میں منتقل کر چکا تھا۔ اس کے فن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ گہرے اور شوخ رنگ استعمال کرتا تھا۔ خصوصاً سرخ اور ارغوانی اس کا یہی انداز مصوری اس کی مشہور تصاویر The Rape of Europa میں جھلکتا ہے۔ یہ شاہکار اس نے 1562ء میں اپنے دور عروج میں تخلیق کیا تھا۔ انہیں دنوں اس نے ایک گرجے میں بلندی پر مریم عذرا کی عید استقبال کی تصویر بنائی تو اس میں شکلیں اس طرح بگاڑ دیں کہ نیچے سے دیکھنے والوں کو بالکل ٹھیک معلوم ہوتی تھیں۔ اس میں مریم عذرا کی شبیہ بڑی شاندار تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آسمان سے بڑے اطمینان کے ساتھ بے سعی و کوشش نیچے آ رہی ہیں۔ اگر ٹیٹین کی تصاویر کسی ایک نگار خانے میں جمع کر دیں جاتیں تو ان سے سولہویں صدی کے سیاست دانوں اور سیاسیات عالیہ سے بخوبی تعارف ہو سکتا ہے۔ وہاں پال سوم بھی نظر آئے گا جو دور احیائے علوم

Scanned with CamScanner

کے آخری پوپوں میں سے ایک تھا۔ وہ بڑا صاحب عزم و تحکم پسند تھا۔ تنخواہ دار فوجوں کے ایک قائد کی تصویر بھی نظر آئے گی جو ڈیلا روز Dela Rowezz کے کامیاب خاندان سے متعلق تھا۔ وہ خوبصورت بھی تھا اور بوڑھا بھی۔ تعلیم یافتہ بھی تھا اور دور اندیش بھی۔ ٹیٹین کا ایک بڑا فنی کرشمہ یہ ہے کہ اس نے چارلس پنجم کو خاصا زبردست شہنشاہ بنادیا۔ حالانکہ اس کی عام وضع قطع میں کوئی امتیازی چیز موجود نہ تھی۔ ہیپسبرگ خاندان کے لوگوں کے جبڑے بدوضع ہوتے تھے اور چہرے کمزور۔ ٹیٹین نے ان میں سے کوئی چیز چھپانے کی کوشش نہیں کی لیکن شہنشاہ کی سنجیدگی اور مقصد سے وابستگی اعلیٰ پیمانے پر نمایاں کردی۔ اس وجہ سے نقادوں کے رائے میں وہ اپنی تصاویر میں چہرے کے تاثرات اور اشاروں سے ہر انسانی پہلو کو نمایاں کرنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ جلد ہی ٹیٹین اور بہت سے دوسرے اطالوی فن کاروں کی شہرت اور اثر اطالیہ سے بہت باہر پہنچ گیا۔ اس سے سولہویں صدی میں شمالی یورپ کی مصوری کے لیے پھلنے پھولنے میں بڑی مدد ملی۔ دور احیاء علوم کے سلسلے میں یہ ترقی گاتھک فن کی روایات سے پیدا ہوئی اور ازمنہ وسطیٰ میں برابر قائم رہی۔ الپس کے پار مصوری پر گاتھوں اور اطالویوں دونوں کا اثر نمایاں تھا۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول صفحہ 585۔
انسائیکلو پیڈیا آف آرٹ آکسفورڈ۔ بذیل مادہ "ٹیٹین"۔

Scanned with CamScanner

1564ء۔ نشاط ثانیہ کے یورپ کا ایک جراح

پروفیسر علم الابدان آپریشن کی میز سے کافی بلند پر بیٹھا ہوا یکساں اور اکتا دینے والے لہجے میں طلبا کو تشریح الاعضا پر لیکچر دے رہا تھا۔ لیکچر دیتے ہوئے وہ وقفے وقفے سے رک کر نادر شاہانہ انداز میں اپنی چھڑی کے اشارے سے اپنے معاونوں کو نعش کے وہ حصے دکھانے کا حکم دیتا جن کی اس نے اپنے لیکچر میں وضاحت کی تھی۔ اس کے یہ معاون کوئی ماہر جراح نہیں تھے بلکہ اس علم سے یکسر نابلد تھے۔ وہ قصائیوں کی طرح نعش کے حصے دکھاتے ہوئے چھروں سے نعش کو بڑی بے دردی سے کاٹ پھینکتے تھے۔ ایک نوجوان طالب علم آندریاس ویسلیکس Andreas Ves Aluis کے صبر کا پیمانہ آخر ایک روز چھلک پڑا اور اس نے ان قصاب نما جراحوں کو ایک طرف دھکیل کر خود بڑی نفاست، قاعدے اور مہارت کے ساتھ ایک ایک عضو اور خلیئے کو الگ کر کے طلبا کے سامنے ان کی وضاحت کی۔ اس کا یہ انداز سب کو حیران کر گیا۔

پیرس یونیورسٹی کا جو پروفیسر کلاس لے رہا تھا وہ اس غیر ملکی طالب علم کی بے باکی پر ہکا بکا رہ گیا۔ لیکن طلبہ کی تالیوں کی گونج اور تحسین کے ڈونگروں نے اسے اپنا غصہ پی لینے پر مجبور کر دیا۔ اس زمانے میں وہی پروفیسر مال کما سکتا تھا جو طلبا میں مقبول ہو۔ ویسلیکس کے استاد نے بادل نخواستہ یہ عملی وضاحت کرنے کی اجازت تو دے دی مگر وہ ویسلیکس کا جانی دشمن بن گیا اور اس نے بعد کے زمانے میں ایک ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے نہ صرف اس کی زندگی حرام کر دی بلکہ اس کی زندگی کے عظیم ترین خواب یعنی علم الابدان کی تدریس کو بھی مٹی میں ملا دیا۔

ویسلیکس کی علم الابدان میں مہارت اور جراحی کی میز پر یکتائی کوئی اتفاقی عمل نہ تھا بلکہ وہ برسلز Brussels کے ایک ڈاکٹر کا بیٹا تھا اور پیشہ ور ڈاکٹروں کے ایک خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کی ماں نے اپنے اسی بیٹے کے لیے اپنے گھر میں پرانی طبی کتابوں کی ایک لائبریری تشکیل دی تھی جو سولہویں صدی میں ایک بے مثل عمل تھا۔ کم عمری ہی میں ویسلیکس کو فن جراحت و طب میں موجود قدیم نقائص کا علم ہو چکا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ مرض کے کامیاب علاج کے لیے انسانی جسم کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔

پیرس میں جہاں اس نے جراحت کی میز سنبھال کر اپنے استاد کو ناراض کر لیا تھا جلد ہی مزید اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کے لیے قیام ناممکن ہو گیا اور طب کی ڈگری لیے بغیر 1536ء میں اسے وطن واپس لوٹنا پڑا۔ لیکن اسے جراحت سے عشق تھا اس لیے اس نے اپنے تجربات کتوں، سوروں اور چوہوں پر جاری رکھے۔ اس کے ساتھ اگر کبھی کسی کو برسر عام پھانسی دی

Scanned with CamScanner

جاتی تو وہ اس کی نعش رات کی تاریکی میں قبر سے نکال لاتا اور اس کی لاش کی جراحت سے مزید علم حاصل کرتا مگر لاشوں کو چوری کرنے کے اس عمل میں کئی مرتبہ اسے جنگلی کتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو ان کے لیے بھی قیمتی ہوتیں تھیں۔ لاش چوری کرنے کی انہیں مہمات میں اس نے ایک مرتبہ ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ ہڈیوں کا تقریباً ایک مکمل ڈھانچہ زنجیروں کی مدد سے پھانسی پر اٹکا ہوا تھا۔ مردار خور پرندوں نے پھانسی پانے والے اس مجرم کا گوشت اس طرح کھایا تھا کہ سفید ہڈیاں نکل آئیں تھیں۔ ویسلیئس نے ان تمام ہڈیوں کو بڑی احتیاط سے ایک تار کی مدد سے جوڑا۔ جن دو چار ہڈیوں کی کمی تھی اس نے اسے بھی پورا کیا۔ یہ پہلا مکمل انسانی ڈھانچہ تھا جو آئندہ اس کی عمل جراحت کی میز کے سامنے کئی سال تک کھڑا رہا۔ بالکل آج کے ماڈل انسانی ڈھانچوں کی طرح۔

صرف تیئس برس کی عمر میں اس نے علم الابدان پڑھنا شروع کر دیا اور اس کی پہلی کتاب بھی اسی دور میں شائع ہوئی۔ اس نے اپنے لیکچروں کے دوران کرائے کے جراحوں کی بجائے خود عمل تقطیع سرانجام دیا۔ ساتھ ہی اس نے چھ صدی قبل کے مسلمان جراح رازی کی طبی کتب کا عربی زبان سے آزاد ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ آئندہ ایک سو برس تک یورپ میں مقبول رہا۔ پھر وہ اٹلی کے شہر پیڈوا Padu چلا گیا جہاں اسے جراحی کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ وہ یہاں بھی اپنے چہتے ڈھانچے کو ساتھ رکھتا تاکہ مستقل طور پر اپنے وضاحتی لیکچروں میں اس کا حوالہ دے سکے۔ اس نے ایک مصور جان وان کیکر Jan Van Calcer کے ساتھ مل کر علم الابدان کے لیے بہترین اور درست وضاحتی تصاویر کا ایک سیٹ تیار کر لیا۔ اور ساتھ ہی تدریسی کام کے ساتھ اپنی کتاب ''جسم انسانی کی ساخت'' پر بھی کام کیا۔ اپنی اس کتاب میں اس نے تصاویر کا وہ سیٹ بھی شائع کرایا۔

اس کے پرانے استاد اور دشمن سلویئس نے بھی کتاب کی اشاعت کے وقت ہی کو اس پر حملے کے لیے چنا۔ اس نے ویسلیئس کی یہ کہہ کر سخت مذمت کی کہ وہ ایک دیوانہ ہے اور اس کی ضرر رساں تعلیمات یورپ میں زہر پھیلا سکتی ہیں۔ اس کی ان باتوں کو اس کے پیڈوا یونیورسٹی کے شعبہ جراحت نے بھی قبول کر لیا اور خود ویسلیئس کے شاگرد اس سے سرد مہری سے پیش آنے لگے جس کی وجہ سے اسے پیڈوا یونیورسٹی بھی چھوڑنا پڑی اور یوں صرف تیس سال کی عمر میں اس کا مستقبل بطور سائنسدان تاریک ہو گیا۔

بعد کے زمانے میں اس نے اسپین کے بادشاہ چارلس پنجم کے درباری طبیب کی ملازمت اختیار کر لی مگر کیتھولک اسپین میں تو لاشوں کی چیر پھاڑ تو گناہ سمجھا جاتا تھا لہٰذا اب وہ ایک خشک کھوپڑی کو بھی ہاتھ لگانے سے قاصر ہو گیا۔ مگر پچپن سال بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ اور علم الابدان میں اس کے کارناموں کی وجہ سے اسے دوبارہ پیڈوا میں علم الابدان کی تدریس کے لیے بلایا گیا۔ مگر وہ 1564ء میں یروشلم سے لوٹتے ہوئے مارا گیا۔

Scanned with CamScanner

1564ء۔ شیکسپیئر اس کا عہد اور اس کا فن

آج تقریباً چھ صدیاں گزرنے کے باوجود انگریزی زبان کا سب سے عظیم ڈرامہ نگار ولیم شیکسپیئر William Shakespear ہی کو مانا جاتا ہے۔ ولیم شیکسپیئر 23 اپریل 1564ء کو انگلستان میں اسٹاٹ فورڈ اون ایون Starat Ford On Avon کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ وہیں ایک روز اس نے بلا اجازت ایک ہرن کا شکار کھیلا یا کسی کا ذاتی ہرن چرایا تھا۔ پھر قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے گاؤں چھوڑ کر لندن چلا آیا اور تھیٹر میں ملازمت کر کے آخر ایک بڑے شاعر اور ڈرامہ نگار کی حیثیت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں آخری عمر میں شیکسپیئر اپنے گاؤں واپس چلا گیا جہاں اس نے جائیداد خریدی اور اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہوا ایک دن مر گیا۔ اسٹاٹ فورڈ میں جو دریائے ایون کے کنارے آباد ہے اس کا گھر اور اس کی قبر شائقین ادب کے لیے ایک زیارت گاہ ہے۔ اس کی تصانیف کو ناقدین نے ادب کے ہر شعبے میں اہم اضافہ جانا ہے۔ اس کی ہستی انگریزی کردار کی اس قدر نمائندہ تسلیم کر لی گئی ہے کہ ہر انگریز گھرانے میں کسی نہ کسی بات پر اس کا چرچا ضرور رہتا ہے۔

سب سے پہلے شیکسپیئر کو بحیثیت شاعر نمایاں مقام حاصل ہوا۔ اس کی پہلی نظم ''وینس اینڈ ایڈونیس Venus and Adonis'' یونانی علم الاصنام پر مبنی ہے۔ اور اطالوی نشاۃ ثانیہ کے مخصوص انداز میں ہے۔ اطالوی شاعر اوڈ Ovid کے انداز بیان میں کہی گئی ہے۔ اس کی دوسری نظم ''ریپ آف لکریسی Rape Of Lucrecy'' ہے۔

شیکسپیئر کا خاص میدان ڈرامہ ہے۔ ابتداء میں اس نے اپنے دور کے معروف ڈرامہ نگاروں کی نقالی کی۔ اس کا پہلا ڈرامہ شاید ٹائٹس اینڈ رونکس Titus And Ronics، کڈ کی اور مارلو کے جیو آف مالٹا کی نقل ہے۔ اس میں بھی جرائم اور ہیبت ناک مناظر کی فراوانی ہے۔ نقاد کہتے ہیں کہ یہ ڈرامہ اتنا رکیک ہے کہ اسے شیکسپیئر سے منسوب کرنا برا معلوم ہوتا ہے۔

شیکسپیئر میں مزاح نگاری کی صلاحیتیں بہت زبردست تھیں اس نے سب سے پہلے لٹی کی نقالی میں ''لوز لیبر لاسٹ Loves Labuor lost لکھا اور تہذیب یافتہ لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ اس ڈرامے میں بہت ہی معمولی کرداروں کو بڑے پرلطف حالات دکھایا گیا ہے۔ اور مکالمے تمام تر نفیس اور پرذکاوت ہیں۔ اس کے دوسرے کھیل ''ٹو جنٹلمین آف ویرونا Two Gentlemen Of Verona'' سے اس کی بڑھتی ہوئی ڈرامائی طاقت کا اندازہ

Scanned with CamScanner

ہوتا ہے۔

اس کا ڈرامہ ''کامیڈی آف اررز Comedy Of Errors'' 1589ء میں اسٹیج پر پیش ہوا۔ 1590ء میں ارل آف ساؤتھمپٹن Earl Of Southampton'' اس کا مربی بن گیا اور وہ خود گلوب تھیٹر کا سب سے بڑا ڈرامہ نگار اور حصہ دار بھی تھا۔ اب وہ لارڈ چیمبر لین کے مصاحبوں کے گروہ میں شامل تھا۔ یہی گروہ بعد ازاں شاہ جیمز اول کے درباریوں اور مصاحبوں کا حلقہ بنا۔ اپنے قصبے کو واپس جانے تک شیکسپیئر اسی درباری حلقہ سے وابستہ رہا اور اس کے لیے ڈرامہ نگار اور اداکار کا کام کرتا رہا۔ شیکسپیئر نے 1616ء تک جو اس کی وفات کا سال ہے کل 37 ڈرامے لکھے۔ ان میں وہ ڈرامے بھی شامل ہیں جو اس نے کسی اور ڈرامہ نگار کی شراکت میں لکھے شیکسپیئر کے ڈراموں کو عوام و خواص دونوں میں مقبولیت حاصل ہوئی کیونکہ اس کے ڈراموں میں شاعری، رومانس، جذبات نگاری اور طنز و مزاح سب ہی کچھ ہے مگر اس کے باوجود بعض لوگ اسے اس کے ڈراموں کا مصنف ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ نظریہ قائم کیا گیا تھا کہ اس کے ڈراموں کا اصل مصنف فرانس بیکن تھا۔ اس کے بعد اول آف آکسفورڈ کو بھی اس کے پوشیدہ مصنف کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس بحث سے قطع نظر شیکسپیئر کے ڈراموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مصنف ایک عظیم ترین زندہ و جاوید اور نابغہ روزگار شخصیت سے تھا۔ بعض نقاد شیکسپیئر کے ڈراموں کو کئی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جیسے طربیہ، المیہ، تاریخی اور رومانی کھیل۔ پہلے حصے یعنی طربیہ میں ہنری چہارم Henry IV، دی کامیڈی آف اررز، دی ٹو جنٹلمین آف ویرمنا ٹائٹس اینڈ رونیکس، کنگ جان، لوز لیبر لاسٹ اور دی ٹیمنگ آف دی شریو The Taming of Shrew شامل ہیں۔

بہر حال شیکسپیئر کا فن تمام شک و شبہات سے بالاتر ہے، بلکہ وہ ان تمام ادبی کمالات کو بھی جو کہ تصور میں آسکتے ہیں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ بعد کی صدیوں میں آنے والے تمام ادیب و شعرا اس کے اسلوب و فن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مثلاً Blank Verse نظم معریٰ کی تکمیل اور نشاۃ ثانیہ کے المیہ کی حیرت انگیز ترقی شیکسپیئر ہی کی مرہون ہے اور اسی کی پیروی میں ہوئی۔ انگریز قوم شیکسپیئر کو ہر پیر اور ولی سے بالاتر مانتی ہے۔ اس سے مانوس ہونے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کی قومی طرف داری پر مبنی دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

1623ء میں First Folio کے نام سے شیکسپیئر کے تمام 36 ڈرامے ایک ہی جلد یا کلیات کی شکل میں شائع کیے گئے تھے۔ جو ایک اہم کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

Scanned with CamScanner

1565ء۔ جنگ "ٹالی کوٹ"

جنوبی ہندوستان کی مسلم تاریخ میں جنگ ٹالی کوٹ ایک بے حد اہم اور فیصلہ کن جنگ ہے جو دکن کی ہندو ریاست وجیانگر اور چار مسلم ریاستوں کے درمیان لڑی گئی۔ اس فیصلہ کن جنگ کے مسلمانوں کے حق میں رہنے کی وجہ سے دکن 1948ء تک نظام حیدرآباد یا مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بصورت دیگر وہاں کب سے اکھنڈ بھارت قائم ہو جاتا۔

ہندو ریاست وجیانگر تنگ بھدرا ندی کے کنارے آباد تھی۔ پندرہویں صدی میں یہاں کے راجہ دیورائے نے اپنی فوج میں مسلمانوں کو بھرتی کر کے برہمنی سلطنت دکن سے کئی لڑائیاں لڑیں تھیں۔ دیورائے کے بعد سلطنت پر رئیس تلنگانہ نے قبضہ کر لیا اس کے جانشین سے یہ ریاست نرسا کرناٹک نے چھین لی۔ سولہویں صدی کے آغاز سے 1565ء تک یہی خاندان یہاں برسر اقتدار رہا۔ 1565ء میں اس ریاست کا اقتدار ایک وزیر رام راج کے ہاتھ میں تھا۔ جو تمراج کا بیٹا تھا۔ اس کی شادی راجہ شیورائے کی بیٹی سے ہوئی تھی اسی وجہ سے وہ ریاست کے سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اگر چہ وہ آزاد ہونے کی جستجو میں منہمک رہتا تھا مگر ریاست کے دیگر امراء نے اس کی آمرانہ حکومت کے آگے سر خم نہ کیا جس کی وجہ سے اس نے شاہی خاندان ہی کے ایک اور فرد کو راجہ بنا دیا۔ اور خود اصل اقتدار کا مالک بن بیٹھا۔ ان دنوں دکن کی مسلمان ریاستیں باہمی عداوتوں کا شکار تھیں۔ ان کی عداوتوں کا فائدہ اٹھا کر رام راج ایک طاقتور حکمران بن گیا۔ اور اس نے بیجاپور اور احمد نگر کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کی فوجوں نے مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور تعصب انگیز رویہ اپنایا اور ان پر شدید مظالم ڈھائے۔ اس کے اس ظالمانہ رویئے کی وجہ سے برار کے سوا چاروں مسلم ریاستیں۔ احمد نگر، بیجاپور، بیدر اور گولکنڈہ اور ان کے سلاطین نظام شاہ، قطب شاہ، برید شاہ اور عادل شاہ متحد ہو کر راج سے انتقام لینے پر تیار ہو گئے۔

1565ء میں یہ چاروں فرماں روا بیجاپور کے قریب ایک مقام پر اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جمع ہو گئے اور وجیانگر کی طرف بڑھے۔ ان متحدہ فوجوں نے دریائے کرشنا کو پار کر کے ہیلگری ندی کے کنارے قیام کیا۔ یہ مقام دریا کرشنا سے 6 میل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام ٹالی کوٹ تھا۔ پھر دشمن کے مقابل آنے پر انہوں نے دریا عبور کیا اور ایک میدان پر ڈٹ گئے۔ دوسری طرف رام راج نے بھی مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک زبردست لشکر تیار کیا جو چاروں اتحادیوں کے لشکر سے دگنا تھا۔ اس میں تقریباً ستر ہزار سوار اور نو لاکھ پیادے شامل تھے۔ اس

Scanned with CamScanner

کثرت لشکر کی وجہ سے رام راج نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا ایک کھیل سمجھا اور ذرہ بھر پریشان نہ ہوا۔ رام راج وجیا نگر سے نکلا اور جلد ہی مسلمانوں کے لشکر کے مد مقابل آ گیا۔ مسلمانوں نے جب اس کے لشکر کی شان وشوکت دیکھی تو وہ کچھ خوفزدہ ہوئے۔ انہوں نے رام راج کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ بیجاپور اور احمد نگر کے مفتوحہ علاقے واپس کردے اور آئندہ کسی قسم کی ہنگامہ خیزی نہ کرے تو اس سے صلح ہو سکتی ہے۔ مگر رام راج نے صلح کی پیشکش کو مسلمانوں کی کمزوری پر محمول کر کے اسے ٹھکرا دیا۔ اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ عادل شاہ اور قطب شاہ کو زندہ گرفتار کر کے عمر بھر کے لیے پابہ زنجیر کر دیا جائے جب کہ حسین شاہ کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے لشکر کے بہترین سردار منتخب کیئے اور ان کے ذمہ یہ کام لگایا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو مورخ قاسم فرشتہ کے مطابق لڑائی کا انداز کچھ ایسا تھا کبھی ہندوؤں کا پلہ بھاری رہتا اور کبھی مسلمانوں کا مگر جلد ہی مسلمانوں کے توپ خانے نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے مگر وجیا نگر کے سپاہی بھی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہے اور ان کے توپخانے نے بھی مسلمانوں پر شدید گولہ باری کی۔ عین ممکن تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے اور جنوبی ہند سے ان کا صفایا ہو جاتا کہ دفعتاً حسین نظام شاہ نے حسن تدبیر سے رام راج کو گرفتار کر کے پانسہ پلٹا دیا گیا۔

رام راج نے مسلمانوں کے خلاف اپنی فوج کے حوصلے بڑھانے کے لیے دوران جنگ اپنے سپاہیوں میں مال زر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے وعدہ کیا جو سپاہی بہادری کا مظاہرہ کرے گا اسے سیم وزر سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اس پر ہندوؤں نے تازہ دم ہو کر ایک بار پھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ میں پریشانی پھیل گئی۔ یہ کیفیت دیکھتے ہوئے مسلمان بادشاہوں کے ارادے متزلزل ہونے لگے۔ مگر حسین نظام شاہ نے انتہائی جرات و بہادری کا مظاہر کرتے ہوئے اپنے توپخانے کو حکم دیا کہ توپوں میں سکے بھر کر دشمنوں پر برسائے جائیں اور وہ خود بے خطر ہو کر دشمن کی طرف بڑھا۔ حسین نظام شاہ کے حملے کے جواب میں خود رام راج ایک سنگھاسن میں سوار ہو کر میدان جنگ میں آیا اور حسین نظام شاہ کے ایک فیل بان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ حسین نظام شاہ نے اسے فوراً قتل کروا کر اس کا سر میدان جنگ میں پھینکوا دیا جس سے ہندو حواس باختہ ہو کر بھاگے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ لیا۔ اس جنگ کے بعد مسلمان فاتحین وجیا نگر میں داخل ہوئے اور اس ہندو شاہی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

مآخذ:

تاریخ فرشتہ جلد دوم، طبقات اکبری جلد سوم۔

Scanned with CamScanner

1566ء۔ سلطان سلیم ثانی کی تخت نشینی

ترکی کی سلطنت عثمانیہ کا گیارہواں سلطان، سلیم ثانی 1566ء تا 1574ء۔ وہ سلطان سلیمان قانونی اور ملکہ خرم سلطان کا بیٹا تھا۔ 1524ء میں پیدا ہوا۔ ملکہ اپنے بیٹے بایزید کی طرف دار تھی۔ اس اپنے اثر ورسوخ اور سازشوں سے ولی عہد مصطفیٰ کو 6 اکتوبر 1553ء کو بمقام ارگلی قتل کروادیا۔ اب شہزادہ بایزید اور شہزادہ سلیم میں چپقلش چل نکلی۔ کہتے ہیں لالا مصطفیٰ نے جو بایزید کا اتالیق تھا بایزید سے سلیم کے نام نہایت توہین آمیز خطوط لکھوائے جس کے نتیجے میں شہزادوں کی سنجاقوں کے تبادلے کے احکامات جاری ہوگئے۔

بایزید نے 30 مئی 1559ء کو قونیہ کے میدان میں شکست کھائی اور بھاگ کر شاہ ایران طہماسپ صفوی کے دربار میں پناہ گزین ہوا شاہ طہماسپ نے بایزید کو شہزادہ سلیم کے حوالے کردیا جس نے اسے 25 ستمبر 1561ء کو مار ڈالا۔ پھر سلیم 24 ستمبر 1566ء کو استنبول پہنچا تاکہ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوسکے جو ابھی تک پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ تخت نشین کے دو دن بعد سلطان سلیم ثانی بلغراد روانہ ہوگیا جہاں بالآخر 24 اکتوبر سلیمان اعظم کی وفات کا اعلان کیا گیا۔ اس کی تخت نشینی پر فوج میں جو انعامات تقسیم کیئے گئے وہ ناکافی سمجھے گئے اور ینی چری نے اس کے خلاف بغاوت کردی اور نئے سلطان کو محل سرائے میں داخل ہونے سے روک دیا تاآنکہ انعامات میں ان کی پسند کے مطابق اضافہ نہ کردیا گیا۔ یہ تقریب تقسیم انعامات 10 دسمبر 1566ء کو قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی۔ ینی چریوں کے علاوہ دیگر حکومتی افسران اور امراء اور مفتیوں کو بیش قیمت تحائف دیئے گئے جس کا نتیجہ کہ اس کے بعد خزانے میں اتنا روپیہ بھی باقی نہ رہا کہ دیگر افواج کو تنخواہ دی جائے۔

اپنے محل میں آنے کے بعد سلیم ثانی لہوولعب میں منہمک ہوگیا اور سارا کاروبار حکومت اس نے اپنے وزیر اعظم محمد صوقوللی پاشا کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ صوقوللی ہی تھا جس نے سلیم جیسے عیاش طبع حکمران کے عہد میں سلطان سلیمان عالیشان کی شاندار روایات کو زندہ رکھا۔

اپریل 1567ء میں قپودان پاشا اپنے بیڑے کے ساتھ ساقر Chios کو فتح کرنے کے بعد واپس آیا اور اسے وزیر کا منصب عطا کیا گیا۔ انہیں دنوں آسٹریا سے صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔ شہنشاہ آسٹریا نے تیس ہزار ڈوکاٹ سالانہ کی ادائیگی کے وعدے پر صلح کرلی۔ ایک ناکام مہم استرخاں کی طرف بھیجی گئی جہاں دریائے ڈان اور دریائے وانگا کے درمیان نہر بنانے کے منصوبے

Scanned with CamScanner

کا امکان تھا یہ تجویز کفہ کے والی چرکس کاظم کو سوجھی تھی مگر ناکام رہی۔ اگلے سال روسیوں کے ساتھ بھی صلح ہوگئی۔ 1568ء سے 1570ء تک ترک افواج یمن میں زیدیوں کے خلاف کاروائیوں میں مصروف رہی جنہوں نے یمن سے قلعہ زبید کی فوج کے سوا تمام ترکی فوجیں نکال دیں تھیں۔ یمن کی فتوحات کے ساتھ ساتھ قبرص کو بھی تسخیر کرلیا گیا۔ اسی سال اسپین وینس اور پوپ کے متحدہ بیڑے نے خلیج لیپانٹو کے قریب ترکی کو تقریباً مکمل تباہ کردیا۔ ترکی نے موسم سرما میں ایک نیا بحری بیڑا تیار کیا اور مارچ میں وینس کو قبرص سے دستبردار ہونا پڑا۔ ہسپانیہ کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ ہسپانیہ نے تونس پر قبضہ کرلیا مگر سنان پاشا نے 1574ء میں انہیں وہاں سے نکال دیا۔

سلیم ثانی نے 12، 13 دسمبر کی درمیانی شب (27/28 رمضان 982ھ) اپنے محل میں کسی حادثے سے فوت ہوگیا۔ وہ پہلا ترک سلطان تھا جس نے اپنی ساری زندگی حرم سرا میں گزار دی جہاں ملکہ نور بانو کا بول بالا تھا۔ اس ترک سلطان کے عہد کی لہوولعب کی عادتیں اونچے درجے کے امراء اور علما تک میں سرائیت کرگئیں۔ رشوت اور بدعنوانی جس کا آغاز رستم پاشا کے عہد وزارت میں ہوا معاشرے کے تمام طبقوں میں پھیل گئی۔ مگر پھر بھی صوقو للی اور ابوالسعود ایسے قابل اور باتدبیر اشخاص کی زیر نگرانی سلطنت عثمانیہ کی بلند پایہ شان وشوکت برقرار رہی۔

سلطان سلیم ثانی کے عہد کی مشہور عمارت ادرنہ کی سلیمیہ مسجد ہے جو معمار سنان کی زیر نگرانی 1567ء سے 1574ء تک تعمیر ہوئی۔ سلطان سلیم نے مکہ مکرمہ، ادرنہ اور نوار رینو اور قسطنطنیہ میں بھی کئی عمارات بنوائیں۔ یا ان کی مرمت کرائی۔ وہ سلاطین عثمانیہ میں بہترین شاعر تھا اور اس کے گرد شاعروں کا جمگھٹا رہتا تھا۔

مآخذ:

تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ صفحہ 204۔

Scanned with CamScanner

1566ء۔ اندلس میں عربی اجنبی ٹھہرے

معاہدہ سقوط غرناطہ کے طے پاجانے کے بعد اندلس میں ایک دن بھی مسلمانوں پر خیر کا نہیں گزرا۔ معاہدہ میں جو خوش آئند شرائط موجود تھیں وہ دیکھتے ہی دیکھتے طاق نسیاں ہوگئیں۔ مسلمانوں پر ترک اسلام اور قبول عیسائیت کے لیے ہر طرح کا جبر اور دباؤ روا رکھا گیا۔ عیسائی بنیاد پرستوں کا حلقہ ملکہ ازابیلا کے گرد تنگ ہوتا گیا۔ اسی حلقے کی قیادت طلیطلہ کا اسقف اعظم اور ادارہ احتساب Inquisition کا نگران اعلیٰ کارڈینیل ذمی نیس کر رہا تھا۔ اسی شخص نے ملکہ کو مسلمانوں کے انخلا یا بالجبر قبول عیسائیت کے نظریے پر آمادہ کیا اور 12 فروری 1502ء کو سقوط غرناطہ کے صرف دس سال بعد سرکاری طور پر ایک حکم نامہ جاری ہوا جس کے مطابق اسپین کے مسلمانوں کو عیسائیت کا بپتسما لینے یا ہسپانیہ سے چلے جانے میں سے ایک شرط کے لازمی انتخاب سے دوچار کر دیا گیا۔ یہ وہی ملکہ ازابیلا تھی جس نے سقوط غرناطہ کی دستاویز پر دستخط کر کے مسلمانوں کے جان، مال، آبرو، مذہب، قوانین، رسوم، زبان اور ثقافت کے تحفظ کی ضمانت دی تھی مگر اب وہی ملکہ اس نئے حکم نامہ سے معاہدہ سقوط غرناطہ کی نفی کر رہی تھی۔ مسلمانوں کے کانوں میں بادشاہ فرڈیننڈ کا وہ وعدہ بھی گونجتا تھا جس میں اس نے کہا کہ ''شک نہ کرو ہمارے وعدوں پر'' مگر اب وہی حکمران معاہدہ غرناطہ کے پرزے پرزے کر رہے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملکہ ازابیلا کے بالجبر تبدیلی مذہب کے احکامات کو بھی ایک مدت گزر گئی لیکن مسلمانان اندلس کی استقامت میں کوئی خاص فرق نہ آیا نہ پاؤں میں لغزش۔ اگر کسی مسلمان نے جان بچانے کے لیے عیسائیت قبول کر بھی لی تو اندر سے وہ مسلمان ہی رہا۔ اندلس کے مسلمانوں پر ہر وہ ظلم آزمایا گیا جسے غیر انسانی جبلت کے تاریخ کے کسی بھی تاریک ترین دور میں بھی انسانوں پر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن عیسائیت قبول کرنے والوں کے اعداد و شمار بڑھ کر نہ دیئے۔ اندلس کے ایک پہاڑی علاقے پوقسارہ کے مسلمانوں نے ملکہ ازابیلا کے اس نئے حکم نامہ کے خلاف ہتھیار اٹھالیے مگر ان کی بغاوت کو سختی سے کچل دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس علاقے کی فصلوں تک کو جلا دیا گیا اور اس کا مال و متاع سب ضبط کر لیا گیا اور انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔

1552ء میں اشبلیہ کے اسقف نے شاہ کارلوس پنجم سے یہ حکم جاری کروایا کہ تمام مسلمان اپنے جملہ قدیم رسم و رواج، اسلامی تہوار، اسلامی شعائر، اسلامی لباس اور زبان سب ترک کر دیں۔ جو مسلمان اس حکم کی تعمیل نہ کریں گے ان پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ جس کی سماعت عدالت احتساب

Scanned with CamScanner

کریں گی۔ مسلمانان غرناطہ نے بعد ازاں شاہ فلپ دوم کو آٹھ لاکھ اشرفیاں نذر کیں کہ انہیں 1552ء کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس نذرانے کی وجہ سے عارضی طور پر ارباب حکومت کی سختیاں تو کم ہوگئیں۔ مگر عیسائی عوام مسلمانوں کے خلاف اتنا تعصب رکھتے تھے کہ اکثر عیسائی داہنے ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں صلیب لیے گھومتے تھے تاکہ مسلمانوں کو شعائر اسلام کی ادائیگی سے روکیں اور عیسائی بنائیں۔

بالآخر 1566ء میں غرناطہ کے اسقف اعظم نے شاہ فلپ دوم سے یہ حکم دوبارہ جاری کروایا کہ مسلمان نہ تو عربی زبان بولیں، نہ ہی عربی لباس پہنیں، ساتھ ہی غسل، وضو اور دیگر شعائر اسلام کی ادائیگی پر بھی سختی سے پابندی لگادی گئی۔ مسلمان خواتین کو پردے سے نکال کر زبردستی بپتسمہ دیا گیا اس حکم کے صادر ہوتے ہی مسلمانوں میں ضبط کی تاب نہ رہی اور وہ سخت برہم ہوکر شمشیر بکف عیسائی حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ افریقہ کے مسلمانوں نے بھی ان کی حمائت کا اعلان کیا اور وہ ان کی کمک پر آمادہ ہوگئے حکومت اسپین کی طرف سے ایک ظالم ترین شخص مارکوئس منڈیار باغیوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس نے مسلمانوں کو شکست دے کر پہاڑی علاقوں کی طرف دھکیل دیا۔ یہ پہاڑی علاقے مسلمانوں کے لیے اچھی پناہ گاہ ثابت ہوئے یہاں انہوں نے اپنی صفوں میں اتحاد و اجتماع پیدا کرلیا اور محمد بن امید نامی ایک شخص کو اپنا سردار بنالیا۔ اس کی زیر قیادت وہ ایک عرصہ تک عیسائیوں کے خلاف بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ مگر یہاں بھی مسلمانوں میں باہمی اختلاف بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے سردار کو خود ہی قتل کردیا۔ اس کے بعد ایک شخص عبداللہ نامی ان کا سردار بنا۔ 1570ء میں عیسائیوں نے سازش کرکے مسلمانوں کے اس اتحاد کو بھی پارہ پارہ کردیا اور مسلمان ان پہاڑی علاقوں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے۔

بالآخر 9 اپریل 1609ء کو بادشاہ فلپ سوئم (1621ء۔ 1598ء) نے اسپین سے مسلمانوں کے جبری انخلا کا مکمل حکم نامہ جاری کردیا۔ اس حکم نامے کے جاری ہوتے ہی مسلمانوں پر قتل و غارت ک بازار گرم ہوگیا۔ کم و بیش تین لاکھ مسلمان اپنی جائے رہائش سے بندرگاہوں کی طرف ہانکتے ہوئے قتل کیے گئے۔ بیشتر مورخین نے ان مقتولوں کی تعداد چھ لاکھ قرار دی ہے۔ ایک عیسائی مورخ رقمطراز ہے کہ زبردستی بپتسما دیئے جانے کے خلاف مزاحمت کے نتیجے میں 15 لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ اب عیسائیوں کا صرف ایک نعرہ تھا ''عیسائی ہوجاؤ یا پھر اسپین چھوڑ دو''۔ جس کا نتیجہ آج کے اسپین میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی مقامی مسلمان وہاں باقی نہ رہا۔

ماخذ:

تاریخ ہسپانیہ از نصیر احمد ناصر۔ ''ہوئے تم دوست جس کے'' از حق حقی۔

Scanned with CamScanner

1569ء۔ اکبر اعظم اور راجپوتانے کی فتوحات

اکبر اعظم کی تخت نشینی کے بارہ سال بعد تمام ہندوستان کے راجے اور مہاراجے شہنشاہ اکبر کی اطاعت قبول کر چکے تھے۔ لیکن چتوڑ (راجپوتانہ) کا راجہ اودے سنگھ اپنے قلعوں کو مضبوطی اور فوج کی کثرت پر نازاں تھا۔ اس نے اکبر کی اطاعت اختیار نہ کی۔ شہنشاہ کو جب اپنی سلطنت کے بہت سے داخلی فتنوں اور سرکشیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو وہ چتوڑ کی طرف متوجہ ہوا اور بمعہ شاہی لشکر چتوڑ کا عزم کیا۔ راجا اودھے سنگھ کو جب اکبر کی فوج کشی کی خبر ملی تو اس نے دو لاکھ پیادوں اور سواروں کے ساتھ مغل لشکر کے مقابلے کی ٹھانی مگر کثرت فوج کے باوجود دس بارہ ہزار مغلوں سے شکست کھا کر بھاگا۔ وہ ایسا سراسیمہ ہوا کہ اس نے اپنے بیٹوں کو قسم دلائی کہ تیموری خاندان کے خلاف کبھی تلوار نہ اٹھائیں۔ پھر چتوڑ کو اپنے ایک وزیر کے بھائی جے پال اور آٹھ ہزار سواروں کے سپرد کر کے خود اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک دشوار گزار کوہستان میں جا چھپا جو بعد میں اس کے نام پر اودے پور کہلایا۔

قلعہ چتوڑ اپنے قدرتی محل وقوع کی وجہ سے بڑا محفوظ تھا اور کوئی فاتح اسے آسانی سے فتح نہ کر سکا تھا۔ وہ ایک بلند و بالا پہاڑ پر واقعہ تھا اور سطح زمین سے اس کی بلندی تقریباً ایک میل تھی۔ دوسرے یہ کہ کوئی دوسرا پہاڑ بھی اس کے نزدیک یا اس سے ملحق واقع نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اس قلعہ تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ اکبر نے جب اس قلعے پر حملہ کیا تو چاروں اطراف سے اسے گھیرے میں لے لیا مگر باوجود کوشش کے یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا اور محاصرے نے طول کھینچا۔ شہنشاہ نے اہل ہند کی روایات پر عمل کرتے ہوئے ''ساباط'' تیار کرنے کا حکم دیا۔ ساباط سے مراد وہ دیواریں تھیں جن میں باہمی طور پر کچھ فاصلہ ہوتا ان کو تختوں سے ڈھانپ کر قلعہ کی دیواروں تک پہنچا جاتا۔ ساباط تیار ہونے کے بعد آتش باز اور نقب زن قلعہ کی دیواروں میں نقب لگا کر اس میں بارود بھر دیتے۔ اس قلعے میں لگائے گئے ایک نقب کو وقت سے پہلے آگ لگ گئی جس سے قلعہ کا ایک برج مکمل طور پر اڑ گیا۔ ساتھ ہی شاہی لشکر کو بھی بڑا سخت جانی نقصان پہنچا۔ اس المناک حادثے کے بعد ایک اور ساباط تیار کی گئی جس کی نگرانی خود بادشاہ نے کی۔ اسی دوران قلعہ کا نگران جے پال شاہی مورچے کے قریب نظر آیا۔ بادشاہ نے اپنی بندوق سے فائر کر کے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ راجپوتوں کو جب اپنے اس سردار کی موت کی خبر ملی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اس درجہ مایوس ہوئے کہ انہوں نے اپنا مال اسباب اور بیوی بچے ''جوہر'' کی رسم ادا کرتے ہوئے نذر آتش

Scanned with CamScanner

کردیئے۔ ''منتخب الباب'' میں خافی خان نے لکھا ہے کہ جوہر کی اس رسم میں پانچ ہزار سے زیادہ خواتین اور لوگوں نے شرکت کر کے خود کو فنا کرلیا۔

اس آگ کی چتا کی روشنی جب اکبر اعظم کی افواج نے دیکھی تو وہ قلعہ کی طرف بڑھے۔ ادھر رسم جوہر ادا کرنے کے بعد راجپوتوں نے قلعہ سے نکل کر شاہی لشکر پر حملہ کردیا۔ فریقین میں ایک سخت جنگ ہوئی جس میں راجپوتوں کے ساتھ ساتھ بہت سے چغتائی بہادر بھی میدان جنگ میں کام آئے۔ اس دن مقتولین کی تعداد مورخین نے دس ہزار سے زائد لکھی ہے۔ اس طرح چتوڑ کا مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعہ اکبر اعظم کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔

چتوڑ کے قلعے کی تسخیر کے اگلے سال یعنی سن تیرہ جلوس اکبری میں شہنشاہ نے راجپوتانہ کے ایک اور قلعے رنتھمبور کی تسخیر کا عزم کیا۔ اس قلعہ کے راجہ سورجن نے یہ قلعہ سلیم شاہ سوری کے ایک غلام حجاز خان سے خریدا تھا۔ اس نے قلعہ میں رہتے ہوئے شاہی لشکر کی مدافعت کی مگر شاہی لشکر نے اس کا محاصرہ کر کے اسے باہر کی دنیا سے رابطہ منقطع کردیا۔ جس زمانے میں شاہی لشکر رنتھمبور کا محاصرہ کیئے ہوئے تھا خبر ملی کہ باغی مرزاؤں نے پھر علم بغاوت بلند کردیا ہے اور وہ احمد باد سے مالوہ میں گھس کر ہر طرف تاخت و تاراج کررہے ہیں۔ اس اطلاع کے باوجود اکبر نے قلعہ کا محاصرہ ختم نہیں کیا آخر کار حاکم قلعہ خوف زدہ ہوکر اور قحط کی کیفیت کا شکار ہوکر بھاگ گیا۔ ادھر شاہی لشکر نے گولہ باری کر کے بھی اسے اطاعت پر مجبور کردیا۔

رنتھمبور کی فتح کے بعد اکبر اعظم نے سلطان ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دربار میں حاضری دی اور فاتحہ پڑھ کر آگرہ لوٹا اور باغی مرزاؤں کے خلاف کاروائی کی۔ راجپوتانے کے ان دو مشہور قلعوں کی تسخیر سے ہندوؤں کے بے شمار خزانے اکبر کے ہاتھ آئے اور پورے شمالی ہندوستان میں اب کوئی اس کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں کرسکتا تھا۔

مآخذ:

منتخب الباب جلد اول صفحہ 199، 200، 201۔

Scanned with CamScanner

1571ء۔ فلپائن پر ہسپانوی قبضہ

1521ء میں پرتگالی جہاز راں میگلن یا ماجیلاں نے جزائر فلپائن دریافت کیے تھے۔ وہ پہلا یورپی شخص تھا جو اس سرزمین تک پہنچا تھا۔ ماجیلان اگلے سال فلپائن کے مقامی لوگوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ اس کے بعد اہل اسپین نے فلپائن کو فتح کرنے کے لیے متعدد مہمیں بھیجیں جو مقامی باشندوں کی مدافعت اور اہل پرتگال کی رقابت کی وجہ سے ناکام ہوگئیں۔ بالآخر شاہ ہسپانیہ فلپ دوم نے اپنے سپہ سالار میگوئیل لوپیز Miguel Lopez کو ان جزائر کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔

فلپائن جنوب مشرقی ایشیا میں ایک مجموعہ الجزائر پر مشتمل ملک ہے۔ ان جزائر کے شمال میں بحیرہ چین، مشرق، مغرب میں جنوب مشرقی چین، جنوب میں بحیرہ سیلیبز، مشرق میں بحیرہ فلپائن واقع ہے۔ یہ ملک عرض بلد 4 درجے 40 منٹ شمال سے 19 درجے 33 منٹ شمال تک اور طول بلد 117 درجے مشرق سے 126 درجے 35 منٹ مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا صدر مقام منیلا ہے۔

ہسپانیہ کا بادشاہ فلپ ثانی جب شہزادہ تھا تو اس کے اعزاز ہی میں (1543ء) کا نام Lasfelipinas رکھا گیا تھا۔

میگوئل لوپیز (1510ء۔ 1572ء) نے 1571ء میں منیلا شہر کی بنیاد رکھی اور ان جزائر پر ہسپانیہ کی حکومت قائم کی۔ فلپائنی باشندوں میں سے صرف موروز اس کی مخالفت کی۔ یہ موروس مسلمان تھے اور انہیں 1300ء سے 1400ء تک عرب تاجروں کی فلپائن آمد نے مسلمان بنایا تھا۔

ہسپانوی حکومت قائم ہونے کے ساتھ فلپائن رومن کیتھولک فرائرز کے زیر انتداب آ گیا۔ یہ عیسائی مبلغ جزیرے پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھیج گئے۔ انہوں نے یہاں چند ایک اسکول اور بہت سارے گرجا کو تعمیر کرائے۔ یہ عیسائی راہب مقامی سرداروں سے مل کر باقاعدہ حکومت کرنے لگے۔ ان حکمرانوں کے اطوار انتہائی ظالمانہ تھے جس کی وجہ سے فلپائنی باشندے ہسپانویوں کے خلاف ہوگئے۔ ان لوگوں نے 1800ء تک کئی بار ہسپانویوں کے خلاف بغاوتیں کیں مگر ہسپانوی افواج ان بغاوتوں کو بزور شمشیر دبا دیتی رہیں۔

اسی دوران 1762ء میں برطانیہ نے منیلا پر قبضہ کرلیا۔ 10 فروری 1743ء کے معاہدہ

Scanned with CamScanner

پیرس کے تخت پر طانیہ اور اسپین میں مخاصمت ختم کردی گئی اور اس کے ساتھ ہی فلپائن پر برطانوی قبضہ بھی ختم ہوگیا اس طرح فلپائن پر پورے 4 سو سال تک ہسپانیہ کی حکومت رہی۔ ہسپانوی پارلیمنٹ میں فلپائن کو 4 مرتبہ نمائندگی دی گئی۔ 1810ء، 1823، 1834 اور 1837۔ مگر اس کے بعد 1837ء سے 1898ء تک اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی گئی۔ ہسپانوی پارلیمنٹ میں نمائندگی حاصل کرنے والوں میں ڈاکٹر جوسے ایساں Jose Rizan شامل تھے۔ اسی نے جدوجہد آزادی کی تحریک کی ابتدا کی جس سے فلپائن میں حریت پسندانہ خیالات پھیل گئے۔ انہیں دنوں ہسپانوی حکومت نے تین مقامی عیسائی علما کو ہلاک کردیا۔ اس صورتحال سے تحریک آزادی کو تقویت ملی اور بالآخر اس تحریک نے جنگی صورت کی کیفیت اختیار کرلی۔ جس وقت فلپائن میں آزادی کی یہ تحریک جاری تھی انہیں دنوں عالمی تاریخ نے ایک اہم موڑ لیا۔ کیوبا میں بھی ہسپانیہ کے خلاف تحریک آزادی چلنے سے امریکہ اور اسپین میں جنگ چھڑ گئی اور امریکہ کے بحری بیڑے نے فلپائن پر حملہ کردیا۔ ادھر فلپائن کی تحریک آزادی کے صدر جنرل اگیونلڈو نے امریکا کی اس یقین دہانی پر کہ امریکا کی مدد کرنے پر امریکا فلپائن کی تحریک آزادی کی مدد کرے گا۔ تحریک آزادی سے امریکا کی مدد کا اعلان کردیا اور تمام فلپائنی باشندوں نے امریکہ کی حمائیت میں ہسپانویوں پر ہتھیار اٹھالیے۔ 28 مئی 1898ء کو جنرل اگیونلڈو کی فوج نے ہسپانوی بحری فوج کو کاوٹ Kawit سے باہر نکال دیا۔ اگرچہ اسپین نے فلپائن کی آزادی کا اعلان بھی کردیا مگر فلپائینوں کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہوا۔ 10 دسمبر 1898ء کو امریکہ اور اسپین کے درمیان معاہدہ پیرس طے پایا جس کی رو سے امریکہ نے سامراجیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فلپائن کو دو کروڑ ڈالر کے عوض اسپین سے خریدلیا۔ ادھر 23 جنوری 1899ء کو جنرل اگیونلڈو کی صدارت میں پہلی جمہوریہ فلپائن کا پروقار انداز میں افتتاح ہوا۔ مگر امریکہ کے سامراجی پنجوں سے نجات نہ مل سکی۔

مآخذ:

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم۔ The World Book Encyclopedea
انسائی کلو پیڈیا تاریخ عالم مولانا غلام رسوم مہر۔

Scanned with CamScanner

1572ء۔ سینٹ بارتھولو کے دن میو کا ہنگامہ قتل

23 اگست 1572ء کی شب پیرس میں شاہ فرانس، چارلس نہم کی بہن مارگریٹ کی شادی، ہسپانیہ کی کیتھولک ریاست نوار Navar کے بادشاہ ہنری سے طے پائی تھی۔ شادی کے اس جشن میں دونوں ملکوں کے بہت سے امراء اکٹھے ہو رہے تھے۔ اسپین سے تعلق رکھنے والے امراء کیتھولک عقیدہ رکھتے تھے جب کہ فرانسیسی امراء اور عوام میں سے بہت سے لوگ پروٹسٹنٹ عقیدہ رکھتے تھے۔ اور ہیوگوناٹس Hugunots کہلاتے تھے۔ سولہویں صدی کے فرانس میں جرمنی اور سوئزرلینڈ کی طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کافی طاقتور ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے فرانس پے در پے خانہ جنگیوں کا شکار رہا تھا۔ مذہبی اختلافات کی وجہ سے بہت کم مواقع پر دونوں فرقوں کے افراد بہت کم اکٹھے ہوئے تھے۔ 23 اگست کی شب شہزادی مارگریٹ کی شادی کی تقریب میں دونوں فرقوں کے لوگ اتنی وسیع تعداد میں ایک ہی جگہ اکٹھے ہوئے کہ ہنگامی آرائی کا خطرہ بڑھ گیا۔ پھر یہ متوقع ہنگامہ آرائی شروع ہونے میں کوئی دیر نہیں لگی کسی پروٹسٹنٹ نے کسی رومن کیتھولک پر پھبتی کسی اور تلواریں نیام سے نکل آئیں اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مادر ملکہ یعنی شاہ چارلس ہفتم کی ماں ملکہ کیتھرائن ڈی میڈیچی Catherine Demedici نے جو رومن کیتھولک مسلک کی حامی تھی، اپنے بیٹے کو ہیوگوناٹس کا وسیع پیمانے پر قتل عام کرنے کا حکم دے دیا۔ پیرس میں اس دن سینٹ بارتھولومیوں کا دن بھی منایا جا رہا تھا۔ اتنا شدید ہنگامہ برپا ہوا کہ تیس ہزار سے زائد افراد قتل ہو گئے۔ پھر کشت و خون کا یہ سلسلہ پورے فرانس میں 13 ستمبر تک جاری رہا۔ کہتے ہیں کہ پورے فرانس میں پچاس ہزار سے زیادہ افراد اس مذہبی آگ میں مارے گئے۔ تاریخ فرانس میں یہ واقعہ بارتھولیومیو کے دن کا ہنگامہ و قتل کہلاتا ہے۔ قتل عام کے اس واقع نے شاہ چارلس کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ وہ جلد ہی صرف 24 سال کی عمر میں چل بسا یا شاید اس کی ماں نے میڈیچی خاندان کی زہر خورانی کی روایت پر چلتے ہوئے اسے زہر دلوا دیا۔ اس کی جگہ اس کے چھوٹے بھائی ہنری سوئم نے لے لی مگر وہ بھی قتل کر دیا گیا۔

اس تمام قتل و خون کا سہرا ملکہ کیتھرائن کے سر جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بنیاد پرست نہیں تھی لیکن اس کا الزام تو نہ دیا گیا مگر کیتھولک قوتوں نے اسے پروٹسٹوں کے اس قتل عام کی مبارک باد ضرور پیش کی۔ دنیائے مسیحیت کے ساتھ جس وفاداری کا اظہار کیا ہے وہ قابل ستائش ہے اور اس کی

Scanned with CamScanner

خوشی میں چراغاں بھی کیا جائے تو کم ہے۔

فرانس کی اس ملکہ کیتھرائن ڈی میڈیچی کا موازنہ انگلستان کی ملکہ میری اول سے کیا جاسکتا ہے۔ جو ایک ظالم اور بیمار ذہن کی مالک تھی۔ اس نے بھی پرٹسٹنٹوں کا قتل عام کروایا تھا۔ لیکن یہ اس زمانے کے لحاظ سے کوئی نیا اور انوکھا کام نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مذہبی تشدد یورپ کے لوگوں کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا اور اس کا سیاسی فائدہ اکثر یورپی حکمران اٹھاتے تھے۔

لفظ میڈیچی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ پندرہویں اور سولہویں صدی کے اطالیہ کا یہ مشہور حکمران خاندان اپنے جرائم اور برائیوں کی وجہ سے بھی مشہور تھا۔ اپنے سیاسی رقیبوں کو زہر خورانی کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹانے کی روائت ان ہی حکمرانوں نے ڈالی تھی۔

ملکہ کیتھرین 1519ء میں فلورنس میں پیدا ہوئی اور لورینزو دوم کی بیٹی تھی۔ اس کی شادی شاہ فرانس، فرانسس اول کے بیٹے ہنری سے ہوئی۔ ہنری اگر چہ ولی عہد سلطنت نہیں تھا مگر جب 1536ء میں ڈافن (ولی عہد) غیر متوقع طور پر اچانک مرگیا تو ہنری بادشاہ کا جانشین بنا اور کیتھرین فرانس کی ہونے والی ملکہ، کیتھرین پر مورخین نے الزام لگایا ہے کہ اس نے میڈیچی خاندان کے کسی فرد کی مدد سے ڈافن کو زہر دلوا کر اپنے راستے سے ہٹا دیا تھا۔

پھر 1547ء میں فرانسس اول بھی مرگیا اور ہنری تخت نشین ہوا۔ کیتھرین ملکہ بنی مگر ہنری کے دل پر کوئی اور عورت راج کرتی تھی۔

10 جولائی 1559ء کو وہ ایک نمائشی مقابلے میں کاؤنٹ ڈی منٹگمری سے نیزہ بازی کرتے ہوئے چل بسا۔ اس کے بعد اس کا پندرہ سالہ بیٹا فرانسس دوم تخت نشین ہوا۔ وہ اپنی ماں کے زیر اثر تھا مگر کیتھرین اب اپنے اقتدار میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگلے سال 1560ء میں بیمار فرانسس دوم چل بسا۔ اس مرتبہ بھی کیتھرائن پر الزام لگا کہ اس نے میڈیچی خاندان کی روایت برقرار رکھتے ہوئے اقتدار کے لیے اپنے بیٹے کو زہر دے کر راستے سے ہٹا دیا۔ اب کیتھرین کا دوسرا بیٹا چارلس نہم تخت پر بیٹھا جس کی عمر صرف دس سال تھی۔ وہ ملکہ کے ہاتھوں میں ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھا۔ تیز فہم اور چالاک ملکہ نے اسی چارلس نہم کے ہاتھوں ہزاروں پرٹسٹنٹوں کو قتل کروایا مگر اپنے الزام تک نہ آنے دیا۔

مآخذ:

100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا، از جان کیننگ۔
تاریخ تہذیب، غلام رسول مہر۔

Scanned with CamScanner

1574ء۔ سلطان مراد سوم کی تخت نشینی

سلطنت عثمانیہ کا بارہواں تاجدار سلطان مراد سوم تھا جو اپنے والد سلطان سلیم ثانی کی وفات کے بعد 21 دسمبر 1574ء کو استنبول آیا اور اپنی وفات تک حکمران رہا۔ 16 جنوری 1595ء کو وفات پائی۔

4 جولائی 1546ء کو خاصکی نور بانو کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں یورپ میں کوئی بڑی فتوحات نہ ہوئیں۔ آسٹریا سے مصالحانہ تعلقات سرکاری طور پر قائم رہے۔ صلح کی توثیق متعدد بار (1575ء اور 1584ء) جدید صلح ناموں اور غیر معمولی آسٹروی سفیروں کے ذریعے ہوتی رہی۔ اس کے باوجود ترک آسٹروی علاقے میں برابر لوٹ مار کرتے رہے۔ خصوصاً 1578ء میں کروشیا Croatia میں جہاں ایک نئی سنجاق بھی قائم کردی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے 1593ء میں رسمی طور پر جنگ شروع ہوگئی جس میں صدر اعظم سنان پاشا نے راب Raab کا شہر فتح کرلیا (1594ء)۔ جمہوریہ وینس یا بندقیہ کے ساتھ بھی ویسے ہی تعلقات رہے جیسے آسٹریا کے ساتھ تھے۔ کئی خطرناک بحری جھڑپوں کے باوجود صلح بھی قائم رہی۔ ڈینیوب کی ریاستوں میں خاندانی جھگڑوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہی اور ٹرانسکونیا میں بھی یہی صورت حال رہی۔ پولینڈ بھی ان دنوں ایک عثمانی باج گذار ریاست تھا۔ چنانچہ شاہ پولینڈ اسٹیفن بتھوری Stephen Bathory سلطان ترکی کی حمائیت کا مرہون منت تھا۔

مراد ثالث کے عہد میں سلطنت عثمانیہ کا نمایاں کارنامہ ہم مذہب ملک ایران سے جنگ تھا۔ جو 1577ء سے لے کر 1590ء تک جاری رہی۔ 1576ء میں شاہ طہماسپ کی وفات کے بعد ایران میں خطرناک مذہبی فسادات برپا ہوئے۔ ان سے ترکوں کو اپنی سلطنت وسیع کرنے کے لیے ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ 1577ء سے 1584ء کے درمیان سب سے بڑا محاذ گرجستان میں تھا۔ لالا مصطفیٰ پاشا 9 اگست 1578ء کو جھیل چالدیر کی لڑائی میں فتح یاب ہوا۔ اس کے بعد گرجستان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے شہزادے برائے نام ترکوں کے باج گذار بن گئے۔

1579ء میں سنان پاشا گرجستان کے محاذ پر سر عسکر مقرر کیا گیا۔ مزید فتوحات کی تکمیل میں ترک لشکر کو بڑی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بالخصوص جب کرتلی Kartli کا سابق تاجدار سائمن ایران کی جلاوطنی سے واپس آیا۔ اسی وجہ سے مذکورہ بالا مہم کو 1581ء میں کریمیا کی راہ سے بھیجنا پڑا۔ یہ مہم اور سیر عثمانی پاشا کی قیادت میں بھیجی گئی تھی۔ اور 1583ء میں جعفر پاشا بھی اسی راستے ہوکر

Scanned with CamScanner

اس سے جا ملا تھا۔ یہ دونوں جرنیل پھر کریمیا ہی کے راستے سے قسطنطنیہ واپس آئے۔ اگر چہ سلطان نے عثمان پاشا کا استقبال بڑی دھوم دھام سے کیا مگر اس مہم کا اصل مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ یعنی جنوبی ترک فوج سے ملاپ قائم نہ ہوسکا کیونکہ گرجستان اور شیروان کے علاقوں نے متحدہ طور پر اس کے خلاف مزاحمت کی تھی۔

جنگ ایران کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب عثمان پاشا نے 1585ء میں تبریز فتح کیا۔ اس کے بعد اسے ایرانی علاقوں اور کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ 1587ء میں جب شاہ عباس صفوی تخت نشین ہوا۔ تو دونوں سلطنتوں کے درمیان صلح کی گفت وشنید شروع ہوئی اور بالآخر 21 مارچ 1590ء کو دونوں ملکوں میں معاہدہ صلح ہوگیا جس کی رو سے بہت سے ایرانی علاقے عثمانی سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔ اس صلح نامے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ ایرانی اپنی زیادہ تر ایسی مذہبی رسومات ترک کردیں جو سنی عقائد مسلک کے خلاف ہیں۔

سلطان مراد کے ابتدائی سالوں میں محمد پاشا صوقو للی نے صدر اعظم کی حیثیت سے کاروبار حکومت سنبھالا ہوا تھا۔ مگر جب شمسی پاشا اور دفتر دار ادیس سلطان کے مزاج پر حاوی ہوگئے تو اس کے اختیارات کم ہونے لگے داخلی اور خارجی حکمت عملیوں پر سلطان کی والدہ نور بانو اور اس کی بیوی خاصکی صفیہ کا بڑا اثر تھا جو اصلاً ایک یہودی عورت تھی اور اطالوی مفاد کے لیے کام کرتی تھی۔ اطالوی مصادر میں اسے Chierazza نے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

سنان پاشا اپنے قتل 11 اکتوبر 1579ء تک منصب ولارت پر قائم رہا۔ تین مرتبہ اسے اس عہدے پر فائز کیا گیا۔

سلطان مراد ثالث کے عہد میں خاص ترک فوج ینی چری نے پہلی بار شاہی دیوان کے خلاف بغاوت کی۔ اپریل 1589ء میں پہلا غدر سکوں کی قیمت گر جانے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ سلطان مراد ثالث کے عہد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حکومت عثمانیہ میں اندرونی طور پر کمزوری پیدا ہوئی۔ سلطان کے سو سے زائد بچے تھے۔ بعد ازاں اس کا رجحان تصوف کی طرف ہوگیا۔ اس کے عہد کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ درباری شان وشوکت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جون 1582ء میں اس کے بیٹے محمد کی ختنہ کی تقریب منعقد ہوئی وہ ترکی کی تاریخ میں منعقدہ اس قسم کی رسومات کی تقریبات پر سب سے سبقت لے گئی۔ اس میں اتنا اصراف کیا گیا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

ماخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 20 صفحہ 276۔ تاریخ ترکیہ۔

Scanned with CamScanner

1576ء۔ شاہ طہماسپ صفوی کا قتل

ایران کے صفوی خاندان کا دوسرا حکمران شاہ طہماسپ اول تھا۔ یہ شاہ اسمٰعیل کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ صرف دس برس کی عمر میں 1524ء میں تخت نشین ہوا کم سنی میں قزلباش سرداروں کے ہاتھوں کی پتلی بنا رہا۔ 1527ء میں اس نے ازبکوں کو تربت شیخ جام کے نزدیک شکست دی۔ 1530ء میں ازبکوں نے ایک بار پھر سر اٹھایا مگر شاہ طہماسپ نے ان کے فتنہ کو فرد کر دیا۔

شاہ طہماسپ ازبکوں کی بغاوتوں سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ 940ھ/ بمطابق 1534ء میں عثمانی حکمران سلیمان قانون نے ایران پر حملہ کر دیا اور عراق فتح کر کے ایک بار پھر تبریز پر قابض ہو گئے۔ لیکن جیسے ہی ترکوں کے لشکر نے واپسی شروع کی شاہ طہماسپ کی فوجوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں کافی نقصان پہنچایا۔

954ھ/ 1547ء میں شاہ طہماسپ کے بھائی شہزادہ اخلاص یا القاص نے بغاوت کر دی اور سلطان سلیمان عثمانی کے دربار میں پناہ لی اور بھائی کے خلاف اس سے مدد چاہی۔ سلطان سلیمان نے ایک ترک لشکر شہزادہ اخلاص کی اعانت کے لیے ایران پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جس نے تبریز اور اصفہان کے علاقے فتح کر لیے۔ لیکن شہزادے اخلاص کا اپنے اتحادیوں سے جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے ترک لشکر واپس چلا گیا۔ ادھر یہ مدعی تخت آخر کار گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

صفوی اور عثمانی سلطنتوں میں ایک عرصے سے کشمکش چلی آ رہی تھی۔ آخر ان دونوں حکومتوں کے مابین 1554ء میں عارضی صلح ہو گئی اور دونوں کے اختلافات کچھ عرصے کے لیے ختم ہو گئے۔

شاہ طہماسپ اول کے عہد کا ایک اور اہم واقعہ شہنشاہ ہمایوں کی اپنے بھائیوں اور دشمنوں کے ہاتھوں شکست کھا کر ایران آمد تھا۔ شاہ طہماسپ نے شہنشاہ ہند کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس کے ساتھ ایرانی لشکر بھیجا جس کی مدد سے آخر کار ہمایوں نے اپنا تاج و تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

1556ء میں عثمانی حکمران سلیمان قانونی کے بیٹے شہزادے بایزید نے بغاوت کر کے ایران میں پناہ لی۔ دو سال تک دونوں حکومتوں میں شہزادے کی واپسی کی گفتگو ہوتی رہی اور پھر اسے سلطان سلیمان کے حوالے کر دیا گیا اور شاہ طہماسپ کے ایما پر اسے چار لاکھ اشرفیوں کے عوض قتل کروا دیا گیا۔

شاہ طہماسپ کے عہد حکومت کے آخری سالوں میں ازبکوں نے صوبہ خراسان پر حملہ کیا اور

Scanned with CamScanner

قحط سالی کے بعد طاعون کی وبا بھی پھیلی (1571ء)۔

شاہ طہماسپ کو 1576ء میں استا جلو قبیلے کے سردار حیدر نامی کی والدہ نے زہر دے دیا جس سے اس کی وفات ہوگئی۔

شاہ طہماسپ نے اپنی سوانح عمری خود لکھی تھی جسے Horn نے جرمن اورنٹل سوسائٹی کے مجلہ ج 44 (1890ء) میں شائع کیا تھا۔

سٹراسبورگ سے اس سوانح عمری کا ترجمہ بھی شائع ہوا۔ یہ سوانح عمری 969ء/ 1561ء پر ختم ہوجاتی ہے۔ یعنی اس سال پر جس سال طہماسپ نے شہزادہ بایزید کو ترکوں کے حوالے کیا تھا۔ اس کے سرکاری مراسلوں جو دیگر ممالک کے بادشاہوں کو بھیجے گئے تھے کی نقول برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں میں ملتی ہیں۔ اس کے عہد حکومت میں انگریز سفیر انتونی جین کنسن Inthony Jen Kinson (1562ء) میں ایران پہنچا جب کہ یورپ کے ایک ملک وینس کے سفیر بھی ایران آئے۔

مآخذ:

ادب نامہ ایران از مقبول بیگ بدخشانی۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔

Scanned with CamScanner

1576ء۔ ٹائیکو براہے اور رصد گاہ کی تعمیر

شیکسپیئر نے ڈنمارک کے مالیخولیا کے مریض نوجوان شہزادے ہیملٹ کا کردار اپنے ایک مشہور کھیل میں پیش کیا تھا۔ اسی زمانے میں حقیقی ڈنمارک کا ایک نواب ٹائیکو براہے Tycho Brahe (1546ء۔ 1601ء) بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بستر خواری کی عادت سے مجبور ہو کر زیادہ کھانا کھالیا تھا اور اب وہ بدہضمی سے مر رہا تھا۔ جب اس کا حال زیادہ خراب ہوا تو اس نے اپنے تیز طبع معاون جوہانز کیپلر Johans Kepler کو بلا کر وہ عظیم کام جاری رکھنے کی ہدایت کی جو وہ دونوں مل کر سرانجام دے رہے تھے۔ جب کیپلر نے یہ ذمہ داری قبول کرلی تو اپنے عہد کا یہ عظیم ترین ماہر فلکیات ٹائیکو براہے چند ہی گھنٹوں بعد چین سے مر گیا۔

ٹائیکو براہے ہیملٹ کے قصبے میں پیدا ہوا اس کا مقام پیدائش بھی شیکسپیئر کے شہزادے کے مقام ایلسنور Elsinore کے قریب ہی تھا۔ اس کی ساری زندگی فلکیات میں عظیم کارنامے انجام دیتے گزری۔ سولہویں صدی کے یورپ میں سامان تعیش کی کچھ کمی نہ تھی اگر براہے چاہتا تو عیاشی کی زندگی بھی بسر کرسکتا تھا۔ مگر بلوغت میں قدم رکھنے کے بعد اس کی تمام عمر ہمارے اس سیارے "زمین" سے پرے دیکھتے ہوئے گزر گئی۔

اس کا اصل نام ٹائجی Tyge تھا۔ ٹائکو اس کے نام کی لاطینی شکل ہے بچپن میں ٹائیکو کو اس کے ایک لاولد چچا نے اغوا کرلیا تھا مگر اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اسے بہترین تعلیم مل سکے۔ بارہ برس کی عمر میں ٹائیکو کو کوپن ہیگن یونیورسٹی میں داخلہ دلایا گیا جہاں اس نے فلسفہ اور فن خطابت کی تعلیم حاصل کرنا تھی مگر ٹائیکو براہے کو علم فلکیات میں بے حد دلچسپی تھی۔ انہیں دنوں ڈنمارک کے نجومیوں نے اگست 1560ء میں ایک گرہن کی پیش گوئی کی تھی۔ جب سچ مچ یہ گرہن لگ گیا تو ٹائیکو اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فوراً ہی بطلیموس کی کتاب کا لاطینی ترجمہ خریدا اور اس کا مطالعہ شروع کردیا۔ اس واقعے کے بعد اس کی ساری زندگی پر علم نجوم اور علم فلکیات کے بادل ہی چھائے رہے۔ اس نے اپنے چچا کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اسے فلکیات کی تعلیم کے حصول کے لیے لیپزگ Leipzib یونیورسٹی بھجوادے۔ اس زمانے تک علم فلکیات جادو توہمات اور دیومالا سے گڈمڈ تھا۔ اس لیے اس علم کو مزید ترقی دینے کا بیڑا ٹائیکو نے خود ہی اٹھایا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ اپنے فلکی مشاہدات کو بڑے منظم طریقے سے نقشوں اور جدولوں کی شکل دینے لگا۔

فلکیات کی ابتدا میں دوسری صدی قبل ان مسیح کے یونانی سائنسدان ہپرخس Hippar

Scanned with CamScanner

chus نے سائنسی اصولوں کے مطابق معلومات کے حصول کی ابتداء کی تھی۔ اسی کے طریق پر چلتے ہوئے ٹائیکو براہے نے اس کے کام کو آگے بڑھایا۔ ٹائیکو نے عہد کیا تھا کہ وہ بغیر ثبوت و تحقیق کے کسی کی بات کو قبول نہ کرے گا۔ اسی وجہ سے اس کے سماوی مطالعہ میں کبھی کمی نہیں آئی اپنی ہر دریافت کی اس نے کئی کئی مرتبہ جانچ پڑتال اور تصدیق کی اس کی تکنیک اتنی موثر تھی کہ ستاروں کی پیمائش کے اندراج میں قوس کے ایک درجہ کے ساٹھویں 1/60 سے بھی کم کی غلطی ہے۔ ٹائکو کا مقصد آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کی فہرست مرتب کرنا تھا۔ اس کی یہ منزل بڑی بلند ہمتی کی متقاضی تھی کیونکہ اس کے عہد میں دوربین بھی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود براہے کا تحقیقی کام حیرت انگیز طور پر درست ہے۔ اس نے سال کی مدت کا جو اندازہ لگایا اس میں ایک سیکنڈ سے بھی کم غلطی تھی۔

ٹائیکو براہے نے 1572ء میں ایک عظیم نوتارا Supernova دیکھا۔ یہ ایک روشن ستارہ ہے جو بم کی طرح فضا میں پھٹتا ہے۔ اس نے اس تارے کا نام "نوتارا Nova رکھا اور اس کے بارے میں ایک کتاب بھی شائع کی اس کتاب میں اس نے وضاحت کی کہ ستاروں کی ابتداء اوسط اور انتہا ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ نظریہ فلکیات میں انقلابی تھا کیونکہ یہ ارسطو کے اس قدیم نظریے کو رد کرتا تھا کہ ستارے ثابت و قائم ہیں۔

ڈنمارک کے بادشاہ فریڈرک دوم تک جب ٹائیکو براہے کے کارناموں کی خبر پہنچی تو اس نے ٹائیکو کو ایک زبردست پیش کش کی۔ اس نے کوپن ہیگن کے قریب ہوین Hveen کے جزیرے پر ایک رصدگاہ کے قیام کا وعدہ کیا اور ٹائیکو براہے کو اس رصدگاہ کے قیام کا انچارج بنا دیا۔ بادشاہ نے اس کام کے لیے بیس ہزار پاؤنڈ کی رقم مختص کی۔

ٹائیکو براہے نے اپنی جیب سے بھی مزید بیس ہزار پاؤنڈ کی رقم کا اضافہ کیا اور جزیرے پر رصدگاہ کی تیاری شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے جزیرے پر ایک محل تعمیر کیا گیا جس کا نام "قصر سماوی Uranienborg" رکھا۔ اس کا نقشہ باغ کی طرح چوکور تھا۔ اس محل میں رصدگاہ کے علاوہ معزز مہمان کے ٹھہرنے کے لیے انتہائی آرام دہ کمرے آراستہ کیئے گئے۔ باقی حصے میں ایک مطبع، ایک لائبریری، تجربہ گاہ اور رصدگاہ تعمیر کی گئی۔ ایک رصدگاہ زمین دوز بھی تیار کی گئی اس کی صرف چھت زمین پر سے نظر آتی تھی تاکہ بیرونی عناصر اور موسموں کا تغیر و تبدل آلات کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

براہے اس رصدگاہ سے جو معلومات حاصل کرتا اس کا باقاعدگی سے اندراج کیا جاتا۔ جسیم دستاویزوں، چارٹوں اور ڈائریوں کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھی کہ براہے کو محل کے کمرے گوداموں میں تبدیل کرنا پڑے۔ اس رصدگاہ میں کام اتنا بڑھا کہ براہے کو کیپلر کو بطور معاون رکھنا پڑا۔ خود کیپلر بھی آگے چل کر اسی رصدگاہ کے مشاہدے سے بہت بڑا ماہر فلکیات بنا۔

مآخذ: Pioneers in Science Astrono my.

Scanned with CamScanner

1577ء۔ سر فرانسس ڈریک دنیا کے گرد سفر پر

سر فرانسس ڈریک Sir Francis Drake (1540ء۔ 1596ء) کا مشہور زمانہ سفر جس میں وہ کرہ ارض کے گرد چکر لگانے والا دوسرا مہم جو قرار پایا۔ 13 دسمبر 1577ء کو انگلستان کی بندرگاہ پلائی ماوتھ سے شروع ہوا۔ اس کا بحری بیڑا تین بڑے جہازوں "پیلکن، میری گولڈ اور ایلزبتھ" اور دو چھوٹے کارگو جہازوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ان جہازوں پر 160 افراد کا عملہ سوار تھا۔ اس کے اس اکتشافی سفر کا مقصد انگلستان کے لیے نئی دنیا اور بحرالکاہل کے ساحلوں پر نوآبادیاتی اور تجارتی مقامات دریافت کرنا تھا۔

54 دن کے بحری سفر کے بعد اس کا یہ بحری بیڑا جنوبی امریکا کے شمالی ساحل پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا (15 اپریل 1577ء)۔ اثنائے راہ میں جزائر کیپ وردی کی بندرگاہ ساؤ ٹیاگو کے قریب اس نے دو پرتگیز جہازوں میں سے ایک کو گرفتار کرلیا اور اپنے ایک دوست تھامس ڈنی کی قیادت میں دے دیا۔ دراصل خفیہ طور پر ملکہ انگلستان نے اس ہسپانوی اور پرتگیز جہازوں اور نو آبادیوں کو لوٹنے کا حکم دیا تھا۔ وہ پورے سفر میں اس حکم پر عمل پیرا رہا۔ اس کی انہیں کاروائیوں کی وجہ سے اس پر ایک مہم جو کی بجائے ایک بحری قزاق کا شبہ ہوتا ہے۔

جنوبی امریکا میں سان جولیاں San Julian کے مقام پر اس نے قیام کیا اور جہازوں پر سامان رسد لادنے کے ساتھ ساتھ مقامی باشندوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ اسی قیام کے دوران اسے تھامس ڈنی کا سر قلم کرانا پڑا کیونکہ وہ اس کے خلاف بغاوت کرانے کی منصوبہ بندی میں مصروف پایا گیا۔ یہاں سے روانگی کے وقت سر فرانسس ڈریک اپنے چھوٹے کارگو جہاز اور گرفتار شدہ پرتگالی جہاز کو تباہ کردیا کیونکہ وہ تینوں اس حالت میں نہ تھے کہ آئندہ سفر میں بڑے جہازوں کا ساتھ دے سکیں۔

اپنے بقایا تینوں جہازوں کے ساتھ ڈریک 20 اگست 1578ء کو آبنائے میگلن میں داخل ہوا۔ اس نے صرف 160 دن میں 360 میل طویل یہ آبنائے عبور کرلی۔ سولہویں صدی کی جہاز رانی میں یہ ایک نیا ریکارڈ تھا جو ڈریک نے قائم کیا۔ آبنائے سے گزر کر وہ بحرالکاہل میں داخل ہوئے اور ڈریک نے اپنے جہاز کا رخ شمال مغرب کی سمت کردیا۔ آبنائے سے گزرتے ہوئے ایک شدید سمندری طوفان نے ڈریک کے بیڑے کو گھیر لیا تھا۔ جس میں اس کا ایک جہاز "میری گولڈ" ہمیشہ کے لیے کھو گیا اور دوسرے جہاز ایلزبتھ کو آبنائے کے دہانے میں پناہ لے کر برطانیہ

Scanned with CamScanner

واپس ہونا پڑا۔ سر فرانسس ڈریک اپنے دونوں جہازوں کا انتظار ایک ماہ تک کرتا رہا جب ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کے جہاز تک نہ پہنچا تو مجبوراً ڈریک نے اپنے جہاز پیلکن میں سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اب ڈریک نے اس جہاز کا نام بدل کر "گولڈن ہنڈ" رکھ لیا تھا۔ جنوبی امریکہ کے شمالی ساحل اور بحرالکاہل کے کنارے جو ہسپانوی نو آبادیاں قائم کی گئیں تھیں ان میں حفاظتی اقدامات مفقود تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا کے ان مقامات تک ابھی صرف ہسپانوی جہاز راں ہی پہنچے تھے اور کسی دوسری قوم کی آمد متوقع نہ تھی۔ چلی کے ساحل کے ساتھ ساتھ اور دیگر کئی مقامات پر ہسپانوی نو آبادیاں اور جہاز لوٹنے میں ڈریک کو کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ یہیں ڈریک نے ایک رکے ہوئے ہسپانوی بحری جہاز پر قبضہ کیا جو سونے اور چاندی سے لدا ہوا تھا۔

یہ خزانہ گولڈن ہنڈ پر منتقل کرنے کے بعد ڈریک بحرالکاہل میں سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں آج کل سان فرانسسکو آباد ہے۔ یہاں کے باشندوں کا رویہ انتہائی دوستانہ تھا۔ ڈریک نے اس سرزمین پر کانسی کی ایک پلیٹ نسب کی جس میں اس سرزمین کو انگلستان کی ملکیت قرار دیا گیا تھا۔ یہاں سے واپسی میں آبنائے میگلن سے گزر کر ایک بار پھر کرہ ارض کے گرد چکر مکمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ مگر جہاز پر خزانے کی موجودگی اور ساتھی بحری جہاز نہ ہونے کی وجہ سے ڈریک کو خطرہ تھا کہ کہیں ہسپانوی اس کے جہاز پر واپس کے سفر میں حملہ نہ کر دیں۔ اسی وجہ سے اس نے بحر ہند کے راستے وطن واپسی کا ہنگامی بنیاد پر پروگرام ترتیب دیا اور وہ مزید مغرب کی طرف بڑھا۔

جزائر فلپائن میں اس نے کچھ روز بحری جہاز پر پانی کی رسد پوری کرنے کے لیے قیام کیا اور پھر وہ گرم مصالحوں کے حصول کے لیے ملاکا میں رکا اسی دوران اس نے جزائر مشرق الہند میں جاوا اور جزائر ملی بس Celebis کی بھی سیاحت کی اس کے بعد وہ بحر ہند سے گزر کر اس امید کے گرد چکر لگاتے ہوئے 26 ستمبر 1580ء کو فاتحانہ انداز میں پلائی ماؤتھ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔

ہسپانوی نو آبادیوں میں لوٹ مار کرنے کی وجہ سے اسپین کے بادشاہ فلپ ثانی نے سخت برہم ہو کر ملکہ ایلزبتھ سے مطالبہ کیا کہ وہ ڈریک کو قرار واقعی سزا دے مگر ملکہ نے اس کے برعکس خود "گولڈ ہنڈ" پر قدم رنجہ فرمایا اور سر فرانسس ڈریک کو نائٹ کے خطاب سے نوازا۔

سر فرانسس ڈریک کو انگلستان کا قومی ہیرو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس سفر سے پہلے اس نے بہت سے مشہور جہاز رانوں کی قیادت میں بحری سفر کیئے ان میں امیر البحر جان ہاکنس اور کپتان جان لوویل شامل ہیں۔ انہیں سفروں کے تجربے کی وجہ سے وہ دنیا کے گرد چکر لگانے میں کامیاب ہوا۔

مآخذ:

انسائیکلو پیڈیا ورلڈ بک جلد 3 بذیل مادہ "ڈریک"۔ 1000 اہم واقعات۔

Scanned with CamScanner

1579ء۔ نیدرلینڈ کا قیام

آج کل یورپ کے دو نشیبی ملک نیدرلینڈ اور بلجیئم کے نام سے جانے جاتے ہیں یہ ممالک براعظم یورپ کے نشیبی علاقے میں واقع ہیں اس وجہ سے نیدر لینڈ کے معنی نشیبستان کے ہیں۔ بارہویں صدی عیسوی تک ان کی حیثیت محض چھوٹے چھوٹے قصبوں پر مشتمل آبادیوں کی تھی جن پر نواب یا رئیس Duke and Counts حکمران تھے۔ پندرہویں صدی میں یہ ممالک ڈیوک آف برگنڈی کی ماتحتی میں آ گئے۔ برگنڈی کے ڈیوک چارلس دی بولڈ نے ان دونوں ممالک کو ایک متحدہ ملک کی حیثیت دینا چاہی مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کی بیٹی میری کی شادی جب آسٹریا کے ہیپسبرگ شہنشاہ میکسملین Maximilian سے ہوئی تو یہ دونوں نشیبی ملک مقدس رومی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ جب ہیپرگ شہنشاہ چارلس پنجم کی سلطنت میں اسپین بھی شامل ہوا تو یہ اسپین کی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ شہنشاہ چارلس پنجم کی تخت سے دستبرداری کے بعد ان ممالک پر اس کے بیٹے فلپ دوم کی حکومت قائم ہو گئی۔

فلپ دوم ایک کینہ پرور مذہبی آدمی۔ اس کی حکومتی پالیسی کا نصب العین یہ تھا کہ پروٹسٹنٹ ازم کے زور پکڑ جانے کے باوجود کیتھولک مذہب محفوظ و مامون رہے اور کسی نہ کسی طرح پروٹسٹنٹوں کا نام ونشان تک مٹا دیا جائے۔ اس کے باوجود کے اس کی وسیع سلطنت میں تقریباً سات شمالی صوبے پروٹسٹنٹ اکثریت رکھتے تھے۔ انہیں صوبوں میں نیدرلینڈ اور بلجیئم بھی شامل تھے۔ اس کے شدید مذہبی رجحان اور مظالم سے تنگ آ کر آخر ان صوبوں 1568ء نے اس غیر ملکی حکمران کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ بغاوت یا جدوجہد آزادی ہالینڈ کی تاریخ 80 سالہ جنگ 1568ء تا 1648ء کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

اس زمانے میں ہسپانوی پیادہ فوج یورپ بھر میں بہترین فوج سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ ولندیزیوں کے پاس نہ کافی ہتھیار تھے اور نہ وہ اس جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھے مگر ان کی مزاحمت بالآخر کامیاب ہوئی۔ انتہائی نامساعد حالات میں یہ ولندیز قوم کا نہایت اہم کارنامہ تھا۔ اسی جنگ میں کامیابی کے نتیجے میں 1579ء میں پروٹسٹنٹ صوبوں نے اتحاد Utrecht Union قائم کی جس میں ہالینڈ، زی لینڈ، ایئرخت، گیلڈر لینڈ اور کئی دوسرے پروٹسٹنٹ صوبے شامل تھے۔ ان متحدہ صوبوں پر ولیم آف اورنج William Of Orenge کی حکومت قائم ہوئی اور یہ نیدرلینڈ کہلایا۔ لیکن ولندیزیوں کی ہسپانویوں کے خلاف یہ فتح غیر معمولی ضرور تھی مگر طاقت اور قوت پر

Scanned with CamScanner

کمزوری کی فتح نہ تھی بلکہ ایک ایسی فتح تھی، جو بیسویں صدی تک مغربی یورپ کی سیاسی زندگی کا عام اصول رہی۔ یعنی کسی غیر مطمئن آبادی کو تنہا قوت کے زیر اثر نہیں رکھا جا سکتا۔

ولندیزیوں کی اس فتح کے بہت سے عوامل تھے جن میں فلپ ثانی کی ایک سے زیادہ محاذوں پر جنگ اور نازک داخلی مسائل کی وجہ سے پریشانی، دوسرے ولندیزیوں کو یہ غیر معمولی اخلاقی امداد حاصل ہوگئی تھی کہ انہیں ایک شہید مل گیا۔ یہ شہید ولیم آف اورنج تھا جسے عموماً ولیم خاموش William The Sielent کہتے ہیں۔ اسے 1584ء میں ایک آدمی نے قتل کردیا جو یا تو مذہبی نفرت سے متاثر تھا یا اسے شاہ فلپ ثانی سے انعام کی امید تھی۔ جس نے اعلان کر رکھا تھا کہ ولیم خاموش قانونی حفاظت کے دائرے سے باہر ہے۔ اسے جو قتل کرے گا انعام پائے گا یا دونوں باتیں شامل تھیں۔ ولیم کی اچانک موت کے باعث ولندیزی اپنی قومی تاریخ کے پہلے بڑے راہنما سے محروم ہوگئے۔ لیکن اس سیاسی قتل سے ہسپانیہ کے مفاد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ادھر ولندیزیوں کو انگلستان جیسا ابھرتا ہوا پروٹسٹنٹ ملک حلیف کے طور پر مل گیا۔ جب 1585ء میں انگریزی فوج ولندیزیوں کی امداد کے لیے پہنچی تو فلپ دوم نے انگلستان کے خلاف باقاعدہ جنگ کا فیصلہ کیا اور 1588ء میں ایک بحری بیڑا آرمڈا انگلستان پر حملے کے لیے بھیجا اگرچہ ابھی ہالینڈ کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔ انگریزوں کے ہاتھوں اس ہسپانوی بیڑے کی شکست سے بین الاقوامی سیاسیات میں انگریزی عظمت کی ابتدا ہوئی اور یہی جنگ ولندیزی جمہوریت کی خودمختاری کے حصول میں ایک فیصلہ کن قدم ثابت ہوئی ہسپانوی بیڑے کو انگریزوں سے شکست کے بعد جس سمندری طوفان کا سامنا کرنا پڑا اسے ہسپانویوں نے "پروٹسٹنٹ کی ہوا Protestant Wind" کا نام دیا تھا۔

فلپ دوم نے 1598ء میں ایک طویل اور تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد قصر سکوریال Escorial میں وفات پائی جو اس نے میڈرڈ کے قریب تعمیر کرایا تھا۔ ایام بیماری میں فلپ دوم نے وصیت کی تھی کہ میرے پلنگ کے نزدیک ایک کھلا تابوت رکھ دیا جائے اور ایک انسانی کھوپڑی بھی ساتھ ہو جس پر سنہری تاج آویزاں ہو۔

فلپ کی وفات کے بعد نیدر لینڈ میں جنگ سرسری طور پر 1609ء تک جاری رہی۔ 1609ء میں ایک معارکہ جنگ طے پایا جس کی رو سے متحدہ ممالک زیریں (ولندیزی جمہوریت کا یہی نام مشہور تھا) کی خودمختاری قائم ہوگئی۔ 1648ء میں ویسٹ فیلیا کے صلح نامے میں بین الاقوامی قانون کے مطابق اس خودمختاری کی توثیق کردی گئی۔ اسی ولندیزی جمہوریہ نے اقتصادیات میں سترہویں صدی کے یورپ کے لیے راہ عمل متعین کی۔

مآخذ:

1000 Great Events۔ تاریخ تہذیب جلد اول صفحہ نمبر 672۔

Scanned with CamScanner

1582ء۔ دین الہیٰ کی ایجاد

ہندوستان کے مغل شہنشاہ اکبر کی جہاں تاریخ میں نیک نامی اور سلطنت کے استحکام کے لیے ٹھوس کارنامے ملتے ہیں وہیں شہنشاہ اکبر نے 582ھ میں دین اسلام میں تحریف کر کے ایک نیا دین ۔ دین الہیٰ جاری کیا۔ اخلاقی اعتبار سے (بظاہر) دین الہیٰ میں نفس پرستی، غبن، غیبت، فریب، جبر، تعدی، تخویف اور تکبر کی ممانعت تھی۔ اس میں جین مت کا عقید اہنسا اور کیتھولک عیسائیوں کی تجرد پسندی شامل کی گئی تھی۔ دین الہیٰ میں جن دس فضائل کی تاکید کی جاتی ان میں سے غالباً نو (۹) تو براہ راست قران مجید سے ماخوذ تھے۔ کشادہ نظری، اعمال بد سے پرہیز، تقویٰ، زہد، پرہیز گاری، احتیاط، نرمی، شفقت اور دسویں فضلیت یہ تھی کہ صوفیہ کے طریق پر آرزوئے الہیٰ کے ذریعہ تزکیہ نفس کیا جائے۔ مذہبی رسوم کے لحاظ سے اسے ایک طرح کی ''شمسی توحید'' کہا جاسکتا ہے۔ جس میں نور، شمس اور نار پر مبالغہ کی حد تک زور دیا جاتا تھا۔ اس سے اولاً زرتشتی ثانیاً ہندوانہ اور صوفیانہ اثرات کا پتہ چلتا ہے۔

دور اکبری کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کا دین اکبری پر اعتراض یہ تھا کہ اس میں شہنشاہ کو بالواسطہ نبی بلکہ خدا کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے تمام مرید جب آپس میں ملتے تو ''اللہ اکبر'' اور ''جل جلالہ'' کہہ کر ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے۔ یہ کلمات اگر چہ صوفیا کے ذکر کے اکثر ادوار میں آتے تھے۔ تاہم ان میں اکبر کے نام کی طرف ایک خوشامدانہ اشارہ پنہاں تھا۔ دوسری طرف ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اکبر اپنے مذہب میں شامل ہونے والوں کو یہ کہہ کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا تھا کہ ''خود ہدایت پانے سے پہلے میں کسی کو ہدایت کیسے دے سکتا ہوں؟'' اس کے مریدوں کی تعداد انیس سے آگے کبھی نہیں بڑھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر دین الہیٰ کو ایک روحانی کلب Club تصور کرتا تھا، جو ان منتخب درباریوں تک محدود تھی جن کی وفاداری نے اس کی حوصلہ افزائی کی شہ پا کر ایک مخفی اور غیر شرعی شخصیت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ دین الہیٰ میں نا تو کسی الہامی کتاب کے نازل ہونے کا دعویٰ کیا گیا، نہ اس سے مذہبی پیشواؤں کے کسی سلسلے کا آغاز ہوا۔

دین الہیٰ کی تشکیل میں جو محرکات کارفرما تھے ان میں ملکی مصالح کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ اکبر ہندوستان میں ایک عظیم الشان اور مستحکم سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن علماء بالخصوص مخدوم الملک اور صدر الصدور اس قدر بااثر اور مقتدر ہو چکے تھے کہ ملک کے جملہ فوجداری اور دیوانی معاملات ان کی رائے کے مطابق طے پاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے منصب سے فائدہ

Scanned with CamScanner

اٹھاتے ہوئے وہ اپنی من مانی بھی کرنے لگے تھے۔ اور انہوں نے نہ صرف زر و معفت کو اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ بلکہ حسب ضرورت فقہی مسائل میں بھی ردو بدل کرنا شروع کر دیا تھا۔ تاہم ان کی یہ تمام کمزوریاں ثانوی حیثیت کی تھیں۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ کیا بادشاہ مختار الذات ہے یا ان کے فتوؤں کا پابند؟ ایک اعتبار سے یہ ارباب شرع اور ارباب حکومت کی کشمکش تھی۔ جس میں بالآخر حکومت کا پلہ بھاری رہا۔ اکبر نے اپنے ایک خط میں جو عبداللہ ازبک کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کا ذکر کچھ یوں کیا ہے۔ ''می خواہند کہ در فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند'' بہرحال اکبر کا دین الٰہی کی ایجاد سے بڑا مقصد اپنی سلطنت کا استحکام تھا۔ وہ جانتا تھا کہ غیر مسلم رعایا کی حمائیت بھی ضروری ہے۔ اس لیے اکبر نے ہندوؤں کو ہمیشہ اپنائیت کا تاثر دیا۔ جزیئے کی معافی، یاتریوں کے محاصل کی موقوفی وغیرہ سب ہی اسی کا ایک حصہ تھے۔

شیخ اکرام الحق نے اپنی تصنیف ''رودکوثر'' میں لکھا ہے کہ اکبری احکام کے لیے ''دین الٰہی'' کی ترکیب خود اکبر کے عہد کے مورخین نے استعمال نہیں کی۔ بلکہ یہ ترکیب پہلی بار ''دبستان مذاہب'' میں اکبر کی وفات کے ساٹھ ستر سال بعد استعمال ہوئی۔ دین الٰہی کی اصلاح کا دوسرا استعمال ''سیر المتاخرین'' کے مصنف غلام حسین طباطبائی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ تیسرا شخص جس نے آئین اکبری کے انگریزی ترجمہ میں طریق یا روش اکبری کو دین الٰہی کا نام دیا۔ وہ انگریز مترجم بلوخ مین ہے۔

1001ء میں شیخ مبارک اور فیضی کے انتقال کے بعد اس نو ساختہ مذہب کے دو بڑے ستون گر پڑے۔ 1007ء میں ابوالفضل کے دکن کی مہمات پر جانے کے بعد دربار اکبری میں دین الٰہی کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں اور بقول جہانگیر ابوالفضل کے خاتمے کے بعد تو اکبر کی اس بداعتقادی کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ لیکن اس کی بدولت ملک میں جو بے دینی اور بدعت کی روش چل نکلی تھی اس کے خلاف راسخ العقیدہ مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل ہوا اور جس کی نمائندگی نقشبندیہ سلسلے کے شیخ احمد سرہندی نے تصوف میں اور علوم دینیہ میں عبدالحق محدث دہلوی نے کی۔

Scanned with CamScanner

1583ء۔ تقویم عیسوی میں اصلاح

مسیحی دنیا میں اپنایا گیا شمسی یا عیسوی کلینڈر پہلے جولین کیلنڈر یا جولین تقدیم کہلاتا تھا۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ تقویم 45 ق م میں مشہور زمانہ رومی فاتح جولیس سیزر نے رائج کی تھی اور اس کا نام اپنے نام کی کی نسبت سے جولین کیلنڈر Julian Calander رکھا تھا۔ یہ تقویم تقریباً سولہ سو سال تک بغیر کسی اصلاح و تبدیلی کے مروج رہی۔ 1600 سال گزرنے کے بعد اس تقویم میں کچھ خرابیاں ظاہر ہونے لگیں جن کی اصطلاح 1583ء میں پوپ گریگوری سیزدہم نے کی جو آج تک رائج ہے۔

شمسی سال وقت کے اس دورانیہ کے برابر ہوتا ہے جس میں زمین سورج کے گرد اپنے مدار میں ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ یہ دورانیہ 365 دن 5 گھنٹے، 48 منٹ اور 46 سیکنڈ ہے۔ چونکہ پہلے شمسی سال میں صرف 365 دن شامل تھے۔ اس لیے یہ سال وقت کے اس دورانیہ سے چھوٹا ہوتا ہے جو زمین سورج کے گرد چکر لگانے میں صرف کرتی ہے اور جو زمین پر موسموں کے تغیر کا باعث ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سال کے دورانیہ میں یہ خفیف سی کمی سال بہ سال زیادہ ہوتی چلی گئی۔ 45 ق م سے 1583ء تک تقریباً 10 دنوں کا فرق آ گیا۔ جولین کیلنڈر میں اگرچہ اس فرق کو دور کرنے کا یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ ہر صدی کا آخری سال لیپ کا سال قرار دے کر اس سال فروری میں ایک دن کا اضافہ کر دیا جاتا تھا جو ناکافی تھا۔

1583ء میں پوپ گریگوری سیزدہم نے جولین تقویم پر نظر ثانی کی اور ایک فرمان کے ذریعے کم رہ جانے والے دنوں کا اضافہ کر کے جمعرات 4 اکتوبر 1583ء کے بعد اگلا روز یعنی جمعہ 15 اکتوبر قرار دیا۔ ساتھ ہی جولین تقویم کی اس خامی کو بھی ہمیشہ کے لیے رفع کرنے کے لیے ایک یہ طریقہ کار وضع کر دیا کہ ایک صدی میں ہر وہ سال لیپ کا سال تصور ہوگا جو 400 سے تقسیم ہو سکے۔ لہٰذا 1700ء، 1800ء اور 1900ء صدیوں کے آخری سال لیپ کے سال نا قرار پائے۔ البتہ 1600ء، 2000ء چونکہ 400 پر تقسیم ہو سکتے ہیں اس لیے لیپ کا سال قرار پائے۔

کیتھولک مذہب رکھنے والے ممالک مثلاً اسپین، پرتگال، اٹلی اور فرانس نے فوراً پوپ کی یہ تقویمی اصلاح قبول کر کے اپنے ہاں رائج کر دی۔ جب کہ پروٹسٹنٹ ممالک نے پوپ سے نظری و فکری اختلافات رکھنے کے باعث اس کی اس ترمیم کو قبول نہ کیا۔ تاہم مختلف ممالک اسے مختلف

Scanned with CamScanner

اوقات میں اپناتے رہے۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں تقریباً دو سو سال بعد انگلستان اور اس کے مقبوضہ ممالک، کینیڈا، افریقہ، امریکا اور ہندوستان میں یہ تقویمی ترمیم نافذ کی گئی اس سال بدھ 2 ستمبر کے بعد کے 11 دن حذف کر کے جمعرات کو 3 ستمبر کی بجائے 14 ستمبر قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں انگلستان میں اسی سال سے سال نو کا اول دن یکم جنوری قرار پایا۔ جب کہ اس سے پیشتر وہاں دو قسم کے کیلنڈر رائج تھے۔ سول Civil یا قانونی سال کا آغاز 25 مارچ سے ہوتا تھا، اگر اس طرح دیکھا جائے تو 1550ء کا آخری روز 24 مارچ تھا۔ تو اس سے اگلے دن یعنی 25 مارچ کو نئے سال 1551ء کا پہلا دن اس کے برعکس تاریخی سال یکم جنوری ہی سے شروع کیا جاتا تھا۔ اس طرح اگر ایک ہی دن قانونی سال کے اعتبار سے 24 مارچ 1550ء تھا تو تاریخی سال کے اعتبار سے 24 مارچ 1551ء ہر سال یکم جنوری سے 24 مارچ تک کے دنوں کی یہی کیفیت تھی۔

بلکہ یورپ میں اس قبل یہ تقویمی تضاد بھی موجود تھا کہ ساتویں صدی سے تیرہویں صدی تک سال نو کرسمس کے دن سے شمار کیا جاتا تھا۔

پوپ گریگوری سیزدہم کے نام پر نئی اصلاح شدہ عیسوی تقویم گریگوری تقویم یا کیلنڈر کہلاتی ہے۔ اس تقویم کو اپنانے والے ممالک میں مصر اور یونان نے اسے انیسویں صدی کے تیسرے ربع کے آخر میں قبول کیا۔ چین، ترکی، روس نے اسے 1917ء اور 1923ء یعنی کہیں جا کر بیسویں صدی میں قبول کیا۔

ماخذ:

جوہر تقویم از ضیا الدین لاہوری۔

Encyclopeadia Birtannica Vo. 2

Scanned with CamScanner

1587ء۔ عباس اول کی تخت نشینی

تاریخ ایران میں صفوی خاندان کا حکمران عباس اول، عباس اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مورخین متفق ہیں کہ صفوی حکومت شاہ عباس اول کے عہد میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچی۔ عباس اول محمد خدا بندہ کا بیٹا تھا۔ جب وہ دس سال کی حکومت کے بعد دستبردار ہو گیا تو عباس اول 1587ء میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت ایران کے دو بڑے مسائل درپیش تھے (۱) قزلباش امراء کو جو بہت طاقتور ہو چکے تھے مطیع کرنا۔ (۲) ایران کی مغربی اور مشرقی سرحدوں پر علی الترتیب ترکوں اور ازبکوں کی یلغاروں کا سدباب کرنا۔ ایک انگریز طالع آزما سر رابرٹ شرلے کے مشوروں پر عباس اول نے گرجستان کے عیسائی امیروں میں سے جو اسلام قبول کر چکے تھے اور دیگر قبائل میں سے ایک سوار فوج، شاہ سون (شاہ دوست) مرتب کی گئی۔ جو شاہ عباس کی براہ راست وفادار تھی۔ پہلے پہل اس فوج کی مدد سے شاہ عباس نے امراء کی ایک بغاوت کی سرکوبی کی پھر 1598ء میں عباس اعظم نے ازبکوں سے مشہد مقدس اور ہرات واپس لے لیے اور شمال مشرق میں بلخ اور مرو تک ایسے ازبک سرداروں کو متعین کیا جو عباس اول کے مطیع تھے۔ ترکی کی اندرونی بدنظمیوں کے سبب ایران کے خلاف ان کی جنگی تیاریوں میں کمی واقع ہوئی۔ جو بالآخر ایران اور ترکی کے مابین 1618ء میں ایک معاہدہ صلح طے پایا۔ اب چونکہ عباس اعظم کی طاقت بڑھ چکی تھی اس لیے اس 1623ء میں اس معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے بغداد اور دیار بکر پر قبضہ کر لیا۔

عباس اعظم نے دیگر اطراف میں بھی اپنی سلطنت کی توسیع کی 1601ء میں بحرین کا الحاق ایران سے کیا۔ 1608ء میں شیروان پر دوبارہ قبضہ کیا۔ 1621ء میں برطانوی امداد سے جزیرہ ہرمز کی بندرگاہ جسے پرتگیز کبرون کہتے تھے اور بہت عرصے سے اس پر قابض تھے۔ پرتگیزوں سے واپس لے لی گئی اور اس کا نام عباس اعظم کے نام پر بندر عباس رکھا گیا۔ گرجستان میں بھی جنگیں لڑیں گئیں مگر الحاق عمل میں نہ آ سکا۔ اور عباس اعظم کو گرجستان کے حکمرانوں کی حکومت کو تسلیم کرنا پڑا۔

1591ء تخت سے دستبرداری۔

1000ھ/ بمطابق 1591ء میں شاہ عباس کے عہد حکومت میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل ہی ملے گی۔ شاہ عباس کے درباری نجومیوں نے اطلاع دی کہ چند دن بادشاہ کا ستارہ گردش میں رہے گا اس لیے مناسب ہوگا کہ بادشاہ عارضی طور پر تاج و

Scanned with CamScanner

تخت سے دستبردار ہو جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عباس اعظم تخت و تاج چھوڑ کر شاہی محلات سے نکل گیا۔ اس کی جگہ ایک آزاد خیال شخص یوسف سراج کو جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ مملکت کے لیے خطرہ کا موجب ہوگا۔ تاج شاہی پہنایا گیا۔ یوسف شاہ نے عنان حکومت سنبھالتے ہی ملک میں اصلاحات نافذ کرنا چاہیں۔ لیکن ان اصلاحات کے لیے ملکی ماحول سازگار نہ تھا۔ اس لیے جلد ہی یوسف شاہ کے خلاف ایک بغاوت رونما ہوگئی، جس میں باغیوں نے یوسف شاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل سے سمجھ لیا گیا کہ ستاروں کی گردش کا منشا پورا ہو گیا اور شاہ عباس کی جان بچ گئی۔ شاہ عباس کی دوبارہ تاجپوشی کی گئی اور وہ دوبارہ تاج و تخت کا مالک بن گیا۔

1597ء میں شاہ عباس نے ازبکوں کو ہرات کے مقام پر ایک تباہ کن شکست دی جس کے بعد ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ کبھی حملہ آور نہ ہوئے مزید براں ازبکوں کے حملے روکنے کے لیے کردستان سے ہزاروں کردوں کو دعوت دے کر بلایا گیا اور مشرقی سرحد پر آباد کر دیا گیا۔

عباس اعظم ایران کا پہلا حکمران تھا جس نے یورپی ممالک اور برصغیر پاک و ہند سے باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم کیئے۔ اس کی کوشش تھی کہ یوروپی ممالک ترکوں کے خلاف ایک اتحاد قائم کر لیں مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے مغل شہنشاؤں، جہانگیر اور شاہجہاں سے اس نے خوشگوار تعلقات قائم کر رکھے مگر قندھار کو جس پر اکبر نے 1591ء میں قبضہ کر لیا تھا ہمیشہ ایرانی علاقہ قرار دیتا رہا۔ روس کے علاقے کریمیا کے خوانین تک اس نے دوستانہ مراسم قائم رکھے۔ 1599ء میں عباس اعظم نے اپنے ایرانی سفیر حسین علی بیات کو سر انتھونی شرلے کے ساتھ یورپ بھیجا۔ اس سفارت کے جواب میں ہسپانویوں، انگریزوں اور پرتگیزوں نے اپنے سفیر ایران بھیجے۔ انگریزوں کی طرف سے سر ڈوڈ مور کاٹن Sir Dod More Cotton ایران میں پہلا سرکاری سفیر تھا۔

عباس اعظم کے عہد میں ایران میں مواصلات کو بے حد ترقی ملی۔ اس نے بالخصوص وہ ساحلی سڑک جو مدار زنداں میں سے گزرتی ہے اس کا بڑا کارنامہ تصور کی جاتی ہے۔ 98۔ 1597ء میں اس نے اصفہان کو اپنا نیا دارالحکومت قرار دیا اور مساجد، محلات اور باغات سے اسے سجایا۔ اور بھی کئی شہروں میں محلات اور باغات تعمیر کرائے۔

عباس اعظم میں جہاں بہت سے اچھائیاں تھیں وہیں وہ حد سے زیادہ بے رحم بھی تھا اس نے اپنے ذاتی تحفظ کی خاطر اپنے دو بھائیوں کو نابینا کر دیا اور دو بیٹوں کو قتل اور ایک کو نابینا کر دیا تھا۔

مآخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 12۔ ادب نامہ ایران۔

Scanned with CamScanner

1587ء۔ ہمایوں نامہ

ہمایوں نامہ مغلیہ خاندان کے اولین دور کے اہم ماخذوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ گلبدن بیگم کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو ہمایوں کی بہن تھی اور بابر کی بیٹی۔ وہ 1523ء میں کابل میں پیدا ہوئی۔ ماہم بیگم نے گلبدن کو منہ بولی بیٹی بنالیا تھا، گلبدن بیگم کا بچپن بابر کے دور میں جوانی ہمایوں کی جلاوطنی کے ایام میں اور بڑھاپا اکبر کے عہد میں گزرا۔ شہنشاہ اکبر کے کہنے پر اس نے ہمایوں نامہ لکھا۔ اس کی زبان سادہ، شستہ اور دلنشین ہے بقول علامہ شبلی نعمانی وہ سادگی اور واقعہ نگاری میں تزک جہانگیری اور واقعات عالمگیری کی طرح بے مثل ہے اور کہیں کہیں ان سے بھی آگے ہے۔ اس تصنیف کا منفرد انداز ہمیں بتاتا ہے کہ ایک خاتون نے جو زبان و بیان اس عظیم شاہکار میں اختیار کیا وہ اس وقت کے بڑے بڑے انشا پردازوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بہت گرانقدر ہے کہ اس میں بابر اور ہمایوں کی گھریلو زندگی کی تفصیلات، مصنفہ کی ایک دلآویز تصویر اور ہمایوں کے زمانے کی درباری زندگی کا بیان ہے۔ ابوالفضل نے اکبرنامے کی تیسری جلد میں کئی واقعات کے سلسلے میں گلبدن بیگم کے ہمایوں نامے کو ماخذ کے طور پر پیش کیا ہے۔ گلبدن بیگم نے حقیقت پسندی کو خاصی طور پر ملحوظ رکھا یعنی جن واقعات کو لکھا ہے ان کی تحقیق کے بعد یعنی بابر کی وفات کے وقت اس کی عمر آٹھ سال اور جب بابر کے حالات تحریر کیئے تو اس نے بابر کے انتظام کا جائزہ لیا اور ساتھ ہی اس بات کی نشاندہی بھی کردی کہ اس وقت وہ کتنے برس کی تھی۔ اس نے اپنے عہد کے سیاسی واقعات کو بھی بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سیاسی نشیب وفراز سے بھی اس حد تک آشنا تھی کہ وہ جانتی تھی کہ اس واقعہ کو کتنی تفصیل درکار ہے۔

خافی خان اور عبدالقادر بدایونی کے مطابق ہمایوں نے اپنے بھائی کامران مرزا کو عہد شکنی کے باعث اندھا کروادیا تھا۔ لیکن اس واقعہ کو گلبدن یوں بیان کرتی ہے کہ آخر کار تمام خواتین، سپاہ ورعایا میں سے جس نے بھی کامران مرزا کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی تھی اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ بادشاہت اور تحکم میں خاندان پروری یا اہم برادری اچھی روش نہیں۔ اگر بھائی مطلوب ہیں تو بادشاہی چھوڑ دیں اور اگر بادشاہی مطلوب ہے تو ترک برادری فرمائیں۔ یہی حضرت کامران ہیں جن کے سبب آپ کے سر مبارک پر زخم آیا تھا۔ پھر انہوں نے افغانوں کو مکروفریب دے کر ساتھ ملالیا اور مرزا ہندال کو مروادیا۔ تمام لوگوں نے یہ باتیں کرکے مرزا کامران کا سر قلم کرنے کا مشورہ

Scanned with CamScanner

دیا مگر ہمایوں نے کہا کہ میرا دماغ تم لوگوں سے متفق ہے مگر دل ہے کہ مانتا نہیں۔ اس طرح لوگوں کے اصرار پر بادشاہ سلامت صرف اتنا کیا کے سید محمد حکیم ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر انہیں نابینا کردیں۔

بہرحال گلبدن بیگم نے اپنے اس شاہکار میں اس زمانے کے عورتوں کے لباس، سے لے کر آزادی نسواں اور شاہی محل کی خانگی زندگی کی جس طرح عکاسی کی ہے وہ بے مثل ہے۔ خود گلبدن بیگم کی شادی خضر خواجہ خان سے ہوئی جو چغتائی خاندان کا ایک فرد تھا اور ہمایوں اور اکبر کے عہد کا ایک منصب دار۔ جب ہمایوں ہندوستان سے نکلا تو گلبدن بیگم اس کے ہمراہ ایران نہیں گئی بلکہ اپنے بھائیوں کامران اور ہندال کے پاس کابل ہی میں رہی اور 1545ء تک ہمایوں سے نہیں ملی۔

ہمایوں کی وفات تک وہ کابل چھوڑ کر ہندوستان نہیں آئی۔ وہ اپنے بھتیجے کے سن جلوس 2 میں پہنچی۔ 1576ء میں وہ اپنی بھتیجی سلیمہ بیگم اور خاندان کی دیگر خواتین کے ساتھ حج پر گئی۔ واپسی کے سفر میں عدن کے قریب ان جہاز تباہ ہوگیا اور وہ 1582ء تک آگرہ نہ پہنچ سکی۔

مآخذ:

ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد بذیل مادہ "گلبدن بیگم"

Scanned with CamScanner

1587ء۔ مارلو کے تیمبر لین اور فاوسٹس

نشاط ثانیہ کی انگریزی شاعری غیر ملکی اور قومی صفات کا امتزاج ہے۔ مگر ڈرامہ نگاری بالکل قومی چیز ہے۔ انگریز قوم کا پورا کردار اسی آئینہ میں آ جاتا ہے۔ اس دور میں عوامی ڈرامہ اس درجہ مقبول ہو گیا تھا کہ عالم لوگ بھی اس میں دلچسپی لینے لگے تھے اور عام آدمی بھی۔

اس وقت کا لندن دو لاکھ نفوس کی آبادی پر مشتمل تھا اور اس کے باہر دریائے ٹیمز کے کنارے آٹھ تھیٹر تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈراموں کو کتنی مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ یہ تھیٹر گول عمارتیں تھیں جن کے اندر ایک حصہ چھوڑ کر، جہاں اسٹیج ہوتا تھا، ہر طرف گیلریاں ہوتی تھیں۔ ان تھیٹروں میں ڈرامے تیسرے پہروں میں دکھائے جاتے تھے اس لیے روشنی کا انتظام کی ضرورت نہ پڑتی۔ ان تھیٹروں میں تماشائیوں کی ایک وسیع تعداد ڈرامے دیکھتی تھی۔

نشاط ثانیہ کے اس عہد میں شیکسپیئر کے ساتھ بہت سے دوسرے ڈرامہ نگار بھی ڈرامے لکھتے تھے۔ ان عوامی ڈرامہ نگاروں میں ایک اور ڈرامہ نگار کرسٹوفر مارلو Christo phermarlo بھی نشاط ثانیہ کا مثالی فرد ہے۔ کرسٹوفر مارلو ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوا۔ تیئیس برس کی عمر میں کیمبرج سے فارغ التحصیل ہو کر لندن آ کر غلط صحبت کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک آزاد منش انسان تھا۔ آزاد زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ آزادی خیال کا بڑا حامی تھا۔ دوستوں میں وہ کھلم کھلا عیسائیت کی مخالفت کرتا اور یونانی کفر کا حامی تھا۔ اس میں غنائیہ شاعری کی اعلیٰ صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس کے ممتاز ڈرامائی کردار نشاط ثانیہ کے نصب العین کے مطابق تمام اخلاقیات کو پس پشت ڈال کہ حد سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی کوششوں میں کوشاں اور داد عیش دینے والے نظر آتے ہیں۔ یہ اس کی غنائی شاعرانہ فطرت کا تقاضا بھی تھا اور میکاولی کے فلسفے سے اس پر جلا بھی ہو گئی تھی۔ انتیس برس کی عمر میں مارلو نشے کی حالت میں شراب خانے میں کسی مخالف سے ڈوئیل لڑتا ہوا مارا گیا۔

کرسٹو مارلو کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کے ڈرامہ کو غنائی اثرات سے بھر دیا۔ مارلو کے ڈراموں میں واقعات اور پلاٹ کا سوال نہیں اٹھتا۔ حد سے زیادہ زوردار ہیرو ہر جگہ اپنی عظیم طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور آخر میں قسمت کے آگے پسپاہ ہو جاتے ہیں۔ اس کا پہلا ڈرامہ تیمبر لین Tambur Lain ہے جو 1587ء میں شائع ہوا۔ یہ ڈرامہ اس نے "نظم معریٰ Blank Verse" میں لکھا تھا۔ اسٹیج پر اس کھیل نے بے حد کامیابی حاصل کی۔

Scanned with CamScanner

اسی کامیابی کی وجہ سے ڈرامے میں بلینک ورس یا نظم معریٰ کی حیثیت مسلم ہوگئی اور اس کے بعد آنیوالے ڈرامہ نگاروں کو یہ فیصلہ کرنے میں دقت نہ ہوئی کہ ڈرامے کے لیے کونسا شعری اسلوب بہتر رہے گا۔

مارلو نے یہ کھیل عظیم مشرقی فاتح عالم امیر تیمور کی زندگی پر لکھا۔ مارلو نے امیر تیمور کے حالات زندگی اطالوی اور ہسپانوی زبانوں سے لیئے تھے۔ امیر تیمور کے کردار کو تخلیق کرتے ہوئے اس نے اپنے کھیل کو اسقدر گرمایا کہ اس نے تیمور پر ایک شعلہ فشاں ڈرامہ لکھ دیا۔ اس کا تیمور گڈریئے سے ترقی کر کے دنیا کے بڑے فاتحین میں شامل ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح وہ سکندر اور سیزر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ تیمور اس ڈرامے میں ایک ایسی ہستی کے طور پر ابھرتا ہے جس پر عام اخلاقیات کے قوانین عائد نہیں ہوتے۔ وہ ہر طرف بربادی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے۔ ترک شہنشاہ سلطان ''بجازت'' (بایزید) کو پنجرے میں قید کرتا ہے اور اپنی بیوی کی موت پر ایک پورے مفتوح شہر کو جلوا دیتا ہے۔ مگر اس کے ان تمام مظالم کے باوجود اس کی عظمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

مارلو نے اس کے بعد ''تیمر لین پارٹ ٹو'' لکھا مگر جس ڈرامے نے اس کی شہرت کو چار چاند لگادیئے وہ اس کا تیسرا ڈرامہ ''فواسٹس Faustus'' ہے۔ یہ مارلو کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ اس میں اس نے جرمنی کے ایک عالم فواسٹس کو ہیرو بنایا ہے جو تمام علوم حاصل کرنے کے بعد جادوگر بن جاتا ہے۔ اور چوبیس برس کی دنیاوی خوشیوں اور ہر قسم کے تعیش کے بدلے شیطان کے ہاتھوں اپنی روح فروخت کردیتا ہے۔ فواسٹس کی عیش پرستی کی حد وہاں پہنچتی ہے جہاں وہ یونانی ''ہیلن Helen'' کی روح کو طلب کرتا ہے اور اس روح کے ورود پر اس کے حسن کی تعریف میں ایک اعلیٰ درجے کی غنائی تقریر کرتا ہے۔ اس میں غنائیہ شاعری اوج کمال پر نظر آتی ہے۔ مگر فواسٹس کو معاہدے کے مطابق اپنی روح شیطان کے حوالہ کرنا ہی ہے اور ڈرامے کے آخری منظر میں ایک خوفناک کشمکش دکھائی گئی ہے۔ مارلو منکر دین تھا مگر شاید اسے بھی انکار سے خوف کے دوروں سے ہمکنار ہونا پڑتا ہو۔ غرض اس ڈارمے کے آخری منظر میں کفر و ایمان کے درمیان جو کشمکش دکھائی گئی ہے وہ اس دور کی ڈرامہ نگاری کا کمال ہے۔ فاوسٹس کی کمال ناامیدی، آسمانی بادشاہت کا تصور قائم کرنا اور شیطان کا برابر اسے ستانا ایک ایسا ڈرامائی عالم پیدا کرتا ہے جس کے کمال کو ناقدین کے مطابق شیکسپیئر بھی نہیں پہنچ سکا۔

ماخذ:
ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، تاریخ ادب انگریزی۔ آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف آرٹ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1587ء۔ میری کوئین آف سکاٹ کی گردن زنی

ایک انگریز مجسٹریٹ ملکہ ایلزبتھ اول کے محل میں ملکہ میری آف سکاٹ لینڈ Queen Mary Of Scotland (1542ء۔1581ء) کے موت کے پروانے پر دستخط کروانے کے لیے حاضر ہوا۔ ملکہ معظمہ نے اسے طلب کیا اور بدنصیب ملکہ میری کی موت کے پروانے پر دستخط ثبت کردیئے اس کے ساتھ ہی ملکہ میری کی موت کی سزا کی توثیق ہوگئی اور 8 فروری 1587ء کو قلعہ Fotheringay میں اس کی گردن ماردی گئی۔

سکاٹ لینڈ کی ملکہ میری سکاٹ لینڈ کے شاہ جیمز پنجم کی زندہ بچنے والی واحد اولاد تھی۔ اس کا تخت انگلستان پر استحقاق اس کی دادی مارگریٹ ٹیوڈور کی وجہ سے تھا۔ وہ ہنری ہشتم کی اولاد کے بعد تخت انگلستان کی قانونی وارث تھی۔

میری کی منگنی اس کے بچپن ہی میں ہنری ہشتم کے بیٹے ایڈورڈ سے طے پائی تھی۔ مگر اس کی شادی ولی عہد فرانس سے 1558ء میں ہوگئی۔ یہ ولی عہد فرانس دوم کے نام سے تخت پر بیٹھا مگر اسے زندگی نے زیادہ عرصہ حکومت کرنے کی مہلت نہ دی اور 1560ء میں اس نے اچانک وفات پائی۔ اپنے شوہر کی بے وقت موت کے بعد میری واپس آ گئی۔ سکاٹ لینڈ کی ملکہ جو اس کی ماں تھی انہیں دنوں انتقال کرگئی جس کی جگہ اسے سکاٹ لینڈ کی ملکہ بنادیا گیا۔

جولائی 1567ء میں میری نے ایک کیتھولک رئیس ہنری سٹوارٹ سے دوسری شادی کرلی مگر شادی کے بعد میری اپنے ایک پرسنل سیکریٹری ڈیوڈ رزیو David Rizzio سے الجھ گئی۔ رقابت کی آگ میں جلتے ہوئے ہنری سٹوارٹ نے ڈیوڈ رزیو کو قتل کروادیا (1566ء)۔ اپنے شوہر کے اس عمل رقابت کو وہ کبھی معاف نہ کرسکی۔ کچھ دنوں بعد وہ بیمار پڑا تو میری نے خفیہ طور پر اسے قتل کروادیا۔ اسی دوران میری نے ایک بیٹے کو جنم دیا جو بعد ازاں انگلستان کا بادشاہ جیمز اول اور سکاٹ لینڈ کا جیمز ششم بنا۔

میری نے تیسری شادی جیمز ہپ برن، چوتھے اول آف بوتھ ویل James Hip Burn, 4th Earl Of Bothwel سے کی مگر اس کی پہلی بیوی کو طلاق دلوا کر یہ شادی پروٹسٹنٹ طریق مذہب پر سرانجام پائی۔ اس سے سکاٹ لینڈ کے امرا میری کے خلاف ہوگئے اور نوبت فریقین میں جنگ تک پہنچی۔ 15 جون 1567ء کو ملکہ کی افواج کو امراء کی فوج نے کاربیری Carbery کی پہاڑیوں میں شکست دی۔ ملکہ نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اس کے شوہر بوتھ

دیل کو زندہ وسلامت سکاٹ لینڈ سے جانے دیا جائے۔ باغی امرا نے اس کی بجائے ملکہ کو بھی گرفتار کرلیا اور اسے اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کردیا۔ ان حالات میں ملکہ میری جس قلعہ میں محبوس تھی اسے وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اس کے ساتھ بہت کم لوگ وابستہ رہ گئے۔ ان باقی ماندہ حمایتوں کو بھی باغی امرا کے ہاتھوں 13 مئی 1568ء کو شکست ہوئی اور ملکہ میری سرزمین انگلستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔

مگر ملکہ انگلستان نے کھلے دل سے اپنی اس مہمان کا استقبال کرنے کی بجائے حق وراثت کے خطرے کی وجہ سے میری کو سلاخوں کے پیچھے بند کردیا۔ بدنصیب ملکہ میری نے اپنی زندگی کے طویل انیس سال انگلستان کے مختلف قید خانوں میں گزارے۔ ملکہ ایلزبتھ نے اسے بدنام کرنے کے لیے یارک اور ویسٹ منسٹر میں سکاٹ لینڈ کے باغی امراء کے نام پر برائے نام مقدمے چلائے۔ اس دوران خود سکاٹ لینڈ اور انگلستان میں سے کوئی بھی اس کا پرسان حال نہ ہوا۔ انگلستان کے کیتھولک امرا نے میری کو اپنے ہم مسلک ہونے کی وجہ سے رہا کرانے کے منصوبے بنائے۔ جو ناکام رہے۔ انہیں منصوبوں میں سے ایک بینگٹن پلاٹ Babington Plot یا سازش کہلاتی ہے۔ جس کا مقصد ملکہ ایلزبتھ کو تخت سے اتار کر میری کو تخت نشین کرانا تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ سازش بھی بے نقاب ہوگئی اور میری اس سازش میں ملوث پائی تھی۔ ملکہ ایلزبتھ کو تو اسے قتل کرانے کے لیے کوئی بہانہ درکار تھا جو اسے مل گیا۔ اکتوبر 1586ء میں اس پر اس سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے میں خود ملکہ میری نے اپنی پیروی کرتے ہوئے صفائی پیش کی جو سازشیوں کے اس کے نام لکھے گئے خطوط کے ٹھوس ثبوت کے سامنے غیر موثر رہی۔ اور ملکہ ایلزبتھ نے اپنی اس مظلوم مہمان کی موت کے پروانے پر دستخط کردیئے۔ جس کے بعد سیاہ لباس میں ملبوس ملکہ میری آف سکاٹ لینڈ کو 8 فروری 1587ء کو فودرنگے کے قلعہ میں لے جایا گیا تاکہ اس کی سزائے موت پر عملدرآمد کیا جاسکے۔ پھر جلاد کی تلوار کی دوسری ضرب نے بے چاری ملکہ کی گردن اس کے تن سے جدا کردی اور ملکہ معظمہ تخت انگلستان کے دوسرے بڑے وارث کو لٹکانے میں کامیاب ہوگئی۔

مآخذ:

تاریخ انگلستان۔

The Kings & Queens Of England & Scotland by Plantagent Somerset Fry.

Scanned with CamScanner

1588ء۔ ہسپانوی آرمیڈا کی شکست

19 جولائی 1588ء کو جب ہسپانوی بحری بیڑہ کا جزائر برطانیہ پر حملہ متوقع تھا۔ برطانوی امیر البحر ہاورڈ اپنے چند کپتانوں کے ساتھ بے خطر باؤلز کھیل رہا تھا۔ اسی دوران اسے رودبار انگلستان میں ہسپانوی آرمیڈا کے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ امیر البحر نے چاہا کہ فوراً اپنا بحری بیڑہ دشمن کے مقابلے میں اتار دے مگر سر فرانسس ڈریک نے جو اس کا ایک نائب تھا کہا کہ ابھی کھیل ختم نہیں ہوا اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں جانے کے لیے ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ اسی طرح تساہلی سے کام لیتے ہوئے ڈریک نے برطانوی بیڑے کو روک لیا۔

اسی رات جب برطانوی بحری جہاز ہسپانوی بیڑے آرمیڈا کے مقابلے پر نکلے تو وہ ہسپانوی جہازوں کے مقابلے میں بہت چھوٹے تھے۔ لیکن انہوں نے طاقت ور دشمن کا ڈٹ کا مقابلہ کیا اور مادر وطن کو بچانے کے لیے اپنے حجم سے بڑے دشمن سے ٹکرا گئے۔ دوسری طرف ہسپانوی امیر البحر ایک اچھا ہسپانوی تو تھا مگر اچھا کمانڈر نہیں تھا۔ اسے بحری فوج کو کمان کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ اتنے بڑے بحری بیڑے کو صحیح طور پر کمان نہ کر سکا۔ برطانوی بحری بیڑے نے پہلے شکست کھائی اور پیچھے ہٹنے لگا مگر جلد ہی نیدرلینڈ کی فوجوں کی مدد سے وہ آرمیڈا کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ہسپانیہ کا فلپ ثانی اپنے عہد میں پورے یورپ کا کیتھولک راہنما تھا۔ وہ پروٹسٹنٹ ازم کے سخت خلاف تھا۔ اسی وجہ سے ایک عرصہ سے اس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح برطانیہ کی پروٹسٹنٹ ملکہ ایلزبتھ اول کو تخت سے اتار کر برطانیہ میں کیتھولک ازم کا بول بالا کر دے۔ علاوہ ازیں ہسپانیہ سولہویں صدی میں ایک بڑی بحری طاقت بن چکا تھا اور نئی دنیا میں بہت سی نو آبادیاں قائم کر چکا تھا اور بحر اوقیانوس پر اس کا قبضہ تھا۔ منچلے برطانوی ملاح جو بحری سرگرمیاں بڑھا رہے تھے ان سے ہسپانوی سخت نالاں تھے۔ کیونکہ برطانوی بحری جہاز اکثر ہسپانوی نو آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ان حملہ کرنے والوں میں سر فرانسس ڈریک قابل ذکر ہے۔ وہ کئی مرتبہ نئی دنیا میں ہسپانوی کالونیوں کو لوٹ کر بہت سا مال غنیمت لے آیا تھا۔ 1587ء میں سر فرانسس ڈریک نے خلیج قادس Bay Of Cadiz میں ایک پورا ہسپانوی بحری بیڑا ڈبو دیا تھا۔ ان حملوں کے نتیجے میں فلپ ثانی نے براہ راست ایک بحری بیڑا برطانیہ پر حملے کے لیے اسپین سے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس کے قابل اعتماد امیر البحر مارکوئیس سانتا کروز نے اسے اس حملہ پر اٹھنے والے اخراجات کا

Scanned with CamScanner

تخمینہ دے کر حیران کر دیا۔ اور وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ امیر البحر کے تخمینے کے مطابق 556 بحری جہازوں کو 94000 افراد لے کر برطانیہ جانا تھا جن پر بہت کثیر تعداد میں روپیہ خرچ آتا فلپ ثانی نے بحری سفر اور اس کی لاگت کو کم کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ بندر لینڈ میں لڑنے والی ہسپانوی فوج کو جو ڈیوک آف پارما کی قیادت میں لڑ رہی تھی، ہراول دستے کے طور پر جزائر برطانیہ بھیجا جائے اور ہسپانیہ سے صرف اتنی فوج بحری جہازوں کے ذریعے بھجوائی جائے جو برطانوی بحری بیڑے کو شکست دے کر لوٹ آئے اور رود بار انگلستان کا راستہ کھول دے۔

فلپ دوم نے جزائر برطانیہ پر حملہ کرنے کے لیے جو بحری بیڑا تیار کیا وہ تاریخ میں آرمیڈا Armada کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آرمیڈا کو فلپ دوم نے توپوں اور بندوقوں سے مزین کیا۔ اسی دوران فروری 1588ء میں ہسپانیہ کے تجربہ کار امیر البحر سانتا کروز کا انتقال ہو گیا اور آرمیڈا کی کمان ڈیوک میڈینا کے سپرد کر دی گئی۔ ادھر جب برطانیہ کو اسپین کے ایک زبردست بحری بیڑا تیار کرنے کی خبر ملی تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے برطانوی بحری بیڑے کی کمان چارلس ہارورڈ کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ جس نے بڑی بہادری سے مقابلہ کر کے آرمیڈا کو شکست دی۔

آرمیڈا سے جنگ تین مقام پر لڑی گئی، پلائی ماوتھ (31 جولائی)، پورٹ لینڈ (2 اگست) اور آئزل آف وٹ (4 اگست) پہلے دو مقامات پر برطانوی بحری بیڑے کو ہزمت اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا مگر تیسرے مقام پر برطانوی بحری بیڑے نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور رود بار انگلستان میں آرمیڈا کو آگے کی طرف دھکیل دیا۔ متعدد جھڑپوں کے بعد آرمیڈا شدید نقصان اٹھانے کے بعد ہواؤں کی موافقت کی وجہ سے بچ کر شمال کی طرف نکلا۔ سات اگست کی شب کو چھ برطانوی جہازوں نے آرمیڈا پر وہاں بھی حملہ کر دیا اور اس کی صفیں منتشر ہو گئیں۔ اس کے بعد برطانوی بحری جہازوں نے اسے بحر اوقیانوس میں دھکیل دیا۔ آرمیڈا کے 130 بحری جہازوں میں سے 77 جہاز اس جنگ میں کام آئے اور صرف 53 جہاز واپس ہسپانیہ پہنچے۔ یورپ کی یہ پہلی بحری جنگ تھی جس میں توپوں کا استعمال کیا گیا۔

ماخذ:
انسائیکلوپیڈیا معلومات از سید قاسم محمود بذیل مادہ "آرمیڈا"۔ تاریخ یورپ (1789ء۔1453)

Scanned with CamScanner

1590ء۔ خردبین کی ایجاد

اردو زبان کا لفظ خوردبین Microscope فارسی زبان کے دو لفظوں ''خرد اور بین'' سے مل کر بنا ہے۔ جس کا مطلب بالترتیب ''چھوٹا اور دیکھنا'' ہے۔ خردبین اشیا کی ظاہری جسامت بڑھا کر دکھانے والے بصری آلہ کو کہتے ہیں۔ دہرا محدب عدسہ سادہ ترین خردبین ہے۔ جب کوئی شے اس دہرے محدب عدسے کے سامنے ماسکی طول Focal Length سے کم فاصلے پر رکھی جائے تو اس کی ایک مجازی شبیہ بن جاتی ہے۔ جو سیدھی لیکن اصل شے سے بڑی ہوتی ہے۔ اس طرح کی تکبیری طاقت قطروں Diamter میں ظاہر کی جاتی ہے۔ یوں یہ خردبین انسانی آنکھ سے کئی گنا چھوٹی چیزیں دیکھ سکتی ہے۔ انسانی آنکھ قدرت کی ایک حیرت انگیز بصری ایجاد ہے۔ تاہم آنکھ بہترین بصری آلہ ہونے کے باوجود ایک سینٹر کے چند ہزارویں حصے سے چھوٹی اشیا کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی وجہ سے بعض جاندار اشیا اور دوسری کئی غیر جاندار اشیا جو اتنی چھوٹی ہیں کہ خالی آنکھ سے نہیں دیکھی جاسکتی ان چھوٹی اشیا یا خرد اور ننھے ننھے جانداروں کو دیکھنے کے لیے خردبین کی ضرورت پیش آتی ہے۔

تقریباً 1000 ق م سے نقش گر اور باریک زیوارت بنانے والے صناع باریک نقش و نگار والی اشیا کو بنانے کے لیے شیشے کے کسی گول برتن میں پانی ڈال کر اس سے چھوٹی اشیا کو بڑی کر کے دیکھتے تھے۔ پانی سے بھرا ہوا یہ برتن خام عدسے کا کام کرتا تھا۔ اس طرح صدیوں سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ رومیوں نے اپنے عہد میں شفاف چٹانوں کے ٹکڑوں سے محدب عدسوں کا کام لیا۔ عدسے جو آج کل مستعمل ہیں تقریباً 1200ء سے پہلے وجود میں نہ آسکے۔ عینک کی ایجاد کے بعد سولہویں صدی کے آخر میں ہالینڈ کے دو چشمہ سازوں، ہینس اور زکریاس جین سن Hans & Zacharia jansen نے دو عدسوں کی مدد سے 1590ء میں پہلی مرکب خردبین ایجاد کی۔

دنیا کی یہ پہلی خردبین آج کی خردبینوں سے بالکل مختلف شکل کی تھی۔ اس خردبین کے متعلق خود اس کے موجد زکریاس جانسین نے کہا تھا۔ ''اس توپ کے ذریعے ہم مکھیوں کو بھڑ کی جسامت میں دیکھ سکتے ہیں، لیکن اپنی عجیب و غریب جسامت کے باوجود یہ خردبین آج کی خردبینوں کی جد اعلیٰ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس خردبین کا چشمی عدسہ مقعر اور خارجی عدسہ محدب تھا۔ مگر اس قسم کی خردبین جو ابھی بالکل ابتدائی تھی۔ زیر مشاہدہ اشیا کی بگڑی ہوئی اشکال ظاہر کرتی تھی۔ بعد ازاں گیلیلیو گیلیلی نے بھی 1609ء میں خردبین تیار کی تھی۔

Scanned with CamScanner

1590ء۔ حیدرآباد دکن کا سنگ بنیاد رکھا گیا

مشہور مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ پانچویں قطب شاہی حکمران گولکنڈہ، محمد قلی قطب شاہ ایک زاری عورت پر جس کا نام بھاگ متی تھا۔ عاشق ہوا۔ اس عورت کو امراء دربار کے برابر توقیر دی گئی اور اس کے حلقہ ملازمت میں ایک ہزار سوار داخل کیئے گئے کہ وہ درباری امراء کی طرح اپنے سواروں کے جلو میں دربار آ جا سکے۔ انہیں دنوں گولکنڈہ کے زیادہ گنجان آباد ہو جانے اور فراہمی آب میں دقت کی وجہ سے ایک نیا شہر گولکنڈہ سے چار میل کے فاصلے پر آباد کیا گیا جس کا نام محمد قلی قطب شاہ نے اپنی محبوبہ دلنواز کے نام پر ''بھاگ نگر'' رکھا۔

یہ نیا شہر اپنی متعدد خوبیوں کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس لیے محمد قلی قطب نے جلد ہی اسے اپنا دارالحکومت قرار دے دیا۔ دارالحکومت کی منتقلی کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر اس شہر کی بنیاد 1590ء میں رکھی گئی اور 12 سال کے اندر اندر یہ دارالحکومت بن گیا۔ چونکہ شہر کا نام ابھی تک اس ہندو رقاصہ کے نام پر تھا۔ اس لیے کچھ دنوں کے بعد محمد قلی نے خفت محسوس کرتے ہوئے اس شہر کا نام بدل کر ''حیدرآباد'' رکھ دیا۔ مگر اس سرکاری تبدیلی کا لوگوں نے کوئی فوری اثر نہیں لیا اور عوام الناس اسے بھاگ نگر ہی پکارتے رہے۔ مگر آہستہ آہستہ یہ نام لوگوں کے ذہن سے محو ہوتا چلا گیا اور حیدرآباد نوک زبان پر آ گیا۔

پہلے پہل حیدرآباد قلعہ بند شہر نہ تھا بلکہ گولکنڈہ ہی اس کے حصار کا کام دیتا تھا اس زمانے میں شمالی ہند میں مغلوں کا طوطی بولتا تھا۔ اور اکبر اعظم شہنشاہ ہند کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ 1591ء میں یہاں اکبر کے سفیروں کا شاندار استقبال کیا گیا اور قطب شاہی بادشاہ نے اکبر کی خدمت میں بیش بہا تحائف روانہ کیئے، جو باج کی حیثیت سے قبول کر لیے گئے اور یہ شہر مغلوں کے حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ نیا شہر خوب پھلا پھولا اور اس کی چند بہترین عمارتیں آج بھی اس عہد کی یاد دلاتیں ہیں۔ 1655ء میں پہلی بار یہاں کے معاملات میں مغلوں نے مداخلت کی جب یہاں کے حکمران عبداللہ قطب شاہ اور اس کے مدارالمہام پر حملہ کے درمیان جھگڑے میں اورنگ زیب نے شاہجہاں کے حکم پر حیدرآباد کو لوٹا۔ عبداللہ قطب شاہ کو اپنی حکومت بچانے کے لیے بھاری تاوان ادا کرنا پڑا۔ 1687ء میں گولکنڈہ کے عظیم محاصرے سے چار سال پہلے حیدرآباد ایک بار پھر اورنگ زیب کی مغل افواج کے قبضے میں آ گیا۔ مغل فتح کے بعد حیدرآباد دکن کے صوبیداروں کا صدر مقام قرار پایا۔

Scanned with CamScanner

آخری مغل صوبیدار چین قلیچ خان، نظام الملک کے زمانے میں حیدرآباد کے حاکم مبارز خاں نے مکی فصیل سے شہر کی قلعہ بندی شروع کی۔ 1722ء میں شکر کھیڑا کی فیصلہ کن جنگ کے بعد جس میں نظام الملک نے اپنے قائم مقام مبارز خاں کی اس سازش کو ناکام بنادیا جو اس نے صوبہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے کی تھی۔ حیدرآباد نظام الملک کے تخت دکن کے خودمختار صوبے کا دارالحکومت بن گیا۔

نظام الملک کو مغل شہنشاہ محمد شاہ نے آصف جاہ کا خطاب عطا کیا۔ اسی زمانے سے نظام الملک اور آصف جاہ کے خطابات اس خاندان میں موروثی ہوگئے۔ اس طرح آصف جاہ کو جو نیا صوبہ ملا وہ قریب قریب (برطانوی دور کی) ریاست حیدرآباد مع برار صوبہ شمالی سرکار کے برابر تھا۔ اس کے بعد دکن کے اس مشہور شہر کی سیاسی تاریخ ریاست کی تاریخ سے کچھ الگ نہ رہی۔ ایک ایسی ریاست کے دارالحکومت ہونے کی حیثیت سے جس کے نظم ونسق میں روز بروز استحکام پیدا ہوتا گیا۔ اس شہر نے مسلسل ترقی کی اور اس کے مضافات دریائے موسیٰ کے دونوں کناروں پر پھیلتے گئے۔ حتیٰ کہ شہر کی قدیم فصیل سے کہیں آگے تک بڑھ گئے جسے آصف جاہ اول نے تعمیر کرایا تھا۔ ریاست کا وسطی ضلع حیدرآباد شہر کے اردگرد واقع صرف خاص، یعنی حکمرانوں کی ذاتی جاگیر کو چند دوسرے اضلاع کے ساتھ ملا کر 1865ء میں تشکیل دیا گیا۔ مضافات میں سکندرآباد کی اہم چھاؤنی بھی شامل ہے اور اکبر علی خاں سکندر جاہ نظام سادس کے نام سے منسوب ہے۔

حیدرآباد رسل وسائل (سڑک، ریل اور ہوائی جہاز) کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں جدید طرز کا ہسپتال ہے۔ اہم عجائب گھر ہیں۔ یہاں کی فلکیاتی رصدگاہ کا شمار ہندوستان بھر کی بہترین رصدگاہوں میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عثمانیہ یونیورسٹی (1918ء) نے بے حد ترقی کی ہے۔

شہر کی قدیم یادگاروں میں چار مینار، چار کمان اور چار سو حوض خاص طور پر قابل ذکر ہیں انہیں محمد قلی قطب شاہ نے 1593ء میں تعمیر کرلیا تھا۔ یہ سب شہر کے اس چوراہے کے اردگرد ہیں جہاں قدیم شہر کے چاروں محلوں سے آنے والی شاہراہیں آپس میں ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ دارالشفا، عاشور خانہ اور جامع مسجد بھی قابل ذکر ہیں۔ چار مینار جو اس شہر کی علامت بن گیا ہے۔ جشن فتح کی یادگار کے طور پر تعمیر کردہ ایک محراب دار رستہ ہے۔

ماخذ:

تاریخ فرشتہ جلد دوم۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

Scanned with CamScanner

1590ء۔ گیلیلیو اور اس کے سائنسی تجربات

کوئی چار سو برس پہلے کی بات ہے کہ اٹلی کے شہر پیسا کی یونیورسٹی کے شعبہ طب کا ایک نوجوان طالب علم غروب آفتاب کے وقت شہر کے ایک گرجا گھر میں گھٹنوں کے بل جھک کر دعا مانگ رہا تھا۔ اس نوجوان اطالوی کا نام گیلیلیو گلیلی Galileo Galilie تھا (1564ء۔ 1642ء)۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی نگاہ کانسی کے چراغ پر پڑی جو گرجا کے اس دھند لکے ہال کے عین وسط میں آویزاں کیا یا لٹکایا گیا تھا۔ عین اسی وقت گرجا کا ایک ملازم وہ چراغ روشن کرنے کے لیے آیا۔ اس نے ہاتھ سے پکڑ کر وہ چراغ اپنی طرف کھینچا تا کہ جلانے میں آسانی ہو۔ جیسے ہی اس نے اسے جلا کر چھوڑا۔ تو وہ جھولنے لگا۔ گیلیلیو ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اسے محسوس ہوا کہ جھولتے ہوئے چراغ کی حرکت کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن ہر بار حرکت کرنے میں وقت کم نہیں ہوتا اور نہ بڑھتا ہے۔ بہ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن اسے جانچا کس طرح جائے۔ اس زمانے میں ابھی گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئیں تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ کسی متحرک شے کے ہر جھونٹے میں جتنا وقت درکار اس کا صحیح اندازہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آخر کار اسے ایک تدبیر سوجھ گئی اور مارے خوشی کے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے خیال آیا تھا کہ نبض کی دھڑکنوں سے اس کا وقت کیوں نہ معلوم کیا جائے۔ اس کی حرکت بالکل باقاعدہ ہے اور بجائے گھڑی کے اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اس نے یہی کیا اور اسے پتہ چلا کہ اس کا خیال صحیح تھا۔ چراغ کے پہلے جھونٹے اور جھولنے کی حرکت میں اتنا ہی وقت لگا جتنا سب سے آخری جھونٹے میں۔ اس کی حرکت اتنی ہی باقاعدہ تھی جتنی انسانی نبض کی جزیات۔

گیلیلیو تیز تیز قدموں سے گھر پہنچا اور یہیں سے ایک موجد کی حیثیت سے اس کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی دنیا ہمیشہ یاد منائی رہے گی۔ اس نے نبض کی رفتار سے متحرک اشیا کی رفتار معلوم کرنے کے طریقے سے جو آلہ ایجاد کیا وہ پہلی مشینی ایجاد ہے جس سے انسان کے جسمانی امراض کا علاج کرنے میں ڈاکٹروں کو مدد ملی۔ اس نے اس آلہ کا نام نبض پیما ہی رکھا۔ بعد میں اس کا یہ مشاہدہ پنڈولم کی ایجاد کا باعث بن گیا۔ پنڈولم گھڑیوں اور ایسے آلات میں استعمال ہوتا ہے جو وقت کی بالکل درست پیمائش کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ گیلیلیو اپنی سائنسی تجربات کی وجہ سے صرف پچیس سال کی عمر میں ٹسکنی کے نواب کی مدد سے پیسا یونیورسٹی میں پچھتر ڈالر سالانہ کی تنخواہ کا ریاضی پروفیسر بن گیا۔ اس زمانے میں ریاضی کے پروفیسروں کو دوسرے علوم کے اساتذہ کے

Scanned with CamScanner

مقابلے میں کم تنخواہیں ملتی تھیں۔ کیونکہ ریاضی کو غیر اہم سمجھا جاتا تھا۔

گیلیلیو 15 فروری 1564ء کو پیسا میں پیدا ہوا۔ باپ کے حکم پر فلسفے اور طب کی تعلیم حاصل کی لیکن یہ علوم اس کے ذوق کے خلاف تھے۔ 1581ء میں ایک دن مندرجہ بالا چراغ کے جھولنے کے مشاہدے نے اس کے باپ کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے ریاضی کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے۔ جس کے بعد گیلیلیو نے ریاضی میں ترقی کی۔

اس کے بعد گیلیلیو نے ٹھوس اشیا کے وزن مخصوص معلوم کرنے کے لیے سائنسی تجربات کیے اور سیالات کی ایک ترازو ایجاد کی جس سے وہ پورے اٹلی میں مشہور ہو گیا۔ پیسا کے مشہور جھکے ہوئے مینار پر گیلیلیو نے گرتے ہوئے اجسام کے متعلق اپنے تجربے کیے اور ثابت کر دیا کہ اوپر سے جو چیزیں گرائی جاتی ہیں ان کا وزن کم ہو یا زیادہ وہ ایک ہی اسراع سے نیچے گرتیں ہیں۔

1592ء میں اس نے دنیا کا پہلا تھرمامیٹر ایجاد کیا۔ اور 1609ء میں اس نے جب سنا کہ بلجیئم کے ایک شخص نے دوربین بنائی ہے اگرچہ گیلیلیو نے یہ دوربین نہیں دیکھی تھی مگر انعطاف نور کے نظریات اور اصولوں پر غور کرتے ہوئے اس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جو اس وقت کی تمام دوربینوں سے بدرجہا بہتر تھا۔ یہ آلہ دوربین ہی کہلایا۔ اس آلہ کو اس نے حاکم وینس کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پیش کش کے صلے میں اسے پیڈوا یونیورسٹی میں مدت العمر لیکچرار مقرر کر دیا گیا اور اس کی تنخواہ دگنی ہو گئی۔ جب گیلیلیو نے رات کے وقت اپنی دوربین کا رخ آسمان کی طرف کیا تو اسے ایک بالکل نئی دنیا نظر آئی اور فلکیات کے علم کے دروازے اس پر کھل گئے۔ اپنے یہ فلکیاتی مشاہدات گیلیلیو نے اپنی کتاب ''ستاروں کا پیغامبر Siderus Nun Cius'' میں بیان کیے ہیں۔

1613ء میں اس نے سورج کے دھبوں پر ایک کتاب شائع کی چونکہ اس کے اس نظریہ سے تورات اور انجیل جیسی آسمانی کتابوں کی کئی فقروں کی تردید ہوتی تھی۔ اس لیے اسے تحقیقاتی عدالت میں طلب کر لیا گیا۔ پوپ پال پنجم نے اسے دوسرے صاحبان اقتدار کی مدد سے یہ تنبیہ کر کے چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ کوپرنیکس کے نظریے پر یقین نہیں کرے گا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کرے گا جو بائبل کے خلاف ہو۔ ایک عرصہ خاموشی میں گزارنے کے بعد 1632ء میں اس نے اپنے علم پر بھروسہ کرتے ہوئے فلکیات پر ایک اور کتاب لکھ ڈالی۔ اس پر دوبارہ گیلیلیو کو عدالت احتساب کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ وہاں اسے بری طرح دھمکایا گیا کہ وہ اپنے ان ملحدانہ خیالات سے توبہ کر لے ورنہ اسے شدید اذیتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ گیلیلیو نے کلیسا کی سختیوں سے گھبرا کر توبہ کر لی اور باقی زندگی تحقیقات علمی میں خاموش بسر کی۔

ماخذ:

سو بڑے آدمی، 100 تاریخی واقعات، دنیا کے عظیم سائنسدان۔

Scanned with CamScanner

1590ء۔ سپینسر کی "دی فیری کوئین"

سب سے پہلے جس شخص نے انگریزی زبان کی شاعری کو عروج کمال پر پہنچایا وہ ایڈمنڈ سپینسر Edmund Spenser (1522ء۔ 1590ء) تھا۔ وہ ایک معمولی گھرانے میں پیدا ہوا۔ کیمبرج میں تعلیم پانے کے بعد اس وقت کے ارل آف لیسیسٹر کی ملازمت اختیار کرلی۔ فرانسیسی زبان کے ان شاعروں کی طرح جو "پلیاڈ The Pliad" کے نام سے مشہور تھے، اس نے بھی اپنے ملک کی شاعری کو ایک نیا انداز دینے کا عزم کیا۔

1579ء میں اس کی پہلی نظم "ڈی شیپرڈز کیلینڈر The Shepherd's Calander شائع ہوئی۔ اس نظم کی اشاعت کے ساتھ پوری انگریز قوم کو یہ محسوس ہوا کہ ایک نئی اور اعلیٰ شاعری کا دور شروع ہوگیا ہے۔ سپینسر نے یہ نظم اطالوی صنف شاعری پاسٹورل Pastoral یا دہقانی شاعری میں لکھی تھی۔ وہ فرانسیسی شاعروں کی تحریک سے متاثر تھا لیکن وہ اپنی قوم کے ماضی سے بھی لگاؤ رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اس نے کسی فرانسیسی شاعر کو استاد ماننے کی بجائے سر جیوفری چاسر کو انگریزی شاعری کا اولین سرچشمہ اور استاد تسلیم کیا۔ انہی وجوہات کی بنا پر خود اس کی شاعری کو بالکل نئی، انفرادی اور بلند پایہ تسلیم کیا گیا اگرچہ اس پر قدما کا بھی گہرا اثر تھا۔

1590ء میں سپینسر کی شاہکار نظم "دی فیری کوئین The Faerie Queen" شائع ہوئی۔ اس نظم کا آغاز ہی اس نے لاطینی شاعر ورجل کے انداز میں پاسٹورل شاعری سے کیا۔ یہ نظم اس کے اس عزم کی پہلی کتاب تھی جس میں اس نے ایک طویل رزمیہ نظم Epic بالکل ورجل کے طرز پر لکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے منصوبے کے مطابق یہ رزمیہ بارہ کتابوں میں مکمل ہونا تھی۔ اس رزمیہ پر وہ کام کرتا رہا اور اس کی کتابیں وقتاً فوقتاً چھپتی رہیں۔ سپینسر کی موت کے وقت تک کل چھ کتابیں شائع ہوچکیں تھیں۔

سپینسر کے مطابق اس کی فیری کوئین بہادری کا قصہ ہے۔ اس میں انگریزی شاعری کی تاریخی روایات اور ملکہ ایلزبتھ کے دربار کی شاعری بھی شامل ہے۔

سپینسر نے یہ رزمیہ دراصل قدماء میں ہومر اور ورجل کے مدمقابل اور معاصرین میں اطالوی شاعر اریسٹو Ariosto اور ٹاسو Tasso کے مقابلے پر آنے کی امید میں لکھی تھی۔ یہ نظم ارسطو کی تعین کردہ بارہ اخلاق صفات کے مطابق لکھی جانی تھی۔ یعنی پہلی کتاب تقدس یعنی Holyness، دوسری میانہ روی یا اعتدال یعنی Temperance، تیسری عصمت یا

Scanned with CamScanner

Chastity، چوتھی دوستی Friendship، پانچویں انصاف Jistice، چھٹی خوش اخلاقی یعنی Curtsey اور ساتویں ثابت قدمی یعنی Constancy پر ہے۔

ہر کتاب کا ہیرو اس کتاب کی مخصوص اخلاقی صفت کا مجسمہ ہے۔ اس کتاب کا ہر واقعہ، ہر مقام اور ہر کردار اسی اخلاقی صفت سے متصف ہے اور اس صفت کے مطابق ایک شاعرانہ تصویر بھی ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اس طرح یہ نظم الیگری Allegory یا تمثیل نگاری کی بہترین مثال بن جاتی ہے۔

پرنس آرتھر جو انگریزی عظمت کا مجسمہ ہے خواب میں گلوریا Gloriana کو دیکھتا ہے اور اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس خوبصورت اپسرا یا پریوں کی ملکہ کی تلاش میں پریوں کے ملک جاتا ہے۔ پریوں کی ملکہ گلوریانا ہر سال ایک تہوار مناتی ہے جو بارہ دن طویل ہوتا ہے۔ ہر روز وہ ایک بہادر Knight کو کسی مصیبت زدہ کی مدد کے لیے روانہ کرتی ہے۔ مصیبت زدگان کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے کسی خصوصی اخلاقی صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے جو نائٹ بھی بھیجا جاتا ہے وہ اس صفت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اس طرح بارہ کتابوں میں ان بارہ صفات مجسم بہادروں کی کہانی بیان کی جانی تھی۔ مگر صرف چھ کتابیں مکمل ہو سکیں۔

جب یہ بہادر کسی مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہوئے خود کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو پرنس آرتھر خود ان کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ خود ہر اخلاقی قدر کا تجربہ حاصل کر کے کامل ہو جاتا ہے۔

ناقدین نے اگرچہ سپنسر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے مگر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نظم رزمیہ نہیں کیونکہ اس میں رزمیہ نظموں کی وہ عظمت اور شکوہ نہیں ملتے جو ہومر Homer یا ورجل Virgel کے ہاں ملتے ہیں۔ تمثیل کی حیثیت بھی خام ہے۔ پہلی دو کتابوں میں تو درس اخلاق کامیاب ہے مگر آگے کی کتابوں میں تمثیل ٹوٹ جاتی ہے اور رومان بالکل غالب آ جاتا ہے۔ نظم میں اتحاد کی جگہ پیچیدگی آ گئی ہے جس سے تمثیل بیشتر الجھ کر رہ جاتی ہے۔

مگر ان سب تنقیدی باتوں کے باوجود جب سپنسر مرا تو سینکڑوں شاعروں نے اپنے قلم اس کی قبر میں ڈال دیئے اور نشاۃ ثانیہ کی شاعری کسی نہ کسی طرح اس کے تتبع کا نتیجہ قرار پائی۔

ماخذ:

تاریخ ادبیات عالم از وہاب اشرفی۔ تاریخ ادب انگریزی از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔

Scanned with CamScanner

1591ء۔ برطانوی بحریہ کے کارنامے

اسپین کی بحری برتری اگرچہ 1588ء میں اس کے بیڑے آرمیڈا Armida کی شکست کے بعد ختم ہو چکی تھی مگر وہ اب بھی ایک بہت بڑی بحری طاقت تھا۔ اس کے سینکڑوں بحری جہاز بحراوقیانوس میں ہمہ وقت سفر کرتے رہتے تھے۔ اور امریکی نو آبادیوں سے رابطہ کیئے ہوئے تھے۔ اگست 1591ء کے آخر میں ایک ہسپانوی بحری بیڑے کی امریکی نو آبادیوں سے خزانہ لے کر جزائر اے زورس تک پہنچ جانے کی خبر برطانوی بحریہ کو ملی۔ خزانے سے لدے ہوئے ان ہسپانوی جہازوں کا تعاقب کرنے کے ایک برطانوی بحری بیڑہ بھیجا گیا جس کی کمان لارڈ تھامس ہاورڈ کر رہا تھا جب کہ اس کے نائب کے طور پر اسکواڈرن لیڈر سر رچرڈ گرنیوائل Sir Richard Grennviel اپنے جہاز ریونج Revenge میں اس کے ہمراہ تھا۔ ابھی وہ جزائر اے زورس کے قریب سمندر میں دشمنوں کے خزانے سے لدے بحری جہازوں کو تلاش ہی کر رہے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ 53 جہازوں پر مشتمل ایک اور ہسپانوی بحری بیڑہ اپنے خزانے سے لدے جہازوں کی حفاظت کے لیے خود ان کے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اس وقت برطانوی بحری جہاز خلیج فلوریس Bay Of Flores میں لنگر انداز تھے۔ سر تھامس ہاورڈ نے ان حالات میں دشمن سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ جب کہ ہسپانوی بحری جہاز اتنے قریب پہنچ چکے تھے کہ ان سے بچ نکلنا بہت مشکل تھا۔ اسکواڈرن لیڈر سر رچرڈ گرنیوائل نے ایسے میں ایک بہت اہم فیصلہ کیا اور اپنے جہاز ریونج کے سوا تمام برطانوی جہازوں کو خلیج فلوریس چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ وہ خود اپنے عملے کے 190 ارکان کے ساتھ دشمن کے 53 جہازوں اور پانچ ہزار جنگجوؤں کو تنہا روکنے کے لیے خلیج میں رہ گیا تاکہ باقی سب برطانوی جہاز صحیح سلامت اس خطرے سے بچ جائیں۔ یہ صریحاً ایک قربانی تھی۔

ابھی وہ اپنے عملے کے ان افراد کو جہاز پر سوار کرا ہی رہا تھا، جو ساحل پر بیمار پڑے ہوئے تھے کہ اسے 53 ہسپانوی جہازوں نے آ گھیرا۔ اگلے پندرہ گھنٹے تک سر رچرڈ گرنیوائل نے مسلسل ہسپانوی بحری بیڑے کا بڑی جرات اور بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس کا بحری جہاز مسلسل بے شمار ہسپانوی توپوں کا نشانہ بنا رہا لیکن اس نے دشمن کے بحری جہازوں کو خلیج ہی میں روکے رکھا تاوقتیکہ وہ بالکل تباہ و برباد نہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں باقی برطانوی بحری جہاز بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے یہی سر رچرڈ گرنیوائل کا مشن اور منشا تھا۔ گرنیوائل کا جہاز جب ڈوبنے لگا تو مجبوراً اسے اپنے عملے کی جان بچانے کے لیے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ مگر خود اسکواڈرن لیڈر اتنا شدید زخمی ہو چکا تھا کہ جب

Scanned with CamScanner

اسے ہسپانوی جھنڈ بردار جہاز "سان پیلو San Pablo" پر بمشکل زندہ گرفتار کر کے لے جایا گیا تو وہ جلد ہی اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گیا مگر اپنے ساتھیوں کو متوقع تباہی سے بچا گیا۔ سر رچرڈ گرینوائل برطانوی بحری کا ایک جرات مند اور بہادر افسر تھا۔ جو برے سے برے حالات میں بھی انتہائی بہادری سے لڑا اور اپنی اور اپنے عملے کی قربانی دے کر بہت سے برطانوی بحریہ کے لوگوں کی جان بچا گیا۔ اس کی یہ قربانی برطانوی بحریہ کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ زندہ قومیں اپنے بہادروں کی قربانیاں کبھی فراموش نہیں کر سکتیں۔

اس آخری مہم سے پہلے وہ برطانوی بحریہ کی طرف سے بے شمار مہمات میں حصہ لے چکا تھا۔ 1566ء میں ہنگری میں ترکوں کے خلاف لڑا یہ وہ زمانہ تھا جب برطانوی ترکوں سے خائف تھے۔ 1568ء میں اے آئرلینڈ میں منسٹر Munster کے مقام پر ایک بغاوت کو فرو کرنا پڑا۔ 1573ء سے 1575ء تک وہ ایک بحری اکتشافی مہم کی تیاری میں رہا جو جنوبی بحرالکاہل میں انگلستان سے چین تک کا براہ راست شمالی راستہ دریافت کرنے کے لیے بھیجی جانی تھی مگر سیاسی وجوہات کی بنا پر نہ بھیجی گئی بلکہ اس کے بجائے ملکہ معظمہ نے سر فرانسس ڈریک کی دنیا کے گرد چکر لگانے کی مہم کو منظور کر لیا۔

1585ء میں سر رچرڈ گرینوائل نے اس بحری بیڑے کی قیادت کی جو 100 سے زائد انگلستانی نو آبادکاروں کو جزیرہ راؤنوک ۔ Roanoke Island یا آج کے شمالی کیرولینا لے کر امریکا گیا۔ جو سر والٹر ریلے کی تجویز پر امریکہ میں پہلی انگریزی نو آبادی قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ 1591ء۔ 1589ء سر رچرڈ گرینوائل آئرلینڈ کے صوبے منسٹر Munster میں ایک برطانوی نو آبادی قائم کرنے میں مصروف رہا۔

پھر 1591ء میں اسے اچانک انگلستان واپس بلا کر جزائر اے ورس کے قریب خزانے سے لدے ہوئے ہسپانوی جہازوں کا تعاقب کرنے والی مہم میں شامل کیا گیا جس میں اس نے فقید المثال خدمات انجام دیں۔ اور قربانی دے کر برطانوی بحریہ کو بچا لیا۔

مآخذ:

Encylopeadia Britanica Vol 5 - 1000 Great Events.

Scanned with CamScanner

1592ء۔ جاپان کا کوریا پر حملہ

یورپی اقوام کی آمد کے بعد سولہویں صدی کے آخری عشروں میں جاپان کا سیاسی انتشار، اپنی آخری منزل میں تھا۔ 1568ء سے 1600ء تک جاپان کے تین بڑے سیاسی راہنماؤں نے جاپانی قوم کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا۔ اس لحاظ سے یہ دور جاپانی تاریخ کا اہم ترین دور ہے۔ اسی زمانے میں جاپان کے بحری قزاقوں نے جو تجارت بھی کرتے تھے بڑا فروغ حاصل کیا ان کی سرگرمیاں سیام (تھائی لینڈ) اور فلپائن کے سمندروں تک پہنچ گئیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب جاپانیوں نے عسکری طور پر مستحکم ہو کر کوریا پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ ان دنوں کوریا چوزن Choson کہلاتا تھا۔ جاپانی اسے دراصل چین پر حملہ کرنے کے لیے گذرگاہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ نوبوناگا Nobunaga وہ پہلا جاپانی راہنما تھا جس نے سب سے پہلے اپنی مستقل ریاست قائم کی اور پورے جاپان کو متحد کرنے کی کوشش شروع کی تھیں۔ اس دور کا دوسرا بڑا جاپانی راہنما ہدی اوشی Hideyoshi تھا جس نے نوبوناگا کے ایک جرنیل کی حیثیت سے 1577ء سے 1582ء تک مغربی جاپان کا ایک بڑا حصہ بزور شمشیر فتح کیا۔ اس دوران نوبوناگا کو اس کے ایک اور فوجی جرنیل نے قتل کر دیا۔

ہدی اوشی نے مغربی جاپان سے واپس آ کر قاتل جرنیل کو ختم کر دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اسی ہدی اوشی نے 1587ء میں پرتگیزوں کو جاپان چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ 1592ء میں اسی کے حکم پر کوریا پر حملہ کر دیا گیا۔ یہ حملہ غالباً اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ جاپان میں تجربہ کار جنگجوؤں کی تعداد خاصی بڑھ گئی تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر انہیں کسی بیرونی کام پر نہ لگایا گیا تو وہ ملک کے اندر فتنہ و فساد پھیلائیں گے۔ اسی وجہ سے انہیں کوریا اور چین پر حملے کا کام سونپا گیا کوریا پر حملہ کرنے والی پہلی فوج دو لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس نے پورے کوریا کو پامال کر ڈالا۔ جب چین نے جاپانیوں کے مقابلے کے لیے اس سے بھی زیادہ بڑی فوج بھیجی تو جاپانی جنوبی ساحل کی طرف پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ 1597ء میں جاپانیوں نے ایک اور بھرپور حملہ کیا مگر 1598ء میں کوریا کے بحری ہیرو یائی سون سین نے چین کی منگ سلطنت کی مدد سے جاپانیوں کو پسپا کر دیا۔ اسی دوران جاپانی راہنما ہدی اوشی کی وفات کی وجہ سے بھی جاپانیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور انہیں واپس آنا پڑا۔ کوریا سے جاپانی فوجوں کی واپسی پر ان کے ساتھ مٹی کے برتن تیار کرنے والے کوریائی ماہرین کی ایک بڑی تعداد بھی جاپان لائی گئی۔ جن کی وجہ سے جاپان کی ظروف سازی میں انقلاب پیدا ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

1595ء۔ چاند بی بی اور مغل افواج کا مقابلہ

تین ماہ طویل محاصرے سے تنگ آ کر مغل افواج نے جنوبی ہند کے مشہور شہر احمد نگر کے قلعے کی فصیل کے گرد کئی ساباط تعمیر کر کے پانچ اطراف سے نقب لگا کر ان میں بارود بھر دی۔ اب کوئی لمحہ ایسا جاتا تھا کہ بارود بھک سے اڑ جاتی اور فصیل میں شگاف پڑ جاتے۔ ایسے نازک لمحے میں ایک نقاب پوش خاتون جو قلعہ کی فصیل کی نگرانی کر رہی تھی آگے بڑھی اور اس نے اپنی نگرانی میں قلعے کی فصیل کے دو شگافوں میں سے بارود نکلوا دیا۔ عین اسی لمحے مغلوں نے دوسری طرف سے بارود بھرے ہوئے ان نقبوں تو آگ دکھا دی۔ جن بقایا تین نقبوں میں بارود موجود رہ گئی تھی وہ بھک سے اڑ گئے اور قلعے کی دیوار میں تقریباً پچاس گز طویل شگاف پڑ گئے۔ مگر مغل ان شگافوں کی طرف نہیں بڑھے کیونکہ وہ بقایا دو نقبوں کے اڑنے کا انتظار کر رہے تھے، انہیں اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ ان نقبوں سے بارود نکال لی گئی ہے۔ ادھر وہ یہ انتظار کر رہے تھے۔ ادھر اس بہادر خاتون نے جو تاریخ کے صفحات میں چاند بی بی کے نام سے جانی جاتی ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان شگافوں میں بندوقیں اور توپیں نصب کرا دیں۔ مغل سپاہی جو فصیل میں دو مزید شگافوں کے منتظر تھے بالآخر اس طرف متوجہ ہوئے لیکن اب وقت گزر چکا تھا اور وہ توپوں کی زد میں آ چکے تھے۔

انہوں نے قلعہ میں داخل ہونے کی بہت کوشش کی مگر چاند بی بی کی بروقت تدبیر کی وجہ سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ چاند بی بی اس تمام رات قلعے کی فصیل کے پاس کھڑی پہرے داری کے فرائض انجام دیتی رہی اور قلعہ میں موجود سب مرد و زن مل کر دیوار کے ٹوٹے ہوئے حصوں کی تعمیر و مرمت کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو مغلوں کے سربراہ شہزادہ مراد کو پتہ چلا کہ نظام شاہی افواج کی کمان کون بہادر انسان کر رہا ہے؟ وہ اس بہادر خاتون کی ہمت و شجاعت پر حیران رہ گیا۔

چاند بی بی سولہویں صدی کے جنوبی ہندوستان کی جین آف آرک تھی جو بالکل اس فرانسیسی خاتون کی طرح بہادر اور نڈر اور شجاع تھی اس نے اس وقت کے ہندوستان کی سب سے بڑی عسکری طاقت یعنی مغل افواج کی احمد نگر فتح کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ ناقابل تسخیر تھی۔ چاند بی بی دکن کی واحد خاتون حکمران تھی جس نے سلطان کا مردانہ لقب اختیار کیا اور اس کے اس شاہی لقب کو مغلوں نے دکن کی پانچ شاہیوں میں سے تسلیم کیا۔ چاند بی بی جیسا کہ کتب تاریخ میں اس کا نام ملتا ہے۔ احمد نگر کے بادشاہ حسن نظام شاہ (1553ء۔1565ء) اور

Scanned with CamScanner

ملکہ خونزہ سلطان کی دختر تھی۔ 14 برس کی عمر میں (1564ء) اس کا عقد سلطان بیجاپور علی عادل شاہ سے ونٹے سٹے میں ہوا۔ اس طرح اس دہری شادی سے دکن کی ان پانچ اسلامی سلطنتوں میں دیرینہ باہمی چپقلش ختم ہوگئی اور اتحاد کی سبیل نکل آئی۔ اس اتحاد کے نتیجہ میں جنگ ٹالی کوٹ میں ان چاروں متحدہ سلطنتوں نے بیجانگر کی ہندو ریاست ختم کردی۔ علی عادل شاہ کے ساتھ چاند بی بی نے حتی المقدور ہر جنگی مہم اور سیر و شکار میں ساتھ دیا۔ اور میدان جنگ کی سختیاں بھی جھیلیں۔ جب 1580ء میں علی عادل شاہ نے وفات پائی تو اس وقت چاند بی بی کی عمر صرف اٹھائیس سال تھی مگر وہ رزم و بزم کے تمام قواعد و فنون سے واقف۔

علی عادل شاہ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے اس کا کم سن بھتیجا ابراہیم اس کے تخت کا وارث ہوا۔ بادشاہ کی خوردسالی کے زمانے میں چاند بی بی نے وزرا کی مدد سے سلطنت کا نظم و نسق چلایا۔ اس کی شجاعت کا پہلا تجربہ اس وقت ہوا جب برار بیدر اور گولکنڈہ کی متحدہ افواج نے بیجاپور پر حملہ کردیا۔ ملکہ دشمنوں کی اس متحدہ صفت آرائی سے ذرا مرعوب نہ ہوئی بلکہ جتنے دن دشمنوں نے شہر کا محاصرہ کیئے چاند بی بی ایک مورچے سے دوسرے پر معائنہ کیے جاتی رہی۔ یہ محاصرہ ایک سال جاری رہا۔ مگر دشمن کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ جب ابراہیم عادل شاہ کی بہن شادی چاند بی بی کے بھتیجے میراں حسین سے ہوئی تو چاند بی بی واپس اپنے میکہ احمد نگر چلی آئی وہاں بھی افراتفری کا دور تھا۔ جس کے انسداد میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی دوران دکن کی حکومتوں کی افراتفری سے فائدہ اٹھانے کے لیے شہنشاہ اکبر دکن کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے شہزادے مراد کو احمد نگر کی تسخیر کے لیے بھیجا تو چاند بی بی نے قلعے کی حفاظت بڑی بہادری سے کی اور فصیل میں شگاف کی تعمیر کا مندرجہ بالا واقعہ پیش آیا (1595ء)۔ چاند بی بی کی ہمت اور بہادری کی وجہ سے مغل شہزادے سے صلح ہوگئی مگر احمد نگر کے داخلی فتنے کم نہ ہوئے۔ مغلوں نے 1599ء میں ایک بار پھر حملہ کیا، چاند بی بی نے اپنی دفاعی صلاحیتوں میں کمزوری دیکھتے ہوئے مصلحت اس میں دیکھی کہ احمد نگر مغلوں کے حوالے کردے۔ اس کے بعد اس نے سلطنت کو قدیم دارالحکومت جنیر میں منتقل کرنا چاہا۔ اس منصوبے کی خبر اس کے مخالف گروہ کے ایک غیر ذمہ دار شخص حمید خاں کو ہوگئی۔ اس نے ملکہ کے منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے شہر کے اوباشوں کے ساتھ شاہی محل کے اس حصے پر حملہ کردیا جہاں ملکہ کی آرام گاہ تھی۔ موت سامنے پاکر بھی بھی ملکہ خوف و ہراس کا شکار نہ ہوئی اسے نہایت سفاکی سے قتل کردیا گیا۔ ایک انگریز مورخ نے ملکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ملکہ ایلزبتھ اول کی ہم عصر اور لیاقت میں اس کی ہم پلہ اور ہندوستان کی تمام خواتین میں ممتاز ترین تھی۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

1596ء۔ جوہانز کیپلر کی ''کائنات کے راز'' کی اشاعت

سر آئزک نیوٹن ان سائنس دانوں میں ایک تھے جنہیں انسان کی تاریخی سائنسی ترقی کا شعور اور ادراک حاصل تھا۔ ان کی دانائی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ سائنس میں اپنے ترقی کا باعث ان انسانوں کو گردانتا تھا جن سے اس نے استفادہ کیا۔ بقول نیوٹن کہ وہ ان جنات کے کندھوں پر کھڑا ہے جنہوں نے انسانیت کو علم سائنس سے آگاہ کیا ہے۔ انہیں عظیم انسانوں میں سے ایک جاہانز کیپلر Johannes Kepler تھا (1571ء۔1630ء) جو بیک وقت ایک ماہر فلکیات، ماہر نجوم، ریاضی دان اور صوفی تھا۔

اس کی مثال ایک ایسے گلاب کی ہے جو ایک ایسے باغ میں کھلے جہاں جنگلی روئدگی اور جھنڈ جھنکار بہت زیادہ ہو جن کے درمیان وہ گلاب اپنے حسن و جمال سے دیکھنے والوں کی نظروں کو خیرہ کر رہا ہے۔ یہ منظر جوہانز کیپلر کی کہانی سے بڑی مطابقت رکھتا ہے۔ اس کی خاندانی تاریخ انحطاط، مصیبت، ناکامی، بیماری اور جادوگری کے الزامات سے پر ہے۔ ان کے درمیان جوہانز کیپلر اسی گلاب کی مانند رعنائیاں بکھیرتا نظر آیا۔

جوہانز کیپلر جرمن کے جنوب مغرب میں ویل Wel کے مقام پر پیدا ہوا اس کا بچپن بیماریوں سے پر ہے۔ جوہانز کیپلر کی خوش قسمتی سے ورٹمبرگ کا نواب اپنی عمر سے زیادہ صلاحیت رکھنے والوں بچوں کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اسی کی امداد اور وظیفوں سے کیپلر نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ دوران تعلیم ایک استاد نے اسے کوپرنیکس کے نظریئے کی تعلیم چوری چھپے دی، جو جوہانز کیپلر کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوئی اور وہ کلیسا سے وابستہ ہونے کی بجائے آسٹریا میں فلکیات اور ریاضی کا استاد مقرر ہو گیا۔

گراٹز میں 1596ء میں کیپلر نے اپنی حیرت انگیز کتاب ''کائنات کے راز The Mystery Of The Universe'' شائع کی۔ جوانی کے جوش میں اس نے اعلان کیا کہ سورج سے باقی سیاروں کے فاصلے کا بنیادی نظام دریافت کر لیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس نے اپنے خیال سے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے کائنات کے نقشے کا معمہ حل کر لیا تھا۔

کیپلر کا نظریہ جو بظاہر ہی غلط تھا مگر تھا بہت انوکھا اور اختراعی اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ صرف پانچ ایسی مکمل اشکال ہیں جن کو تین جہتوں میں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ چوسطحہ، مکعب، ہشت پہل، بارہ سطحی مجسم اور بست سطحی۔ اس وقت تک صرف چھ سیارے دریافت ہوئے تھے۔ کیپلر نے

سوچا یہ پانچ اشکال ان چھ سیاروں کے درمیان بالکل ٹھیک بیٹھ سکتی ہیں۔ ان پانچ اشکال کو زحل، مشتری، مریخ، زمین اور زہرہ کے درمیان رکھ کر اس نے سمجھا کہ اس نے کائنات کے عظیم راز کی کلید حاصل کر لی ہے۔ اس نے اپنے اس نظریئے کی ایک ایک نقول گیلیلو اور مشہور ماہر فلکیات ٹائیکو براہے کو بھیجیں۔ اس طرح ان دونوں سے اس کی خط و کتابت شروع ہوگئی کیپلر پروٹسٹنٹ تھا اس نظریئے کی اشاعت کے بعد اس کا گراٹز میں رہنا دشوار ہوگیا کیونکہ یہاں مذہبی رواداری کا فقدان تھا۔ ایسے میں ٹائیکو میراہے نے جو پراگ میں شاہ روڈلف ثانی کا درباری ریاضی دان تھا۔ اس کو اپنا معاون بننے کی پیشکش کی جو اس نے قبول کر لی۔ یکم جنوری 1600ء کو کیپلر پراگ روانہ ہوگیا۔ جہاں ٹائیکو براہے کی لگن اور دھن نے فلکیات کو صحیح معنوں میں ایک سائنس کی سطح تک بلند کر دیا تھا۔

فلکیات کے میدان میں کیپلر کی دلچسپی کی بھی انتہا نہیں تھی وہ براہے کے فلکیاتی آلات پر کام کرنے کے لیے نوٹ پڑا اور فلکیات کو مزید چار چاند لگ گئے۔

1601ء میں ٹائیکو براہے کی موت کے بعد کیپلر اس کی جگہ شاہی ریاضی دان مقرر ہوگیا۔ اس کا ایک فرض تو یہ تھا کہ وہ بادشاہ اور اس کے درباریوں کے زائچے تیار کرے۔ دوسری طرف وہ ایک نجومی کی حیثیت سے بالکل الگ ایک فطین ریاضی دان، ماہر فلکیات اور ایک فلسفی کے تمام پرخار مسائل پر عبور حاصل کر رہا تھا۔ 1605ء میں اس نے اپنی کتاب ''جدید فلکیات New Astronomy'' شائع کی اس کتاب میں اس کے تین انقلاب انگیز قوانین میں سے دو نیوٹن جیسے عظیم لوگوں کے لیے بعد کی دریافتوں میں ناگیز یر ثابت ہوئے۔ (۱) ہر سیارہ سورج کے گرد ایک بیضوی مدار میں گردش کرتا ہے۔ سورج اس بیضوی مدار کے ایک ماسکہ Focus پر واقع ہے۔ اس طرح کیپلر نے سیاروں کی اپنے مدار میں غیر ہموار حرکت کی توجیح پیش کی۔ (۲) اگر سورج کے مرکز سے کسی سیارے کے مرکز تک ایک خیالی خط کھینچا جائے تو اس کا رقبہ اور وقت مساوی رہیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب سیارے سورج کے قریب تر ہوں گے تو وہ زیادہ تیز رفتاری سے حرکت کریں گے۔

کیپلر اگر یہ قوانین ترتیب نہ دیتا پھر بھی اس میدان میں اس کی سائنسی خدمات کی وجہ سے تاریخ میں اس کا مقام ہوتا۔ کیپلر کو اپنی کمزور نظر کی وجہ سے بصریات میں بھی دلچسپی رہی۔ اس کی تحریروں میں یہ توجیہات بھی شامل ہیں کہ عینک دور بین اور کوتاہ بین لوگوں کو کس طرح فائدہ پہنچاتی ہے۔ ان میں فوٹو گرافی کیمرے کا اصول بھی شامل ہے۔ کیپلر نے بصریات پر 1611ء میں انعطافیات Dioptric شائع کی۔ اس میں اس نے معکوس کرنے والی فلکیات دور بین کا نقشہ بھی دیا۔

Scanned with CamScanner

بعد کے زمانے میں یہ دوربین کثرت سے استعمال ہوئی۔ کیپلر ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے ساحلوں پر آنے والے جوار بھاٹے پر چاند کے اثرات کی نشاندہی کی۔

کیپلر نے 1629ء میں وفات پائی کیپلر کی قبر کے کتبے میں کندہ اس کا یہ شعر اس کے سفر زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔

"میں جو کبھی آسمانوں کی پیمائش کرتا تھا اب سائے ناپتا ہوں
میرا ذہن آسمانوں کی سیاحت کرتا تھا اور میرا جسم زمین کی قید میں خوابیدہ ہے"

ماخذ:
Book of The World. بذیل مادہ "کیپلر"
دنیا کے عظیم سائنسدان۔ اردو سائنس بورڈ۔
Pioneers In Science Astronomy By Pete Lafferty.

Scanned with CamScanner

1597ء۔ فرانسس بیکن کے مضامین

فرانس بیکن Francis Bacon (1561ء۔1626ء) کی ترقی نے گویا افلاطون کے اس خواب کی تعبیر مہیا کردی کہ فرمانروا فلسفی ہونی چاہیے کہ جوں جوں اس نے ترقی کی منزلیں طے کیں وہ فلسفے کی چوٹیوں کے قریب تر پہنچتا گیا۔ یہ باور کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہ اس شخص کے ذخائر علم اور کمالات ادبی ایک شورش پذیر سیاسی زندگی کے عوارض واتفاقات تھے۔

بیکن 22 جنوری 1561ء کو یارک ہاؤس لندن میں پیدا ہوا۔ اس کا والد سر نکولس بیکن ملکہ ایلزبتھ اول کے عہد حکومت کے اولین 20 سالوں میں شاہی مہر بردار تھا۔ اس کی ماں، این کک Ane Cook تھی جو سر ولیم سیسل لارڈ برکلے کی خواہر نسبتی تھی۔ جس کا والد ایڈورڈ ہشتم کا صدر اتالیق تھا۔ وہ خود ماہر السنہ تھی اور دینیات سے آگاہ بھی یونانی زبان میں اسقفوں سے خط و کتابت کرنا اس کے لیے معمولی بات تھی۔

بیکن کا علمی گہوارہ سولہویں صدی کا انگلستان تھا۔ جو اسی زمانے میں ایک طاقتور بحری قوم بن چکا تھا۔ امریکہ کی دریافت نے تجارت کا رخ بحیرہ روم اوقیانوس کی طرف پھیر دیا تھا۔ چنانچہ ہسپانیہ، ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کو وہ مالی اور تجارتی اقتدار حاصل ہوگیا جو کبھی اطالیہ کو نصیب تھا کہ آدھے سے زیادہ یورپی ممالک مشرق سے تجارت کے لیے اسے بندرگاہ سمجھنے پر مجبور تھے۔ اسی تغیر زمانہ کے ساتھ تحریک احیاء علوم کا رخ اطالیہ کے شہروں، فلارنس، میلان اور وینس سے میڈرڈ، ایسٹرڈم، پیرس اور لندن کی طرف پھر گیا تھا۔ 1558ء کے بعد ہسپانیہ کا بحری اقتدار ختم ہوتا گیا تو انگلستان کی تجارت دنیا کے ہر سمندر تک پھیلتی چلی گئی۔ اس کے شہروں میں صنعت وحرفت کے باعث رونقیں بڑھ گئیں۔ فرانسس بیکن کی عمر ابھی 16 ہی سال ہی کی تھی کہ اسے فرانس میں متعینہ انگریز سفیر کے عملے میں جگہ پیش کی گئی اور خوب سوچ بچار کے بعد اس نے یہ پیشکش قبول کرلی اور اپنی کتاب ''تعمیر فطرت'' میں وہ اپنے اس فیصلے سے بحث کرتا ہے جس نے اسے فلسفے سے ہٹا کر سیاسیات کی طرف مائل کردیا۔ بقول سر فرانسس بیکن کہ میرا عقیدہ تھا کہ مجھے بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے خلق کیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مفاد عامہ کی نگہداشت ان فرائض میں شامل ہیں۔ جن میں سب یکساں شریک ہیں۔ ان امور کے مدنظر میں سیاسیات میں الجھ گیا۔ 1579ء میں سر نکولس بیکن کی وفات پر اسے واپس لندن بلوایا گیا۔ اس نوجوان سیاست داں کو معلوم ہوا کہ وہ 18 برس کی عمر میں یتیم ہوچکا ہے اور بے زر ومال بھی اسے اپنے زمانے کی تعیشات کی عادت پڑ

Scanned with CamScanner

گئی تھی۔ مجبوراً سادہ زندگی اختیار کرنا پڑی۔ اس موقع پر ایک ذی اقتدار دوست نے اس سے نہایت اچھا سلوک کیا۔ یہ ارل آف ایسکس تھا، ملکہ الزبتھ کا محبوب۔ مگر اس کی ناکامی عشق نے نفرت کا روپ دھار لیا تھا۔ 1595ء میں ارل نے اسے ایک خوش وضع جاگیر بیکن کو تحفے میں دی تاکہ اس بات کی تلافی ہو جائے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق بیکن کے لیے کوئی اچھا سیاسی منصب حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ مگر بیکن نے عملی زندگی میں محسن کشی کی اور ملکہ الزبتھ کی حمایت میں جواب ارل کی دشمن تھی۔ ارل کے خلاف مقدمہ کی پیروی کی اور اسے قصوروار ٹھہرا کر ہلاک کروا دیا۔ اسی بنا پر وہ نامقبول ہو گیا اور اس کے بعد اس نے ایسی زندگی بسر کی کہ دشمنوں میں گھرا رہا جو موقع کی تاک میں تھے کہ کب اسے برباد کر دیں۔

اسراف اس کی زندگی کا اہم پہلو تھا۔ 1598ء میں اسے مقروض ہونے کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے باوصف وہ ترقی کرتا رہا۔ علم کی بنا پر وہ ہر اہم مجلس علم کا رکن تھا۔ 1606ء میں وہ سالسٹر جنرل مقرر ہوا اور 1613ء میں اٹارنی جنرل کے منصب پر پہنچا۔ اپنی عمر کے 57 ویں سال میں وہ لارڈ چانسلر مقرر ہو گیا تھا۔ فرانسس بیکن کی بہترین ادبی تصنیف ''مضامین'' ہے۔ مگر اس میں اس کا ذہن سیاسیات اور فلسفے میں الجھا رہا۔ یعنی وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ سیاسیات کو ترجیح دے یا فلسفے کو کہ عشق تو دونوں سے ہے۔ وہ خود ایک جگہ رکھتا ہے کہ ''فلسفے کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔'' ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے کہ ''طبعاً میں ادبی زندگی کے لیے موزوں ہوں۔'' لیکن تقدیر مجھے میری سیرت و کردار کے خلاف عملی زندگی (سیاسیات) کی طرف کھینچے لیے جا رہی ہے۔

اس کی تصنیف ''مضامین'' ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے ''جن کو چبا چبا کے کھایا اور ہضم کیا جاتا ہے۔ اتنی چھوٹی سی رکابی اتنا اچھا گوشت یا مزہ اور چٹ پٹا کم ہی نظر آئے گا۔ بیکن کو زائد سے چڑ ہے وہ ایک لفظ بھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ ایک ترکیب میں جہاں معنی پوشیدہ رکھتا ہے وہیں ایسی لطیف و دقیق بات بھی کہتا ہے گویا اس کی فکر معطر ہو چکی ہے۔ اس کی تحریر میں یہ کہنا مشکل ہے کہ معنی کو برتری حاصل ہے یا اسلوب نگارش کو جس طرح شیکسپیئر کی نظم بے نظیر ہے۔ یہ نثر لاجواب ہے۔ اس کا انداز رومی مورخ ٹیسی ٹوس کے انداز کی طرح توانا ہے خوب فصیح و بلیغ لیکن موجز یہ بھی ہے کہ اختصار کلام کی بنا پر کچھ اس کی ہنرمندی پر بھی قائم ہے۔

1621ء میں بیکن کے دشمنوں نے اس پر وار کیا اور ایک مقدمے میں رشوت لینے کے الزام میں اسے ٹاور میں قید کروا دیا۔ یہ فیصلہ پارلیمنٹ کا تھا کیونکہ بیکن نے مسلسل پارلیمنٹ کے مقابلے میں بادشاہ کی حمایت کی تھی۔ اگرچہ اس کو رہا کر دیا گیا تھا مگر اس پر بھاری جرمانہ بھی عائد کیا گیا تھا۔ 1626ء میں اس نے گوشت کو برف میں ڈھکنے کا تجربہ کیا اسے ٹھنڈ لگ گئی اور وہ 9 اپریل کو وفات پا گیا۔

Scanned with CamScanner

1598ء۔ ابوالفضل کا اکبر نامہ اور ''آئین اکبری''

عہد اکبری کے نامور علما و فضلاء میں ایک بڑا نام شیخ ابوالفضل علامی کا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور عالم شیخ مبارک ناگوری کا دوسرا بیٹا اور شیخ فیضی کا بھائی تھا۔ 6 محرم الحرام 958ھ/14 جنوری 1551ء کو آگرہ میں پیدا ہوا۔ اپنے ولد سے علوم متداولہ کی تعلیم پائی۔ انشا پردازی میں یگانہ کمال پیدا کیا۔ 1574ء میں اپنے بھائی فیضی کی وساطت سے دربار اکبری میں رسائی پیدا کی۔ کمال تحریر اور اخلاص کی بنا پر جلد ہی بادشاہ کے مقربین خاص میں شامل ہوگیا۔ مگر منصب سہ ہزاری سے نہ بڑھا۔ بادشاہ نے اپنے عہد کے آخر میں دکن بھیج دیا تھا۔ دکن سے واپسی پر بندھیلہ رئیس نے شہزادہ سلیم کے ایما پر انتری کے قریب جو گوالیار سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے، قتل کروا دیا۔ ابوالفضل کی اہم تصانیف میں ''اکبر نامہ، انشائے ابوالفضل اور آئین اکبری'' شامل ہیں۔ آئین اکبری کو بعض لوگ اکبر نامہ کا تیسرا دفتر قرار دیتے، لیکن یہ ایک الگ تصنیف ہے۔ اس میں سلطنت کے نظم و نسق اور اعداد و شمار کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے پانچ دفتر (جلدیں) ہیں، جن میں مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ دربار اور حرم سرا، متوسلین و متعلقین دربار، سال الٰہی مالیات اور آمدن صوبجات، اہل ہنود اور ان کا ادب، ان کے ادارے، ہندوستان پر خارجی حملہ آور، سیاح اور مسلمان صوفیاء اور ان کے ملفوظات جو خود شیخ ابوالفضل نے جمع کیئے تھے۔

''اکبر نامہ'' ابوالفضل کی سب سے اہم تصنیف ہے جو اکبر کے بزرگوں کی مختصر اور عہد اکبری کی مضبوط تاریخ ہے۔ اس میں واقعات کو اکبر کے چھیالیسویں سال حکومت تک لایا گیا ہے۔ اس کے دو دفتر یا جلدیں ہیں۔ پہلا دفتر اکبر کے اکتالیسویں سال حکومت یعنی شعبان 1004ھ/1596ء میں مکمل ہوا تھا۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تیموریوں کا شجرہ نسب اور بابر اور ہمایوں کے عہد کے حالات درج ہیں۔ دوسرے حصے میں اکبر کے پہلے سال کے واقعات سے لے کر سترہویں سال کے وسط تک حالات درج ہیں۔ دوسرے دفتر میں سترہویں سال کے نصف آخر سے چھیالیسویں سال تک کے واقعات کا ذکر ہے۔ یہ ابوالفضل ہی تھا جس نے اکبر کی دین الٰہی ایجاد کرنے میں مدد کی اور جسے ابوالفضل نے بھی قبول کیا۔ دربار اکبری میں ابوالفضل کا اثر و نفوذ اتنا بڑھا کہ معاصر درباری امراء اس سے حسد کرنے لگے۔ اور انہیں امراء کے تقاضے پر اسے دکن بھیجا گیا۔ وہاں اس صاحب قلم نے صاحب سیف کی حیثیت سے بہت عمدہ کام کیا اور اس کے صلے میں اسے منصب پنج ہزاری عطا کر دیا گیا تھا۔

Scanned with CamScanner

1598ء۔ ماریشیس کی آبادکاری

ماریشیس بحر ہند میں جزائر مڈغاسکر سے 500 میل کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت پورٹ لوئیس کہلاتا ہے جزیرے کی آبادی میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لیے اردو اور ہندی بھی بولی اور سمجھی جاتیں ہیں۔

اسی جزیرے کی دریافت کا سہرا عربوں، اہل ملایا اور پرتگالیوں کے سر پر بندھتا ہے۔ پرتگالیوں نے اسے سب سے آخر 1598ء میں اسے آباد کیا اور وہاں پرتگیز نو آبادی قائم کی۔ پرتگیزوں ہی نے اپنے ایک شہزادے موریس کی نسبت سے اس کا نام مورشیس رکھا تھا۔ 1636ء تا 1710ء یہاں ولندیزیوں کا قبضہ رہا۔ 1713ء میں فرانس نے اس جزیرہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور اس کا نام جزیرہ فرانس رکھا۔ 1810ء میں اسے فرانسیسیوں سے انگریزوں نے چھین لیا اور 1814ء میں طے پانے والے معاہدہ پیرس کی تحت پر برطانیہ کا حق ملکیت تسلیم کرلیا گیا۔

برطانوی مملکت میں غلامی کی تنسیخ (1834ء) کے بعد یہاں ہندوستان سے مزدوروں کی بڑی تعداد پہنچ گئی۔ اگر چہ وہ مقامی حبشیوں سے زیادہ ہیں مگر وہ اپنا جداگانہ وجود نہ منوا سکے۔ 1965ء میں برطانیہ نے ڈیگوگارشیا کا علاقہ اس سے الگ کردیا اور امریکہ کو پٹے پر دے دیا۔ پھر 12 مارچ 1968ء اسے آزادی دے دی گئی۔

1505ء میں پرتگالی جہازوں کا بیڑا ڈول پیڈرو میگارتھیس کی قیادت میں ہندوستان جاتے ہوئے پہلی بار اس جزیرے کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تھا۔ پرتگالیوں نے اس جزیرے کو سرسبز و شاداب پایا۔ 1510ء میں پرتگیز یہاں دوبارہ لنگر انداز ہوئے، لیکن آباد نہ ہوئے بلکہ انہوں نے جزیرے کو بحر ہند کے سفر میں سامان خوردونوش حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اس دور میں یہ جزیرہ بحری قزاقوں کی بھی آماجگاہ تھا۔

ماریشیس کے پہلے آباد کار ولندیزی تھے جنہوں نے اس پر 1598ء میں قبضہ کیا تھا۔ 1638ء میں ولندیزیوں نے ہی یہاں کالونیاں قائم کیں۔ 1710ء میں ولندیز اسے چھوڑ کر چلے گئے اور 1715ء میں یہاں فرانسیسیوں نے قبضہ کرلیا۔ فرانس نے اس جزیرے کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

1598ء۔ نین ٹیس کا حکم نامہ یا فرمان نانٹ

سولہویں صدی کے فرانس میں اصلاح مذہب کے نام پر کئی خانہ جنگیاں لڑی گئیں اور کئی قتل عام ہوئے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ یا ہیوگنو Hu Gunot کے درمیان مسلسل نبرد آزمائی ہونے کی وجہ سے یہ ملک مذہبی طور پر بٹا رہا۔ اس مذہبی تصادم میں کبھی پروٹسٹنٹ کامیاب ہوتے تھے اور کبھی کیتھولک ۔ شاہ ہنری چہارم نے فرانس کے تخت پر بیٹھتے ہی قیام امن کے لیے رومن کیتھولک مذہب قبول کرلیا۔ بادشاہ ملک میں تفرقہ بازی اور بیرونی فوج کی موجودگی سے تنگ تھا۔ یہ ہنری چہارم پہلے والی نوار تھا اور پروٹسٹنٹ بھی تھا۔ چونکہ پیرس کیتھولکوں کا گڑھ تھا اس لیے عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہنری چہارم نے کیتھولک مذہب قبول کیا۔ مگر پروٹسٹنٹوں کا ہمدرد رہا۔ تمام فرانسیسی لوگوں کے شاہ ہنری چہارم کو بادشاہ تسلیم کرنے سے پروٹسٹنٹوں کی حالت میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہ ہوا۔ گو قانون ان کے خلاف تھا لیکن بادشاہ کی حفاظت کے وعدے پر انہیں کامل یقین تھا۔ اسپین کے ساتھ جنگ کی وجہ سے معاملہ کچھ عرصہ کے لیے التوا میں پڑ گیا لیکن جب حالات سازگار ہوئے تو شاہ ہنری چہارم کو اپنے سابقہ ہم مسلکوں کے ساتھ وعدہ وفا کرنا ضروری تھا جو تنگ تنگ بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے اکتوبر 1593ء تا جنوری 1594ء جنرل اسمبلی کا اجلاس طلب کیا جس میں شرکائے پروٹسٹنٹ مسلک کے ساتھ حلف وفاداری کو تازہ کیا اور حکومت کی کمزوری اور کلیسائی برائیوں پر غور بھی کیا گیا۔ انہوں نے فرانس کو 9 حصوں میں تقسیم کرکے کلیسائی انتظام 9 سینڈوں میں بانٹ دیا اور یوں حکومت کے اندر حکومت قائم کردی اور مطالبہ کیا کہ انہیں رومن کیتھولکوں کے برابر حقوق شہرت دیئے جائیں اور ان کی حفاظت کو بھی یقینی بنایا جائے۔ 1597ء میں کونسل نے چار نمائندے منتخب کرکے بادشاہ کے پاس بھیجے تاکہ وہ اس سے اس معاملے پر بات کرسکیں۔ ان کی بادشاہ سے گفتگو کے نتیجہ میں فرمان نانٹ Nantes جاری ہوا۔ جو پروٹسٹنٹزم کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اور بعد ازاں یہ فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کے لیے قانون بن گیا۔ یہ فرمان 95 باتوں پر مشتمل تھا جس پر 13 اپریل کو دستخط ہوئے لیکن اس کی خاص خاص باتوں پر جو تعداد میں 56 تھیں مئی 1598ء میں بادشاہ کے دستخط ہوئے۔ اس فرمان کی رو سے پہلی مرتبہ فرانس کے پروٹسٹنٹوں کو آزادانہ عبادت کرنے کی اجازت حاصل ہوئی۔ ہر جگہ پروٹسٹنٹ کو ضمیر کی آزادی دی گئی۔ وہ ایذا رسانی سے بری قرار دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی پروٹسٹنٹ دن بدن مضبوط ہوتے گئے۔

Scanned with CamScanner

1599ء۔ حضرت شاہ سکندر کیتھلی کی حضرت مجدد الف ثانی کو عطا خرقہ

ہندوستان میں اسلام کی روشنی پھیلانا شاہان ہند کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ ان عظیم ہستیوں کی کوششوں کا ثمر ہے جو اولیائے کرام کہلاتے ہیں۔

نہ صرف فریضہ تبلیغ بطریق احسن ادا کرنے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملے سے تا زمانہ حال برصغیر کے مسلمانوں کی راہنمائی بھی انہیں عظیم انسانوں نے انجام دی ہے۔

سولہویں صدی کے آخری عشروں میں مغل شہنشاہ اکبر نے ایک خود ساختہ دین، دین الٰہی ایجاد کر کے برصغیر میں جو گمراہی پھیلائی تھی۔ اس کے خلاف جہاد کرنے والوں کی اگلی صفوں میں یہی اولیائے عظام شامل تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کفر صریح کے خلاف آواز اٹھائی اور جابر حکمران کے سامنے علی الاعلان کلمہ الحق بلند کیا۔ یہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اگر اس اہم تاریخی واقعہ کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہمیں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی عظیم تر شخصیت پر سلسلہ قادریہ سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کا خصوصی فیض نظر آتا ہے۔ یہی فیض اکبر اور جہانگیر جیسے شہنشاؤں کے درباروں میں حضرت کے سر نہ جھکانے کا سبب بنا۔ حضرت مجدد الف ثانی صاحب سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد محترم حضرت شیخ عبداللہ الاحدؒ سے بیعت تھے جب کہ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کی ارادت مندی حضرت باقی باللہ قدس سرہ سے قائم تھی۔ یوں آپ کی ذات میں سلاسل ہائے تصوف کے تینوں سلسلے جلوہ فرما تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپؒ نے حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ سے بیعت کی تھی جو مشہور زمانہ حضرت شیخ الافاق، شاہ کمال کیتھلیؒ کے نبیرہ تھے۔

1599ء میں حضرت شاہ سکندر کیتھلی نے حضرت کو خرقہ قادریہ سے سرفراز فرمایا۔ منقول ہے کہ جب شیخ الآفاق حضرت شاہ کمال کیتھلی جو حضرت شاہ سکندر کیتھلی کے دادا جان تھے، کا وقت وصال قریب آیا تو حضرت موصوف نے وہ خرقہ جو شیخ عبدالقادر جیلانی، بانی سلسلہ قادریہ سے بزرگان قادریہ میں پشت ہا پشت چلتا ہوا ان تک پہنچا تھا۔ حضرت شاہ سکندر کیتھلی کو عطا کیا اور ہدایت فرمائی کہ اسے حضرت مجدد الف ثانی کو عطا کیا جائے۔

''شمع اسرار'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب امام ربانی کا زمانہ آیا تو حضرت شاہ سکندر کیتھلی تشریف لائے اور حضرت شاہ کمال کا عطا کردہ خرقہ، متبرکہ آپ کے شانوں پر ڈال دیا۔ آپ اس وقت حالت مراقبہ میں تھے۔ جیسے ہی آپ نے آنکھیں کھولیں اور حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ کو دیکھا تو تواضع کے لیے معانقہ کیا۔ حضرت شاہ سکندر نے فرمایا کہ میرے جد امجد حضرت شاہ کمالؒ نے

Scanned with CamScanner

چند مرتبہ مجھ سے اس معاملہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ جبہ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ مجھ پر یہ شاق گزرتا تھا کہ میں یہ خرقہ متبرکہ اپنے خاندان سے باہر کسی دوسرے شخص کو دوں لیکن چونکہ بار بار اس کے حوالے سے تاکید کی گئی۔ اس لیے مجبوراً یہ خرقہ متبرکہ تعمیل حکم میں آپ کو پیش کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس خرقہ متبرکہ کو پہن لیا پھر اس کو پہنے ہوئے زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر بعد تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ شیخ الجن والانس حضرت سید عبدالقادر جیلانی معہ حضرت شاہ کمالؒ تک اپنے تمام خلفائے کرام کے ہمراہ تشریف لائے۔ میرے دل کو اپنے تصرف میں کیا۔ اور اپنے انوار و اسرار اور نسبت ہائے خاصہ سے مجھے نوازا۔

یہ انہیں سلاسل ہائے تصوف کی عنایات تھیں کہ جب دربار جہانگیری میں آپ کو سجدہ آداب بجالانے پر مجبور کیا گیا تو حضرت نے آسائش دربار کی بجائے قید خانہ گوالیا کہ تکالیف کو ترجیح دی۔ مگر تجدید دین کے اہم فریضہ کی تکمیل میں پورے اترے۔

حضرت شاہ سکندر کیتھلی جنہیں حضرت مجدد الف ثانی جیسی اہم شخصیت کے مرشد ہونے کے افتخار حاصل ہے۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے سر برآوردہ بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ کے پوتے اور حضرت شاہ عمادالدین کے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں سید عبدالرحمٰن کے ذریعہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے۔ آپ بھی حضرت شاہ کمال قادری کی طرح قطب ارشاد کے منصب پر فائز تھے اور محبوب الٰہی اور رؤس الاولیا آپ کے لقب خاص ہیں جب کہ کنیت ابوالحسنات ہے۔ محمود علی مائل کرنالی نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی قدس سرہ ان اولیاء کرام میں سے ہیں جو آسمان معرفت پر مہر و ماہ بن کر چمکے جن کی نگاہ کرم سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ فیض یاب ہوا۔

آپ کے خلفا میں نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی شامل ہیں بلکہ حضرت طاہر بندگی لاہوری اور شیخ الاسلام بہاریؒ بھی آپ ہی کی ذات سے ارادت رکھتے تھے۔

مآخذ:

الکمال از پروفیسر خورشید احمد بخاری، تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ از پروفیسر خورشید احمد بخاری۔

Scanned with CamScanner

1600ء۔ ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی

پرتگیزوں کے بعد جس مغربی قوم نے مشرق سے مصالحوں کی تجارت پر اجارہ داری قائم کی وہ ولندیزی قوم تھی جنہیں ڈچ بھی کہتے ہیں۔ سولہویں صدی کے نصف آخر سے گرم مصالحے کی تجارت بالخصوص ولندیزی تاجروں کے ہاتھ میں تھی، سولہویں صدی کے آخری دہائیوں میں ولندیزی تاجروں نے ایک پونڈ گرم مصالحے کی قیمت پانچ شلنگ کا اضافہ کردیا۔ پانچ شلنگ کا یہ اضافہ انگیریز تاجروں کو پسند نہ آیا۔ اس اضافے کے خلاف 24 ستمبر 1599ء کو لندن کی ہال اسٹریٹ کی ایک خستہ حال عمارت میں اس وقت کے برطانوی تاجروں کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں گرم مصالحے کی قیمت میں اضافے کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا کہ ولندیزی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے ایک برطانوی کمپنی قائم کی جائے۔ ایک سو پچیس برطانوی تاجروں نے 72000 پونڈ کی مالیت کے حصص خرید کر ایک نئی برطانوی خودمختار کمپنی تشکیل دی۔ اس کمپنی کا نام ''ایسٹ انڈیا کمپنی East India Co.'' رکھا گیا۔ 31 دسمبر 1600ء کو ملکہ ایلزبتھ اول نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے براعظم افریقہ میں راس امید Cape Of The Good Hope کے اس پار واقع ممالک کے ساتھ بلاشرکت غیرے تجارت کرنے کے خصوصی حقوق اس کمپنی کو مرحمت فرمائے تاکہ دیگر مغربی اقوام کے شانہ بشانہ انگریز قوم بھی مشرق کے ساتھ براہ راست تجارت کرسکے۔ اس کے ساتھ ہی کمپنی کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا۔ 1601ء میں دریائے ٹیمز سے چار بحری جہازوں کا ایک بیڑا ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلی بار براستہ راس امید مشرق کی طرف روانہ کیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کمپنی نے بحری سفروں کے ذریعے مشرق میں مختلف مقامات پر اپنے کاروبار کو منظم کرنا شروع کردیا۔ ابتدا ہی سے کمپنی نے بہت زیادہ منافع کمایا جس سے وہ مالی طور پر مستحکم تر ہوگئی۔ ایسٹ انڈیا یا گرم مصالحوں کے جزیروں پر قبضہ کرنے کی کوششیں شروع میں ولندیزی مزاحمت کی وجہ سے ناکام رہیں۔ 1608ء میں مشہور انگریز کپتان ہاکنز Hawkins کو ہندوستان بھیجا گیا اس نے سورت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوکر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور انگریز تاجروں کے لیے مراعات طلب کیں۔ اسے سورت میں تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت دی گئی۔ جو بعد میں قائم کرلی گئی۔

1612ء میں ایک انگریز کپتان بیسٹ Best نے سورت کے نزدیک پرتگیز بحری بیڑے کو شکست دی جس کے نتیجے میں پرتگیز اثرات کم ہوتے چلے گئے اور انگریزوں کا اثر و رسوخ بڑھ

Scanned with CamScanner

گیا۔

1615ء میں سر تھامس رو Sir Thomas Roe نے انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی طرف سے شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کو ایک محضر نامہ پیش کیا جس میں انگریز تاجروں کو کاروباری مراعات دینے کی استدعا کی گئی تھی۔ ہندوستان کی قسمت کی یہی وہ منحوس گھڑی تھی جب انگریزوں نے سرزمین ہندوستان میں پہلی بار قدم جمانے کا موقع حاصل ہوا۔ شہنشاہ ہند نے نہ صرف انگریز تاجروں کو کاروباری مراعات عطا کیں بلکہ مختلف مقامات پر انہیں تجارتی کوٹھیاں بھی تعمیر کرنے کی اجازت عطا کی گئی اور بنگال میں انہیں بلامحصول تجارت کرنے کے حقوق بھی دیئے گئے۔

1622ء میں انگریزوں نے پرتگیزوں سے شاہ ایران کی مدد سے جزیرہ ہرمز حاصل کرلیا۔ یہ بحر ہند میں ایک اہم تجارتی چوکی کی حیثیت رکھتا تھا۔ 1637ء میں ایک انگریز ڈاکٹر بائڈن ہندوستان آیا اس وقت شہنشاہ شاہجہاں کی صاحبزادی علیل تھی۔۔اس انگریز ڈاکٹر نے شہزادی جہاں آرا کا علاج انتہائی کامیابی سے کیا جس کے نتیجے میں انگریز قوم کو مزید تجارتی مراعات دیں گئیں۔ انگریزوں نے صوبہ بنگال میں ہگلی، پٹنہ اور ڈھاکہ کے مقام پر اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ 1640ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جنوبی ہند کے ایک راجہ چندی گری سے زمین خرید کر مدارس میں سینٹ جارج کے نام پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔ 1661ء میں پرتگال کی ایک شہزادی کی شادی انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم سے ہوئی۔ اس کے جہیز میں پرتگیزوں نے بمبئی کا جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کردیا۔ 1668ء میں دریائے ہگلی کے کنارے کلکتہ کے مقام پر فورٹ ولیم نامی قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اس طرح یہ غیر ملکی تاجر آہستہ آہستہ پورے ہندوستان میں قدم جمانے میں کامیاب ہوگئے۔ ظاہری طور پر وہ صرف تاجر تھے مگر اندرونی طور پر ان کے مقاصد قلعوں کی تعمیر سے عیاں ہونے لگے تھیں۔ 1698ء میں انگریزوں نے ایک اور تجارتی کمپنی کی بنیاد رکھی جو نیو ایسٹ انڈیا کمپنی کہلائی۔ لیکن 1708ء میں یہ دونوں کمپنیاں ایک بڑی کمپنی میں مدغم کردی گئیں۔ اسی متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج فرانسیسی حریفوں پر کلائیو کی فتوحات (1745ء۔ 1768ء) سے انتہا کمال پر پہنچا۔ ہندوستانی ریاستیں ایک کے بعد دوسری فتح کرکے کمپنی کے گورنر جنرلوں نے تقریباً ایک سو سال تک حکومت کی۔ 1858ء میں کمپنی کا راج ختم ہوگیا اور ہندوستان پر براہ راست ملکہ وکٹوریہ کی حکومت قائم ہوگئی۔ یا تاج برطانیہ سے ہندوستان کی قسمت منسلک کردی گئی۔

مآخذ:

Modern India History by VD Mahajan.

Scanned with CamScanner

1601ء۔ ولیم شیکسپیئر کا کنگ لیئر

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے اپنی گراں مایہ تصنیف ''تاریخ ادب انگریزی'' میں لکھا ہے کہ شاید ہی دنیا کا کوئی ادیب ہو جس کی تخلیقی قوت شیکسپیئر سے زیادہ زبردست ہو۔ اس کا ہر ڈرامہ ایک نئی دنیا لیئے ہوئے ہے جس کا جغرافیہ، روایات، افراد اور زبان بالکل الگ ہیں۔ 1601ء کے بعد انگلستان کی ڈرامہ نگاری میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس وقت دربار شاہی کے حالات خراب ہو گئے اور ملکہ الزبتھ نے جس شان و شوکت سے حکومت کی تھی وہ کم ہو گئی اور ارل آف ایسکس Earl Of Essex جس سے شیکسپیئر کو ہمدری تھی وہ پھانسی کی سزا پا گیا۔ خود شیکسپیئر کے والد کا انتقال ہو گیا اور محبت میں ناکامی سے جب اس کے دل کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ان سب حالات کے تقاضوں نے اسے افسردہ ڈرامے لکھنے پر مجبور کر دیا۔

شیکسپیئر کے المیہ ''کنگ لیئر King Lear'' کو دنیا کا عظیم ترین ڈرامہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں بہت سے پلاٹ ساتھ چلتے ہیں۔ خاص قصہ ایک بوڑھے بادشاہ کا ہے جو اپنی تین بیٹیوں کی محبت کا امتحان لے کر بڑی دو بیٹیوں کی لفاظی سے مرعوب ہو جاتا ہے اور ان کو اپنی پوری حکومت دے دیتا ہے۔ تیسری بیٹی کورڈیلیا Cordelia سے شاہ فرانس شادی کر کے اسے فرانس ساتھ لے جاتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں بڑی بیٹیاں شاہ لیئر سے عاجز آ جاتیں ہیں اور اسے طوفان میں گھر سے نکال دیتیں ہے۔ یہاں اس کا وفادار مسخرہ اس کے ساتھ ہے اور اپنی باتوں سے لیئر کی حالت زار سب پر واضح کرتا ہے۔ لیئر پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کی چھوٹی بیٹی کواڈیلیا فرانس سے فوج لے کر آتی ہے مگر سازش سے ماری جاتی ہے۔ آخر میں لیئر کورڈیلیا کے غم میں نیم دیوانگی کے عالم میں مر جاتا ہے۔ اس کی بڑی بیٹیاں ایک لارڈ کے ناجائز بیٹے اڈمنڈ Edmund کے ساتھ ناجائز تعلقات میں ذلیل ہوتیں ہیں اور ماری جاتیں ہیں۔

یہ ڈرامہ پوری دنیا بلکہ پوری کائنات کی تصویر پیش کرتا ہے۔ لیئر کے مصائب، مسخرے کے الفاظ اور کائنات میں تبدیلیاں ایسے انداز میں پیش کی گئیں کہ یہ ڈرامہ آفاقی قدروں اور حالات کی سب سے اچھی تصویر مانی گئی ہے۔ نیکی اور بدی کی کشمکش، انسان اور قدرت کے تعلق، غم و خوشی کی صورتیں اور جذبات کا ٹکراؤ کسی ڈرامے میں اس سے بہتر طور پر پیش نہیں ہوا اس ڈرامے کی عظمت ہر شخص کو دم بخود کر دیتی ہے۔

ماخذ: تاریخ ادب انگریزی از ڈاکٹر محمد احسن۔ King Lear by SHake Speare

Scanned with CamScanner

1603ء۔ جیمز اول کی تخت نشینی

ملکہ ایلزبتھ اول بے اولاد تھی۔ اس کی وفات کے بعد 1603ء میں اس کی قدیم حریف ملکہ میری جسے اس نے موت کی سزا دے دی تھی اس کا بیٹا جیمز سٹوارٹ اس کا جانشین ہوا۔

جیمز پہلے سے سکاٹ لینڈ کا بادشاہ چلا آ رہا تھا اور وہاں اس کا لقب جیمز ششم تھا۔ انگلستان میں وہ جیمز اول (1603ء۔ 1625ء) کہلایا۔ اس طرح دو ملک ایک شخص کی حکمرانی میں آ گئے جو اس وقت بھی قانونی اعتبار سے الگ الگ تھے۔ جیمز بظاہر ایک فاضل معلوم ہوتا تھا اور اس کی طبیعت میں نمود و نمائش کا خاصا جذبہ بھی تھا۔ اسے اپنے متعلق کوئی بے اعتمادی نہ تھی۔ وہ اصلا سکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا لہٰذا انگریزوں کے لیے وہ ایک غیر ملکی تھا وہ اس پر اعتماد نہیں رکھتے تھے۔ پھر اس میں ٹیوڈور بادشاہوں جیسی ملنساری، خوش اخلاقی اور خوش تدبیری بھی نہیں تھی۔ جس کے بغیر لوگوں کے دل موہے نہیں جا سکتے تھے۔

جیمز اول کا عہد حکومت سیاسی چپقلشوں اور شورشوں سے عبارت ہے اس کے پریشان عہد حکومت میں تین بڑے مسائل درپیش رہے جو بعد ازاں اس کے بیٹے چارلس اول کی تباہی کا باعث بنے۔ یہ تھے، خراب معیشت کی بہتری، خارجہ پالیسی اور معاشرے میں پھیلی ہوئی مذہبی منافرت ان تینوں مسئلوں کی وجہ سے تاج اور اس کے مخالفوں نے دستوری نشوونما کا رخ اپنی مرضی کے مطابق پھیرنا چاہا۔ روپیہ حاصل کرنے کے سلسلے میں جیمز اول کی خواہشیں یہ تھیں کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کر لے اور اس سلسلے میں پارلیمنٹ کی منظوری لینے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ ادھر پالیمنٹ کی کوشش یہ تھی کہ روپے پر اپنا نظم و ضبط قائم رہے اور اس اصول پر زور دے کر نئی رقوم پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ بہ حیثیت عمومی جیمز نے اپنا کام جاری رکھا اور بعض محاصل پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر عائد کر دیئے۔ ان میں ایک معاملہ بالکل معمولی تھا۔ بیٹ Bate نام کے ایک شخص نے جو درآمد و برآمد کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ محصول دینے سے انکار کر دیا مالی عدالت نے بیٹ کے مقدمے کا فیصلہ بادشاہ کے حق میں کیا۔ اس فیصلے پر عوام نے خصوصی توجہ دی کیونکہ ججوں نے جو فیصلہ دیا تھا اس کے مطابق بادشاہ کو مطلق العنانی کے اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ پھر بادشاہ نے ایک اور شخص سینٹ جان سے ''کریم النفسی'' کا برتاؤ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جبری قرضہ لیا اور اسے کریم النفسی قرار دیا یہ حسن تعبیر کا کرشمہ تھا۔ سینٹ جان نے مزاحمت کی معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ چیف جسٹس سر ایڈوڈ کوک Coke نے سینٹ جان کی اپیل بحال

Scanned with CamScanner

رکھی۔ جیمز نے چیف جسٹس کو اس کے عہدے سے یکسر برطرف کر دیا۔ رعایا اس معاملہ سے چونکی کہ بادشاہ اپنے اختیارات وسیع پیمانے پر استعمال کر رہا ہے۔ اس سے سیاسی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔

جہاں تک خارجی معاملات کا تعلق ہے۔ ٹیوڈور حکمران انہیں اپنے خاص حقوق کا معاملہ سمجھتے تھے۔ مثلاً ایلزبتھ اول کی شادی کے نازک مسئلے کا تعلق پارلیمنٹ اور عوام دونوں سے تھا مگر پارلیمنٹ نے ایلزبتھ پر شادی کے معاملے میں کوئی پابندی عائد کرنے کی کوشش نہ کی خود ایلزبتھ نے اس معاملے کے متعلق گفت وشنید کر کے اپنی رعایا کو ناراض کرنے سے بالاہتمام احتراز کیا۔ اس کے برعکس جیمز اول نے اپنے بیٹے کی شادی ہسپانیہ کی شہزادی سے کرنا چاہی۔ جس سے انگریزوں کو آرمیڈا کے حملے کی وجہ سے سخت نفرت تھی۔ رعایا کو بادشاہ سے سخت شکایت پیدا ہو گئی۔ 1621ء میں دارالعوام نے ہسپانوی شہزادی سے شادی کے خلاف کھلم کھلا عرضداشت پیش کی۔

جیمز نے اسے بے جا مداخلت قرار دے کر زجر و توبیخ کا ہدف بنایا۔ پھر دارالعوام نے ایک بڑا احتجاجی مراسلہ تیار کیا۔ انگلستان میں انقلاب کے متعلق یہ پہلی بڑی دستاویز ہے، جس میں انہوں نے پارلیمنٹ کے تاریخی حقوق، آزادی اور جائز استحقاقات کے الفاظ استعمال کیئے۔ یہ دستاویز خارجہ معاملات میں ایک نئی چیز تھی۔ جیمز نے اس کے جواب میں پارلیمنٹ توڑ دی اور اس کے چار راہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ ہسپانوی شادی رک گئی اور 1624ء میں شہزادہ چارلس کی منگنی ایک فرانسیسی شہزادی سے ہو گئی۔ یہ شہزادی بھی کیتھولک تھی اس لیے انگریزوں کے نزدیک ہر دلعزیز بن سکتی تھی۔

مذہب کے سلسلے میں ایلزبتھ کی پالیسی فیاضانہ اور معتدل تھی۔ اگر چہ اس نے انتہا پسند کیتھولکوں پر سختی کی تھی۔ مگر اس نے کلیسا انگلستان کے طبقوں کو عملی آزادی بھی دے دی تھی۔ جیمز نے اپنی مذہبی پالیسی کو چند لفظوں میں یوں صاف بیان کر دیا کہ "بشپ نہیں تو بادشاہ بھی نہیں" اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے شاہی اقتدار کی بحالی کے لیے مذہبی حلقوں میں بشپوں کا اقتدار بھی بحال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جیمز عدم تقلید اور سختی شروع کر دی اس طرح وہ رعایا میں مذہبی اتفاق پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ تاہم انگریزی بولنے والے لوگوں کے درمیان مسیحیت کی تاریخ میں اس کا عہد ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے سینتالیس پادریوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس نے سات سال کی محنت کے بعد 1611ء میں بائبل کا مکمل انگریزی ترجمہ کیا جو آج بھی پروٹسٹنٹوں میں رائج ہے۔ یہ ترجمہ جیمز کی قائم کردہ کمیٹی کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے۔

ماخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول ترجمہ غلام رسول مہر۔ The Kings and Queens of England

Scanned with CamScanner

1603ء۔ سر والٹر ریلے پر مقدمہ بغاوت

انگلستان کی ایک ایسی شخصیت پر مقدمہ بغاوت چل رہا تھا جو ایک تاجر، ایک قلم کار، ایک مفتش اور ایک سپاہی تھا۔ یہ تھا سر والٹر ریلے Sir Walter Raleieh (1552ء۔ 1618ء) تھا۔ ملکہ ایلزبتھ کی وفات پر جب جیمز اول تخت نشین ہوا تو سر ریلے کے دشمنوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے ریلے اور اس کے قریبی ساتھیوں پر بادشاہ کا تختہ الٹنے کا الزام لگا کر انہیں قید کروادیا۔ دوران مقدمہ لارڈ ہنری بروک Lord Henry Brook کی تحریری شہادت فراہم نہ کرنے پر والٹر ریلے کو اس کی خدمات کی وجہ سے سزائے موت نہ دی گئی۔ بلکہ لندن برج میں عمر قید کردیا گیا۔

سر والٹر ریلے بارٹن کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ مگر گریجویشن مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ فرانس چلا گیا۔ جہاں اس نے ہیو گوناٹس Hue Goknotus (پروٹسٹنٹ) کی مدد کی۔ 1578ء میں انگلستان واپس لوٹا۔ سر ہمفری گلبرٹ (جو اس کا سوتیلا بھائی تھا) اس کے ساتھ وہ براعظم امریکہ میں بحری قزاق اور اکتشافات کی مہم پر نکلا۔ 1580ء میں اس مہم سے واپسی پر وہ آئرلینڈ کی افواج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوگیا۔ سمرویک Smer Wick کے محاصرے میں اس نے اپنی بہادرانہ صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ اس جنگ کے بعد اسے ملکہ انگلستان ایلزبتھ کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ملکہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات کے بارے میں ایک کہانی مشہور ہے کہ جب سر والٹر ریلے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ملکہ محل سرائے کے باہر سیر کو نکلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ راستے میں کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ملکہ کو ٹھہرنا پڑا۔ سر ریلے نے جب یہ کیفیت دیکھی تو فوراً! اپنا کوٹ اتار کر ملکہ کے قدموں میں بچھادیا اور ملکہ نے اس کے کوٹ پر پاؤں رکھ کر کیچڑ سے مامون گزر گئی۔ اس کے اس خلوص نے ملکہ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ ریلے پر حد درجہ مہربان ہوگئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد سر والٹر اور ملکہ ایلزبتھ اول میں معاشقہ بھی چلا۔ ملکہ نے ریلے کو آئرلینڈ میں ایک وسیع جاگیر عطا کی۔ اسی جاگیر پر 1595ء میں ریلے نے پہلی مرتبہ آلو کاشت کیئے تھے اور تمباکو متعارف کرایا تھا۔ اس جاگیر کے علاوہ ملکہ نے اسے تجارتی مراعات اور امریکہ میں نوآبادیاں قائم کرنے کا اختیار بھی دیا۔ 1585ء میں اسے نائٹ Knight بھی بنادیا گیا اور وہ ملکہ کے محافظ دستے میں شامل کرلیا گیا۔

ریلے اکتشافات اور مہمات امریکہ میں گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی سرکردگی میں کئی مہمات

Scanned with CamScanner

امریکہ روانہ کی گئیں۔ وہاں اس نے ایک نو آبادی قائم کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس کے بھیجے ہوئے آباد کار شمالی کیرولینا کے ساحل پر اترے اور انہوں نے آج کے فلوریڈا تک کی خاک چھانی۔ سر والٹر ریلے نے اس تمام علاقے کو انگلستان کی ناکتخدا ملکہ ایلزبتھ کی نسبت سے ورجینیا Virginia کا نام دیا۔ مگر اس سرزمین پر ریلے نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ 1585ء میں یہاں پہلی نو آبادی قائم کی گئی جو بیماری پھوٹ پڑنے کی وجہ سے جلد ہی غیر آباد ہوگئی اور اس کے مکین سر ڈریک کے ساتھ انگلستان واپس آ گئے۔

1587ء میں سر ریلے نے ایک دوسری نو آبادی قائم کرنے کے لیے 117 نو آبادکار امریکہ بھجوائے۔ اس مرتبہ امریکہ کی سرزمین پر 18 اگست 1587ء کو پہلا انگریز بچہ پیدا ہوا۔ نو آبادی قائم کرنے کے بعد وہاں کا گورنر جان وہائٹ مزید کمک حاصل کرنے کے لیے انگلستان واپس آیا مگر ہسپانوی آرمیڈا نے حالات جنگ میں مصروف ہوجانے کی وجہ سے انگلستان سے امریکہ لوٹنے میں دیر ہوگئی۔ جب 1590ء میں وہ امریکہ واپس ایا تو یہ نو آبادی بھی غیر آباد ہوچکی تھی۔ اور یہاں کے باشندے پراسرار طور پر غائب ہوچکے تھے۔

اسی دوران سر ریلے بھی اسپین کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا اور اس نے ہسپانوی نو آبادی پر حملے کر کے بہت سا مال غنیمت اکٹھا کیا۔ اس مال غنیمت کی وجہ سے ریلے کی ذاتی ثروت آسمان کو چھونے لگی۔ اس نے مشہور انگریز شاعر ایڈمنڈ سپینسر کا وظیفہ مقرر کیا اور اس کی کتاب The Fari Queen کی اشاعت میں اسے مدد فراہم کی۔ مگر وہ کسی اور خاتون سے شادی کر کے ملکہ کو ناراض کر بیٹھا۔ ملکہ نے اسے لندن برج (1592ء) میں قید کر دیا۔ جس سے اس نے اپنی ایک مہم سے لائی گئی دولت کے ذریعے نجات حاصل کر لی۔ اپنی درباری حیثیت میں کمی کو جنوبی امریکہ میں مشہور افسانوی سرزمین ''ایل ڈوراڈو'' (سونے کی سرزمین) کی تلاش کی مہم میں نکل کر اس نے اپنی قسمت کو بدلنا چاہا مگر اس کی یہ مہم ناکام رہی۔

1603ء میں ملکہ ایلزبتھ کا انتقال ہوگیا۔ ریلے ملکہ کے جانشین جیمز اول کے دربار میں مقام نہ پا سکا۔ ادھر اس کے دشمنوں نے اس پر بادشاہ کا تختہ الٹنے کی سازش کرنے کا الزام لگا دیا۔ اس پر مقدمہ بغاوت چلایا مگر نہایت ناکافی شہادت کی بنا پر اسے لندن برج میں قید کر دیا گیا۔

13 سال بعد 1616ء میں وہ اس قید سے رہا ہوا۔ وہ اب بھی گیانا کے سونے کی تلاش کی مہم پر نکلنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے اسے اس شرط پر اجازت دی کہ وہ ہسپانوی نو آبادیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرے گا مگر وہ جنوبی امریکا پہنچ کر شدید بخار میں مبتلا ہوگیا اور اس کے نائب نے ہسپانوی نو آبادی کے خلاف کاروائی کی اور آگ لگا دی۔ انگلستان واپس پر ریلے پر غداری کا پہلے الزام اور بادشاہ کی حکم عدولی کا الزامات لگا کر اسے سزائے موت دے دی گئی۔

Scanned with CamScanner

1605ء۔ سروانتیس کا ''ڈون کیوٹے'' شائع ہوا

عالمی ادب میں سروانتیس کا نام گذشتہ چار سو برس سے جانا پہچانا ہے۔ 1605ء میں اس نے مختصر ناول کی صنف ایجاد کی اور اسے اسپین میں متعارف کرایا۔ 1605ء میں اس نے اپنے مشہور ناول ڈون کیوٹے Don Quixote کا پہلا حصہ شائع کیا۔ اگرچہ اس کتاب سے اسے کوئی خاص آمدنی تو نہ ہوئی۔ مگر ساری دنیا میں اسے شہرت حاصل ہوگئی۔ اس کتاب کی طباعت بھی اچھی نہ تھی نہ ہی اس کے لیے کاپی رائٹ حاصل کیا گیا تھا مگر جلد ہی یہ کتاب ایک بیسٹ سیلر ثابت ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ بکنے لگی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1612ء میں اس ہسپانوی کتاب کا پہلا انگریزی ترجمہ منظر عام پر آچکا تھا۔ اس ناول کی کہانی اتنی مقبول اور مشہور ہے کہ آج ''ڈان کیوٹے'' کا نام زبان پر آتے ہی لوگوں کے ذہن میں ایک کم سن نواب (ہسپانوی) کیوٹے کا کردار ابھرنے لگتا ہے جو سورما (Knight) بننے کے خبط میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور کردار ذہن کی اسکرین پر ابھر آتا ہے وہ ہے ایک لالچی اور محتاط دہقان سانچو پانزرکا۔ ڈان کیوٹے کی وضع قطع نرالی ہے۔ اس کردار کو پڑھنے والے قاری کو خانخواہ ہنسی کی تحریک ملتی ہے اس کی عمر تقریباً 50 سال ہے، تندرست اور توانا رنگت، خمیدہ جسم، چہرہ پتلا، صبح خیز، شکار کا رسیا اپنے گھوڑے روزی نائنٹے پر سوار جو اتنا لاغر ہے کہ اس کی ہڈیاں، ہسپانوی چرخی کے گوشے کی طرح آگے کو نکلی ہوئی۔ یہ ہے ڈان کیوٹے کی تصویر جو قاری کے ذہن میں ابھرتی ہے۔ اس کا ملازم سانچو پانزا ایک جھوٹا اور پیٹو انسان ہے۔ ڈان کیوٹے کا سورما اصلی انسانی رومان کا حقیقی ہیرو بن کر سامنے آتا ہے۔ سروانتیس اس حیرت انگیز امر کا انکشاف کرتا ہے کہ کمزور دماغ کا انسان اکثر وسیع القلب ہوتا ہے اور یہ کہ احمق عقلمندوں کے مقابلے میں اکثر زیادہ لائق تحسین ہوتا ہے۔ ڈان کیوٹے بھی ایک ایسا ہی انسان ہے، لیکن وہ جانبازی سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ اس کا عقیدہ غیر متزلزل رہتا ہے۔ ناول کے مشہور واقعات میں ایک واقعہ وہ ہے جب ڈون کیوٹے اپنے نیزے کو لہراتے ہوئے ایک پون چکی پر حملہ بولتا ہے۔ جب وہ پہلی بار پون چکی کو دیکھتا ہے تو غیر معمولی طور پر جوش میں بھر جاتا ہے۔ وہ چلا اٹھتا ہے ''ہم جس سمت میں اپنے معاملے کو لے جانا چاہتے ہیں اس سے کہیں بہتر سمت میں قسمت ہماری راہنمائی کرتی ہے۔''

پیارے سانچو! سامنے دیکھو کم از کم تیس وحشی دیو ہیں جن سے میں اکیلے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں زندگی سے محروم کرکے ہم ان کے مال غنیمت سے دولت مند ہوجائیں گے۔ کیونکہ یہ

Scanned with CamScanner

مال غنیمت ہمارے لیے قانونی انعام ہے۔ اس ملعون گروہ کو جڑے سے اکھاڑ پھینکنا یقیناً انسانیت کی ایک ایسی خدمت ہوگی جو خداوند کو بھی قابل قبول ہوگی۔ لیکن جب اس خیالی سورما کا نیزہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور اسے جب اس کے گھوڑے کے ساتھ دور پھینک دیا جاتا ہے تب بھی اس کا عزم غیر متزلزل ہی رہتا ہے وہ کہتا ہے۔ ''اس ملعون ساحر فرابسٹن نے ان دیوؤں کو پون چکی میں بدل دیا ہے تاکہ ہم فتح کے اعزاز سے محروم رہ جائیں۔'' چٹانوں کو ہلا دینے والا یہ پختہ اعتماد ہی وہ اعتماد ہے جو زندگی کی سخت اور کھردری تلخیوں کو بھی ہیجان انگیز رومان میں بدل دیتا ہے۔ یقیناً ایک بہادر انسان ہی میں یہ دلیری پائی جاتی ہے کہ وہ پون چکیوں پر بھی ہلہ بول سکے۔ اسی رومانی ہیرو کا ذاتی ملازم سانچو پانزا بھی اپنی تمام تر بسیار خوری اور حرص کے باوجود ایک نیک مزاج اور وفادار انسان بن کر سامنے آتا ہے۔ ڈان کیوٹے کی پہلی جلد چھپنے کے دس سال بعد اس کی دوسری جلد 1615ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ تصنیف رومانی ایڈونچر کی 12 کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں سروانتیس نے اپنے رومانی ہیرو کو خود ہی مرنے کی اجازت دے کر اس امر کو یقینی بنادیا کہ کوئی اور شخص اس کردار سے فائدہ نہ اٹھالے۔

میگوئیل ڈی سروا Miguel Pecer Vantes اکتوبر 1547ء میں ہسپانیہ میں پیدا ہوا وہ ایک غریب عطار کا بیٹا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی خوشگوار نہ تھی۔ 22 سال کی عمر میں کارڈینل کے ہاں ملازمت ملی مگر اسے چھوڑ کر بحری فوج میں بھرتی ہوگیا۔ 1571ء میں ترکوں کے خلاف لڑتا ہوا زخمی ہوگیا اور اس کا بایاں ہاتھ بیکار ہوگیا۔ واپس اٹلی سے اسپین آیا تو بحری قزاق پکڑ کر الجزائر لے گئے۔ پانچ سال بعد رہا ہوا تو میڈرڈ میں سرکاری ملازم ہوگیا۔ 1584ء میں شادی کی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگیا اور ایسا لافانی ناول تصنیف کیا۔

Scanned with CamScanner

1605ء۔ شہنشاہ جہانگیر کی تخت نشینی

1605ء میں شہنشاہ ہند اکبر کی وفات پر جہانگیر ابوالمظفر نورالدین محمد بادشاہ غازی کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد کے سکوں پر بھی یہی لقب ملتا ہے۔ جہانگیر کی عمر تخت نشینی کے وقت 38 برس تھی۔

جہانگیر بابر کی نسل سے ہندوستان کا چوتھا مغل شہنشاہ تھا۔ وہ جلال الدین محمد اکبر کا پہلا بچہ تھا جو زندہ رہا۔ کیونکہ اس سے قبل سب بچے عالم طفلگی میں وفات پا جاتے تھے۔ وہ 17 ربیع الاول 977ھ/ 31 اگست 1569ء کو ایک راجپوت مہارانی المعروف مریم الزمانی کے بطن سے آگرے کے قریب فتح پور سیکری کے مقام پر ایک تارک الدنیا بزرگ شیخ سلیم چشتی کی خانقاہ میں پیدا ہوا۔ جن کی دعا ہی اس کی ولادت کا موجب بتائی جاتی ہے۔ شیخ موصوف کے نام پر شہزادے کا نام بھی سلیم ہی رکھا گیا۔ لیکن اکبر ہمیشہ اسے شیخو بابا کے نام سے پکارتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اکبر اسے اس نام سے اس لیے پکارتا تھا کہ وہ شیخ سلیم کا نام احتراماً زبان پر نہ لانا چاہتا تھا۔ اگر چہ اکبر نے اپنے فرزند اور جانشین کے لیے بہترین تعلیم کا بندوبست کیا مگر سیاسی سازشوں کے اس زمانے میں جہانگیر ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس بات نے بالآخر باپ بیٹے کے باہمی تعلقات کشیدہ کر دیئے۔ 1001ھ/ 1592ء میں اکبر سخت بیمار پڑا اور عالم کرب میں اس نے سلیم پر الزام عائد کیا کہ اس نے مجھے زہر دینے کی سازش کی ہے۔ باہمی تعلقات کے بگاڑ کی یہ ابتداء تھی جو اس وقت نقطہ عروج پر پہنچی جب 1599ء میں جہانگیر نے اپنے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور الہ آباد کے مقام پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

محل کی ایک کنیز انارکلی سے جہانگیر کے عالم شہزادگی میں جو عشق کے قصے ملتے ہیں وہ محققین کے نزدیک فسانہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ مگر لاہور میں مقبرہ انارکلی کے نام سے جو مزار ہے وہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انارکلی کوئی افسانوی کردار نہیں تھا۔

شہنشاہ اکبر نے جہانگیر کی بغاوت کے باوجود اس سے مصالحت کے لیے کوششیں کیں جو جاہ پسند شہزادے نے ٹھکرا دیں اور 1601ء میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ اکبر نے ایسے میں شہزادے کے نام ایک خط لکھا جس میں اسے کہا گیا تھا کہ وہ فوج کشی چھوڑ کر الہ آباد واپس چلا جائے اور پھر جب اس کا دل و ذہن صاف ہو جائے تو وہ خدمت میں حاضر ہو جائے۔ دوسری طرف اکبر نے بھی دفاع کو مستحکم بنایا تو شہزادہ الہ آباد کی طرف واپس لوٹ آیا۔ اور یہاں

Scanned with CamScanner

شاہی لقب اختیار کر کے اپنا باقاعدہ ایک دربار قائم کرلیا۔ بیرم خان کی بیوہ سلیمہ سلطان بیگم کی مساعی سے ایک بار پھر مصالحت کی صورت پیدا ہوئی لیکن شہزادے نے جلد ہی اپنا سابقہ رویہ اختیار کرلیا اور ایک بار پھر وہ الہ آباد لوٹ گیا۔ اسی دوران جہانگیر کو یہ یقین ہوگیا کہ اکبر کا معتمد خاص ابوالفضل ہی اس کی مصیبتوں کا باعث ہے اور وہی اس کے خلاف شہنشاہ کے کان بھرتا رہتا ہے۔ لہٰذا سلیم نے اپنے راستے سے ابوالفضل کو ہٹانے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا جب وہ دکن کی مہم سے واپس آرہا تھا تو بندیلہ سردار بیر سنگھ دیو نے اس کا سر کاٹ جہانگیر کے پاس الہ آباد بھیج دیا گیا۔ جہانگیر کو اس کی موت پر کوئی تاسف نہ ہوا جب کہ اکبر کو دلی صدمہ پہنچا۔ پھر اکبر کی وفات پر بالآخر جہانگیر تخت نشین ہوا۔

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ جہانگیر کی تخت نشینی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ خود اسے اپنے بڑے بیٹے خسرو کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ آپس میں مصالحت ہوگئی مگر شہنشاہ نے اپنے بیٹے کو اس گستاخی کو کبھی معاف نہیں کیا۔ سکھوں کے گرو ارجن نے شہزادہ خسرو کو بغاوت میں مدد دی تھی۔ اسی بنا پر شہنشاہ جہانگیر نے اسے سزائے موت دی۔ اس واقعہ کا آنیوالی تاریخ پر گہرا اثر پڑا۔ 1607ء میں جب جہانگیر کابل میں خیمہ زن تھا تو اس پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جسے ناکام بنادیا گیا۔ اس سازش کے محرک شہزادہ خسرو کو جزوی طور پر اندھا کردیا گیا۔ 1020ھ / 1611ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی وہ غیاث الدین کی بیٹی تھی۔ شہنشاہ سے شادی ہوجانے کے بعد نور جہاں نے آہستہ آہستہ تمام اقتدار اپنی مٹھی میں لے لیا۔ اور امور سلطنت پر بے حد اثر انداز ہوگئی۔ اس کا نام شہنشاہ کے نام کے ساتھ طلائی سکوں پر کندہ ہونے لگا۔ یوں عملی طور پر وہ فرمانروا ہند بن گئی۔

عہد جہانگیری کے دو اہم واقعات محل نزاع ہیں۔ قاضی نور اللہ شوشتری کا قتل اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اسیری گوالیار۔ لیکن کم وبیش ایک سال بعد جہانگیر نے اپنی رائے پر نظر ثانی کر کے انہیں رہا کردیا۔ بہرحال مورخین نے لکھا ہے کہ ان دونوں واقعات کی نوعیت سیاسی تھی۔

1623ء میں شہزادہ خرم نے علم بغاوت بلند کیا تو گویا جہانگیر کو اپنے ایک اور بیٹے کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر نور جہان اور مہابت خاں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے مہابت خاں بھی بغاوت پر اتر آیا۔ نور جہاں نے ان باغیوں کو کچل دینے کے احکامات جاری کیئے ہی تھے کہ 28 اکتوبر 1627ء کو جہانگیر نے وفات پائی۔

Scanned with CamScanner

1611ء۔ ہنری ہڈسن اور شمالی راستے کی دریافت

اپنے وطن انگلستان کے لیے اکتشافی خدمات انجام دیتے ہوئے سترہویں صدی کے مشہور انگریز جہاز راں ہنری ہڈسن نے ایشیا کے لیے یورپ سے ایک شمالی راستہ دریافت کرنے کے لیے 1607ء سے 1611ء تک تین بار کوشش کی۔ اس کا انتقال بھی ایک ایسی ہی مہم کے دوران ہوا۔ اپنے اس سفر میں ہنری ہڈسن نے ولندیزیوں کے لیے شمالی امریکہ کے ساحل کو خلیج چیس پیک Chesapeak۔ کے جنوب سے لے کر نیو انگلینڈ کو دریائے ہڈسن کے کناروں تک کھنگالا۔ اسی دوران آج کے نیویارک کے علاقے میں ایک ولندیزی نو آبادی قائم کرنے کے لیے راستہ صاف کیا۔ یہ نو آبادی آج کا نیویارک ہے۔

ہنری ہڈسن کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ اس کی پیدائش اور تربیت کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس نے اپنا پہلا اکتشافی سفر 1607ء میں انگلش مسکوی کمپنی English Muscovy Co. کے لیے کیا تھا جس کا مقصد چین کے لیے ایک شمال مشرقی راستہ دریافت کرنا تھا جس میں کامیاب نہ رہا، تاہم اس نے گرین لینڈ کے مشرق میں جان مائین جزیرہ Janmayn کو دریافت کیا۔ وہ مشرق بعید کے لیے کوئی راستہ دریافت نہ کرسکا۔ اس کے باوجود 1608ء میں اسے دوبارہ اس مہم پر بھیجا گیا۔ اس مرتبہ اس نے سپٹز برجین Spitz Bergen اور نویا زیملیا Novaya Zemlya کے درمیان راستہ دریافت کرنے کی کوشش کی مگر جب آگے راستہ کو برف کی وجہ سے بند پایا تو وہ واپس لوٹ آیا۔

اگرچہ میری ہڈسن دو مرتبہ ناکام ہو چکا تھا مگر ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے 1609ء میں اپنا تحقیقاتی افسر بنا کر 1609ء میں ایک بار پھر شمالی راستہ دریافت کرنے کی مہم سونپی وہ اپریل 1609ء میں ''ہاف مون نامی بحری جہاز پر جس کا عملہ مکمل طور پر ولندیزی تھا، اس مہم پر نکلا۔ ناروے کے گرد گھومنے کے بعد موسمی حالات نے ایک بار پھر اسے مشرق کی طرف بڑھنے کی اجازت نہ دی۔ یہ مہم شروع کرنے سے پہلے اس نے ہالینڈ میں کہیں سنا تھا کہ بحرالکاہل تک پہنچنے کے لیے دو شمال مغربی آبناؤں سے گزرنے کے امکانات ہیں۔ جب اس تیسری مہم میں بھی اسے مشرق کی سمت میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے مغرب کی سمت میں سفر کر کے کولمبس کے خطوط پر مشرق پہنچنے کا ارادہ کیا۔ اس راستے سے وہ جولائی 1609ء میں شمالی امریکہ پہنچ گیا۔ آج کے کینیڈا کے صوبے نواسکوٹیا۔ Novascotia کے مغرب ساحل کے ساتھ ساتھ خلیج چیسا پیک تک اس

Scanned with CamScanner

نے جنوبی سمت میں سفر کیا۔ پھر شمالی کی طرف واپس آتے ہوئے اس نے خلیج ڈیلاویر Delaware پر نظر ڈالی پھر وہ آج کے نیویارک کی بندرگاہ سنڈی ہک تک آیا۔ خلیج ہڈسن میں شمالی امریکہ کا سب سے بڑا دریا گرتا تھا۔ جو بعد ازاں اسی کے نام سے دریائے ہڈسن کہلایا۔ لانگ آئی لینڈ اور سنڈی ہک کی قدرتی روکاوٹیں اس دریا کو سمندر میں چھپائے رکھتی تھیں۔ ہڈسن نے اس دریا میں بہاؤ کے خلاف سفر کیا۔ ہڈسن اس دریا کو ایک آبنائے تصور کرتا تھا جو بحرالکاہل تک پہنچتی ہو۔ مگر جلد ہی اس کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی اور اسے پتہ چل گیا کہ وہ ایک آبنائے کی بجائے ایک دریا میں سفر کر رہے ہیں۔ نومبر 1609ء میں وہ اپنی تیسری کامیاب مہم سے واپس یورپ پہنچ گیا۔ برطانوی بندرگاہ ڈارماد میں قیام کے دوران ہنری ہڈسن اور اس کے انگریز ساتھیوں کو جہاز سے اترنا پڑا کیونکہ برطانوی حکومت نے انگریز جہاز رانوں کو دوسرے یورپی ممالک کے لیے اکتشافی سفر کرنے کی ممانعت کردی تھی۔

آیندہ سال جب ہڈسن شمالی امریکہ میں آبناؤں کی تلاش کی مہم پر نکلا تو اس کے جہاز پر برطانوی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس مہم میں وہ جیمز بے James Bay تک پہنچا۔ جو خلیج ہڈسن کا انتہائی جنوبی مقام ہے تو اس پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مزید مغرب کی سمت میں سفر کرنے کے لیے کوئی آبنائے موجود نہیں۔ اس آخری مہم میں ہڈسن کے جہاز ڈسکوری پر بغاوت نمودار ہوگئی۔ باغیوں نے ہڈسن کو اس کے کم سن بیٹے کے ساتھ کھلے سمندر میں چھوڑ دیا۔

Scanned with CamScanner

1617ء۔ تزک جہانگیری

عہد مغلیہ کے برصغیر پاک و ہند میں لکھی جانے والی کتب میں ایک اہم کتاب تزک جہانگیری ہے۔ جسے شہنشاہ جہانگیر نے اپنے روز مرہ کے واقعات سے مزین کیا۔ اس کتاب کو بادشاہ کی خودنوشت ہونے کی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب صرف بادشاہ کی خودنوشت ہی نہیں بلکہ عہد جہانگیر کا ایک اہم اور مستند تاریخی ماخذ بھی ہے، شہنشاہ جہانگیر نے اس کتاب کو لکھتے ہوئے اس بات کی پوری کوشش کی کہ انداز تحریر اور دیگر فنی محاسن اس کے پردادا کی ''تزک بابری'' سے کم نہ ہوں اور خصوصی طور پر اس میں واقعات کے بیانات میں صداقت پسندی کو زیادہ اہمیت دی جائے مگر یہ بات اور ہے کہ علمی دنیا میں گو تزک بابری نے زیادہ شہرت پائی لیکن یہ بات واضح ہے کہ علمی اعتبار سے دونوں کتابیں ایک جیسی قدر و منزلیت رکھتی ہیں۔ اگر چہ بابر کا تجربہ زندگی جہانگیر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ اور اس نے زندگی کو بہت زیادہ قریب سے دیکھا تھا اور رہ گذر حیات پر چلتے ہوئے بے انتہا مصیبتیں اٹھائیں تھیں لیکن بعض مورخوں کا یہ خیال درست ہے کہ ہندوستان کے مغلیہ تاجداروں میں صرف جہانگیر ہی بابر سے مشابہ تھا۔ اس نے اپنے جد اعلیٰ کی پیروی کرتے ہوئے تزک لکھی بلکہ بابر سے ذاتی حالات مختلف ہونے کے باوجود اپنے بزرگ کی تحریر کے انداز و اسلوب کو باقی رکھتے ہوئے تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیا۔ تزک جہانگیری دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ وہ ہے جسے بادشاہ نے خود لکھا اور اس کے سن جلوس کے بارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ''اقبال نامہ جہانگیری'' کے مصنف معتمد خاں اور مرزا محمد ہادی نے مکمل کیا۔ مرزا ہادی نے محمد شاہ کے عہد میں جہانگیر بادشاہ کی وفات اور شاہجہاں کے تخت افروز ہونے تک کے واقعات دیگر معتبر کتابوں سے لے کر اس میں شامل کیئے تھے۔ چونکہ بادشاہ نے اپنے قلم سے اپنے ایام شہزادگی کے حالات بھی قلمبند نہیں کیئے تھے۔ اس لیے کتاب میں تشنہ لب محسوس ہوتی تھی لہٰذا مرزا محمد ہادی ہی نے ابتدا میں ایک مقدمہ تحریر کیا جس میں شہنشاہ جہانگیر کی ولادت سے لے کر تخت نشینی تک کے واقعات شامل کر دیئے۔

تزک جہانگیری سترہویں صدی کے ہندوستان کی انتہائی مستند تاریخی دستاویز ہے اور اس کے ایک ایک لفظ سے جہانگیر کی وسعت نظر عیاں ہے۔ اس کا ہر جملہ اور ہر لفظ اس کے شاہی مزاج کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ کتاب کے مندرجات اب کچھ اس طرح ہیں۔

حالات ولادت حضرت جہانگیر بادشاہ غازی، راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے جہانگیر کی

Scanned with CamScanner

شادی، جہانگیر کی اولاد۔ عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ کے حالات زندگی۔ جہانگیر راجپوتانے میں رانا کی مہم پر، شہنشاہ اکبر کا ورود اجمیر، علامی شیخ ابوالفضل کا قتل کا بیان، دوبارہ جہانگیر رانا کی مہم پر، اکبر کی خدمت میں جہانگیر کا حاضر ہونا، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد پہلا جشن نو روز ہ خسرو کی بغاوت اور فرار خسرو کا تعاقب اور گرفتاری، گرو ارجن کا قتل۔

اس طرح واقعات کا یہ سلسلہ شاہجہان کی تخت نشینی تک چلا گیا ہے۔ تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ جہانگیر نے اپنی توزک میں کچھ عجیب وغریب واقعات بھی قلمبند کیئے ہیں۔ جن میں مختلف جانوروں کے بارے میں، وادی کشمیر کے بارے میں، مصوری اور سنگ تراشی کے شوق کے بارے میں لکھا ہے۔ زعفران کے کھیتوں کے بارے میں بھی مواد شامل ہے۔

جہانگیر نے یہاں تک کہ اس وقت کے یورپ کے طلسمات کے بارے میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے۔ جسے ولائیت سے آنے والے ایک عراقی مغل نے بادشاہ کو سنایا تھا۔

اسی طرح جہانگیر بنگال کے تیر اندازوں کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک بازی گر اس طرح تیر چھوڑتا تھا کہ اس کے تیر ایک دوسرے میں لگ جاتے تھے اور زمین پر سات تیروں تک ایک دوسرے میں جڑے ہوئے واپس آتے تھے۔

دریائے شرقی کے کنارے آباد بستیوں سے ایک عاشق کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ ایک صاحب جمال ہندو عورت پر فریفتہ تھا جب لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ عورت دریا میں ڈوب گئی تو اس نے دریا میں چھلانگ لگادی بعد ازاں اس کی محبوبہ بھی دریا میں ڈوب کر مرگئی۔

مختصر یہ کہ جہانگیر نے ہیروں کی دستیابی، نرسارس کے بچے کو چونچ میں پکڑ کر الٹا لٹکانے کا حال سے ایک شیر اور بکری کو ایک ہی پنجرے میں رکھے جانے کے عجیب وغریب واقعات بھی بیان کیئے ہیں۔

مآخذ:

توزک جہانگیر، سنگ میل پبلیکشنز۔ منتخب الاباب، خافی خان، مسلم برصغیر تاریخ میں۔

Scanned with CamScanner

1618ء۔ عثمانی سلطان مصطفیٰ اول کو نااہل قرار دیا گیا

پندرہواں عثمانی سلطان مصطفیٰ اول 1000ھ/ 1591ء میں پیدا ہوا اور سلطان محمد ثالث کا بیٹا تھا۔ جب اس کا بھائی سلطان احمد برسر اقتدار آیا تو متوقع تھا کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کو مصطفیٰ سمیت قتل کردے گا مگر اس کی جان اس وجہ سے بچی کہ اس قانون کو نرم کردیا گیا جس کی رو سے ہر نئے سلطان کے بھائیوں کو قتل کردیا جاتا تھا۔ سلطان احمد اول کی وفات پر سلطنت عثمانیہ کے قانونی جانشین کے خلاف اس کے بیٹے کی بجائے اس کے بھائی مصطفیٰ کو تخت نشین کیا گیا (22 نومبر 1617ء)۔ لیکن وہ اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے حکمرانی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی طبیعت میں یہ نااہلی اس وجہ سے پیدا ہوگئی تھی کہ اسے اپنے بھائی سلطان احمد کی طرف سے ہر وقت موت کا خیالی خوف لگا رہتا تھا۔ چنانچہ سلطان احمد کے صرف 14 سالہ بیٹے عثمان کو، جو اپنے آپ کو عثمانی تخت و تاج کا صحیح وارث سمجھتا تھا۔ اسے معزول کرانے میں کچھ بھی دقت پیش نہ آئی۔ شاہی دیوان کے اجلاس میں جو قیزلر آغا (شاہی محل کا بڑا خواجہ سرا) نے مفتی اور دیگر شخصیتوں کے ساتھ ملکر اسے حکومت سے نااہل ثابت کرکے معزول کردیا۔ اس اجلاس میں صدر اعظم (وزیر اعظم) خلیل پاشا نے شرکت نہیں کی۔ یہ واقعہ 26 فروری 1618ء کو پیش آیا۔ سلطان عثمان ثانی کے عہد میں زوال کی انتہا ہوگئی اور ایران سے مجبوراً صلح کرکے اس کے مقبوضات واپس کردیئے گئے۔ ینی چری اور دیگر سپاہی دستے سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکے تھے۔ سلطان عثمان نے ان کا زور توڑنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا تو سلطنت عثمانیہ نے پولینڈ کے خلاف معرکہ کارزار گرم کردیا مگر سلطان کے ان اقدام سے 19 مئی 1622ء کو اس کے خلاف بغاوت ہوگئی اور غیر متوقع طور پر باغیوں نے مصطفیٰ اول کو دوبارہ تخت نشین کرنے کے لیے بلالیا۔ مصطفیٰ اول اپنے حرم میں داد عیش دے رہا تھا کہ ینی چری کے سپاہی اسے بزور حرم سے باہر نکال لائے اور اسے دوبارہ تخت نشین کردیا گیا۔ اس سے اگلے ہی روز عثمان ثانی کو قتل کردیا گیا۔ مگر حالات کی اصلاح ہونے کی بجائے زیادہ خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ اگست 1623ء میں مصطفیٰ اول کو ایک بار پھر تخت سے اتار کر اس کی جگہ عثمان ثانی کے بھائی شہزادہ مراد کو اورنگ تخت پر بٹھادیا گیا۔

اپنے سارے عہد میں مصطفیٰ اول اپنے مکمل فتور دماغی کا ثبوت دیتا رہا اور دونوں مرتبہ حکومت سے نااہل قرار پایا۔ مصطفیٰ اول نے 1630ء میں وفات پائی۔

ماخذ: تاریخ ترکیہ از ایس ایم شاہد۔ دائرہ المعارف اسلامیہ مقالہ "مصطفیٰ اول"

Scanned with CamScanner

1618ء۔ تیس سالہ جنگ

تیس سالہ جنگ 1618ء۔ 1648ء۔ زیادہ تر جرمنی میں لڑی گئی۔ آغاز میں یہ جنگ کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان کشمکش ہی کی حیثیت سے شروع ہوئی لیکن خاتمے تک یہ خالص سیاسی جنگ بن چکی تھی۔ 1555ء میں ہونے والا معاہدہ آگزبرگ جرمنی میں کامل مذہبی امن قائم نہیں کرسکا تھا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں جرمنی کی مذہبی حالت زیادہ پریشان کن تھی کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں خصوصاً کیلون کے پیروکاروں کے درمیان تشدد کے واقعات بڑھ رہے تھے۔ 1608ء میں کیلون کے پیروکاروں نے ایک پروٹسٹنٹ یونین قائم کرلی۔ اس سے شہ پاکر کیتھولکوں نے بھی ایک جمعیت بنا ڈالی۔ اس طرح جنگ تیس سالہ شروع ہونے سے دس سال پیشتر جرمنی دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ابتدا ہی سے پروٹسٹنٹوں کی یونین اور کیتھولکوں کی جمعیت کے سیاسی عزائم تھے۔ کیتھولک چاہتے تھے کہ پروٹسٹنٹوں کو یورپ سے نکال دیا جائے یا ختم کردیا جائے۔

جنگ تیس سالہ بوہیمیا میں شروع ہوئی جو آج کل چیکوسلواکیہ کا حصہ ہے۔ لیکن اس زمانے میں ہیپسبرگ سلطنت کا حصہ تھا۔ اس علاقے میں جرمنوں کی ایک زبردست اقلیت آباد تھی جو یوٹرا قوسٹ Utraouists کہلاتی تھی۔ یہ نام کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں میں ایک جھگڑے کی یاد تازہ کرتا ہے یعنی عشائے ربانی کے انتظام کا معاملہ۔ کیتھولکوں کی عبادات میں غیر مذہبی آدمی کو عشاء ربانی میں صرف نان ملتا تھا یعنی صرف مسیح کا جسم جب کہ شراب جو خون مسیح کی حیثیت رکھتی تھی نہیں دی جاتی تھی۔ یوٹرا ایک لاطینی نام ہے جس کے معنی دونوں ہے یعنی برکت میں نان اور شراب دونوں ملنے چاہیں۔ یوٹرایا چیک چاہتے تھے کہ انہیں جرمنوں اور دی آنا کی حکمرانی سے مقامی خود مختاری مل جائے۔ یہی اس جنگ کا موجب بنا یعنی پراگ میں کھڑکی سے باہر پھینک دینے کا واقعہ 1618ء میں پیش آئے۔ باغیوں کا رئیس تھرن کا کاؤنٹ میتھیاس تھا۔ اس نے بوہیمیا کے شہر پراگ پر قبضہ کرلیا اور دو شاہی گورنروں کو محل کی کھڑکی سے نیچے پھینک دیا۔ اس طرح ایک طرف چھوٹے چھوٹے رؤیسا ہوگئے اور دوسری طرف مقدس رومی سلطنت اس جنگ میں فرانس، سویڈن، ڈنمارک اور انگلستان نے جرمنی رؤسا کا ساتھ دیا۔ بظاہر زیادہ تر اس لیے کہ مقدس سلطنت اور سلطنت آسٹریا پر ضرب لگائی جائے۔ عشائے ربانی کا مسئلہ اتنا بڑھا کہ بوہیمیا کے کیتھولکوں نے پروٹسٹنٹوں کا ایک گرجا بند کردیا اور ایک منہدم کر ڈالا۔ اسی کے نتیجے میں اہل بوہیمیا نے 23 مئی 1618ء دو کیتھولک گورنروں کو کھڑکی سے گرا کر قلعے پر قبضہ کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی جنگ چھڑ گئی۔

Scanned with CamScanner

بوہیمیا میں فرڈیننڈ، شاہ بوہیمیا کو معزول کر کے فریڈرک پنجم کو بادشاہ بنالیا۔ وہ باقی انتخاب کنندگان رؤساء کو ساتھ ملا کر خود مقدس رومی سلطنت کا شہنشاہ بھی بن گیا۔ یہ فریڈرک پنجم کیلون کے پیروؤں کی انجمن کا رئیس بھی تھا اور جیمز اول شاہ انگلستان کا داماد بھی۔ اسے امید تھی کہ انگلستان سے امداد ملے گی۔ مگر 10 نومبر 1620ء کو فریڈرک نے شکست کھائی اور اس کی جاگیروں پر قبضہ کرلیا گیا۔ وہ خود بھاگ کر ہالینڈ چلا گیا۔ پروٹسٹنٹوں کو کچھ کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ مگر معاملہ گومگو ہی میں رہا یوں جنگ کا پہلا دور 1618ء۔ 1625ء ختم ہوگیا۔ اور شاہ ڈنمارک کے حملے سے دوسرا دور 1625ء۔ 1629ء شروع ہوا۔ شاہ ڈنمارک پروٹسٹنٹوں کی مدد کے لیے میدان جنگ میں اترا تھا مگر کوئی شاندار کامیابی اس کا مقدر نہ بن سکی۔ وہ 28 مئی 1629ء کو شہنشاہ فرڈیننڈ کے ساتھ معاہدہ کر کے الگ ہوگیا۔ پھر جنگ کا تیسرا دور 1630ء۔ 1635ء شاہ سویڈن، گسٹیوس دوم ایڈالفس کے حملے سے شروع ہوا۔ شاہ سویڈن نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ فرانس بھی خفیہ خفیہ اس کی مدد کرتا رہا۔ 16 نومبر 1632ء کی لڑائی میں شاہ گسٹیوس دوم مارا گیا۔ تاہم اہل سویڈن نے جنگ کا سلسلہ شروع رکھا اور مزید فتوحات حاصل کیں۔ ایک کیتھولک جرنیل کے ظلم وستم نے سب کو برانگیختہ کردیا۔ چنانچہ وہ جرنیل مارا ڈالا گیا۔ 1634ء میں شہنشاہ فرڈیننڈ کو کامیابی حاصل ہوئی اور معاہدہ پراگ (30 مئی 1635ء) کے مطابق شہنشاہ فرڈیننڈ اور الیکٹر سیکسنی نے سویڈن کے خلاف محاذ بنالیا۔ اس کے ساتھ ہی جنگ کے چوتھے دور کا آغاز ہوگیا اور فرانس اور سویڈن ساتھی بن گئے۔ اس دور میں متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ صلح کی بات چیت بھی ہوتی رہی (1643ء) مگر لڑائیاں نہ رکیں۔ آخر اکتوبر 1648ء میں مختلف فریقوں کے درمیان الگ الگ معاہدے ہوئے جس کی رو سے جنگ بند ہوئی۔ یہ جنگ بندی معاہدہ ویسٹ فیلیا کی رو سے طے پائی۔ اس جنگ کے بعد مقدس سلطنت روم زوال پذیر ہوئی اور فرانس یورپ کی اہم سلطنت بن گیا۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول، مولانا غلام رسول مہر۔ تاریخ یورپ۔

Scanned with CamScanner

1628ء۔ شہاب الدین شاہجہاں کی تخت نشینی

پیر 13 فروری 1628ء/ 7 جمادی الثانی 1037ء کے دن ڈیڑھ ساعت پر شہزادہ خرم اپنی شاہزادگی والے دولتخانے سے صبا رفتار گھوڑے پر برآمد ہوئے دائیں بائیں مسلح منصب دار تھے۔ اس جاہ و جلال کے ساتھ قلعہ آگرہ (اکبر آباد) کے دولتخانہ میں فروکش ہوئے۔ مغل شہنشاہت کا تاج اور خلعت زیب تن کیئے۔ لعل و جواہر سے مرصع پیٹی کمر پر باندھی اور شمشیر مرصع کمر میں لگائی۔ کمال شان و شوکت سے پاؤں مبارک تخت شاہی پر رکھا۔ اس کے ساتھ ہی خطبہ و سکہ جاری ہوئے۔ دبیروں اور سالاروں نے مبارک باد و تہنیت پیش کی۔ آپ نے شہاب الدین شاہجہاں کا لقب شاہی اختیار کیا۔ آپ کی رکنیت ابوالمظفر تھی۔ ہندوستان کے لوگوں نے اس تخت نشینی پر خوشیاں منائیں۔ دربار کی محفلوں سے فارغ ہوکر جب بادشاہ محل کے اندر گئے تو ملکہ ممتاز محل نے سونے چاندی کے تھال اور لعل و گوہر کے طبق نچھاور کیئے۔ اس کے بعد شہزادی جہاں آرا اور دوسری خواتین نے تعظیم و تسلیم پیش کی۔ بادشاہ نے ممتاز محل کو دو لاکھ اشرفی اور دو لاکھ روپیہ اور جہاں آرا اور ثریا بانو بیگم کو ایک ایک لاکھ روپیہ مرحمت کیا۔ دوسری خواتین اور شہزادگان کو بھی خطیر رقمیں عنایت کی گئیں۔ شاہ جہاں خاندان مغلیہ کا پانچواں عظیم فرمانروائے ہند، جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا جس کا نام خرم تھا۔ وہ 1592ء میں پیدا ہوا اور ایک سلیم المزاج، فن دوست اور شریفانہ جذبات رکھنے والا بادشاہ تھا۔ شہزادگی کے زمانے میں، تیموری شہزادوں کی عام عادت کے مطابق اسے بھی کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن بالعموم اس کے کردار میں شائستگی موجود تھی۔ بعد ازاں ممتاز محل کا ماتم اس نے جس جذباتی انداز میں کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ اپنے بیٹوں کے ہاتھوں اس نے جو تکالیف اٹھائیں اور جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا وہ بھی اس کے کردار کی عظمت کا ثبوت ہے۔

شہنشاہ جہانگیر نے اکتوبر 1627ء میں وفات پائی۔ تو شہزادہ خرم اس وقت دکن میں جنار کے مقام پر تھا، لیکن اس کے خسر آصف خان نے عارضی طور پر شہزادے خسرو کے بیٹے داور بخش (بلاقی) کو بادشاہ بنادیا۔ اور جب بعد میں شاہ جہاں کے حکم پر دیگر دعویدار تاج و تخت زیر عتاب آئے تو آصف خان نے اس کی جان بچا کر اسے ایران بھاگ جانے کا موقع فراہم کردیا۔ تخت نشینی کے فوراً بعد پہلے درباری میں بادشاہ نے بہت سے غیر شرعی قوانین و رسومات اور بدعتوں کی منسوخی کے احکامات جاری کیئے۔ مثلاً بادشاہ کی کسی عنایت پر یا بادشاہ کے پانی پیتے وقت درباری

Scanned with CamScanner

سجدہ کرنے کا رواج منسوخ کر دیا گیا۔ سجدہ "زمین بوسی" کی جگہ چہار تسلیمات کا حکم دیا گیا۔ ہجری سنہ کی جگہ شمسی الٰہی سن رائج تھا۔ اس کے ساتھ جلوس اکبر کے سن کی قید بھی لگی ہوئی تھی۔ اس کو بھی منسوخ کر دیا گیا اور ہجری سن کو ہر اعتبار سے مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا۔ یمین الدولہ آصف خان کے نام مبارک بادی کا خط لکھا گیا۔ تو اس کے القابات کے ساتھ "عزیز از جان چچا" کے الفاظ بھی لکھے گئے۔ مہابت خاں کو "خان خاناں" مہابت خان سپہ سالار کا خطاب اور سات ہزاری کا منصب ملا۔ قاسم خان کو بنگال کی صوبہ داری پر مقرر کیا گیا صوبہ بہار سے مرزا رستم صفوی کو ہٹا کر خاں عالم کو مقرر کیا گیا۔ صوبہ کابل لشکر خان کو تفویض ہوا اور پنجاب و ملتان کا صوبہ آصف خاں کے مقرر کردہ آدمیوں پر بحال رکھا گیا۔ تخت نشینی کے موقع پر تینوں شہزادے، داراشکوہ، شجاع اور اورنگ زیب لاہور میں تھے۔ حسب الحکم یمین الدولہ کے ساتھ آگرہ حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے ازراہ شفقت اٹھ کر تینوں کو سینے سے لگایا۔ جشن تخت نشینی کی خاص چیز ایک شاہی شامیانہ تھا جس کا نام "دل بادل" رکھا گیا تھا۔ اس عالیشان سائبان کے نیچے رنگ و نور کا سیلاب سا امنڈ آیا۔ عیش و نشاط کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ حسین رقاصاؤں نے رقص کے کمال دکھائے۔ خوش نوا گلوکاروں نے موسیقی و سرور کا سحر باندھا۔

تخت نشینی کے بعد جلد ہی جھجار سنگھ بندیلہ اور نرسنگھ بندیلہ نے بغاوت پر کمر باندھی۔ ان کے بعد خاں جہاں لودھی کی بغاوت سے نمٹنا پڑا۔ خان جہاں لودھی میدان جنگ سے فرار ہوا تو اس کا تعاقب کیا گیا۔ اسی زمانے میں بادشاہ کو دکن کی مہم درپیش آئی۔ اس دوران 17 ذی قعد 1040ھ بمطابق 1631ء ملکہ ممتاز محل کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی۔ دوران زچگی ملکہ کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کو اس سانحہ سے بڑا سخت غم ہوا۔ جو مرتے دم تک اس کے دل سے لگا رہا۔ ملکہ کی یاد میں بادشاہ نے رنگین کپڑے اور جواہر پہننا، عطر خوشبو لگانا چھوڑ دیا۔ ملکہ کی قبر پر بادشاہ نے جو یادگار مقبرہ تعمیر کرایا وہ آج تاج محل کے نام سے مشہور ہے۔

1632ء میں دکن میں دولت آباد فتح کر لیا گیا۔ جس کے ساتھ ہی احمد نگر کی دکن سلطنت کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اس کے بعد دکن کی دو باقیماندہ سلطنتوں گولکنڈہ اور بیجاپور نے مغلیہ شہنشاہی کو تسلیم کر لیا۔ 1632ء میں ہگلی کا محاصرہ کر کے اسے انگریزوں سے چھین لیا گیا۔ شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا اورنگ زیب دکن کا نائب الحکومت مقرر ہوا۔

مآخذ:
منتخب اللباب از خافی خاں۔ شاہ جہاں نامہ از ملا صلاح کمبوہ۔ مقالہ شاہ جہاں از دائرہ المعارف اسلامیہ۔

Scanned with CamScanner

1628ء۔ ولیم ہاروے اور دوران خون کی دریافت

سترہویں صدی کی پہلی دہائیاں ہیں شہر لندن کے اطباء کے شاہی کالج کا کمرہ جراحت ہے۔ نصف دائرے میں نشستوں کی قطاریں ہیں۔ ان پر تماشائی بیٹھے ہیں طلباء سرجن اور عہدیدار اور دیگر لوگوں کی نگاہیں جراحت کی میز پر ٹکی تھیں جو کمرے کے عین وسط میں رکھی گئی ہے۔ اس پر پھانسی پانے والے ایک مجرم کی نعش پڑی ہے جسے ایک دن پہلے پھانسی دی گئی تھی۔ میز کے دونوں طرف جراح نشتر لیے اپنے نگران اعلیٰ کے حکم کے منتظر ہیں جو اس کالج کا طبیب اعلیٰ ہے۔ وہ اپنی چھڑی سے کبھی ہوا میں اشارے کرتا ہے اور کبھی لاش کے مختلف حصوں کو چھوتا ہے۔

وہ بڑے وثوق سے کہتا ہے کہ ''آدھے گھنٹے میں انسانی دل اپنے خانوں سے اس سے بھی زیادہ خون پھینکتا ہے جتنا پورے انسانی جسم میں موجود ہوتا ہے۔ دل کو یہ لامتناہی رسد کہاں سے ملتی ہے اور خون کی یہ بڑی مقدار کہاں جاتی ہے؟ تماشائی اس کے ان سوالوں سے بے چین ہونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہاروے تو عجیب شوشے چھوڑنے والا آدمی ہے۔ بھلا ان سوالوں کی کیا ضرورت ہے؟ جسے عرصہ ہوا جالینوس اور ارسطو جیسے بزرگ حکیم طے کر گئے۔ ادھر ہاروے کی تقریر جاری ہے وہ اپنے شاگردوں کو کہتا ہے کہ کیا آپ پنسل سے ایسی لکیر کھینچ سکتے ہیں جس کا کوئی سرا نہ ہو۔ دائرہ! دل کس طرح خشک ہوئے بغیر آدھے گھنٹے میں جسم کا سارا خون پھینک سکتا ہے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اسی خون کو بار بار استعمال کر کے۔ اس جملے سے لوگوں میں ہیجان پھیل جاتا ہے۔ سامعین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ ان لوگوں میں بیٹھے دیگر اطبا ایسے کروٹ بدلتے ہیں جیسے جالینوس اور ارسطو کی روحوں کو اذیت پہنچی ہو۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ کا مطلب ہے کہ شریانیں درحقیقت خون لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ ہاروے جواب میں کہتا ہے یقیناً۔ لیکن ہم تو سمجھتے ہیں کہ شریانوں میں روح یا ہوا ہوتی ہے۔ یہ تھا ازمنہ وسطیٰ کے لوگوں کا شریانوں اور گردش خون کا تصور جو سرے سے غلط تھا۔ جس کی وضاحت ہاروے نے اپنے گردش خون کے نظریہ سے کی تھی۔

ولیم ہاروے کا باپ ملکہ ایلزبتھ اول کے عہد کا ایک کامیاب تاجر تھا اس نے ولیم ہاروے کو کیمبرج یونیورسٹی سے طب کی تعلیم دلوائی مزید تعلیم کے حصول کے لیے اس نے اٹلی کے شہر پیڈوا کا طویل اور تکلیف دہ سفر اختیار کیا۔ اس قدیم یونیورسٹی میں اس عہد میں تدریسی آزادی اور سائنسی دریافتوں کی جو شمع روشن تھی اس کی کشش یورپ میں دور دور سے طلبا کو یہاں کھینچ لاتی تھی۔

Scanned with CamScanner

ہاروے کو اسی یونیورسٹی سے 1602ء میں طب کی سند ملی۔ ہاروے نے دل کے جسم میں کام کرنے پر شروع سے بے حد غور کیا تھا۔

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ خون بار بار دل کی طرف لازماً پلٹتا ہے ہاروے نے خون کی اس مقدار کا اندازہ لگایا جو دل کے ہر مرتبہ سکڑنے پر دل سے خارج ہوتی ہے۔ نبض یا حرکت قلب کی فی منٹ رفتار معلوم کرنے کے بعد اس نے تخمینہ لگایا تو معلوم ہوا کہ ہر آدھے گھنٹے کے بعد دل سے خارج ہونے والے خون کی مقدار جسم میں موجود کل خون کی مقدار سے بڑھ جاتی ہے۔ ہاروے نے یہ دکھانے کے لیے دل میں خون وریدوں کے ذریعے واپس جاتا ہے۔ بازو کی ایک ورید کو سختی سے دبایا۔ اس میں اتنی طاقت استعمال کی گئی کہ خون رک گیا اور دباؤ کے مقام کے نیچے خون اکٹھا ہونے کی وجہ سے ورید پھول گئی۔ انگلی سے جیسے جیسے اس ورید کے ساتھ ساتھ بازو کے والو کی طرف حرکت دی گئی تو پتہ چلا کہ بازو سے اوپر جانے والا خون واپس نیچے نہیں آتا۔ وریدوں کے والو خون کا بہاؤ صرف ایک سمت میں یعنی دل کی طرف رکھتے ہیں۔ دس سال کے عرصہ تک بالکل سادہ اور معمولی تجربات اور واضح استقلال کی مدد سے وہ دوران خون کے بارے میں اپنے نظریات کی تشریح اور ان کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ 1628ء میں اس کے واضح، مختصر اور بلیغ رسالے "قلب اور خون کی حرکت کے بارے میں تشریح الابدان کا قاعدہ Anatomical Exercise On The Motion Of The Heartand Blood" کی اشاعت طب کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اس عہد کی دیگر سائنسی دریافتوں کی طرح ہاروے کی کوششوں کو بھی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہر مخالفت اور اعتراض کا جواب نرمی لیکن باوقار استدلال سے دیا۔ دل اور دوران خون کے متعلق اپنے اس رسالے کی اشاعت کے تین سال بعد ہاروے کو یہ نصیب انگریز بادشاہ چارلس اول کا طبیب خاص مقرر کردیا گیا۔ 1642ء میں ہونے والی خانہ جنگی کے نتیجے میں بادشاہ اور اس کے درباریوں کو لندن چھوڑنا پڑا ان میں ہاروے بھی شامل تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں انقلابیوں نے اس کے گھر پر حملہ کیا اور نہایت بے دردی سے اس کے وہ تمام نمونے اور یادداشتیں تباہ کردیں جو اس کی چالیس سالہ غور و فکر اور تحقیق کا نتیجہ تھیں۔ ہاروے کو اس حادثے سے بڑا صدمہ پہنچا اور سائنس کی دنیا بھی اس کی کیڑے مکوڑوں کے بارے میں تحقیق سے محروم ہوگئی۔

سیاسی جلاوطنی کے زمانے میں ہاروے نے ہمت نہ ہاری بلکہ ایک نئی جہت میں ایک نئی تحقیق افزائش نسل اور جنینی ارتقاء کے بارے میں شروع کردی۔ ہاروے نے اس سلسلے میں ہرنوں پر تجربات کیے۔ 1651ء میں اس کی ایک کتاب جانوروں کی افزائش نسل کے بارے میں شائع ہوئی۔

ماخذ: دنیا کے عظیم سائنسدان اردو سائنس بورڈ۔ غازیان تہذیب، مولانا سید ہاشمی، فرید آبادی۔

Scanned with CamScanner

1632ء۔ گلیلیو کی تصنیف ''دو نئے کائناتی نظاموں پر بحث''

گلیلیو گلیلی ایک تجربیت پسند سائنسدان تھا۔ ہمیں اس کی سوانح میں اس کے سائنسی تجربات بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ مگر اپنی ان گوناگوں سائنسی مصروفیات کے باوجود گلیلیو نے کچھ وقت ادب اور فلسفہ کے لیے بھی نکالا تھا۔ اس کی تصنیف ''دو نئے کائناتی نظاموں پر بحث'' فلسفے پر اطالوی زبان میں ایک اہم کتاب ہے جس میں گلیلیو ہمیں کائناتی فلسفے پر بحث کرتا نظر آتا ہے۔ خدا اور کائنات کے بارے میں گلیلیو کے تصورات و خیالات کو مکمل طور پر اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے ہم عصر فلکیات دان جوہانس کپلر کے برعکس، گلیلیو ایک صاحب طرز ادیب اور ہجو نگار بھی تھا اور اسے اپنے خاموش رہنے کی ضرورت کا بھی احساس تھا، اسی وجہ سے مورخین نے اس کے طرز تحریر کو کپلر سے جدید قرار دیا ہے۔ کپلر کی طرح وہ فلسفے میں فیثا غورث سے متاثر تھا۔ اس نے کائنات کو ایک مہندس کے طور پر بیان کرنے کی کوشش تو کی مگر اس موضوع سے زیادہ اہم وہ کلیسا کی بیوروکریسی کے مظالم سے لوگوں کو نجات دلانے کے لیے کلیسائی فرسودہ تکونیات اور الٰہیات کو الگ الگ کر دینا چاہتا تھا۔

1616ء میں جب کوپرنیکس کو لادین قرار دیا گیا تھا تو ساتھ ہی گلیلیو کو بھی سورج کی مرکزیت والے نظام پر دلائل دینے سے روک دیا گیا تھا۔ تاہم ایک محقق نے دلائل پیش کیے ہیں کہ کلیسا کی نظر میں گلیلیو کا اصل جرم سورج کو مرکز کائنات قرار دینا نہیں تھا بلکہ ڈیما کریٹس کا ایٹمی نظریہ صحیح تسلیم کرنا تھا۔ گلیلیو کے دشمن اس قابل سائنسدان کو ایجاد کا مرتکب ٹھہرانے کے نتائج سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ مگر ان سے خوفزدہ ہو کر گلیلیو نے لکھنا نہیں چھوڑا اور وہ اپنے قلم سے بدستور یہ اصرار کرتا رہا کہ جو کچھ آنکھ سے دیکھا نہیں جاسکتا اسے درست نہیں سمجھنا چاہیے۔ اپنے اس استدلال میں وہ بھی بہت محتاط اور کبھی بے باک نظر آتا ہے۔

1623ء میں گلیلیو کا ایک پرانا دوست میفیو باربر بنی Mafeo Bar Berini پوپ اربن ہشتم کے لقب کے ساتھ کلیسا کا سربراہ بنا تو گلیلیو نے خود کو کلیسا کے ہاتھوں پہلے سے محفوظ تصور کیا۔ 1632ء میں اس نے اپنا یہ شاہکار ''مباحثہ'' شائع کیا۔ اس تصنیف کا مقصد سورج کی مرکزیت اور زمین کی مرکزیت والے مفروضوں کا موازنہ کرنا تھا۔ لیکن اس میں یہ عیاں ہوگیا کہ گلیلیو سورج کی مرکزیت والے نظریہ کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اس کے مخالفین نے اسے کلیسا کی جلادیے کی سزا یا کم از کم معافی مانگنے پر مجبور کرنا چاہا۔ پوپ اربن نے بھی کچھ ''خطرہ'' محسوس کیا۔ اس نے

Scanned with CamScanner

گلیلیو کی یہ کتاب ''مباحثہ'' کو بحکم ضبط کرلیا اور گلیلیو کو روم بھیجا گیا۔ وہاں اس نے رومی ماہرین فلکیات کی تحقیق سے استفادہ کیا۔ معافی مانگنے کے باوجود گلیلیو کو لامحدود مدت کے لیے قید کردیا گیا۔ پھر اس کے بعد اس کی اس سزائے قید کو فلورنس کے نزدیک واقع اس کے گھر میں اسے نظر بند کردیا گیا۔ باقی زندگی اس نے وہیں کام کرتے ہوئے گزاری۔ آخری دور میں وہ قوت بصارت اور اپنی بیٹی سے محروم ہوگیا تھا۔

1637ء میں اس نے اپنی کتاب ''دو نئی سائنسیں'' مکمل کی اور 1638ء میں اسے اٹلی سے باہر لیڈن، ہالینڈ سے شائع کروایا۔ گلیلیو کی ایذا رسانی کے نتیجے میں یا جس طرح آج کل جس سیاست دان کو قید کردیا جاتا ہے تو اس کی سیاست چمک اٹھتی ہے اسی طرح گلیلیو کے سورج کی مرکزیت پر یقین والے نظریئے کو بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ چمک اٹھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ 1600ء میں سورج کی مرکزیت کا نظریہ ایک خطرناک پہیلی کی حیثیت رکھتا ہے مگر 1700ء میں چند لوگ ہی زمین کی مرکزیت پر یقین کرنے والے بچے تھے۔ جو گلیلیو کے کام سے زیادہ اسے قید کئے جانے کا نتیجہ ہے۔

Scanned with CamScanner

1632ء۔ تاج محل کی تعمیر

جب وفات حسرت آیات ملکہ حضرت الزمانی کو چھ ماہ گزرے تو شاہ جہان نے دکن سے کوچ کیا اور شہزادہ شجاع کو اپنی والدہ مرحومہ کی نعش کو جو دکن پر امانتاً دفن کی گئی تھی اب آگرہ لے جانے پر معمور کیا۔ چنانچہ بروز جمعہ 17 جمادی الاول 1041ھ کو شہزادہ مع ستی خانم حرم کی میر سامان کے ساتھ آگرہ روانہ ہوا۔ یہ لوگ برہانپور (دکن) سے آگرہ تک محتاجوں کو کھانا کھلاتے اور خیرات کرتے چلے۔ آگرہ پہنچ کر 16 جمادی الثانی کو بہشت آئین کے مقام پر آگرہ کے جنوب میں دریائے جمنا کے کنارے نعش کو دفن کیا گیا۔ یہ مقام راجہ مان سنگھ کی جاگیر میں تھا اس کے عوض اس کو ایک عظیم الشان حویلی عنائت کی گئی۔ اس جگہ ایک عارضی مقبرہ تعمیر کیا گیا تاکہ ملکہ مرحومہ کی قبر عوام الناس کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ پھر اس مبارک مقام پر ایک عظیم الشان روضہ کی بنیاد رکھی گئی جو تمام سفید مرمر کا مع ایک وسیع باغ کے قریباً بیس سال میں تعمیر ہوا۔

تخت نشینی کے پانچویں سال اس عظیم الشان عمارت کی بنیاد جو آسمان جیسی بلند پایہ ہے دریائے جمنا کے کنارے رکھی گئی (1632ء) بیس ہزار کاریگر بیس سے بائیس سال تک لگاتار کام کرتے رہے۔ ملک بھر کے بہترین مہندسان معماری اور ماہرین عمارت کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں عمارت کے نقشے پیش ہوئے جو نقشہ بالآخر منظور ہوا وہ استاد عیسیٰ کا تھا جو ترکی یا شیراز کا باشندہ تھا۔ اطالوی اسقفوں کی آگسٹس تنظیم کے ایک فرد فادر منریق Father Man Rique نے اس روایت کی تصدیق کی ہے کہ اس عمارت کا میر عمارت ایک اطالوی جیرونیمو ویرونیو Geronimo Veroneo نامی تھا مگر اس بات کی تصدیق نہ تو مقامی تاریخوں سے ہوتی نہ ہی اس کا ذکر ہم عصر یورپی سیاحوں جیسے برنیئر، تیونیر Tavernier, Bernier نے کیا ہے۔ ان سیاحوں کی رائے میں یہ عمارت خالصتاً مشرقی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اہل مغرب کی تاج کی تعمیر میں شمولیت قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ مقبرہ جو جودھ پوری سنگ مرمر سے تعمیر ہوا۔ ایک اونچے چبوترے پر قائم ہے جو 18 فٹ بلند اور 313 فٹ مربع ہے اور اس کی روکار بھی سنگ مرمر کی ہے۔ اس کے ہر کونے پر ایک نہایت خوبصورت تناسب کا مینار ہے جو 133 فٹ بلند ہے اور جس کے اردگرد تین چھجے ہیں۔ اور چوٹی پر ایک کھلی قبہ دار چھتری۔ اس چبوترے کے عین وسط میں مقبرہ تاج ہے جو 186ء فٹ مربع ہے۔ جس کے کونے 33 فٹ 9 انچ کی گہرائی تک تراش دیئے گئے ہیں۔ عمارت مقبرے کی روکار کی بلندی چبوترے سے 92 فٹ 3 انچ تک پہنچی ہے۔

Scanned with CamScanner

مقبرے کے وسط میں سب سے بڑا گنبد ہے جس کا قطر 58 فٹ ہے اور جو چھت سے 74 فٹ یعنی چبوترے سے 191 فٹ بلند ہے۔ عمارت کے ہر رخ پر بلند محراب دار رواق ہے اور ہر رخ پر ایک چھوٹا ایک چھوٹا سا دو منزلہ نشیمن ہے، جس پر قبہ دار چھتری ہے اور ہر رواق میں باہر والے تین رخوں میں چھ محراب دار طاق ہیں۔ گنبد کے عین وسط میں ملکہ ممتاز محل کی قبر کا تعویذ ہے اور اس کے پہلو میں شاہجہان کی قبر ہے۔ دونوں قبروں کے تعویذ کتبوں سے مزین ہیں۔ ان کے عین نیچے تہ خانے میں اصلی قبریں واقع ہیں۔ مقبرے اور چبوترے سے پرے دائیں اور بائیں بازو کی عمارتیں ہیں جن میں ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ ان عمارتوں کے مجموعے سے باغ کے صحن کا ایک پہلو ترکیب پاتا ہے اور اس سے پرے بیرونی صحن ہے جس کی چوڑائی تو اتنی ہے کہ لیکن اس کی لمبائی اس سے نصف کے قریب ہے۔ فنون لطیفہ کے بعض مدعیوں تاج محل کی عمارت کو یونانی اور قوطی فن تعمیر کے اصولوں سے جانچنے کی کوشش کی ہے۔ مگر حقیقت میں انہوں نے فن تعمیر کا منہ چڑایا ہے۔ بقول مصنف ''شاہ جہاں نامہ'' ملا صلاح کمبوہ اس عمارت پر پچاس لاکھ روپیہ خرچ آیا۔ تاج کی نقاشی میں پرچین کاری، سفید پتھر میں مختلف رنگ کے قیمتی پتھر کھود کر بھرے گئے ہیں جو موزائیک سے بالکل مختلف ہے۔ اور بازنطینی موازئیک سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔

مآخذ:

تاج محل آگرہ از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی۔ مقالہ ''تاج محل'' اردو دائرہ المعارف اسلامیہ۔

Scanned with CamScanner

1631ء۔ جان ڈرائیڈن کی پیدائش

انگریزی زبان کی مابعد طبیعیاتی Motaphysical شاعری کی سترہویں صدی میں بڑی دھوم رہی ہے۔ اس صنف شاعری میں جو نمایاں ترین شخصیت ابھری وہ انگریز شاعر جان ڈن Jhon Donne کی ہے۔ جان ڈن کی پیدائش لندن میں 1572ء میں ہوئی اور انتقال 1631ء میں ہوا۔ جہاں اس کی عاشقانہ شاعری معروف ہے وہیں مذہبی اور تبلیغی قسم کی شاعری بھی اس کے دائرہ عمل میں رہی۔ جان ڈن نے جوانی ہی میں وہ نظمیں لکھ ڈالی تھیں جن کی بنا پر وہ مشہور ہوا۔ اگر چہ وہ ملکہ ایلزبتھ کے عہد کا شاعر ہے مگر اس کی نظمیں اس کے مرنے کے بعد 1633ء میں شائع ہوئیں اس کی شاعری کا مخصوص اثر سب شاعروں پر عام طور پر ملتا ہے اور کچھ مخصوص شاعروں پر خاص طور سے نشاۃ الثانیہ کے آخری دور میں نمایاں ہوا۔

جان ڈن نے بارہ سال کی عمر میں آکسفورڈ سے میٹرک پاس کیا اور پھر کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ اس کے علاوہ وہ قانون کا طالب علم بھی رہا۔ 1598ء میں وہ سرٹاس الرٹن کا سیکرٹری ہوگیا۔

ڈن کی ابتدائی شاعری لاطینی شعرا کے تتبع میں ہے جس میں کلاسیکی نقوش صاف دکھائی دیتے ہیں، لیکن وہ زیادہ دیر تک اس راہ پر نہ چل سکا اور اس نے اپنی ذکاوت اور تحلیل کی وجہ ایک ایسی انفرادیت پیدا کی جو اس کا طرہ امتیاز بن گئی۔ 1601ء تک وہ عاشقانہ شاعری کرتا رہا۔ اس زمانے میں اس کی شادی این مور Annmore نامی خاتون سے ہوئی۔ یہ شادی اس کے والد کے اختلاف رکھنے کے باوجود ہوئی تھی۔ اس شادی کی پاداش میں اسے کچھ عرصہ کے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی اور اس کی معاشی حالت بھی پتلی ہوگئی۔

جان ڈن نے اپنی دور از کار تشبیہات کے استعمال کی وجہ سے انگریزی شاعری میں ایک ایسی جگہ بنالی کے جس کا ثانی شیکسپیئر کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں Metaophcal شاعری کی Conceits از حد دلکش ہوتی ہیں۔

اپنے غیر معمولی تخیل سے مختلف اشیاء کو وہ اس طرح ہم آمیز کرتا ہے کہ انہونی باتیں بھی ایک خاص کیفیت میں تبدیل ہو کر امتیاز کا نشان بن جاتیں ہیں کہیں وہ خواتین کی بے وفائی کا گلا کرتا ہے۔ کہیں عفت و ناموس کے باب میں اپنا خاص نقطہ نظر پیش کرتا ہے، کہیں

Scanned with CamScanner

محبت کے مرحلے میں اتنی شدت دکھاتا ہے کہ اپنے ساتھ خاتون کو رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ اس نے خاتون کو اس امر سے روکا ہے کہ فضول باتیں نہ کریں اور اس کی محبت میں شریک ہوں۔ یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ ڈاکٹر جانس نے جوڈن اور اس کے متبعین کو پسند نہیں کرتا تھا۔ چڑ کر اس کو مابعد طبیعیاتی شاعر کا نام دیا اور یہی نام آج بھی مشہور ہے۔

Scanned with CamScanner

1633ء۔ جان ڈن کی مابعد طبیعیاتی شاعری

مشہور انگریز شاعر جان ڈرائیڈن John Dryden 19 اگست 1631ء کو پیدا ہوا اور اس کی وفات 1700ء میں ہوئی ۔ وہ شاعر بھی تھا، ڈرامہ نگار بھی اور نقاد بھی۔ ان تینوں حیثیتوں میں اس کا مقام مسلم ہے اس لیے اس کے عہد کو ڈرائیڈن کا عہد بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدا 1660ء سے ہوتی ہے جب انگریزی سیاست ایک کروٹ لیتی ہے اور چارلس دوم تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت پر متمکن ہونے کے بعد ڈرائیڈن نے ایک نظم Astraea Redux لکھی۔ اس کی جو اور نظمیں مشہور ہیں وہ Tohis Sacred Majesty، اور Annusmirabilis ہیں۔ یہ دونوں نظمیں دراصل بادشاہ کی تہنیت میں ہیں۔ چنانچہ 1668ء میں اسے قومی شاعر یا ملک الشعراء Poet Laureatee کا خطاب دیا گیا۔ لیکن ڈرائیڈن کی اہمیت محض بادشاہ کے قصیدوں کی وجہ سے اہم نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی شاعرانہ اہمیت بھی ہے جسے کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ڈرائیڈان کا پہلا ڈرامہ The Wild Gallant ہے۔ یہ ایک طرح کی کامیڈی ہے۔1665ء میں اس نے ایک Heroic Tragedy قلمبند کی جو The Indian Queen کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح سے اس کی ایک نظم The Indian Empress بھی ہے جو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ سلسلہ 1667ء میں اس کی ایک نظم The Secret Love پر ختم ہوتا ہے۔ 1668ء میں جان ڈرائیڈن نے اپنی کتاب An Essay Of Dramatic Poesie سے تنقید کی دنیا میں ایک نئی طرح ڈالی۔ کہا جاتا ہے کہ جدید ڈرامے کی تنقید میں اس کتاب کی اہمیت مسلم رہی ہے۔ ڈرائیڈن کی ایک اور حیثیت طنز و نگار کی بھی ہے۔ اس نے اپنے منظوم طنزیہ شاہکاروں کی وجہ سے انگریزی زبان کے طنز نگاروں میں اہمیت حاصل کر لی۔ اس کی چند طنزیہ تخلیقات تو عالمی ادب میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئی ہیں۔ مثلاً اس نے Absalom And Achitophel 1681 اور 1682ء میں Mac Flecknoe شائع کیں۔ یہ نظمیں طنز نگاری میں اس طرح درجہ کمال رکھتی ہیں جس طرح اسپنسر کی نظمیں بیانیہ شاعری میں۔ ڈرائیڈن کی نظموں میں ڈرائیڈن خود ایک مسخرے کی طرح نظر آتا ہے جو معمولی انسانوں کی حماقتوں پر کبھی خوش مزاجی کے ساتھ ہنستا ہے اور کبھی غصے میں آ کر ان کی گردن مروڑ دیتا ہے۔

ماخذ: تاریخ ادب انگریزی از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔ تاریخ ادبیات عالم جلد پنجم از پروفیسر وہاب اشرفی۔

Scanned with CamScanner

1644ء۔ چین میں منگ سلطنت کا خاتمہ

منگ Ming، مشہور زمانہ چینی حکمران خاندان جس نے 1368ء سے 1644ء تک چین پر حکومت کی۔ اس کی بنیاد چو یوآن چنگ Chu Vuan Chang نے رکھی تھی۔ وہ ابتدا میں ایک بدھ درویش تھا، اس نے تاتاریوں کو چین سے نکالا تھا۔ منگ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں برما اور کوریا تک پھیلی ہوئی تھی۔ منگ کی خارجہ تجارت سے مخالفت کے باوجود میکاؤ اور کینٹن میں یورپی آبادکاروں اور تاجروں کی آبادیاں قائم ہوئیں۔ ادبی ترقی اور عمدہ چینی کے برتن اس چینی حکمران خاندان کے عہد کی خصوصیات میں شامل ہیں۔

سترہویں صدی کے نصف تک چین میں مانچو خاندان نے قدم جمالیے اور منگ خاندان آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگا۔ 1644ء میں قزاق بیجنگ پہنچا تو منگ خاندان کے آخری شہنشاہ نے خودکشی کرلی۔ یوں مشرق کے اس عظیم حکمران کا خاتمہ ہوگیا۔ اس عہد چین میں رونما ہونے والے کچھ واقعات یہ ہیں۔ (ا) پرتگیزوں نے 1511ء میں مالاکا پر قبضہ کرلیا اور اپنا ایک نمائندہ چین (بیجنگ) بھیجا۔ اسی اثنا میں ایک اور پرتگیزوں چین کے سمندروں میں بحری قزاقی شروع کردی۔ بعض اور لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی، نتیجہ یہ نکلا کہ پرتگیزوں کو 1522ء میں چین سے نکال دیا گیا۔

1577ء میں تبت میں بدھ مت کی ایک تحریک اصلاح جاری ہوئی۔

1592ء سے 1598ء تک جاپانیوں نے کوریا پر حملے کیئے۔ مگر انہیں ناکام بنادیا گیا۔

منگ عہد میں چوہی Chu Hsi اور اس کے ساتھیوں اور ہم خیالوں کو ابتدا میں بڑا اقتدار حاصل رہا۔ اسی عہد میں ایک سو تیس سما کی تصانیف سے اخلاقیات کا ایک خلاصہ تیار کیا گیا جو منگ بادشاہ کی ہدایت پر 1416ء میں چھاپا گیا۔ وانگ ینگ منگ Wang Yang Ming نے اس کی سخت مخالفت کی وہ کہتا تھا کہ اخلاقی اعمال انسانوں کے اندر وجدانی ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں بے شک داناؤں اور عام لوگوں میں حقیقت بینی کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن یہ اخلاقی کیفیت نہیں، بلکہ صرف کمیت تک محدود ہوتا ہے، یعنی یہ نہیں کہ حقیقت کو دانا اور عوام یکساں طور پر حقیقت نہ سمجھیں، بلکہ داناؤں کو عوام کے مقابلے میں حقیقتوں کا زیادہ علم ہوتا ہے۔

منگ خاندان کے ابتدائی عہد میں زبردست قومی ردعمل شروع ہوگیا تھا، جس میں ادبی اکیڈمی نے زبردست حصہ لیا اور تمام اجنبی چیزوں کی مخالفت شروع ہوگئی۔ لیکن اس وقت تک بدھ

Scanned with CamScanner

مت کو مستقل حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور اسلام شمال اور جنوب مغرب میں جڑ پکڑ چکا تھا اور اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ البتہ نسطوری اور رومن کیتھولک مسیحیت کے خلاف سرگرم کوششیں کی گئیں اور انہیں دبا دیا گیا۔

سولہویں صدی میں بعض مسیحی پادریوں کی کوشش سے مسیحیوں کے لیے رواداری کا برتاؤ شروع ہوا۔ یہ مسیحی مبلغین بادشاہ کے پاس اعلیٰ درجے کی گھڑیاں بطور تحفہ لاتے رہے اور انہوں نے دنیا کا ایک نقشہ بھی تیار کر کے پیش کیا تھا۔

ادبی اکیڈمی نے بعض کتابوں کو سرکاری نگرانی میں مرتب کیا ان میں ایک انسائیکلو پیڈیا بھی تھا جس میں بہت سی تصانیف شامل کر لیں گئیں تھیں۔ یہ دس ہزار جلدوں پر مشتمل تھا اور 1403ء سے 1409ء میں مکمل ہوا تھا۔ تاریخ، قانون اور سلطنت کے مختلف حصوں کی پیائش کے متعلق بھی کئی کتابیں مرتب ہوئیں۔

منگ کے بعد برسر اقتدار آنے والے مانچو خاندان کے بادشاہوں میں کینگھی Kang Hsi کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ اس کے عہد میں بھی ایسی ثقافتی ترقیاں ہوئیں جو پہلے تمام ادوار پر فوقیت لے گئیں۔ منگ خاندان کے عہد میں چین کے پندرہ صوبے تھے۔ کینگھی نے اٹھارہ صوبے بنا دیے۔ 1672ء میں تین صوبوں کے حاکموں نے بغاوت کی انہیں معزول کر دیا گیا۔

مآخذ:

انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد دوم از مولانا غلام رسول مہر۔
تاریخ عالم، سیفی نوگانوی، اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد دوم۔

Scanned with CamScanner

1649ء۔ چارلس اول کی گردن زنی اور بادشاہت کا خاتمہ

لندن وہائٹ ہال 30 جنوری 1649ء کی ایک سرد صبح کو ایک جلاد نے شاہ انگلستان چارلس اول کا سر قلم کر کے چبوترے کے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف اچھال دیا۔ شاہ انگلستان پر پارلیمنٹ نے ایک خاص عدالت عالیہ کے روبرو مقدمہ چلایا تھا جو معتمد علیہ انتہا پسندوں پر مشتمل تھی۔ اس عدالت نے بادشاہ کو سزائے موت دی تھی جس پر 30 جنوری کو عملدرآمد کیا گیا۔

چارلس اول کے تخت نشین ہوتے ہی اسے اس کے باپ کے زمانے کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس سے صورتحال نازک ہوتی چلی گئی۔ پارلیمنٹ براعظم میں جنگ کے خلاف تھی، تاہم انگلستان کو ہسپانیہ کے خلاف جنگ میں شامل کرلیا گیا۔ اگر چہ اس جنگ میں بہت کم تعداد میں انگریزی فوج نے شرکت کی، تاہم جنگ پر روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ نے منظوری دینے سے انکار کردیا۔ پھر یکا یک چارلس فرانس کے ساتھ جنگ میں الجھ گیا اگر چہ اس کی شادی بھی فرانس کی شہزادی سے ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں میں اس نے جو روپیہ خرچ کیا وہ دولتمند افراد سے جبراً قرض لیا گیا۔ اس نے اسی جنگ کے دوران حکم دیا کہ فوج عوام کے گھروں میں قیام کرے اور عوام فوج کا خرچ برداشت کریں۔ اس پر 1628ء میں پارلیمنٹ نے ایک عرضداشت پیش کی اسے عرضداشت حقوق کہتے ہیں۔ اس میں پہلی مرتبہ دور حاضر کی دستوری حکومت کے چند بنیادی اصول صاف صاف بیان کیئے گئے۔ یعنی پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی محصول عائد نہیں کیا جاسکتا فوج رعایا کے گھروں میں نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ اس کے زمانے میں مارشل لاء نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ کسی خاص الزام کے عائد کیئے بغیر کسی کو قید نہیں کیا جاسکتا اور الزام کا فیصلہ باقاعدہ قانونی کاروائی سے کیا جائے گا۔ سٹوارٹ بادشاہوں کے زمانے میں منشور اعظم کے یہ نکات تاج کے اقتدار پر پابندیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

چارلس نے روپیہ حاصل کرنے کی خاطر عرضداشت حقوق منظور کرلی مگر ساتھ ہی وہ ٹیکس بھی جمع کرلیے جن کی منظوری پارلیمنٹ نے نہیں دی تھی۔ پارلیمنٹ نے غیر منظور شدہ ٹیکس اور بادشاہ کی ہائی چرچ پالیسی پر احتجاج کیا۔ بادشاہ نے مفاہمت سے کام لینے کی بجائے سختی اختیار کی اور 1629ء میں پارلیمنٹ توڑ دی اور پارلیمنٹ میں احتجاجی قرار دادیں پیش

Scanned with CamScanner

کرنے والے ارکان کو گرفتار کرلیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک رکن سرجان ایلیٹ نے لندن کے قلعے میں بحالت اسیری وفات پائی۔ پارلیمنٹ کی طرف سے یہ پہلا شہید جمہوریت تھا۔ آئندہ گیارہ سال 1629ء سے 1640ء تک چارلس بغیر پارلیمنٹ کے حکومت کرتا رہا اور بہت سے نئے ٹیکس عائد کردیئے۔

مذہبی معاملات میں چارلس آرچ بشپ آف کنٹربری ولیم لارڈ کی راہنمائی کے مطابق کارفرما تھا اور اس کا تعلق ہائی چرچ پارٹی سے تھا۔ اس کی منظم کوشش یہ تھی کہ سب کو اینگلیکن طرز عبادات پر لے آئے۔ شہری معاملات میں چارلس کا مشیر ایک انتہا پسند کنزرویٹو، تھامس وینٹ ورتھ تھا۔

چارلس کی شخصی حکمرانی کے دور میں بظاہر امن قائم تھا مگر سطح کے نیچے دبے ہوئے سیاسی اور مذہبی جذبات ابل رہے تھے۔ تاہم انگلستان خوشحال تھا۔

انگلستان کا انقلاب حقیقتاً پہلے اسکاٹ لینڈ میں شروع ہوا۔ آرچ بشپ لاڈ نے اسکاٹ لینڈ میں انگلستان کی مذہبی رسومات اور تنظیمات جبراً جاری کرنا چاہیں تو پریسبٹیرنزم سے تصادم ہوگیا۔ یہ مسلک اسکاٹ لینڈ میں تین پشتوں سے قائم چلا آرہا تھا۔ 1638ء میں پریسبٹیریوں کی ایک جمعیت بنی جس نے فیصلہ کیا کہ ضرورت پڑے تو اپنے مسلک کو بچانے کے لیے چارلس کی مخالفت قوت سے کی جائے۔ چارلس نے اہل اسکاٹ لینڈ کے خلاف پیش قدمی کی مگر 1639ء میں امن قائم ہوگیا۔ اس معمولی سی مہم میں شاہی خزانے پر بھاری بوجھ پڑا۔ چارلس نے اس صورتحال سے نپٹنے کے لیے ایک پارلیمنٹ بلائی جو تاریخ انگلستان میں مختصر پارلیمنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس پارلیمنٹ نے چارلس کو صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک چالیس سالہ جمہوری شکایات دور نہیں کی جائیں گی روپیہ کی منظوری نہیں ملے گی۔ اس پر چارلس نے پارلیمنٹ توڑ دی۔ دوسری طرف اس نے اہل اسکاٹ لینڈ سے جنگ شروع کردی۔ چارلس نے شکست کھائی اور یہ وعدہ کرکے لڑائی ختم کی کہ جب تک صلح نہ ہوجائے گی اہل اسکاٹ لینڈ کو ساڑھے آٹھ سو پونڈ روزانہ ادا کیئے جائیں گے مگر اتنی بڑی رقم وہ دے نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے پھر پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا۔ یہی دور انقلاب کی طویل پارلیمنٹ کہلاتی ہے۔

اہل اسکاٹ لینڈ کی جس فوج کو روپیہ ادا کرنا تھا وہ تلوار کی طرح چارلس کے سر پر معلق تھی۔ طویل پارلیمنٹ نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھا کر اصلاحات کا سلسلہ شروع کردیا جس سے شاہی اقتدار پر ضرب لگتی تھی۔ اب تک بادشاہ اپنی مرضی سے پارلیمنٹ بلاتا اور توڑ دیتا تھا۔ 1640ء میں سہ سالہ قانون بنا۔ اس کے مطابق لازم ہوگیا کہ پارلیمنٹ تین سال کے

Scanned with CamScanner

بعد لازماً بلائی جائے۔ اب پارلیمنٹ نے بادشاہ کے حواریوں کو بھی رگیدا اور آرچ بشپ لاڈ کو برطرف کردیا۔ پارلیمنٹ نے 1641ء میں شکایات کا ایک مرقع "احتجاج عظیم" تیار کیا۔ اب چارلس نے 1629ء کی تدبیروں کو دہرایا مگر اسے مات ہوئی۔ 1642ء میں بادشاہ شمال کی طرف چلا گیا۔ اور دارالحکومت میں پارلیمنٹ نے کاروبار حکومت سنبھال لیا اور اس طرح ایک میان میں دو تلواریں ہوگئیں جس سے ملک میں خانہ جنگی کا آغاز ہوگیا۔ اگر بادشاہ 1642ء میں پارلیمنٹ کی پیش کردہ انیس تجاویز منظور کرلیتا تو پارلیمنٹ کی برتری قائم ہوجاتی اور بادشاہ محض آئینی رہ جاتا مگر بادشاہ نے یہ تجاویز رد کردیں۔

خانہ جنگی کے ساتھ انگلستان علاقائی، اقتصادی اور مجلسی اعتبار سے تقسیم ہوگیا۔ بادشاہ کے حامیوں کی قوت شمال و مغرب میں تھی، جہاں شہر کم تھے اور اقتدار امراء کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سب تاج کے وفادار تھے۔ پارلیمنٹ کی قوت کا خاص مرکز جنوبی و مشرقی انگلستان، خصوصاً شہر لندن اور ایسٹ اینگلیا میں جہاں زیادہ تر اشراف اور پیورٹین تھے۔ باقی اہل اسکاٹ لینڈ کو نہ انگلستان کی پارلیمنٹ پر اعتماد تھا نہ بادشاہ پر کیونکہ وہ ان پر پہلے ہی اپنا استقلی نظام ٹھونسنے کی کوشش کرچکا تھا۔

میدان جنگ میں ابتدائی کشمکش غیر فیصلہ کن تھی۔ شاہ پسندوں کو سدار Kvavalier کہتے تھے۔ ابتداء میں کامیابی ان کے ہاتھ رہی۔ لیکن پھر پانسہ پلٹا اور کرام ویل نے پارلیمنٹ کا پلڑا بھاری کرکے مارسٹن مور Marston Moor کے مقام پر فتح حاصل کی اور پارلیمنٹ کی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ یہ نئی ترتیب رکھنے والی فوج تھی۔ اور اس کے افسر وہ لوگ مقرر ہوئے جو مذہب اور سیاست میں انتہا پسند تھے۔ یہ بال ترشوا کر رکھتے اور گول سرے مشہور ہوئے۔ 1645ء میں نیز بی کے مقام پر جنگ ہوئی اور پارلیمنٹ کی فوج نے شاہی افواج پر کاملاً فتح پالی۔ چارلس نے پریشان ہوکر اسکاٹ لینڈ کی فوج میں پناہ لی۔ اس فوج نے بادشاہ کو پارلیمنٹ کے حوالے کردیا اور معاوضہ میں چار لاکھ روپئے لے لیے۔ اب انتہا پسند چاہتے تھے کہ انگلستان میں جمہوریت قائم کردی جائے کیونکہ انہیں چارلس پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ 1645ء کے بعد بڑی مشکلات سے ان مسائل پر گفت و شنید ہوئی۔ چارلس کو امید تھی کہ اسے اسکاٹ لینڈ والوں کی امداد حاصل ہوجائے گی مگر 1648ء میں کرام ویل نے حملہ آور اسکاٹوں کو شکست دے کر بادشاہ کو گرفتار کرلیا۔ فوج چاہتی تھی کہ بادشاہ کو معزول کردیا جائے۔ مگر پارلیمنٹ تیار نہ تھی۔ کرنل پرائڈ کے حکم پر دارالعوام سے چھیانوے ارکان کو باہر نکال دیا۔ کرنل کے اس اقدام کو پرائڈ پرج Pride Purg کہتے ہیں۔ اب صرف ساٹھ رکن باقی رہ گئے۔ حالانکہ طویل پارلیمنٹ کے ابتدا میں پانسو رکن تھے۔ اب اس باقی پارلیمنٹ نے چارلس

Scanned with CamScanner

کو ایک خصوصی عدالت کے سامنے پیش کر دیا جہاں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر موت کی سزا دے دی گئی اور انگلستان کے میں بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔

مآخذ:

100 عظیم بادشاہ اور فرمانروا از جان کیتنگ
تاریخ تہذیب حصہ اول مترجم مولانا غلام رسول مہر

Scanned with CamScanner

1653ء۔ کرامویل "لارڈ پروٹیکٹر"

4 جنوری 1642ء کو چارلس اول پانچ مشکوک ارکان پارلیمنٹ کو گرفتار کرنے کے ڈرامائی انداز میں دارالعوام میں داخل ہوا یہ پانچ ارکان ہیمپڈن Hampden، پائم Pym، ہولز Holus، ہیسبرگ Hasbbrig ، اور سٹروڈ تھے۔ انہیں اپنی گرفتاری کے بارے میں پہلے اطلاع ہوگئی اور وہ دارالعوام سے غائب ہوگئے۔ بادشاہ نے دارلعوام میں ان پانچ ارکان کے نام پکارے اور بڑی نخوت سے ان کا انتظار کرنے لگا مگر ایوان پر سکوت طاری ہوگیا اور ارکان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر بادشاہ نے سپیکر سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مطلوبہ ارکان کے متعلق بتائے۔ اسپیکر نے گھٹنوں کے بل جھک کر استدعا کی کہ وہ محض اس ایوان کا ایک ادنیٰ خادم ہے اور بادشاہ کا ملازم نہیں۔ اس جواب پر چارلس غصہ میں جھلاتا ہوا ایوان سے باہر نکل گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اگر بادشاہ کے مطلوبہ ان افراد کی فہرست پانچ کی بجائے دس افراد پر مبنی ہوتی تو اس فہرست میں سرفہرست کرام ویل کا نام ضرور موجود ہوتا۔

چارلس اول کی گردن زنی کے بعد انگلستان میں جو جمہوریت قائم ہوئی۔ اسے دولت مشترکہ کہتے ہیں۔ اس نئی حکومت میں مقتدر ترین حیثیت کرام ویل کو حاصل ہوئی۔ اگر چہ وہ ڈکٹیٹری پر ضامند نہیں تھا مگر اسے یہ حیثیت قبول کرنا پڑی۔ اسے لارڈ پروٹیکٹر Lord Protactor کا خطاب دیا گیا۔ وہ مغربیت میں انتہائی پرجوش مگر پرخلوص آزاد شخص تھا اور کسی بھی معنی میں متعصب نہ تھا، ایک محب وطن انگریز اور دل کا مضبوط طبیعت کا سخت لیکن اقتدار کی حرص نہیں رکھتا تھا۔

اولیور کرام ویل Oliver Crom Wel 25 اپریل 1599ء کو پیدا ہوا وہ ایک پروٹسٹنٹ کا بیٹا تھا جس نے ریفارمیشن کے ذریعے بڑی زمین حاصل کی تھیں۔ اس کا جداعلیٰ مورگن اے ولیم Morgan A William تھا جو ہنری ہشتم کے عہد کے بعد لندن میں آکر آباد ہوا تھا۔

کرام ویل 1628ء میں پہلی بار پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ وہ ہن ٹنگڈن سے رکن منتخب ہوا تھا مگر اس کی راہ 1641ء میں متعین ہوئی جب ہاوس نے 148 کے مقابلے میں 159 ووٹوں سے احتجاج عظیم Grand Remo nstrance کو منظور کیا۔ اب وہ ایک سکوائر کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لیے واپس نہیں جاسکتا تھا۔ جس مقصد کے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حصول کے لیے اس نے قلم سے دستخط کیے تھے۔ اب اس کے دفاع کے لیے اسے تلوار اٹھانا تھی۔ مندرجہ بالا پانچ مشکوک ارکان کی گرفتاری کی کوشش کے بعد ملک ایمرجنسی کی زد میں آ گیا۔ بادشاہ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ بڑھ گیا۔ کروم ویل کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی وجہ سے عوام دو گروپوں میں بٹ گئے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو شاہ مخالف تھے اور گول سرے کہلاتے تھے۔ اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو شاہ پسند اور بادشاہ کے وفادار تھے۔ اس تقسیم کا انجام بڑا المناک نکلا۔ خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے پرانی دوستیاں اور وفاداریاں ختم ہو گئیں۔ اور ایک انقلاب بپا ہو گیا۔

23 اکتوبر 1642ء کو پہلی خانہ جنگی ہوئی اور پھر 1644ء میں یارک کے نزدیک مارسٹن مور کے مقام پر شاہ پسندوں، کو پہلی شکست دی گئی۔ اسی سال کروم ویل کو وار کونسل کا رکن بنا دیا گیا۔ خانہ جنگی ایک آگ کا سمندر تھا۔ پھر اس خوفناک سمندر سے گزر کر چارلس کی گردن زنی کے بعد اکتالیس ارکان کی ایک کونسل آف سٹیٹ بنائی گئی تو کرام ویل کو نمایاں حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اور اگلے دس سال کے لیے اقتدار اس کے ہاتھ آ گیا۔

کرامویل کے سامنے انگلستان ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اکثریت دل سے شاہ پسندوں کی تھی۔ اسکاٹ لینڈ دشمن ہو چکا تھا۔ آئرلینڈ عداوت میں اسکاٹ لینڈ سے بھی بڑھ چکا تھا۔ انگلستان میں ہر طرف بدنظمی پھیلی ہوئی تھی جس سے آئرلینڈ کے کیتھولکوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور انہوں نے پروٹسٹنٹ فوج کے خلاف بغاوت کر دی۔ پھر انہیں کرامویل سے جنگ پیش آ گئی۔ 1654ء تک کرامویل تمام دشمنوں پر قابو پانے میں مصروف رہا۔ وہ خود آئرلینڈ گیا اور اس نے یہ بغاوت ایسی خونریزی سے فرو کی جو اب تک فراموش نہیں ہوئی۔ اس طرح آئرلینڈ خاموش تو ہو گیا مگر وہاں امن قائم نہ ہو سکا۔ مقتول چارلس اول کا بیٹا چارلس دوم انگلستان پر حملہ آور ہوا مگر کامیاب نہ ہو سکا اور وقتی طور پر اسٹوارٹ خاندان کی امیدوں کے چراغ گل ہو گئے۔ چارلس دوم نے براعظم میں پناہ لی۔ ولندیزیوں سے بھی جنگ ہوئی جس میں انگریزوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ کرامویل نے ہسپانیہ کے خلاف بھی جنگ لڑی اور ان سے جزیرہ جمیکا چھین لیا۔

مگر کرام ویل رمپ پارلیمنٹ کو قابو میں نہ لا سکا۔ اس نے جتنی تجویزیں پیش کیں، مثلاً ممبروں کی تعداد بڑھا دی جائے، کام کے طریقوں میں اصلاح کی جائے، یہ سب تجویزیں پارلیمنٹ نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں۔ اپریل 1653ء میں وہ خود اپنے سپاہیوں کے ساتھ پارلیمنٹ میں پہنچا اور اسے توڑ دیا۔ 1653ء میں وہ دولت مشترکہ کا لارڈ پروٹیکٹر بنا تھا مگر پھر بھی پارلیمنٹ مشکلات پیدا کرتی رہی۔ 1656ء میں اس نے دباؤ کے تحت اپنی

آمریت میں بعض ترامیم منظور کیں۔ 1658ء میں وہ فوت ہوگیا اور اس کے بیٹے رچرڈ نے اس کا عہدہ سنبھالا مگر وہ اس عہدے سے عہدہ برا نہ ہوسکا۔ جلد ہی فوج نے تمام اختیارات پر قبضہ کرلیا۔ اب فوج کے راہنماؤں کو نظر آ گیا کہ اسٹوارٹ بادشاہی بحال کردینے کے سوا سیاسی بدامنی کا کوئی اور حل نہیں۔ اور یوں انگلستان میں بادشاہت کی بحالی کا سامان ہوگیا۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول از مولانا غلام رسول مہر۔
Great Kings & Rulers

Scanned with CamScanner

1656ء۔ محمد کواپریلی سلطنت عثمانیہ کا صدر اعظم مقرر ہوا

کواپریلی یا کواپریلو سلاطین آل عثمان ترکیہ کے وزراء کا ایک خاندان تھا۔ اس خاندان میں جو البانیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے انحطاط کے ابتدائی دور میں، انتہائی قابل اور ممتاز سیاست دان پیدا ہوئے۔ انہیں ممتاز سیاست دانوں میں سے ایک محمد کواپریلی تھا۔ یہ ایشیا کوچک کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوپری کا باشندہ تھا جو معمولی تعلیم بھی حاصل نہ کر سکا۔ ابتدا میں وہ شاہی مطبخ میں ایک معمولی برتن دھونے والا ملازم تھا پھر وہ شاہی مطبخ کے طباخین خاصہ کے زمرے میں داخل ہوا۔ خسرو پاشا صدر اعظم یا ناظم سلطنت کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد وہ اس کا خزینہ بردار یا کیسہ بردار مقرر ہوا پھر ترقی کرتے ہوئے مصطفیٰ پاشا مرزیفونی کی ملازمت کے دوران اسے پر آخور کا عہدہ ملا۔ اس کے بعد اس پر پیہم ترقیوں کے زینے کھل گئے اور وہ اعلیٰ سے اعلیٰ تر سرکاری عہدوں پر فائز ہوتا ہوا دو طوغ والے پاشا کی حیثیت سے شام، القدس اور طرابلسن کا والی مقرر ہوا اور 1651ء/ 1061ھ میں وہ مرتبہ وزارت پاکر قبہ نشین ہوا تاہم اس کے بعد اسے ایک معمولی عہدے پر فائز کیا گیا جس کی وجہ سے وہ برہم ہوکر اپنے گاؤں کوپری میں گوشہ نشین ہوگیا الغرض اس عزلت نشینی کے بعد 3 ذوالحجہ 1066ھ/ 22 ستمبر 1656ء کو اسے صدر اعظم مقرر کیا گیا۔ صدر اعظم کا منصب سنبھالنے سے پہلے اس نے سلطانہ والدہ (شہزادہ محمد رابع کی نوعمری کی وجہ سے باگ دوڑ سلطنت اس کی ماں کے ہاتھ تھی) سے بعض ایسی شرائط منظور کرائیں جن کی رو سے وہ لامحدود اختیارات کا مالک بن گیا۔ ان اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے منتشر سلطنت کی تنظیم و اصلاح کی اور بے شمار باغیوں کو فنا کے گھاٹ اتار چھوڑا اس نے ایک کامیاب جاسوسی نظام تشکیل دیا۔ اس کے ایجنٹ سلطنت کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے نہایت مستعدی سے کام کرتے تھے جس کی وجہ سے حکومت کے بڑے بڑے عہدہ دار اس کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہدہ صدارت میں 36000 سے زائد افراد کو سزائے موت دی گئی۔ اور یوں اس نے عوامی زندگی کو آلائشوں سے پاک کردیا۔ حکومت کے بگڑے ہوئے امور مالیہ کی اصلاح کے سلسلے میں بھی وہ بڑا ایماندار ثابت ہوا۔ اس کی سخت گیری سے جہاں اس کے کئی دشمن پیدا ہوگئے وہیں سلطنت کو استحکام ملا۔ اس نے ملت عثمانی جو بے جان ہوچکی تھی کہ مردہ تن میں ہمت و قوت کی جان ڈال دی۔ اہل وینس کے خلاف بھی وہ لڑا۔ اگلے سال

Scanned with CamScanner

1657ء میں اس نے ٹرانسلونیا بھی فتح کرلیا۔ اس کے بعد وہ ایران کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے شہر ینووا yanuwa پر قبضہ کرلیا۔ مصر شام میں بغاوت کے خطرہ کو کچل کر اس نے درہ دانیال میں حفاظتی قلعے تعمیر کروائے محمد کواپریلی نے 31 اکتوبر 1661ء کو وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا احمد کواپریلی صدر اعظم بنا۔

Scanned with CamScanner

1656ء۔1716ء بندہ بیراگی کی سرگذشت

آج کے بھارت میں سترھویں صدی عیسوی کی دو ہندو شخصیات کو قومی ہیرو کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک شیواجی مرہٹہ سردار اور دوسرا بندہ بیراگی بندہ بیراگی ریاست پونچھ کے ایک راجپوت رام دیو کا بیٹا تھا۔ والدین نے اس کا نام لچھمن داس رکھا تھا۔ وہ جانکی پرشاد نام کے ایک سادھو کا چیلا بن گیا جس نے اس کا نام مادھو داس رکھا۔ 1707ء میں آخری سکھ گرو گوبند سنگھ دکن پہنچے تو یہ مادھو داس ان سے وابستہ ہوگیا۔ گرو صاحب نے اس کا نام بندہ سنگھ یا گوربخش سنگھ رکھ دیا۔ گرو گوبند سنگھ نے مرتے وقت اگرچہ بندہ سنگھ کو اپنا جانشین تو نہ بنایا تھا مگر وہ بندہ بیراگی کے نام سے مشہور ہوا، وصیت کی کہ وہ ایک جنگجو کی حیثیت سے رہے اور گوبند سنگھ کے والد سرہند کو مغلیہ گورنر نے قتل کردیا تھا۔ گرو صاحب نے اپنے ترکش سے پانچ تیر نکال کر فتح کے نشان کے طور پر بندہ بیراگی کے حوالے کیئے اور اسے کہا کہ وہ موت سے خوف نہ کھائے۔ گرو نے اسے مزید وصیت کی کہ وہ اگر اس کا سچا چیلا ہے تو کبھی عورت کے نزدیک نہ جائے اور انتقام کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔

اس کے بعد بندہ بیراگی نے سرہند اور جنوبی و مشرقی پنجاب میں جو خوفناک مظالم مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں تک پر روا رکھے، وہ تاریخ کا نہایت الم ناک باب ہیں۔ سکھ جو اورنگ زیب کے خوف سے چھپے ہوئے تھے بندے کی دعوت پر اورنگ زیب کی وفات کے بعد اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور بندہ بیراگی کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے۔ اور شمال مغرب میں نمودار ہوکر دیہاتوں کو لوٹتے اور شہروں کو غارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ سرہند کے مغلیہ گورنر وزیر خان کو اس قتل و غارتگری کی اطلاع ملی تو اس نے ایک فوجی دستہ بندہ بیراگی کے مقابلے پر روانہ کیا مگر اسے شکست ہوئی۔ اب وزیر خاں خود ایک بڑی فوج لے کر بندہ بیراگی کے مقابلے پر نکلا مگر سینے میں تیر کھا کر ہلاک ہوگیا۔ اور اس فوج کو بھی شکست ہوگئی۔ بندہ اب سرہند میں داخل ہوا۔ یہی شہر تھا جہاں گرو گوبند سنگھ کے بیٹے قتل ہوئے تھے۔ بندہ بیراگی نے اس شہر کو انتہائی بربریت اور کینہ پروری کے انداز میں سزا دی۔ اس کے حکم پر پورے شہر کو نذر آتش کردیا گیا۔ اور تمام باشندوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا۔ گرو گوبند سنگھ کے متعصب چیلوں نے شہریوں کی عمر اور جنس کا لحاظ کیئے بغیر قتل کیا۔ انہوں نے بے شمار مسلمانوں کو اس مقام پر ذبح کیا، ٹکڑے ٹکڑے کیا اور زندہ جلایا جب زندہ لوگوں کو ہلاک

Scanned with CamScanner

کرنے سے ان کے انتقام کی آگ نہ بجھی تو انہوں نے مردوں کو بھی اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ وزیر خاں کی لاش کو قبر سے نکال کر ایک درخت سے لٹکا دیا۔ قبرستانوں کے تقدس کو پامال کر دیا گیا اور مسلمانوں کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر جنگلی جانوروں کی خوراک بنا دیا گیا۔

سرہند میں کامیابی کے بعد بندہ بیراگی نے دریائے ستلج کو عبور کیا پنجاب بھر میں غارتگری شروع کر دی۔ لاہور کو اگرچہ اس کی فصیل کی وجہ سے نقصان نہ پہنچا مگر لاہور کے نواح میں شالامار باغ تک کے علاقوں کو تہہ و بالا کر دیا گیا۔ گورنر لاہور و ملتان نواب عبدالصمد خاں نے بڑی بہادری سے گورداس پور کے قلعے میں بندہ بیراگی کو گرفتار کیا اور دہلی بھیج دیا جہاں اسے شدید اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا۔ مورخین کے مطابق جب بندہ بیراگی سے پوچھا گیا کہ تو نے یہ ظلم کیوں روا رکھے تو اس نے جواب دیا کہ جب کوئی قوم غفلت کی نیند سو جاتی ہے تو خدا مجھ جیسے لوگوں کو تازیانہ بنا کر بھیجتا ہے تاکہ اس قوم کو بیدار کیا جائے۔ سکھوں کے نزدیک بندہ دہلی کے قلعے سے بچ نکلا تھا۔

Scanned with CamScanner

1658ء۔ شاہ جہاں کے ایام اسیری

جب اورنگ زیب کو ساموگڑھ کی لڑائی کے بعد شاہ جہاں کے دارا شکوہ کے حق میں ہونے کا پتہ چلا تو اس نے اپنے والد گرامی کو ایک عریضہ لکھا جس میں لکھا کہ آپ کو قید کرنے کی بے ادبی مجھ سے اس لیے سرزد ہوئی کہ حضور ظاہراً میری نسبت اظہار الفت فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم دارا شکوہ کے طور وطریق سے سخت ناراض ہیں مگر مجھے پختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ہاتھی اس کے پاس بھیجوائے ہیں۔ جن سے وہ نئی فوج تیار کرے گا اور اس خونریزی کو طوالت دے گا۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہ حرکتیں جو فرزندوں کے معمولی طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتیں ہیں مجھ سے ان کے سرزد ہوجانے کا باعث کیا دارا شکوہ کی خودسری اور عناد نہیں ہے؟ بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرف قدم بوسی سے محرومی بھی۔۔۔اورنگ زیب۔

اگرچہ اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط سے قید کیا ہوا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کی جاتی تھی جس سے اس کے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو لیکن اور سب طرح اس کے ساتھ ادب اور ملائمت سے سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کا قیام بھی انہیں شاہی محلات میں تھا جہاں وہ قبل از گرفتار رہتا تھا۔ اس کی بیٹی جہاں آرا کو اس سے ملنے کی اجازت تھی۔ محل کی تمام متعلقہ خواتین بھی مثلاً عملہ باورچی خانہ اور ناچنے گانے والی کنیزیں سب حاضر رہتیں تھیں۔ غرض کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب واحترام سے خالی نہ تھا۔ اور حتی الامکان وہ اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا تھا اور نہایت کثرت سے تحائف بھیجواتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے اور مشورے کو مثل پیرو مرشد کے طلب کرتا تھا۔ اس طرح شاہ جہاں کا غصہ آخر کار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ وہ معاملات سلطنت میں بیٹے کے ساتھ لکھنے پڑھنے لگ گیا۔ اورنگ زیب نے دارا شکوہ کی بیٹی کو بھی اس کے پاس بھیج دیا۔ ادھر شاہ جہاں نے بھی وہ بیش بہا جواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کردیا تھا اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چورا کردوں گا اب از خود بیٹے کو بھیج دیئے بلکہ اس نے اپنے اس باغی فرزند کی سب حرکتیں معاف کر کے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کردی حالانکہ اورنگ زیب کئی بار لجاجت سے معافی مانگ چکا تھا۔ مگر شاہ جہاں اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر شاہ جہاں کی ہر بات بھی بلا عذر تسلیم نہیں کی جاتی

Scanned with CamScanner

تھی۔ جب کبھی بوڑھا بادشاہ تحکم کے طور پر کچھ لکھتا تھا تو اورنگ زیب جرات کے ساتھ اس کے جواب میں اپنے موقف پر قائم رہتا تھا۔ شاہ جہاں نے ایام اسیری ہی میں (1078ھ) وفات پائی۔ وہ تقریباً آٹھ برس نظر بند رہا۔

ماٰخذ:

منتخب اللباب حصہ سوم۔ از خافی خان۔ برنیئر کا سفر نامہ ہند۔ ترجمہ خلیفہ محمد حسن۔

Scanned with CamScanner

1658ء۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر تخت ہندوستان پر

شاہجہان کی علالت کے باعث اس کے چاروں بیٹوں میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے کشمکش شروع ہوگئی۔ داراشکوہ وحدت الوجود کا قائل اور لاہور کے حضرت میاں میرؒ اور صوفی سرمد کا معتقد ہونے کے علاوہ جوگی لال داس کا ارادت مند بھی تھا۔ قران مجید اور بھگوت گیتا کو ہم پلہ سمجھتا تھا (نااعوذ باللہ)۔ اکبر ثانی بننے کا آرزومند تھا۔ ہندو اور آزاد خیال طبقے کے لوگ اس کے حامی تھے۔ شاہجہان کی جانشینی کی جنگ دراصل داراشکوہ اور اورنگ زیب ہی کے درمیان لڑی جانی تھی۔ داراشکوہ کے مقابلے میں اورنگ زیب راسخ العقیدہ مسلمانوں کا قائد تھا۔ اس طرح جنگ تخت نشینی محض دو افراد کی جنگ نہیں تھی۔ بلکہ دو نظریات کی جنگ تھی۔ باقی دو شہزادوں مراد بخش اور شجاع کا کوئی واضح نصب العین نہیں تھا بلکہ وہ محض اقتدار کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔

1658ء میں شاہجہان کی بیماری کی وجہ سے افواہ پھیلی کہ شاہجہان کا انتقال ہوگیا اس پر شہزادہ شجاع نے بنگال میں اپنی بادشاہت ک اعلان کردیا۔ اور لڑنے کے لیے آگرہ روانہ ہوا۔ 16 فروری کو بہادر پور کے قریب شاہی افواج سے شکست کھائی۔ مراد بخش نے بھی احمد باد گجرات میں اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا (25 دسمبر 1657ء)۔

اس ہنگامی صورتحال سے نپٹنے کے لیے اورنگ زیب کئی ہفتے متذبذب رہا۔ اسے شاہجہان کے فوت ہونے کا یقین نہیں تھا۔ اگرچہ وہ باپ کے خلاف نہیں تھا مگر چاہتا تھا کہ وہ داراشکوہ کی زیادتیوں کا سدباب کرے لیکن اورنگ زیب کی توقع پوری نہ ہوسکی۔ شاہی فوجیں مالوہ کی طرف بڑھیں تاکہ شجاع کے بعد مراد کا فیصلہ چکائیں پھر اورنگ زیب کی خبر لیں۔ آخر کار اس نے شہزادہ مراد کے ساتھ معاہدہ کرلیا کہ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو کابل کشمیر اور شمالی پنجاب کے صوبے اسے دے دیئے جائیں گے۔

آخر کار 25 جنوری 1657ء کو اورنگ زیب نے اپنی فوج کو شمال کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ گویا داراشکوہ کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ اس نے 3 اپریل کو دریائے نربدا کو عبور کیا۔ اجین کے مقام پر مراد بخش بھی اپنی فوج سمیت اس سے آملا۔ شاہی افواج پہلے ہی سے اجین میں مقیم تھیں۔ اورنگ زیب نے شاہی لشکر کو پیغام دیا کہ ان کا مقصد شاہی افواج سے لڑنا نہیں۔ ہمارا راستہ چھوڑ دو۔ ہمیں صرف بادشاہ تک آگرے جانے دو۔ شاہی افواج

Scanned with CamScanner

کے سالار نہ مانے اور انہوں نے آگرہ جانے والے راستوں پر پہرہ بٹھادیا۔ اورنگ زیب نے کئی میل کا چکر کاٹ کر بندھیلہ سرداروں کی مدد سے سپری ندی کو پار کیا اور دھرمٹ کے مقام پر شاہی فوجوں سے شدید جنگ ہوئی جس میں اورنگ زیب کا پلہ بھاری رہا اور شاہی لشکر کو شکست ہوئی (15 اپریل 1658ء)۔ شاہجہان تبدیلی آب و ہوا کے لیے دہلی جانا چاہتا تھا مگر بیٹوں میں مصالحت کی خاطر رکا۔ اورنگ زیب نے بادشاہ کو صاف صاف بتادیا کہ جب تک آپ داراشکوہ کے اثر سے مکمل طور پر آزاد نہ ہوں وہ شاہی احکام کی تعمیل نہیں کرے گا۔ شاہجہان مجبور تھا اس لیے دارا کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرسکا۔ دارا اب اورنگ زیب اور مراد سے ایک بڑی جنگ لڑنا چاہتا تھا۔ دارا کو اپنے جنگی وسائل پر بھروسہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ پہلے ہی حملے میں دشمن کو کچل دے گا۔ آخر آگرے سے دومنزل دور ساموگڈھ کے قریب 29 مئی 1658ء کو دونوں فوجوں میں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں غیر متوقع طور پر داراشکوہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اورنگ زیب کی فتح دراصل ذہانت مستعدی، تنظیم اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کی ان لوگوں پر فتح تھی جو ہندومت اور اسلام کی وحدت کے قائل تھے۔ شاہجہان کے وزیر اعظم سعد خان نے اپریل 1656ء میں اورنگ زیب کی حمائت کی تھی۔ اسی طرح دیگر اہم شخصیات کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم نے روضہ رسولؐ پر جاکر اورنگ زیب کی کامیابی کی دعا کی تھی۔ دارا ساموگڈھ سے بھاگ کر آگرہ آیا مگر ٹھہرا نہیں اور شرم کے مارے باپ کے سامنے تک نہ گیا۔ راتوں رات قیمتی جواہرات اور اپنے بیوی، بچے لے کر دہلی ہوتا ہوا پنجاب کی طرف روانہ ہوگیا۔

ادھر عمائدین سلطنت نے اورنگ زیب کو مبارک باد اور نذریں پیش کیں خود شاہجہان نے تبریک اور تحسین کے پیام کے ساتھ ایک مرصع تلوار ارسال فرمائی جس پر خطاب "عالمگیر" کندہ تھا۔ اور ملنے کے لیے مشتاقانہ طلب فرمایا۔ اورنگ زیب والد سے ملنے کے لیے تیار تھا لیکن شائستہ خان نے روکا اور اورنگ زیب نے ملنے سے انکار کردیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ دراصل اورنگ زیب کے خلاف یہ سازش تیار کی گئی تھی کہ جونہی آگرہ کی قلعہ میں آئے اسے گرفتار کرکے داراشکوہ کے حوالے کردیا جائے۔ اس خطرناک سازش کے جواب میں اس نے قلعہ پر پہرہ بٹھادیا جو شاہجہان کی معزولی اور نظر بندی کا اعلان تھا۔ بہن جہاں آرا کی کوشش سے اورنگ مصالحت کے لیے تیار تھا کہ بادشاہ کا خط پکڑا گیا جو داراشکوہ کے نام تھا اور جس میں پھر سازش کا اشارہ موجود تھا۔ ان کامیابیوں کے بعد اورنگ زیب کی تخت نشینی کی پہلی رسم دہلی کے قریب اغرآباد میں سادگی سے ادا کی گئی اور بادشاہ نے ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا لقب اختیار کیا اور 21 جولائی 1658ء بمطابق یکم ذی قعد 1068ھ بروز

Scanned with CamScanner

جمعہ اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ دوسری رسم تخت نشینی دارا کی گرفتاری کے بعد انتہائی شان و شوکت کے ساتھ 5 جون 1659ء کو دہلی میں ادا کی گئی۔

ماخذ: منتخب اللباب جلد سوم۔ دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 20 صفحہ 12۔

Scanned with CamScanner

1660ء۔ انگلستانی بادشاہت کی بحالی

لندن میں 15 مارچ 1660ء کو ایک شخص روغن کا ڈبہ لیے رائل ایکسچینج کے پاس نصب شاہ چارلس اول کے مجسمے کے پاس پہنچا۔ چارلس اول کی گردن زنی کے بعد اس کے مجسمے کی پشت پر تحریر کر دیا گیا تھا "آمر چلا گیا ہے جو باشاہوں کی آخری نشانی تھا" اس شخص نے وہ تحریر مٹادی اور اپنی ٹوپی ہوا میں اچھالتے ہوئے نعرہ لگایا۔ "خدا بادشاہ چارلس دوئم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔" اگلے دن پارلیمنٹ نے بادشاہ کے حق میں ووٹ دے دیئے۔ جنرل مونک نے بادشاہ کو واپس بلانے کے لیے یہ اپنا قاصد بروسلز روانہ کر دیا۔ یہ پیغام ملتے ہی بادشاہ نے اعلان کیا کہ انقلاب میں کس کا خون نہیں بہایا جائے گا۔ اور بادشاہ خود آزاد پارلیمنٹ کا مطیع ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ لندن واپس روانہ ہوگیا۔ اور انگلستانی بادشاہت بحال ہوگئی۔ اس رات لندن کی گلیوں میں مشعلیں روشن کی گئیں اور لوگوں نے بادشاہ کا جام صحت پیا۔ بندرگاہ پر جھنڈے لہرائے گئے اور توپیں داغی گئی۔

29 مئی کو چارلس دوم کی تیسویں سالگرہ تھی۔ یہ اس کی زندگی کا ایک ناقابل فراموش دن تھا۔ آج لندن کے باہر بلیک ہیتھ کے مقام پر ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں نے اس کا بحیثیت بادشاہ استقبال کیا۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

چارلس دوئم انگلستان کا خوش نصیب ترین اور بدنصیب ترین بادشاہ تھا۔ اس کے باپ چارلس اول کے دور میں وہ ہمپٹن کورٹ، ونڈسر اور گرین وچ جیسے خوبصورت مقامات پر اپنے بچپن کے دن بڑے اطمینان سے گزار رہا تھا کہ اسے مشکلات اور تکالیف نے آگھیرا۔ اس کے باپ کی بدنصیبی کا سایہ اس پر پڑنے لگا۔ اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی جب خانہ جنگی شروع ہوئی۔ ویسٹ کنٹری کی شکست اور خونریزی کے مناظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ بادشاہ بن گیا۔ لیکن بادشاہت کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی جگہ نہ تھی۔ فرانس اور جرمنی میں جلاوطنی اور غریبی کے دن گزارتے ہوئے اس پر ایک ایسا بھی وقت آیا جب ایک سال تک اسے ایک سرائے میں کھانا کھانا پڑا کیونکہ وہ اپنے ذاتی باورچی خانہ کے اخراجات اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔

بادشاہت بحال ہوئی تو پارلیمنٹ کی برتری مسلم تھی مگر اس نے انقلاب کے کام کا کچھ حصہ خود ہی برباد کرنے کی کوشش کی۔ اسقفی نظام انگلستان اور آئرلینڈ میں بحال کر دیا گیا۔

Scanned with CamScanner

البتہ اسکاٹ لینڈ میں اسے سرکاری کلیسائی نظام نہ بنایا گیا۔ ادھر پروٹسٹنٹ کلیسائے انگلستان کی بالادستی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، ان کے لیے وہ ضابطہ تجویز ہوا جسے ضابطہ کلارینڈن کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کے شہری واجبات اور امتناعات واضح کردیئے گئے۔ مثلاً پانچ میل والا قانون یعنی جن پروٹسٹنٹ پادریوں نے کلیسائے انگلستان کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ انہیں حکم دے دیا گیا کہ کسی قصبے سے پانچ میل کے اندر اندر کوئی وعظ نہ کہیں مگر اختلاف رکھنے والے اپنے اختلاف پر قائم رہے۔ پھر 1672ء میں قانون حلف منظور ہوا۔ جس کا مفاد یہ تھا کہ عام عہدہ داران خواہ ان کا تعلق مقامی اداروں سے ہو یا قومی اداروں سے ،کلیسائے انگلستان سے ہمنوائی کا حلف اٹھانا لازم قرار دیا گیا۔ اس حلف سے الگ رہنے کی کئی صورتیں نکال لی گئیں۔ یہ کہیں جا کر 1828ء میں منسوخ ہوا۔

بادشاہت کی بحالی سے پیورٹینوں کی مخالفت شروع ہوگئی ، چارلس دوم (1660ء۔ 1685ء) کے عہد حکومت میں انگریز معاشرے میں اخلاق سے بے اعتنائی شروع ہوگئی۔ درباری زندگی میں بانکپن آ گیا۔ اس دور میں جو ڈرامے لکھے گئے ان میں فحش مذاق ہوتے تھے (جبکہ پیورٹینوں کے عہد میں تھیٹر بالکل بند کردیئے گئے تھے) کم از کم بالائی طبقے میں کسی کو باک نہ تھا، لیکن نئے سٹوارٹ بادشاہ نے بھی سیاسی شعور بالکل حاصل نہ کیا۔ چارلس جب پہلے پہل آیا تھا تو اس کے متعلق خاصا حسن ظن تھا، یہ حسن ظن اس نے جلد کھودیا، کیونکہ اس کی خارجہ پالیسی ایسی رہی، جو ایک محب وطن انگریز کو فرانس کے بادشاہ لوئی چہار دہم کی پالیسی کے تابع نظر آتی تھی۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر 1670ء میں لوئی چارلس کا اتحاد انگریزی مصالحت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا مگر اس اتحاد سے انگریزوں کو ولندیزوں کی طرف سے خطرہ ٹل گیا اور اسی اتحاد کی بدولت انگریزوں کو نئی دنیا میں ایک اہم مقام نیو ایمسٹرڈیم یا نیویارک مل گیا۔ یہ مقام انگریزوں نے ولندیزیوں سے 1664ء۔ 1667ء کی بحری جنگ میں چھینا تھا۔

جس چیز نے اسٹوارٹ بادشاہوں کو بعد میں برباد کیا۔ اور ان کی سیاسی نااہلی سب پر آشکار ہوگئی ، وہ کیتھولکوں کا مسئلہ ھا۔ چارلس دوم پر کیتھولک اثر نمایاں تھا کہ اس کی ماں فرانسیسی تھی۔ چونکہ اس کی کوئی جائز اولاد نہ تھی۔ اس لیے اس کی وفات 1685ء کے بعد تاج اس کے بھائی جیمز دوم کی طرف منتقل ہوگیا۔

مآخذ:

تاریخ تہذیب جلد اول، از مولانا غلام رسول مہر۔

100 Great kings and Rulers Of The World.

Scanned with CamScanner

1661ء۔ صوفی سرمد تختہ دار پر۔۔۔۔

شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کا دربار لال قلعہ دہلی کے دیوان عام میں لگا ہوا تھا۔ آج ایک پراسرار شخصیت کے معاملات پر غور کرنے کے لیے شاہی دربار میں علما کرام کی ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں مجذوب محمد سعید سرمد کی تحقیق احوال کے لیے مباحثہ ہوا۔ علما نے مجذوب سرمد سے سوال کیا کہ تم کلمہ طیبہ کا صرف پہلا جز یعنی ''لاالٰہ'' کیوں پڑھتے ہو؟ دوسرا جز ''الااللہ'' کیوں نہیں پڑھتے؟ سرمد نے بغیر کسی گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں اور مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا اس لیے میں یہ جز زبان پر نہیں لاسکتا۔ پھر سوال کیا گیا کہ تم برہنہ کیوں پھرتے ہو اور شرمگاہ کو چھپاتے کیوں نہیں؟ سرمد نے جواب دیا کہ حضرت اشعیا پیغمبرؑ بھی اپنی عمر کے آخری حصے میں برہنہ رہتے تھے اس اعتبار سے برہنہ رہنا بھی پیغمبران خدا کی سنت ہے۔ مگر علماء وقت نے اس کی اس تاویل کو قبول نہ کیا اور اسے اس کے عقائد سے توبہ کرے اور لباس پہننے کی نصیحت کی جو سرمد نے قبول نہ کی اور اپنے عقیدے پر آخری دم تک بضد رہا۔ بالآخر ان عقائد کی پاداش میں اور بعض دوسرے ملحدانہ خیالات کی بنا پر حجت شرعی قائم کرکے اس کے قتل کا حکم دے دیا گیا۔ ''مرآۃ الخیال'' کے مصنف شیر خاں لودھی کا خیال ہے کہ سرمد کے قتل کا سبب اس کی وہ رباعی تھی جس سے معراج نبویؐ سے انکار ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل اس کے خلاف برہمی کے اسباب میں برہنگی کے علاوہ وہ شطحیات بھی تھیں جن سے استخفاف دین کا پہلو بھی نکلتا تھا۔

پھر 1661ء/1070ء میں علما کے فتوے پر سرمد کو جامع مسجد دہلی کے دروازے کے سامنے قتل کردیا گیا۔ لیکن بعد میں کسی وقت اس کے مقتل پر کسی نے قبر بنادی جو آج بطور یادگار دیکھی جاسکتی ہے۔

سرمد کی شخصیت بھی منصور الحلاج کی شخصیت کی طرح متنازعہ ہے اسی وجہ سے اس کے بارے میں دونوں طرف سے انتہا پسندانہ خیالات ملتے ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ مرتد اور ملحد تھا اور بعض کے نزدیک شہید عشق۔ اس کی محویت واستغراق کا یہ عالم تھا کہ اس نے تمام نقلی اور عقلی علوم کو فراموش کردیا تھا۔ اور دنیوی بحث کی دلیلوں سے بھی کنارہ کش ہوگیا تھا۔ رموز کائنات کے ادراک کی بھی اس نے عام فلسفیوں کی طرح کوشش نہ کی۔ لیکن اس بے تعلقی اور تجرید کے باوجود اس کے بعض خیالات چونکا دینے والے تھے اور انہیں قابل اعتراض بھی کہا

Scanned with CamScanner

گیا جن میں سے بعض نغمہ سرمد میں نقل کیئے گئے ہیں۔ انہیں خیالات میں سے ایک شہادت امام حسینؓ کے بارے میں ہے، جو واقعی کھٹکتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا میں عشق خدا ہی ایک سچا جذبہ ہے، جس میں جان فدا کر دینا ایک عظیم شرف اور اعزاز ہے جو بالآخر اس نے حاصل کیا۔

اس مجذوب کا نام محمد سعید اور تخلص سرمد تھا۔ اصل وطن کاشان، وسطی ایشیا۔ اس کا تعلق علمائے یہود کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ ایک روائت کے مطابق وہ ارمن تھا، جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور ملا صدرا اور میرزا ابوالقاسم فندرسکی سے فلسفہ و حکمت کی تعلیم حاصل کی، پھر بحری راستے سے بغرض تجارت سندھ آیا۔ یہاں ٹھٹھہ میں اسے ایک ہندو لڑکے، ابھی چند سے عشق ہو گیا۔ سرمد اس کی محبت میں اس قدر سرگشتہ و وارفتہ ہوا کہ تمام معاشی و معاشرتی علائق و تعلقات سے منقطع ہو کر برہنہ رہنے لگا۔ بقول علی قلی والہ داغستانی، بندرگاہ سورت میں اس پر جذب و مستی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ایک مدت تک وہ جنگلوں اور بیابانوں میں گھومتا رہا۔ سال 1647ء/1057ھ میں وہ حیدرآباد میں تھا، چنانچہ اسی سال ''دبستان مذاہب'' کے مصنف نے اس سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اس مصنف نے تورات کے ایک حصے کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور سرمد سے اس کی تصحیح کرا کے اسے اپنی کتاب میں شامل کیا۔ آخر سرمد دشت نوردی کرتا ابھی چند کے ساتھ دہلی پہنچا۔ جہاں اس کے تعلقات داراشکوہ سے استوار ہوئے۔ جب داراشکوہ کے قتل کے بعد اس کے ہم کیش و ہم مشرب سرمد کا ذکر اورنگ زیب کے سامنے کیا گیا تو شہنشاہ نے اس کے عقائد کی تحقیق کے لیے قاضی القضاۃ ملا عبدالقوی کو مقرر کیا۔ ملا عبدالقوی نے سرمد سے سوال کیا کہ تم اپنے کمال علم و فضل کے باوجود برہنہ تن کیوں رہتے ہو؟ سرمد نے جواباً کہا۔ ''شیطان قوی ہے۔'' اور فی البدیہہ ایک رباعی پڑھی۔ ملا عبدالقوی سرمد کے اس جواب سے آزردہ ہو کر واپس آ گیا اور پھر بادشاہ نے سرمد کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اس کے احوال کی تحقیق علما کرام سے کرائی جس کے نتیجے میں اسے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

مآخذ:

مآثر الامرا، فرحت الناظرین، ریاحق الشعراء، جلد 10 دائرہ المعارف اسلامیہ مراۃ الخیال، دبستان مذاہب۔

Scanned with CamScanner

1663ء۔ جان ملٹن کی ''جنت گم گشتہ''

اگر تاریخ ادب عالم کے ادوار Ages کو عظیم شخصیات کے حوالے سے دیکھا جائے تو انگریزی نشاط ثانیہ ایڈمنڈ سپنسر سے شروع ہوتی ہے اور جان ملٹن پر ختم ہوتی ہے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ شیکسپیئر کے بعد جان ملٹن ہی انگریزی زبان کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کی سب سے مشہور نظم ''جنت گم گشتہ Paradise Lost'' ہے۔

جان ملٹن John Milton 9 دسمبر 1608ء کو لندن میں پیدا ہوا اور اس کا انتقال 8 نومبر 1676ء کو ونکھم شائر میں ہوا۔ انگریزی شعرا میں سے چند ہی اس کے مقابلے میں پیش کیئے جاسکتے ہیں۔ ملٹن جب کرائسٹ کالج کیمبرج یونیورسٹی (1632ء۔1625ء) میں تھا تو اس نے لاطینی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شاعری شروع کی تھی۔ پھر وہ نجی طور پر مطالعہ میں مصروف ہوا۔ اس نے مختلف جہات سے کلاسیکی شاعری کا مطالعہ کیا اور انگریزی زبان کے شعر و ادب کے ارتقائی سفر کو بھی ذہن میں رکھا ملٹن کی تخلیقات کو تین ادوار میں منقسم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور 1640ء تک کا ہے۔ اس عہد میں اس نے Ode On The Morning Of Christs Nativitv۔ لکھی جو انگریزی ادب کی خوبصورت ترین Ode ہے۔ اس نظم میں سپنسر کے اثرات نمایاں ہیں۔ 1632ء میں ملٹن نے L'Allegro اور Il Penseroso جیسی نظموں کا جوڑا لکھا اور دیہی (دہقانی) جذبات کی عکاسی کی اور اپنے عہد کے پیورٹین Puritan تصورات پیش کیئے۔ اسی دور میں ملٹن نے اپنی ایک اور مشہور نظم Lycidas بھی لکھی جو ایک مرثیہ ہے۔ اس میں یونانی المیوں کا تتبع کیا گیا ہے۔ اس نظم نے ایک چرواہا بن کر اپنے ایک دوست کا غم سنایا ہے۔

ملٹن کی شاعری کا دوسرا دور 1640ء سے 1660ء تک پر محیط ہے۔ اس عہد میں ملٹن نے نثری تخلیقات بھی پیش کیں ہیں۔ اس زمانے میں اس نے 18 سانیٹ انگریزی زبان میں اور دو اطالوی میں تحریر کیں۔ انہیں میں وہ سانیٹ بھی شامل ہے جو اس نے اپنی بصارت کھونے کے غم میں لکھی ہے۔

تیسرا عہد 1660ء سے 1674ء تک پر محیط ہے۔ اس عہد کی سب سے اہم تخلیق وہ رزمیہ ہے جس کے باعث ملٹن دنیائے ادب میں لاثانی ہو چکا ہے اور دنیا کے چند اہم رزمیہ نگاروں میں اس کا نام شامل ہو چکا ہے۔ یہ ہے جنت گم گشتہ Paradise Lost۔ بقول

Scanned with CamScanner

ناقدین یہ ملٹن کی تمام نظموں میں بہترین اور یورپ کا نشاط ثانیہ میں لکھا گیا ہے سب سے اچھا رزمیہ ہے۔ اس کا موضوع انجیل مقدس میں آیا ہوا آدم حوا اور شیطان کا قصہ ہے۔ ملٹن نے الہامی کتاب سے یہ قصہ لے کر اسے انسانوں کو خدا کا راستہ دکھانے اور فن شاعری میں یونانیوں کو مات دینے کے لیے شاعری میں ڈھالا۔ ناقدین کے مطابق اس رزمیہ کا موضوع دوسرے تمام رزمیہ شاعروں کے انتخاب کردہ موضوعات سے بہتر ہے کیوں یہ آفاقی ہے اور اس کا میدان کسی ملک کے بجائے پوری کائنات ہے۔

اس نظم کے آغاز میں دوزخ کا منظر سامنے آتا ہے۔ شیطان جو اس رزمیہ کا ایک اہم کردار ہے دوزخ میں بے ہوش پڑا ہے، پھر وہ جاگتا ہے اور اپنے ایک ساتھی سے مشورہ کرتا ہے اور پھر دوسرے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک محل تیار کرتا ہے۔ یہاں وہ تقریریں کر کے اور اپنا فن مقرری پیش کرتا ہے۔ شیطان کی پانچ تقریروں میں ملٹن کی شاعری عظیم ترین درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ محل میں مجلس شوریٰ بیٹھی ہے۔ یہاں بھی جو تقریریں ہے وہ ملٹن کی شاعری کا کمال ہیں۔ پھر یہ طے ہوتا ہے کہ شیطان اکیلا جا کر آدم اور حوا کو ورغلائے اور اس طرح خدا سے (نعوذ باللہ) جنگ کرے۔ شیطان اپنی زندگی کے اس اہم ترین مشن پر روانہ ہوتا ہے۔ دوزخ کے دہانے پر اسے گناہ اور موت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور آخر وہ خلا میں کود جاتا ہے۔ اس نظم میں دوزخ کی جو منظر نگاری کی گئی ہے وہ بہترین ہے اور دوزخ کا تصور اس سے بہتر ممکن نہیں۔ خلا میں شیطان کا سفر بھی ملٹن کی شاعری کا کمال ہے۔ شیطان جنت تک پہنچ جاتا ہے مگر وہاں جبرائیلؑ اور دوسرے فرشتے اسے نکال دیتے ہیں۔ پھر فردوس میں آدمؑ وحواؑ کی معلوم زندگی کے مناظر آتے ہیں۔ اسرافیلؑ ان کے پاس آ کر انہیں خدا اور شیطان کی مخاصمت کا حال سناتا ہے اور شیطان سے ہوشیار رہنے کا کہتا ہے۔ شیطان اب سانپ کے جسم میں آ کر حواؑ کو پھسلاتا ہے اور آدم بھی اس کی محبت میں ممنوعہ پھل کھالیتا ہے مگر تاسف میں پڑ جاتا ہے۔ پھر خدا کے حکم کے مطابق آدمؑ کو حوا کے ساتھ اپنی محنت سے روٹی کمانے کے لیے فردوس سے نکال دیا جاتا ہے۔ پھر اس قصے میں ازل سے ابد تک کی پوری انسانی تاریخ آ گئی ہے اور کائنات کے ہر حصہ کے تمام مناظر دکھائے گئے ہیں۔ تین سو برس سے یہ نظم عالموں میں بڑی مقبول چلی آ رہی ہے۔ سب سے اہم چیز اس نظم کا پرعظمت رنگ ہے۔ اس کا موضوع سے آہنگ کمال ہے۔ دوسری اہم بات ملٹن کا شاندار اسلوب ہے جو ہر دور میں ناقدوں کو متاثر کرتا آیا ہے۔

مآخذ: تاریخ ادب انگریزی مصنف ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، تاریخ ادبیات عالم جلد پنجم۔

Scanned with CamScanner

1665ء۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' ترتیب دی گئی

یوں تو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے قبل اسلامی دنیا میں فقہ کی کئی مستند کتابیں رائج تھیں لیکن خصوصاً فقہ حنفی پر کوئی ایسی کتاب پوری اسلامی دنیا میں موجود نہیں تھی جس سے عام مسلمان استفادہ کر سکے اور احکام شرعیہ سے واقفیت حاصل کر سکے۔ خود شہنشاہ چونکہ امور اسلامی پر توجہ رکھتا تھا اس لیے اسے اس امر کا خصوصی خیال تھا کہ تمام مسلمان ان دینی امور کا خیال رکھیں جنہیں حنفی مسلک کے عالموں نے واجب العمل قرار دیا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ علما وفقہا کے اختلاف رائے کی وجہ سے یہ مسائل فقہی کتابوں میں اور فتاویٰ کے مجموعوں میں مل جل گئے تھے اور بہت سی مبسوط کتابوں کے مطالعہ کے سوا حاصل نہیں ہو سکتے تھے جو ایک عام مسلمان کی رسائی سے باہر تھیں۔ اس خیال کے پیش نظر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے علمائے دہلی کے علاوہ سلطنت کے اطراف و اکناف سے ایسے علما جمع کیے جنہیں حنفی فقہ پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ انہیں حکم دیا کہ مختلف کتاب ہائے فقہ کی مدد سے ایک ایسی مستند اور جامع کتاب تیار کریں جس میں نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ یہ تمام مسائل جمع کیے جائیں تاکہ قاضی، مفتی نیز دیگر مسلمان علم فقہ کی بہت سی کتابیں جمع کرے اور ورق گردانی کی محنت سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس جمعیت علما نے کم و بیش آٹھ سال کی مدت میں حنفی فتاویٰ کی ایک ضخیم کتاب تیار کی جسے شہنشاہ کے نام پر ''فتاویٰ عالمگیری'' کہا گیا۔ اس کتاب کی تالیف پر دو لاکھ سکہ عالمگیری خرچ آئے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ تمام عالم اسلام میں یہ کتاب مقبول اور رائج ہے اور فقہ حنفی میں اس سے زیادہ مفصل واضح اور مبسوط کتاب کوئی دوسری موجود نہیں۔ صاحب مآثر عالمگیری کا یہ بیان مورخین نے بالکل صحیح قرار دیا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے بعد علما اور طلبا تمام دیگر کتب فتاویٰ سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف پورے احتیاط و انضباط کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ کام کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا، جن میں سے ہر حصہ ایک عالم کے سپرد کیا گیا تھا اور اس عالم کی اعانت اور مدد کے لیے دس اور علما مقرر کیے گئے تھے۔ صدارت کے فرائض شیخ نظام برہان پوری کے سپرد تھے۔

شہنشاہ عالمگیر خود بھی اس تالیف کے کام میں دلچسپی لیتے تھے اور زمانے میں تو شیخ نظام

Scanned with CamScanner

براہ راست دو چار صفحے مدون کر کے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ جو موقع بموقع تنقید کرتے۔ یہی نہیں شہنشاہ نے کتاب کی تکمیل کے بعد اس کے پورے مسودے پر نظر ثانی بھی کی تھی۔ انہیں احتیاطوں کا نتیجہ ہے کہ فتاوٰی عالمگیری ایسی ضخیم کتاب اغلاط و عیوب سے پاک ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے ایک ربع کا کام قاضی محمد حسین جونپوری کے سپرد ہوا تھا، ایک ربع محمد اکرام لاہوری کو تفویض کیا گیا تھا۔ ایک ربع سید جلال الدین محمد مچھلی شہری اور ایک ربع شیخ وجیہہ الدین گوپاموی کو دیا گیا تھا۔ مشہور مورخ خافی خان کے مطابق فتاوٰی عالمگیری کی تالیف کا کام 1075ھ/1665ء کے لگ بھگ شروع ہو کر 1082ھ/1673ء میں مکمل ہوا تھا۔

مرآۃ عالم کے مطابق فتاوٰی عالمگیری کا ترجمہ فارسی زبان میں بھی تیار کیا گیا تھا اور یہ کام چلپی عبداللہ رومی کے سپرد ہوا تھا۔ جو شاہ جہان کے عہد میں روم سے ہندوستان آئے تھے۔ بعض مورخین کے مطابق فارسی ترجمہ شہزادی زیب النسا کے حکم پر کیا گیا تھا۔

فتاوٰی عالمگیری کی تدوین بڑی دقت نظر اور تبحر علمی سے کی گئی تھی۔ جملہ مسائل ہدایہ کی طرز پر جمع کیئے گئے تھے اور ان پر بحث و تمحیص کمال احتیاط سے کی گئی تھی۔ مسائل کی تکرار اور زوائد سے ہر ممکن پرہیز کیا گیا تھا۔ یہی بات اسے دیگر کتب فتاوٰی سے ممیز کرتی ہے۔

فتاوٰی عالمگیری کئی بار شائع ہوئی مثلاً قاہرہ سے 1282ھ، کلکتہ سے 1243ء میں اس کتاب کا اردو ترجمہ جس کا نام ''فتاوٰی ہندیہ'' ہے سید امیر علی کے علم سے نولکشور پریس لکھنو سے دس جلدوں میں شائع ہوا تھا۔

Scanned with CamScanner

1666ء۔ اور لندن جلتا ہے۔۔۔۔

یکم ستمبر 1666ء کو بادشاہ چارلس دوم کا ایک نانبائی، تھامس فرائز دس بجے شب تک کھانا پکانے میں مصروف رہا۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ کام مکمل کر کے چولہہ بجھا کر سونے کے لیے اوپری منزل پر چلا گیا تھا۔ چند گھنٹے بعد وہ اس کا گھرانہ سیڑھیوں کے نیچے سے اٹھتے ہوئے دھویں اور شعلوں کی وجہ سے جاگ گیا۔ فرائز نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اب آگ پر قابو نہیں پایا جاسکتا اسے بجھانے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کی اور اپنے بیوی بچوں سمیت کھڑکیوں سے کود کر گھر سے بھاگ گیا اس کے نوکر بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ صرف ایک نوکرانی جو بلندی سے خوفزدہ تھی پیچھے رہ گئی اور آگ میں زندہ جل مری۔ اسے لندن میں لگنے والی آگ میں جل کر مرنے والوں میں پہلا فرد کہا جاتا ہے۔ آگ شاہی نانبائی کے مکان سے جب لندن کے گلی کوچوں تک پھیلی تو لندن کے لارڈ میئر کو بلایا گیا۔ وہ رات گئے جگائے جانے پر بہت برہم ہوا۔ آگ دیکھ کر اس نے غصے سے کہا ''اسے تو کوئی عورت بھی اپنے پیشاب سے بھی بجھا سکتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ واپس اپنے گھر جا کر سو گیا۔ ہوا نے آگ کو بہت جلد دوسری جگہوں تک پھیلا دیا۔ لندن کے گھروں میں ان دنوں چوبی فریم بہت مستعمل تھے۔ ان فریموں نے تیز ہوا کی وجہ سے آگ پکڑ لی اور آخر پورا شہر شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ شراب، تیل، رنگوں اور برانڈی کے بیرل پھٹنے کی وجہ سے آگ زیادہ تیز ہوگئی۔

لوگ دریائے ٹیمز کی طرف بھاگنے لگے جہاں کشتی میں بٹھا کر دریا عبور کرانے والوں نے لوگوں سے دریا پار کرانے کے ہوشربا کرائے وصول کیئے۔

اس ہولناک آگ نے انگلستان کے دارالحکومت کے 75 فی صد حصوں کو برباد کر دیا۔ آج جسے ہم لندن قدیم کہتے ہیں وہ اس آگ میں تباہ ہوگیا۔ لیکن ایک پہلو حیرت انگیز ہے کہ اس ہولناک آتشزدگی سے صرف آٹھ آدمی ہلاک ہوئے۔ اس تباہی کے بعد ہی وہ لندن تعمیر کیا گیا جسے آج ہم جانتے ہیں۔ اس آگ کے طول کھینچنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سترہویں صدی کے لندن میں آگ بجھانے کا خاطر خواہ انتظام نہیں تھا اسی وجہ سے یہ آگ پانچ دن تک بھڑکتی رہی۔ اور اس نے لندن میں حفاظتی اقدامات و انتظامات کی خامیوں کو عیاں کر دیا ایک چشم دید گواہ اور ڈائری نویس سیموئیل پیپس نے اس آگ کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

لیفٹیننٹ آف ٹاور نے مجھے بتایا کہ یہ آگ صبح پڈنگ لین میں بادشاہ کے نانبائیوں کے

Scanned with CamScanner

مکانات میں لگی تھی اور اس نے سینٹ میکنر چرچ اور فش سٹریٹ کے بیشتر حصوں کو جلا دیا ہے۔۔۔۔غریب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں رہے جب تک آگ ان تک نہیں پہنچ گئی۔ پھر وہ کشتیوں کی طرف دوڑے۔ بے چارے کبوتر بھی اس وقت تک اپنے گھروں اور بالکونیوں میں رہے جب تک آگ نے ان کے گھونسلوں کو نہ آلیا۔ بعض کبوتر بھی اس آگ میں جل مرے۔

ہم آگ کو پھیلتے ہوئے دیکھتے رہے۔ آگ بجھانے کا موثر انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس نے گرجا گھروں اور مکانات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جہاں نظر جاتی تھی شعلے ہی شعلے نظر آرہے تھے۔ ہم پل کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ کی ایک محراب دیکھ رہے تھے۔ شعلوں سے ایک خوفناک آواز پیدا ہورہی تھی اور مکانات کے گرنے سے ہولناک شور جنم لے رہا تھا۔ ہر طرف الامان الحفیظ کے دل سوز نعرے بلند ہورہے تھے۔۔۔

آگ کو بجھانے کے لیے بھی حکومت اور عوام دونوں کی طرف سے کوششیں کی گئیں۔ فائر فائٹروں نے آگ کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اس کے راستے میں آنے والے مکانات کو جن میں ابھی آگ نہیں لگی تھی گرادیا تاکہ آگ مزید نہ پھیل سکے۔ لوگوں نے لمبی قطاریں بنائیں اور چمڑے کی بالٹیوں میں بھرا ہوا پانی آگ پر انڈیلنے لگے۔ برطانوی بحریہ نے آگ کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے گھروں کو بارود سے اڑادیا۔ مگر تیز ہوا مسلسل آگ کو پھیلا رہی تھی۔ جس کے آگے انسانی کوششیں ناکافی تھیں۔ آخر ہوا کی رفتار کم ہوئی تو یہ جہنم سرد پڑا۔ اس آگ سے نقصانات تو بہت زیادہ ہوئے۔ ایک اندازے کے مطابق 13200 مکانات جل گئے۔ 109 کے قریب لندن کے گرجا گھر بھی خاکستر ہوگئے ان میں عیسائی دنیا کا قدیم ترین چرچ، سینٹ پال کیتھڈرل بھی شامل تھا۔ ایک لاکھ سے زائد انسان بے گھر ہوگئے۔ 400 گلیاں تباہ ہوگئیں، مجموعی طور پر 396 ایکڑ آباد شہری رقبہ تباہ ہوا۔ ہزاروں کاروباروں کا دیوالیہ ہوگیا۔

دھواں چھٹنے کے بعد لندن کے معماروں نے ایک نئے اور خوبصورت لندن کے نقشے تیار کیئے۔ جس میں مکانوں، دوکانوں، پارکوں، سڑکوں اور دوسری ضروری تعمیرات کو توازن کے حسن کے ساتھ ڈیزائن کیا گیا تھا۔ جسے آج کے لندن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مآخذ:

اہم تاریخی حادثات۔
101 بڑے حادثات از سٹیفن جے سپکینس

Scanned with CamScanner

1667ء۔ جنگ توارث (وراثت)

لوئی چہار دہم Louis XIV (1643ء۔ 1715ء) فرانس کا مشہور بادشاہ تھا، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ شروع میں اس کی ماں نائب السلطنت رہی اور حکومت کاروبار کارڈینل کے ہاتھ میں رہا۔ لوئی نے جب ہوش سنبھالا تو اس نے تمام یورپ میں اپنی آمریت پسندی اور جاہ پسندی قائم رکھنے کے لیے بہت سی جنگوں کو ہوا دی۔

اس کی شادی ہسپانیہ کے بادشاہ فلپ چہارم کی بیٹی ماریا تھریسا Maria Theresa سے ہوئی۔ میریا نے شادی کے وقت اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے ہسپانیہ کے تاج وتخت پر ہر قسم کے حقوق سے دستبرداری اختیار کرلی اور ان حقوق کے عوض پانچ لاکھ کراؤن کا جہیز لے لیا۔

1661ء میں کارڈنیل میزے رن کا انتقال ہوا تو لوئی چہاردہم نے خودمختارانہ حیثیت اختیار کرلی لیکن عملی اعتبار سے اس کے اختیارات محدود تھے۔ 1667ء جب شاہ ہسپانیہ فلپ چہارم کا انتقال ہوا تو لوئی چہارم دہم نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ جہیز کی رقم کبھی وصول نہیں ہوئی اس لیے ملکہ اریا کا تاج وتخت پر حق ایک بار پھر قائم کردیا۔ 50 ہزار فرانسیسی فوجی اسپین کے مقبوضہ نیدرلینڈ میں دندناتے ہوئے داخل ہوگئے۔ ابھی فرانسیسی فوجیں کچھ علاقے فتح کرپائیں تھیں کہ انگلستان، ہالینڈ اور سویڈن نے فرانس کے خلاف اتحاد کرلیا تاکہ فرانس کے توسیع پسندانہ عزائم کو روکا جاسکے۔ اس پر لوئی نے بڑی ہوشیاری سے اسپین کے ساتھ معاہدہ امن کرلیا۔ یہ معاہدہ AIX.LA. Chapelle کہلاتا ہے۔ مگر لوئی نے ولندیزی قوم کو اس کی افواج کی پیش قدمی روکنے پر کبھی معاف نہ کیا اور 1672ء میں وہ ایک بار پھر ہالینڈ پر حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ جنگ 1678ء تک جاری رہی۔ لوئی نے جنوبی ہالینڈ کو آسانی سے فتح کرلیا۔ دوسری طرف اس نے شاہ انگلستان سے خفیہ معاہدہ کرکے سویڈن، ہالینڈ اور انگلینڈ کا اتحاد ختم کردیا۔ آخر 1678ء تک جاری رہی۔ لوئی نے جنوبی ہالینڈ کو آسانی سے فتح کرلیا۔ دوسری طرف اس نے شاہ انگلستان سے خفیہ معاہدہ کرکے سویڈن، ہالینڈ اور انگلینڈ کا اتحاد ختم کردیا۔ ادھر ہالینڈ کے رئیس سلطنت ولیم اورنج کو نہروں کا پانی کھول کر ہالینڈ کو بچانا پڑا۔ آخر 1678ء میں صلح کے لیے بات چیت ہوئی۔ اس معاہدہ کو معاہدات نم ویجن Nim Wegen کہتے ہیں۔ اس معاہدے میں متعدد ملک شامل تھے۔

مآخذ: انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم۔ 1000 گریٹ ایونٹس۔

Scanned with CamScanner

1669ء۔ مشہور مصور ریمبران کی وفات

دنیائے مغرب کے عظیم مصوروں میں ریمبران Rembran کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ہالینڈ سے تعلق رکھنے والا عظیم فنکار تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں بے شمار فن پارے تخلیق کیئے بعض مورخین کے نزدیک اس نے 600 رنگین تصاویر، 300 کندہ کاری اور 1400 سے زائد ڈرائنگ اور خاکے چھوڑے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے شاہکار تلف بھی ہوگئے ہیں۔ ان فنی شاہکاروں کے علاوہ اس عظیم مغربی مصور نے کوئی تحریری نشانی نہیں چھوڑی۔ ریمبران کے کام کا اسکوپ بڑا وسیع ہے اس نے شخصی تصاویر سے مذہبی تصاویر، مائتھالوجی کے مناظر سے لے کر پرندوں، جانوروں اور خوبصورت زمینی مناظر کو کینوس پر منتقل کیا۔ 100 کے قریب اس نے اپنے ذاتی پورٹریٹ بھی بنائے۔

ریمبران ہالینڈ کے شہر لائیڈن Leiden میں 15 جولائی 1605ء کو ایک پن چکی والے گھر میں پیدا ہوا۔ لائیڈن یونیورسٹی میں تعلیم کے لیے داخلہ لیا۔ مگر اس سے پہلے وہ 1621ء سے 1624ء تک لائیڈن کے ایک گمنام مصور کا شاگرد رہا اور اس نے آرٹ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مصوری میں اتنا منہمک ہوا کہ تعلیم ترک کردی اور صرف مصوری ہی کا ہو رہا۔ چند سالوں تک اس نے ایمسٹرڈم میں پیٹر لاسٹ مین Pieterlastman کے ساتھ بھی مصوری کی تعلیم حاصل کی۔ پھر 1625ء میں لائیڈان واپس آ گیا اب وہ ایک پختہ کار مصور بن چکا تھا۔

1632ء میں وہ ایک بار پھر ایمسٹرڈم آ گیا۔ آیندہ وہ اپنی پوری زندگی ایمسٹرڈم ہی رہا۔ 1634ء میں اس نے شادی کی۔ اس شادی سے اس کے چار بچے پیدا ہوئے لیکن ان میں سے صرف ایک Titus (1640ء۔ 1668ء) زندہ رہا۔ 1632ء میں ایمبران نے اپنا مشہور شاہکار Anatomylesson تخلیق کیا۔ یہیں سے اس کی شہرت کا آغاز ہوا ہے۔ ریمبران اس کے ساتھ ہی ایک متمول اور مالدار مصور بھی بن گیا اور اس نے مصوری کے بہترین نمونے خرید لیے۔ اگلے سالوں میں اس نے Blinding Of Samson, Rape Of Ganymede, Dance۔ (1640ء سے 1669ء) تک کے سالوں میں اپنی وفات تک اس نے اپنے بہت سے شاہکار تخلیق کیئے۔ جن میں Night Watch کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہ تصور اس نے 1642ء میں بنائی تھی۔ یہ

Scanned with CamScanner

شاہکار آج کل نیشنل گیلری لندن میں محفوظ ہے۔

مآخذ:

تاریخ میں سفر۔ The World Book Volo.R

Scanned with CamScanner

1670ء۔ شیواجی کا سورت پر چھاپہ

شیواجی کو آج کے جنوبی ہندوستان کا ہیرو تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ شونر میں پیدا ہوا جو پونا سے 50 میل کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا باپ شاہ جی بھونسلہ ریاست بیجاپور میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس کی والدہ جی جی بائی ایک پارسا عورت تھی جس نے لڑکے کی پرورش بڑی اچھی طرح کی۔ وہ اس کو قدیم ہندو بہادری اور ہندو دور شجاعت کی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ رامائن اور مہابھارت سنا کر اس کے ذہن میں ملک اور مذہب کی حفاظت کا احساس پیدا کیا۔ اس کا اتالیق دادا جی کاندیو تھا جس نے اسے فن سپاہ گری میں طاق کیا۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی شیواجی نے غیر ملکیوں (مسلمانوں) سے ملک وقوم کو آزاد کرانے کا عزم کیا مگر اس کے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا 19 برس کی عمر میں اس نے پہاڑی علاقوں میں لوٹ مار کرنے کے لیے ایک جمعیت تیار کی اور ریاست بیجاپور کے قلعہ ٹورنیا پر قبضہ کرلیا پھر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ رائے گڑھ اور پورندھیر پر قابض ہوگیا۔ جب شیواجی نے کافی طاقت حاصل کرلی تو ریاست بیجاپور کے علاقوں میں چھاپے مارنے شروع کردیئے۔ شاہ بیجاپور نے اپنے سپہ سالار افضل خاں کو اس کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا مگر شیواجی نے مکاری سے افضل خاں کو ملاقات کے بہانے بلا کر بغل گیر ہوتے ہوئے خنجر گھونپ کر ہلاک کردیا اور اس کے لشکر پر حملہ کردیا۔ قتل و غارت گری کے بعد افضل خان کے سپاہیوں کو جان کی امان اور لالچ دے کر ساتھ ملالیا جس سے اس کی طاقت میں اضافہ ہوگیا۔ شاہ بیجاپور نے کئی بار پھر فوجیں اس کے مقابلے کے لیے بھیجیں مگر شیواجی کی سرکوبی نہ کی جاسکی۔ آخر دونوں فریقوں میں صلح ہوگئی اور شیواجی کو مفتوحہ علاقہ کا خودمختار راجہ تسلیم کرلیا گیا۔

اورنگ زیب کے گولکنڈہ اور بیجاپور فتح کرنے کے بعد بھی شیواجی اور مرہٹے بدستور ان علاقوں میں لوٹ مار مچاتے رہے اور انہوں نے مغل علاقوں میں چھاپے مارنے شروع کردیئے۔ اورنگ زیب نے شائستہ خان کو شیواجی کی سرکوبی کا حکم دیا۔ شائستہ خان نے پونا میں داخل ہوکر اسے اپنا مستقر بنالیا اور شیواجی کے کئی قلعوں کو فتح کرلیا۔ شیواجی ایک رات اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برات کی شکل میں پونا میں داخل ہوا اور اس نے شائستہ خان کی قیام گاہ پر حملہ کردیا۔ اس اچانک حملے سے شائستہ خان بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ لیکن لڑائی میں اس کے ہاتھ کا انگوٹھا اور انگلیاں کٹ گئیں اور اس کا جوان سالہ بیٹا اور حرم کی دو عورتیں شہید

Scanned with CamScanner

ہوگئیں۔ شیوا جی پونا میں شب خون مار کر خود پہاڑوں میں جا چھپا۔ مغلوں کو پونا میں نقصان پہنچانے کے بعد شیوا جی نے جنوبی ہند کی اس زمانے کے مشہور بندرگاہ سورت پر چھاپہ مارا۔ اس وقت تک سورت شہر کے گرد شہر پناہ یا فصیل نہیں بنی تھی۔ وہاں سے شیوا جی نے تقریباً ایک کروڑ روپیہ نقد، چاندی، سونا، قیمتی پارچہ جات لوٹ لئے اور کئی ہزار ہندو مردوں عورتوں اور باعزت مسلمانوں کو قید کر کے ساتھ لے گیا۔ اس غارتگری کی اطلاع جب اورنگ زیب کو پہنچی تو اس نے بندرگاہ سورت کے اطراف میں شہر پناہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ راجہ جے سنگھ اور شہزادہ معظم کو شیوا جی کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا۔ راجہ جے سنگھ کی بیجاپور پر فوج کشی کے بعد آخر شیوا جی نے اطاعت اختیار کی اور جے سنگھ نے اسے قصوروں کی شہنشاہ سے معافی کی امید دلا کر اسے آگرہ روانہ کر دیا۔ 10 ذیقعد 1078ھ کو جب بادشاہ کی پچاسویں سالگرہ کا جشن منعقد ہوا تو شیوا اپنے نو سالہ بیٹے سنبھا کے ساتھ حاضر دربار ہوا ور ڈیڑھ ہزار اشرفی اور چھ ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ بادشاہ کے اشارے پر اسے پنج ہزاری منصب داری عطا کی گئی مگر وہ سات ہزاری کے منصب کی توقع رکھتا تھا، اس لیے کبیدہ خاطرہ ہوا دوسرے راجہ جے سنگھ نے اس سے جن شاہی عنایتوں اور نوازشوں کے وعدے کر رکھے تھے جو پورے نہ ہونے اس پر شیوانہ جی مکاری نے بیماری کا بہانہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اپنے بستر پر سلا کر خود مٹھائی کے ٹوکرے میں بیٹھ کر آگرہ سے فرار ہوگیا۔

مغلیہ دربار سے واپسی پر شیوا جی نے کئی بار سورت کو پھر لوٹا اور رائے گڑھ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور بڑی شان وشوکت سے اپنی رسم تاجپوشی ادا کی۔ چھ سال حکومت کرنے کے بعد اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ شیوا جی نے بعمر 53 سال 1090ھ بمطابق 1681ء مرتضیٰ آباد کے نواح میں وفات پائی۔ شیوا جی کے بعد اس کا بیٹا سنبھاجی تخت نشین ہوا جو بڑا عیاش اور نکما تھا۔ مغلیہ افواج نے اسے شکست دی۔ کہتے ہیں جب اسے گرفتار کر کے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے خدا اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے اس کی زبان گدی سے کاٹ دی گئی اور اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد شیوا جی کا دوسرا بیٹا ساہو گدی پر بیٹھا۔ یہ بھی عیش پرست تھا۔ اس نے اپنا سارا اقتدار کا کام اپنے برہمن وزیر بالاجی وشوانا تھ کے سپرد کر دیا۔ مرہٹوں کا یہ وزیر اعظم پیشوا کہلاتا تھا اور آٹھ وزیروں کی کونسل کا سربراہ ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ راجہ کا عہدہ ختم ہوگیا اور پیشوا حکمران بن گئے۔

ماخذ: منتخب اللباب از خافی خان جلد سوم

Scanned with CamScanner

1674ء۔ ہنری مورگن جمیکا کا گورنر بنا

سترہویں صدی میں بہت سے بحری قزاق بحیرہ کریبئن Caribean Sea میں مصروف عمل تھے۔ ان میں سے زیادہ تر برطانیہ کی بحری فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مسلسل اسپین کے بحری جہازوں پر حملہ کرتے رہتے اور انہیں لوٹتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں جزائر غرب الہند West Indies اسپین کے زیر نگین تھے اس لیے اسپین اکثر ان بحری قزاقوں کی سرکوبی میں سرگرداں رہتا تھا۔ انہیں بحری قزاقوں میں ہنری مورگن Henry Morgan تھا جو جزائر برطانیہ میں ویلز کا رہنے والا تھا۔ ہنری مورگن ایک حوصلہ مند انسان تھا اس کا مطلب صرف لوگوں کو لوٹنا نہیں تھا وہ اپنے لیے سلطنت کا خواہ تھا۔ اس سلسلے میں بحیرہ کریبئن میں ساکن تھا اور قسمت آزمائی کر رہا تھا۔

1668ء میں اس نے ایک مہم پیورٹو پرنسپ Puerto Princpe یا آج کے کیما گوئے Cama Guey کے خلاف سر کی مگر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔ اگلے سال اس نے میرا کائبو Maracaibo پر حملہ کیا اور 1671ء میں وہ پاناما Panama پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ان دنوں امریکہ میں ہسپانوی طاقت زوال پذیر ہو چکی تھی اور ولندیزی، فرانسیسی اور انگریزی اثر ورسوخ بڑھ رہا تھا۔

جمیکا جزائر غرب الہند میں سے ایک جزیرہ ہے جسے کولمبس نے 1494ء میں دریافت کیا تھا۔ یہاں 1509ء میں ہسپانوی نو آبادی قائم کی گئی تھی۔ انگریز 1596ء سے اس پر حملے کر رہے تھے۔ 1670 میں ہسپانیہ نے بالآخر جمیکا پر انگریز تسلط تسلیم کرلیا۔ اب تک چونکہ انگریز بحری قزاقوں کی پشت پناہی کر رہے تھے مگر جیسے ہی جمیکا پر ان کی حکومت قائم ہوئی انہوں نے بحری قزاقوں کے خلاف کاروائی شروع کردی۔ جس کے دوران کئی بحری قزاقوں کو گرفتار کر کے انگلستان بھیج دیا گیا۔ انہیں بحری قزاقوں میں ہنری مورگن بھی شامل تھا۔ انگلستان پہنچ کر اس نے اپنی ذاتی بہادری اور جرات کی بنیاد پر انگلستان کے بادشاہ چارلس دوم کی حمائیت حاصل کرلی۔ جنوری 1674ء میں چارلس دوم نے ہنری مورگن کو نائیٹ کا خطاب دیا اور اسے جمیکا کا لیفٹیننٹ گورنر بنا کر جمیکا روانہ کردیا۔ یوں ایک قزاق ایک حکمران بن گیا۔

Scanned with CamScanner

مآخذ:

1000 Great Event. Encylopedia Of History Of The World.

Scanned with CamScanner

1675ء۔ گورو گوبند سنگھ کی جانشینی اور بغاوت

لال قلعہ دہلی میں شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے سکھوں کے ایک گرو تیج بہادر پیش تھے۔ شہنشاہ گرو تیج بہادر کے باغیانہ خیالات سے نالاں تھا۔ اس نے گرو تیج بہادر کے کشمیری برہمنوں کی مدد کرنے کے الزام میں مغل دربار میں طلب کیا تھا۔ گرو تیج بہادر کو اسلام قبول کرنے یا پھر موت کو گلے لگانے کا اختیار دیا گیا۔ گرو نے موت کو ترجیح دی۔ لہٰذا 1675ء میں شہنشاہ کے حکم پر اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ پھر اس کی لاش کو نشان عبرت بنانے کے لیے دہلی کے گلی کوچوں میں گھمایا گیا۔

اسی گرو تیج بہادر نے اپنے بیٹے بند سنگھ کے دل میں پہلے ہی دن سے مغل سلطنت اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔ جو اس کی موت پر پختہ ہوگئی۔ اور اس نے مسلمانوں اور مغل حکومت سے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینا کا فیصلہ کیا۔ گرو تیج بہادر نے گرو گوبند سنگھ کو اپنا جانشین منتخب کر دیا تھا۔ اب 1675ء میں وہ سکھوں کا روحانی راہنما تھا۔ دسواں اور آخری گرو۔ مگر مورخین کے مطابق وہ سکھ فرقے کے بانی گرونانک صاحب (1469ء۔ 1539ء) کی تعلیمات کی پیروی نہیں کرتا تھا۔ گرونانک صاحب کی تعلیمات انسان دوستی کا پیغام دیتیں تھیں۔ جب کہ اس کے جانشین خصوصاً رام داس، ارجن سنگھ، ہرگووند اور اب گوبند سنگھ نے اسکی تعلیمات کو یکسر پس پشت ڈال کر سکھ فرقے کو ایک مذہبی گروہ کی بجائے ایک طاقتور، جنگجو اور اور مضبوط فرقے میں تبدیل کر دیا تھا۔ اب سکھ گرو ایک سچے بادشاہ اور عسکری راہنما بن چکے تھے۔ گرو گوبند سنگھ نے جو پہلا اقدام کیا وہ سکھوں کی تنظیم نو کے متعلق تھا۔ اس نے 1699ء میں ایک خالصہ ریاست قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جو مغل سلطنت کے خلاف اعلان بغاوت کے مترادف تھا۔ مغلوں سے پہلی جنگ ''بھنگنی'' کے مقام پر ہوئی جس میں گرو کی فوج کو فتح نصیب ہوئی جس سے گرو کی قدر و منزلیت میں اضافہ ہوگیا مگر یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔ مغل شہنشاہ نے لاہور اور سرہند کے مغل گورنروں کو سکھوں کی سرکوبی کے احکامات بھجوائے۔ 1701ء میں شاہی افواج نے آنند پور کو گھیرے میں لے لیا۔ جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا گیا گرو گوبند سنگھ کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑتے گئے بالآخر صرف چالیس جانثار اس کے ساتھ رہ گئے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے گرو گوبند سنگھ نے انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ خود بھی آنند پور سے راہ فرار اختیار کی

Scanned with CamScanner

اگلے سات سال تک بلکہ اورنگ زیب کی وفات تک گورو گوبند سنگھ کو امن وسکون اور کسی ایک جگہ قیام نصیب نہ ہوسکا کیونکہ مغل افواج مسلسل اس کے تعاقب کرتیں رہیں۔ اور اس کے پیروکار اس برے وقت میں اس کا ساتھ چھوڑتے رہے۔ اس کے دو بیٹے میدان جنگ میں کام آگئے اور دیگر دو بیٹوں کو سرہند کے مغل گورنر نے زندہ دیوار میں چنوادیا۔

1706ء وہ سال تھا جب گرو صاحب کی قسمت کا ستارہ انتہائی گردش میں تھا۔ تب اس نے اپنے مشہور تصنیف ''ظفر نامہ'' تحریر کی یعنی ''مکتوب فتح'' یہ مکتوب اس نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام تحریر کیا تھا اس نے اپنے اس مکتوب میں لکھا کہ ''شعلے کی چند چنگاریوں کو بجھانے کا کیا فائدہ (اس سے مراد اس کے بیٹوں کی ہلاکت تھی) جب کہ سکھ طاقت کا شعلہ پہلے سے زیادہ بھڑک رہا تھا۔'' اس نے مغل شہنشاہ کی مذمت کرتے ہوئے لکھا کہ مغل شہنشاہ نے از حد زیادتیاں کی ہیں لیکن وہ کسی بات سے نہیں ڈرتا لیکن کل مغل بادشاہ کو بھی بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ وہ اس دربار میں اپنے ظلم وستم کا کیا جواز پیش کرے گا؟ اورنگ زیب نے گرو کا یہ مکتوب پڑھنے کے بعد اپنی مذمت کی پرواہ کیے بغیر گرو کے نام دربار شاہی میں پیش ہونے کا پروانہ جاری کیا۔ مگر یہ حکم نامہ گرو کے پاس پہنچنے سے پہلے اورنگ زیب انتقال کرگیا اور گرو کی خوش قسمتی سے مغل سلطنت جس کو اورنگ زیب نے استحکام بخشا تھا عدم استحکام کا شکار ہوگئی۔

گرو گوبند کے لیے یہ ایک نادر موقع تھا اب وہ موثر طور پر امور سلطنت میں مداخلت کرسکتا تھا۔ جب نئے شہنشاہ بہادر شاہ نے گورو کو دربار شاہی میں طلب کیا تو گرو کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور اس کے پیروکار جو ایام گردش میں اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے دوبارہ اس کے گرد جمع ہوگئے۔ مغل دربار میں ان کا استقبال پورے فوجی اعزاز کے ساتھ کیا گیا اور اسے پورے اعزاز کے ساتھ شاہی دستے کے ساتھ دکن روانہ کیا گیا۔ مگر دکن میں گرو گوبند سنگھ کو ایک پٹھان نوجوان نے اسوقت موت کے گھاٹ اتار دیا جب وہ دریائے گوداوری کے کنارے سویا ہوا تھا۔ کہتے ہیں پٹھان نوجوان کو گرو سے یہ رنجش تھی کہ گرو صاحب نے اس کے باپ کو ایک ذاتی لڑائی کے دوران مار دیا تھا۔ ہلاکت کے وقت گرو گوبند صاحب کی عمر محض 47 سال تھی۔ گورو نے جانشینی کی رسم کو غالباً اس لیے ختم کردیا تھا کہ اس کے سب بیٹے مارجا چکے تھے۔

ماٰخذ:

برصغیر کے عظیم لوگ از ایل ایف دش بروک ولیم تاریخ سکھ۔

Scanned with CamScanner

1675ء۔ کلیسائے سینٹ پال لندن کی تعمیر

لندن میں 1666ء میں ہونے والی آتشزدگی میں جہاں بہت سی تاریخی عمارات جل کر راکھ ہوگئیں انہیں میں سینٹ پال کا مشہور زمانہ کیتھڈرل بھی تھا۔ جو لڈ گیٹ ہل پر واقع ہے۔ آتشزدگی سے پہلے یہاں تیرہویں صدی کا ایک گرجا موجود تھا جو آتشزدگی میں جل کر خاک ہوگیا۔ آتشزدگی کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد لندن کے ایک ماہر تعمیر کرسٹوفر رین Christoper Wren کو شہر کی عمارات کا سروے کرنے پر مقرر کیا گیا۔ سر رین نے تمام متاثرہ شہر کو دوبارہ تعمیر کرنے کا منصوبہ شاہ چارلس دوم کو پیش کر دیا جسے بادشاہ نے منظور کر لیا۔ مگر زیادتی اخراجات کی وجہ سے اس منصوبے کو ترک کرنا پڑا۔ لندن کی اس دوبارہ تعمیر کے منصوبے میں کلیسائے سینٹ پال کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے ایک ڈیزائن موجود تھا مگر وہ ترک کر دیا گیا۔ 1672ء میں دوبارہ ایک نیا ڈیزائن تیار کیا گیا۔ اس ڈیزائن کی تیاری پر بادشاہ نے ماہر تعمیر رین کو نائٹ Knight کا خطاب دیا مگر نقشہ پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔ 1668ء میں آتشزدگی کے تقریباً دو سال بعد جلے ہوئے قدیم کلیسا کی عمارت گرادی گئی تھی۔ رین نے کلیسا کے لیے جو نیا ڈیزائن تیار کیا تھا وہ ایک یونانی صلیب کی شکل کا تھا۔ اس اصل نقشے میں ترمیم کر کے اس زمانہ وسطیٰ کا روائتی ڈایزائن دیا گیا اور اس میں ہال اور سرودگاہ کے لیے گنجائش نکالی گئی۔ صلیب کے بازو جہاں ایک دوسرے کو قطع کرتے تھے۔ وہاں ایک خوشنما اور پرشکوہ گنبد رکھا گیا۔ جو خوشنما ستونوں کے دائرے پر کھڑا ہے۔ اس نئے نقشے پر تعمیر کا کام 1675ء میں شروع ہوا۔ کرسٹوفر رین اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اسے خوش قسمتی سے مزید ترامیم و اضافے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ اس اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے اس نے اپنی تمام کوششیں اس عظیم عمارت کو خوبصورت اور جاذب نظر بنانے میں صرف کر دیں۔ یہ عمارت 1715ء میں مکمل ہوئی۔ کرسٹوفر رین نے لندن کے اور 54 گرجاؤں کے بھی ڈیزائن تیار کیے تھے۔ کلیسائے سینٹ پال پر دوسری عالمی جنگ میں شدید گولہ باری ہوئی اور اس کا مشرقی سرامع قربان گاہ اور عقبی حصے کے تباہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں اس کے شمالی بازو کی چھت اور فرش بھی تباہ ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ کرسٹوفر رین کے تعمیر کردہ کئی اور کلیسائے بھی اس جنگ میں تباہ ہوگئے۔ کرسٹوفر رین کی تعمیر کردہ لندنی عمارات میں چیلی ہسپتال،، گرینچ ہسپتال اور ہمپٹن کورٹ کے باغ کی روکار شامل ہیں۔

مآخذ: اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد اول۔ 1000 Great Event

Scanned with CamScanner

1677ء۔ فلسفی سپائی نوزا کی وفات

بروش اسپنوزا Baruch Spinoza (1632ء۔ 1677ء) ایک آزاد خیال ولندیزی فلسفی تھا وہ 24 نومبر 1632ء کو ایمسٹرڈم میں پیدا ہوا اور اس نے 21 فروری 1677ء کو ہیگ The Hague میں وفات پائی۔ ابتدا میں اسپنوزا اپنے والدین کی طرح ایک انتہا پسند یہودی تھا۔ چنانچہ اس نے یہودی فقہ میں بہت نام پیدا کیا اور اسرائیلوں کو بجا طور پر اس کی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہوگئیں۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے خیالات میں یہودیت اور عیسائیت دونوں مذاہب کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے اس پر آئمہ یہودیت چونک پڑے۔ انہوں نے پہلے تو اسے ڈرایا دھمکایا پھر مال و زر کی رشوت دے کر اسے یہودیت کے خلاف زہر اگلنے سے منع کیا مگر جب وہ کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے اس پر الحاد و کفر کا فتویٰ لگا کر اسے اپنے مذہب و ملت سے خارج کر دیا۔ اور اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ ایک مرتبہ اس پر ایک ناکام قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس نے اپنی زندگی تنہائی میں بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور عینکوں کے شیشے رگڑنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جس میں اچھی خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے علم و فلسفہ کی شہرت بھی پھیلتی چلی گئی، یہاں تک کہ اسے ہیڈل برگ مین فلسفے کے شعبے کی صدارت پیش کی گئی۔ مگر اس نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ اسے دولت و شہرت کی اتنی پرواہ نہیں تھی جتنی آزادی افکار کی اس نے اپنی بے نیاز طبیعت کے باعث اپنے حصے کی جائیداد بھی برضا و رغبت اپنی بہنوں کو دے دی اور شہنشاہ فرانس کا گرانقدر عطیہ بھی محض اس بنا پر لینے سے انکار کر دیا کہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی کوئی تصنیف اس کے نام معنون کر دے۔ اس طرح اس نے اپنے ایک عقیدت مند کو جو اپنی تمام جائیداد اس کے نام وقف کر دینا چاہتا تھا ایسا کرنے سے منع کر دیا اور جب اس شخص کی موت کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اسپنوزا کے نام پانچ سو فلورنز کی پینشن مقرر کی گئی تو اسپائی نواز نے یہ رقم زیادہ سمجھتے ہوئے اس میں سے صرف تین سو فلورنز لینا منظور کیا۔ غرض اس نے آزادی فکر و نظر کی خاطر نہ تو نام و نمود کی پرواہ کی اور نہ مال و دولت ہی کی اور نہ ہی اسے ابنائے قوم ہی کی دشمنی اور ان کے الحاد و کفر کے فتوے مرعوب کر سکے۔ وہ ایک بے نیاز انسان اور آزاد خیال فلسفی کی طرح زندگی گزار کر چلا گیا۔ سپائی نوازا ایک وحدت الوجود کا قائل فلسفی تھا۔ کائنات کی ابدیت کا قائل بھی اور کہتا تھا کہ کائنات خدا کا جسم ہے۔ حقیقت، مادے، علت اور ماہیت کے

Scanned with CamScanner

اعتبار سے ایک ہے اور خدا اسی حقیقت کا دوسرا نام ہے۔

مآخذ:

تاریخ جمالیات جلد اول از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔

Scanned with CamScanner

1678ء۔ نیاگرا آبشار کی دریافت

دریائے نیاگرا مغربی نیویارک اور کینیڈا کے صوبے جنوبی اونٹاریو میں شمالی امریکا کا قدرتی عجوبہ اور برقابی قوت کا اہم سرچشمہ ہے۔ یہ آبشار ہائے نیاگرا نیویارک اور آبشار ہائے نیاگرا اونٹاریو کے درمیان بین الاقوامی خطہ پر واقع ہے۔ جزیرہ گوٹ دھارے کے دو حصے کردیتا ہے۔ امریکی آبشاریں 165 فٹ بلند اور 1000 فٹ چوڑی ہیں۔ جب کہ کینیڈا کے آبشار 155 فٹ بلند 2500 فٹ چوڑے ہیں۔

ریاست ہائے امریکا اور کینیڈا کے درمیان قوس قزح پل Rainbow Bridge ۔1941ء میں بنا تھا۔ اس کی دلکشی اور خوبصوری کی ذمہ داری امریکہ اور کینیڈا کی حکومتوں پر عائد ہے۔ یہاں زیادہ تر پارک ہیں اور رات کے وقت رنگین روشنیوں سے چراغاں کیا جاتا ہے۔ بجلی کی قوت حاصل کرنے کے لیے پانی کا رخ موڑنا بین الاقوامی ضوابط میں شامل ہے۔ کم پانی والی امریکی آبشاروں میں پانی کا بہاؤ بڑھانے کے لیے کینیڈیائی آبشاروں سے اوپر کے پہاڑ کے رخ ایک حد تک بند کے ذریعے موڑا گیا ہے۔

کینڈا کے نیاگرا آبشار 1678ء میں دریافت ہوئے تھے۔ اسے مشہور فرانسیسی مفتیش رابرٹ کیولیئر سیور ڈی لاسال۔ Robert Cavelier Sieuradelasall نے دریافت کیا تھا۔ 1678ء کے آخر میں لاسال اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیاگرا آبشار کے مقام پر پہنچا اور اس نے وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا۔ لاسال کے ساتھیوں میں ایک فرانسیسی پادری لوئی ہینی پین Louise Hennepin بھی تھا اسی نے اس مہم کا حال رقم کیا تھا۔ یہی فرانسسکن فرائر پہلا یورپی تھا جس نے آبشار نیاگرا کا ذکر کیا تھا۔ تاہم وہ بے حد مبالغہ آرائی سے کام لیتا تھا۔ بہرحال فرانسیسی مہم جو لاسال نے کینیڈا کی سرزمین پر بہت سی مہمات سر کیں اور شمالی امریکہ میں دریائے مس پی کے دہانے تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔

Scanned with CamScanner

1678ء۔ پلگرمز پروگریس یا زائر کی جستجو کی اشاعت

سترہویں صدی عقلیت پسندی کی صدی کہلاتی ہے۔ اس دور کے دھارے سے بالکل الگ ہمیں ایک شخص نظر آتا ہے جو اس دور کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ ڈرائیڈن کی اہمیت اگر چہ اس شخص سے زیادہ ہے مگر اس کی فطرت اور خداداد صلاحیتیں حیرت انگیز ہیں۔ یہ شخص جون بنین John Bunyan (1628ء۔ 1688ء) ایک برتن بنانے والے کا بیٹا تھا جس نے انگریزی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں سیکھی تھی۔ اور انجیل کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں پڑھی تھی مگر اس کی تصانیف خداداد قوت تخلیق کا معجزہ دکھائی دیتیں ہیں۔ جون بنین کا عظیم ترین شاہکار ''پلگرمز پروگریس Pilgrim's Progress '' ہے۔ یہ 1678ء میں شائع ہوئی۔ یہ انگریزی زبان کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس شاہکار کا دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ ہوگیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک الہام کی صورت میں بنین پر نازل ہوئی تھی۔ اس کا ہیرو کرسچین Christian اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ پھر وہ آسمانی ملک کو جانے کی تیاری کرتا ہے۔ کچھ لوگ ساتھ جانے کو تیار ہیں مگر راستے ہی سے لوٹ آتے ہیں۔ ایک ''ورڈلی وائزمین Wordly Wiserman یعنی دنیادار آدمی بڑا ہی دلچسپ کردار ہے وہ اسے اس راہ پر جانے سے منع کرتا ہے مگر وہ چلا ہی جاتا ہے۔

راستے میں اسے طرح طرح کے تخیلی کردار ملتے ہیں وہ بڑے خوبصورت مقامات جیسے ''ڈی لیکیبل ماؤنٹین Delectable.M'' میں پہنچتا ہے یا پوری دنیا کے ایسے مکمل نقشے جیسے ''وینٹی فیر Vanity Fair'' یعنی خود پسندی سے گزرتا ہے۔ فیتھ فل Faithful یعنی وفاداری اس کے ساتھ ہے، وہاں ایک دیو ''ڈسپیئر Dispair یعنی مایوسی اسے قید کر لیتا ہے۔ اور آخر میں وہ آسمانی بادشاہت میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ پوری کتاب سراسر الہام تسلیم کی جاتی ہے۔ کہیں بھی پڑھنے والے کو ذرا بھی تھکن محسوس نہیں ہوتی۔ ہر جگہ روح کو ایک عجیب کیف اور روحانی تسکین ملتی ہے۔ یہ تصنیف انگریز قوم کے ضمیر سے اس قدر قریب آجاتی ہے کہ ہر گھر میں اس کی انجیل کے برابر قدر ہوتی ہے۔ ذہن کے ساتھ یہاں وہ تصوف شامل ہے جس کی عظمت کو انگریز سمجھتا ہے۔ اور جس تک پہنچنے کی اسے خواہش ہے۔ جون بنین پیدائشی نثر نگار کی بہترین مثال ہے۔ اس کی زبان انجیل کے ترجمے کی زبان، وہی سادگی، وہی سلامت، وہی شگفتگی، وہی روانی، انجیل کے مطالعے سے اسے فن نثر نگاری کا ہر اصول قدرتی

Scanned with CamScanner

طور پر آ گیا۔ توازن، اختصار اور تنظیم بھی عجیب طریقے پر اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ عقیدے نے فصاحت اور بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ بنین ادب کا ایک معجزہ تسلیم کیا گیا ہے۔

سترہویں صدی کا مشہور انگریز مصنف جان بنین ایک کیلونسٹ تھا۔ وہ عہد نامہ لکھنے بیٹھا تھا تو یہ لوک داستان ''زائر کی جستجو'' تصنیف کر ڈالی۔ یہ داستان کیلونیت کی سادگی پسندیت کی عکاسی کرتی ہے۔ 1672ء تک کئی کتابیں تصنیف کرنے کے بعد جان بنین نے کیلون ازم کی تبلیغ شروع کی اور تقریباً 3000 افراد کو اپنی جانب متبدل کیا۔ 1673ء میں اس کی تبلیغ کا اجازت نامہ منسوخ ہوا تو بنین کو اگلے چھ ماہ جیل میں گزارنے پڑے۔ شاید اسی مایوسی کی کیفیت کا شکار ہو کر اس نے پلگرفر پروگریس یا ''زائر کی جستجو'' لکھنا شروع کی اور جس نے 1678ء میں حتمی شکل اختیار کر لی، محققین کا خیال ہے کہ اسی کتاب کا ابتدائی خاکہ بنین نے کئی برس پہلے قید میں تیار کیا تھا۔ 1684ء میں اس نے اس کتاب کا دوسرا حصہ لکھا جو ایک عیسائی بیوی کے بارے میں ہے۔ (بنین نے اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری شادی کر لی تھی) البتہ اس حصے کا معیار پہلے حصے جیسا نہیں ہے۔ زائر کی جستجو ایک تمثیل ہے جس میں ثانوی مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کی اصل طاقت استعادوں کے استعمال میں مضمر ہے۔ دراصل زائر کی جستجو ایک تشبیہاتی خواب ہے جس میں ایک عیسائی شہر تباہی سے آسمانی شہر کی جانب سفر کرتا ہے۔ بلاشبہ اس میں ادبی رنگ بھی موجود ہے۔ حالانکہ جان بنین ایسا نہیں چاہتا تھا۔ لوگوں پر اس کتاب نے گہرا اثر ڈالا۔

کتاب کا آغاز بنین نے کچھ یوں کیا ہے۔

''اس دنیا کے ویرانے میں گھومنے پھرنے کے دوران میں ایک جگہ کچھ دیر رکا جہاں ایک کچھار تھی۔ میں ستانے کے لیے اس جگہ لیٹ گیا۔ آنکھ لگنے پر میں نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں چیتھڑوں میں ملبوس ایک شخص ایک مخصوص مقام پر کھڑا ہے۔ اس کا چہرہ اپنے گھر کی طرف تھا، ہاتھوں میں کتاب اور کمر پر کافی بوجھ لدا ہوا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وہ کتاب کھولی اور پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے وہ رونے لگا اور مزید برداشت نہ کر سکنے پر وہ ماتمی انداز میں چلایا۔ ''میں کیا کروں۔''

ماخذ:

صفحہ نمبر 290 تاریخ ادب انگریزی از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔

Scanned with CamScanner

1678ء۔ پاپائی سازش یا کیتھولک سازش بے نقاب ہوگئی

انگلستان کے بادشاہ چارلس ثانی کا عہد بغاوتوں اور سازشوں کے لیے مشہور ہے۔ ان سازشوں میں سے ایک سازش پاپائی سازش Popish Plot کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ستمبر 1678ء میں بے نقاب ہوئی۔ ان دنوں یسوعی Jesuit فرقے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص ٹائٹس اوٹس Titus Oates نے یہ کہنا شروع کردیا کہ انگلستان کے رومن کیتھولکوں نے شاہ چارلس ثانی کو قتل کر کے انگلستان میں رومن کیتھولک مذہب قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کی اس افواہ پر عوام میں سراسیمگی پھیل گئی۔ پاپائی سازش کے تحت رومن کیتھولک چارلس کے بعد ڈیوک آف یارک کو تخت نشین کرانا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کیتھولکوں کے خلاف خفگی کا عام جذبہ پھیل گیا۔ چنانچہ پانچ بڑے بڑے کیتھولک امراء گرفتار کرلیئے گئے۔ جیمز ڈیوک آف ہارک کی بیوی کے خاص پادری پر مقدمہ چلا گیا وہ مجرم قرار پایا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔ پارلیمنٹ میں ایک قانون بھی پاس ہوا جس کے مطابق رومن کیتھولکوں کو پارلیمنٹ میں بیٹھنے کی ممانعت کردی گئی۔ یہ قانون کہیں جا کر 1839ء میں منسوخ ہوا۔

ٹائٹس اوٹس نامی جس شخص نے یہ سازش بے نقاب کی اس کا ماضی بے حد داغدار تھا۔ اسے سازشی ہونے کی وجہ سے کیمبرج یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد وہ رائل نیوی سے بھی نکالا گیا۔ دو مذہبی درسگاہوں سے بھی اپنے سازشی مزاج اور منصوبہ بندی کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ مگر اتنے داغدار ماضی والا پاپائی سازش کے بے نقاب کرنے کی وجہ سے عوام میں بے حد مقبول ہوگیا۔ مگر ساتھ ساتھ ہی ملک میں کیتھولک دشمنی عروج پر پہنچ گئی۔ 35 لوگوں کو جن کا تعلق اس فرقے سے تھا سزائے موت دی گئی بہت سے قید میں ڈال دیئے گئے ادھر خود ٹائٹس اوٹس کو 1685ء میں دروغ حلفی کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے اور سزائے قید بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ سالانہ اسے شکنجے میں کس کر لندن کی گلیوں میں پھرایا جاتا۔ یہ سزائیں ولیم سوم کی تخت نشینی تک جاری رہیں۔ ولیم سوم نے اوٹس کو رہا کردیا اور اس کی پنشن بھی مقرر کی۔

ماخذ: انسائیکلوپیڈیا تاریخ کے عالم، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا۔
1000 Great Events

Scanned with CamScanner

1679ء۔ تھامس ہابز کی وفات، اس کا فلسفہ اور ''لی وتھین''

لاک اور برکلے جیسی عظیم شخصیت جس نے فلسفہ مغرب میں نام پیدا کیا۔ وہ تھامس ہابز Thomos Hobbes (1588ء۔ 1679ء)۔ ایک ایسی فلسفی شخصیت جو لاک اور برکلے کی طرح تجرباتی اور مورخین کے مطابق جسے ترتیب میں رکھنا مشکل ہے۔ مگر وہ اس کے برعکس ریاضیاتی طریقے کا دلدادہ تھا۔ اسے ریاضیات سے گہری دلچسپی محض نظریاتی نہیں تھی بلکہ وہ اطلاقی ریاضیات کا دلداہ تھا۔ جدید زمانے سے پہلے ایسا کوئی فلسفی نظر نہیں آتا جو تجرباتی بھی ہو اور ریاضیات پر بھی زور دیتا ہو۔ تاہم اس کے ہاں مورخین نے ایسی سنجیدہ خامیاں بھی نکالی ہیں جو اسے صف اول کے فلسفیوں میں جگہ دینا ناممکن بنا دیتی ہیں۔ مثلاً وہ باریک الجھنوں کو سلجھانے کے لیے جبر سے معرا تھا۔ اور پیچیدہ عقدے کو جلد کاٹ کر حل کرنے کا حامی تھا۔ اس کے مسائل کے حل منطقی ہیں، لیکن ان کے حصول میں وہ ناموافق حالات وحقائق کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کا نظریہ ریاست بہت محتاط اور غور وفکر کا مستحق ہے۔

ہابس کا باپ ایک ان پڑھ اور بدمزاج پادری تھا جو عین کلیسا کے دروازے پر ایک دوسرے پادی سے لڑ پڑا۔ اس بدمزاجی کی وجہ سے اسے چرچ سے فارغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہابس کی پرورش اس کے چچا کو کرنا پڑی۔ اس نے قدیم ادبیات کا خوب مطالعہ کیا اور صرف چودہ سال کی عمر میں عظیم یونانی المیہ نگار ''یوریپڈیز'' کے شاہکار The Media کا لاطینی میں منظوم ترجمہ کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں آکسفورڈ چلا گیا۔ وہاں معلمین فلسفہ سے اس نے مدرسین کی منطق اور ارسطو کا فلسفہ پڑھا۔ 1610ء میں وہ بائیس سال کی عمر وہ لارڈ ہارڈرک کا اتالیق مقرر ہوا۔ اس کے ساتھ اس نے بہت سے سفر کیئے۔ یوں اس کا متعلم ہی اس کا مربی بن گیا مگر 1628ء میں لارڈ کی اچانک موت سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ پھر وہ اپنے اسی شاگرد کے بیٹے کا اتالیق بن گیا اور اس کے ساتھ پیرس چلا گیا جہاں اسے اقلیدس کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا سیاسی طور پر اس کے نظریات انتہائی شاہ پرستانہ تھے۔ 1628ء میں جب پارلیمنٹ نے ''حق کی اپیل Petitton Of Right'' تیار کی تو اس نے یونانی مورخ تھیوسی ڈائڈیر کا ترجمہ شائع کر دیا۔ جس سے اس کا واضح مقصود جمہوریت کی خامیاں بیان کرنا تھا۔ جب طویل پارلیمنٹ 1640ء میں منعقد ہوئی اور لارڈ سٹیفورڈ کو ٹاور میں بند کر دیا گیا تو ہابس خوفزدہ ہو کر فرانس بھاگ گیا۔ 1647ء میں اس کی کتاب ریاست کے متعلق شائع ہوئی جس میں اس نے اپنے نظریات کا اعادہ کیا۔

Scanned with CamScanner

ادھر فرانس میں اسے چوٹی کے ماہرین علم ریاضی اور سائنس دانوں نے اسے خوش آمدید کہا۔ فرانس میں وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ کی کتاب ''افکار Meditation'' شائع ہونے سے پہلے پڑھی اور اس پر اعتراضات لکھے۔ جنہیں جوابات کے ساتھ ڈیکارٹ نے شائع کروایا۔ جلد ہی فرانس میں اسے شاہ پرست مہاجرین کی ایک بڑی تعداد مل گئی جن سے اس کا الحاق ہوگیا۔ کچھ عرصے کے لیے یعنی 1646ء سے 1648ء تک اس نے مستقبل کے چارلس دوم کو علم ریاضی پڑھایا۔ تاہم جب اس نے 1651ء میں اپنی کتاب Levia Than ''لی وتھین'' شائع کی تو شاہ پسندوں میں سے کوئی خوش نہ ہوا اور اس کی عقلیت پسندی نے بیشتر مہاجرین کو ناراض کردیا۔ ادھر کیتھولک چرچ پر سنگین حملوں کی وجہ سے حکومت فرانس بھی ناراض ہوگئی۔ اس لیے ہابس کو چوری چھپے لندن فرار ہونا پڑا۔ جہاں اس نے کرامویل کی اطاعت قبول کی اور تمامتر سیاسی مصروفیات سے کنارہ کش ہوگیا۔ اگرچہ اسے شاہ چارلس اول کی گردن زنی سے بڑا صدمہ پہنچا تھا، تاہم اس نے اپنی کتاب میں بھی اپنے جذبات کی عکاسی نہیں کی۔

گوشہ نشینی کے باوجود وہ آرام سے نہیں بیٹھا۔ اس کا بشپ براہم پال کے ساتھ مباحثہ شروع ہوگیا۔ وہ خود جبر مطلق کا سخت قائل تھا۔ انگلستان میں بادشاہت کی بحالی پر بادشاہ نے (جو اس کا شاگرد بھی تھا) اسے اتنی عزت دی کہ نہ صرف دیواروں پر اس کی تصاویر آویزاں کی گئیں بلکہ سو پاؤنڈ سالانہ کا اس کا مشاہرہ بھی مقرر کردیا گیا۔ مگر اس مشاہرہ کی ادائیگی بادشاہ بھول گیا۔ اس کی اس پذیرائی پر چانسلر کلیرینڈن کو بڑا صدمہ پہنچا کہ اس کے نزدیک ہابز ایک دہریہ تھا۔ یہی صورت حال پارلیمنٹ کی بھی تھی۔ طاعون اور لندن کی مشہور زمانہ آگ کے بعد جب لوگوں میں مذہبی جذبات ابھرے تو دارالعوام نے ایک کمیٹی مقرر کی وہ دہریہ تحریروں خصوصاً ہابس کی تصنیفات کا جائزہ لے۔ اس وقت کے بعد ہابز کو متنازعہ موضوعات پر کتابیں شائع کرنے کی اجازت بھی نہ رہی۔

طویل پارلیمنٹ کو اس نے ''بی ہی ماتھ Behemoth'' کا نام دیا اگرچہ اس کتاب میں ہابز نے بہت ہی راسخ العقیدہ نظریہ پیش کیا۔ مگر اسے یہ کتاب بھی المیسٹر ڈم نے شائع کرانا پڑی۔ اسی وجہ سے بڑھاپے کی عمر میں پہنچنے پر انگلستان کی بجائے اس کی شہرت یورپ کے دیگر ممالک میں زیادہ تھی۔ چوراسی سال کی عمر میں اس نے لاطینی شاعری میں اپنی سوانحعمری لکھی۔ ستاسی سال کی عمر میں اس نے ہومر کا ترجمہ شائع کیا۔ اس عمر کے بعد اس کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔

ہابس کی زیادہ تر شہرت اس کی تصنیف ''لی وتھین'' پر ہے۔ کتاب کے آغاز ہی میں وہ

Scanned with CamScanner

اپنی مکمل مادیت کا ابلاغ کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ زندگی محض عضویات کی حرکت کا نام ہے اور اس لیے خود کار کلیں مصنوعی زندگی کی حامل ہیں۔ دولت مشترکہ جسے وہ ''لی وتھین'' کہتا ہے فن کی تخلیق ہے اور درحقیت یہ ایک مصنوعی انسان ہے، یہ مشابہت زیادہ تر معانی کی حامل ہے۔ جسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمانروائی ایک مصنوعی روح ہے۔ عہد و پیمان اور باہمی معاہدے جس سے ''لی وتھین'' کی تخلیق عمل میں آتی ہے اس فرمان الٰہی کی جگہ لیتے ہیں جس میں خدا نے کہا تھا'' میں انسان تخلیق کرتا ہوں۔ پہلا حصہ انسان بحیثیت فرد ہے اور ایسے عمومی فلسفے سے متعلق ہے جسے ہابس ضروری سمجھتا ہے۔۔۔۔

لی وتھین کے آخری باب میں اس نے یہ بات سمجھائی کہ جب کوئی بادشاہ مفتوح ہو جاتا ہے اور اپنی رعایا کی حفاظت کے قابل نہیں رہتا تو رعایا فاتح کا خیر مقدم کرتی ہے اور اپنی اطاعت کے ذریعے حکومت کی اس تبدیلی پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔

ہابز نے اپنی کتاب کے لیے ''لی وتھین'' کا نام چنا۔ یہ انجیل مقدس میں ایک مگرمچھ کا نام ہے جو تمام درندوں پر حکومت کرتا ہے۔ بعض کم تر جانور اپنے زعم میں اس کا مقام حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں مگر اس سے پیش نہیں پاتے۔ اور یہ مگرمچھ ان مغروروں پر حسب سابق حکومت کرتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی کتاب کا نام ''بی ہی ماتھ'' رکھا جو انجیل کے مطابق ایک بلائی کا نام تھا۔ ہابس نے انگلستان میں 1679ء میں انتقال کیا۔

مآخذ:

مغرب کے سیاسی فلسفی از مارس کریلنسٹن۔

History Of Western Philosophx by. Bertrand Russel

Scanned with CamScanner

1682ء۔ پیٹر اعظم کی تخت نشینی

1676ء میں شاہ الیکسس کی وفات پر اس کا بیٹا تھیوڈور سوم تخت نشین ہوا۔ 1682ء میں اس کے بعد آئی ون پنجم کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ یہ الیکسس کی پہلی بیوی کے بطن سے تھا لیکن الیکسس کی دوسری بیوی کے بیٹے پیٹر اول کو بھی حکومت کے کاروبار میں شریک کر لیا گیا۔ پیٹر نے بہت جلد پورا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ مختار کل بن گیا۔ اگرچہ آئی ون اس کی خود مختاری کے بعد بھی سات سال زندہ رہا۔ پیٹر کا عہد روس کی تاریخ میں بے حد اہم ہے اور وہ پیٹر اعظم کہلاتا ہے۔

پیٹر نے اقتدار اعلیٰ کا مالک بننے کے بعد سب سے پہلے اپنے توسیع پسندانہ منصوبوں پر عمل درآمد کرتے ہوئے ملک کی سرحدوں کو شمال میں بحیرہ بالٹک Baltic Sea، جنوب میں بحیرہ اسود تک پھیلا دیا۔ 1697ء میں پیٹر نے بھیس بدل کر فرانس اور انگلستان وغیرہ کا سفر کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یوروپی طاقتوں کو متحد کر کے ترکوں کے خلاف مذہبی محاذ قائم کرے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ یورپی ممالک کی کون کون سی چیزیں اور نظام جلد سے جلد روس میں جاری کیے جا سکتے ہیں۔ 1698ء میں ماسکو کی فوج نے بغاوت کر دی، اسے دبانے کے لیے پیٹر اعظم کو ملک واپس آنا پڑا۔ واپس پر اس نے روس میں اصلاحات کا نفاذ شروع کیا۔ دوسری طرف سویڈن کے خلاف جنگی تیاریاں کی گئیں۔ اس کے سفر کے باوجود یورپی طاقتیں ترکی کے خلاف لڑائی کے لیے تیار نہ ہوئیں اور پیٹر نے 1700ء میں ترکی سے صلح کر لی۔ سویڈن سے جنگ ہوئی۔

1710ء میں ترکی سے جنگ ہوئی لیکن 1711ء میں ترکی سے صلح کرتے ہوئے پیٹر اعظم نے کریمیا کا علاقہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔ یورپ سے واپسی پر پیٹر اعظم اپنے ساتھ یورپ سے انجینئر اور سائنسدان روس لایا اور اس نے اپنے ملک کو یورپی ممالک کی طرح سائنسی خطوط پر چلانے اور مغرب کی تقلید کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پیٹر اعظم نے اپنے ملک سے تمام مشرقی اقدار کو ختم کر کے مغربی اطوار اپنانے کا آغاز کیا۔ تمام امراء کو حکم دیا کہ وہ مغربی لباس زیب تن کریں۔ داڑھی کو مشرقی قدر سمجھتے ہوئے خود بھی داڑھی منڈوا دی اور اپنے اہل دربار کو بھی داڑھی منڈوانے کا حکم دیا۔

1700ء میں اس نے بحیرہ بالٹک کے ساحل پر ایک نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کا حکم دیا جو پیٹرز برگ کہلایا۔ پیٹر اعظم نے نظام حکومت میں بھی اصلاح کی۔ پورے اختیارات اپنے

Scanned with CamScanner

قبضے میں لے لیے۔ پرانی کونسل ختم کردی گئی اور اس کی جگہ 1711ء میں ایک سینٹ تشکیل دی گئی جس کے نو ممبر یا رکن تھے۔ ان ارکان کو پیٹر خود نامزد کرتا تھا۔ 1718ء میں حکومت کے نئے محکمے قائم ہوئے تھے، امراء پہلے اپنے آپ کو حکومت میں حصہ دار سمجھتے تھے۔ پیٹر نے انہیں سلطنت کے خدمت گاروں کی حیثیت دی۔ تجارت کی حوصلہ افزائی کی۔ صنعت وحرفت اور تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس وقت تک کلیسا بطریق اعظم کے ماتحت تھا۔ پیٹر نے بطریق اعظم کا عہدہ ختم کردیا اور اس کی جگہ ایک مجلس مقرر کردی۔ جس میں اسقف شریک ہوتے تھے مگر اس کی صدرات غیر مذہبی آدمی کرتے تھے۔ اس طرح کلیسا بھی حکومت کے زیر اثر آگیا۔ 1725ء میں پیٹر اعظم فوت ہوا۔ اگر چہ اس کی نافذ کردہ اصلاحات بعض صورتوں میں نامکمل رہیں تاہم ان سے روس میں قومی زندگی کا عام جذبہ پیدا ہوگیا۔

مآخذ:

تاریخ عالم سیفی نوگانوی۔ تاریخ عالم مرتضی میکش
انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم از مولانا غلام رسوم مہر۔

Scanned with CamScanner

1685ء۔ جنگ سیج مور

6 فروری 1685ء کو چارلس دوم نے وفات پائی۔ چونکہ اس کی کوئی جائز نرینہ اولاد نہ تھی لہٰذا اس کا بھائی ڈیوک آف یارک جیمز ثانی کے لقب سے بادشاہ بنا۔ وہ رومن کیتھولک مذہب کا پابند تھا اور تخت نشین ہوتے ہی اس نے کوششیں شروع کردیں کہ وہ اپنے ہم مسلکوں کے لیے آزادی عبادت کا بندوبست کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وگ اور ٹوری انگریزی کلیسا کی حفاظت کے لیے متحد ہوگئے مگر ان کا مقصد صرف کلیسا کی حفاظت تھا۔

ادھر جب جیمز ثانی کا مذہبی تعصب بڑھا تو ڈیوک آف مون موتھ Duke Of Mon Moth جو چارلس کا بیٹا سمجھا جاتا تھا، اسکاٹ لینڈ پہنچا ڈیوک آف آرگائل اس کے ساتھ تھا۔ انہوں نے جیمز ثانی کے خلاف بغاوت بپا کرنے کی کوشش کی اور ایک لشکر اکٹھا کیا تاکہ تخت شاہی پر اپنا دعویٰ قائم کرسکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تانتون سمرسیٹ Taunton Somerset کے مقام پر اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرکے 6 جولائی 1685ء کو اس نے سیج مور Sedge More کے مقام پر شاہی افواج پر حملہ کردیا۔ یہ مقام برج واٹر کے پاس تھا۔ مان موتھ نے شاہی لشکر پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا لیکن ایک پستول کے حادثاتی طور پر چلنے کی وجہ سے شاہی افواج کو خبر ہوگئی۔ مون کی فوج کسی اعتبار سے شاہی افواج کے ہم پلہ نہ تھیں اور نہ ہی ان کے پاس ہتھیار وافر مقدار میں موجود تھے۔ جب شاہی افواج کا سامنا ہوا تو مون موتھ کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار کرلیا گیا بادشاہ نے اس پر اس کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا۔ اس مقدمے کا جج بادشاہ نے اپنے خاص آدمی جیفرے jeffrey کو مقرر کیا جو اپنے ظالمانہ ہتھکنڈوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ جیفرے نے بغاوت میں حصہ لینے والے سینکڑوں افراد کو بے رحمانہ سزائے موت دی۔ اس وجہ سے اس کی عدالت کو خونی عدالت The Bloodly Assizes کہا جاتا ہے۔ 15 جولائی 1685ء کو ڈیوک آف مان موتھ کو لندن ٹاور میں سزائے موت دی۔ جیمز ثانی نے اس بغاوت کے بعد ایک قدم یہ اٹھایا کہ انگلستان و سکاٹ لینڈ میں تمام باشندوں کو عام مذہبی آزادی دینے کا اعلان کردیا۔ پھر یہ حکم بھی دیا کہ اس کا یہ اعلان تمام گرجاؤں میں باقاعدہ پڑھ کر سنایا جائے گا۔ جیسے چھ بڑے اسقفوں نے درخواست گزاری کی کہ اس اعلان کے گرجاؤں میں باقاعدہ پڑھنے پر اصرار نہ کیا جائے تو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

Scanned with CamScanner

1687ء۔ نیوٹن کی پرنسپیا شائع ہوئی

انگریز طبیعیات دان سر آئزک نیوٹن نے جب سترہویں صدی کے آخر میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''پرنسپیا میتھ میٹکا Prince Pia Mathematca شائع کی اور مشہور زمانہ قانون تجاذب Law Of Gravitation دریافت کیا تو انسان پر یہ عقدہ کھلا کہ صرف دنیا ہی نہیں بلکہ ساری کائنات میکانیکی اصولوں پر چل رہی ہے۔ اس طرح عقل پرستی کے اس دور کے اجزائے ترکیبی عقل، سائنس اور تجرباتی مادہ پرستی معلوم ہوئے۔

پرنسپیا میتھ میٹکا یعنی کتاب الاصول کی اشاعت 1687ء میں عمل میں آئی۔ اس کی اشاعت کے اخراجات نیوٹن کے نوجوان دوست اور عقیدت مند ایڈمنڈ ہیلی نے برداشت کیئے۔ ایڈمنڈ ہیلے وہی مشہور ہیت دان ہے جس نے دم دار ستارہ دریافت کیا تھا۔ نیوٹن نے اپنی اسی کتاب کے جملہ حقوق بھی ہیلے کو بخش دیئے تھے۔ نیوٹن کے اس عالمانہ جود وسخا نے اپنی اس سب سے عظیم تصنیف کو ایک عقیدت مند کے نام منسوب کردیا تھا۔ وہ خود ہیلے کو مخاطب کرتے ہوئے پرنسپیا کو ''تمہاری کتاب'' یعنی ہیلے کی کتاب کہتا تھا۔ مگر دراصل اسی کتاب نے نیوٹن کو اپنے زمانے کے سائنس دانوں میں سب سے اونچے مقام پر فائز کردیا پرنسپیا لاطینی زبان میں لکھی گئی ایک ضخیم کتاب ہے جس میں میکانیات اور ہیت کے بہت سے ادق مسائل نہایت عالمانہ طریقے اور ریاضی کے کلیات کی مدد سے حل کیئے گئے ہیں۔ اس کی تین جلدیں جن کے صفحوں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔

پرنسپیا کی پہلی جلد میکانیات کی عام تشریح سے شروع ہوتی ہے۔ نیوٹن اسے مادی اشیا کی حرکت کی سائنس کہتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی سے مختلف مضمون ہے۔ کیونکہ اگرچہ ٹیکنالوجی میں بھی مشینوں کی حرکت ہی سے واسطہ پڑتا ہے مگر مشینوں کا کام خاص نوعیت کا ہوتا۔ اس کے بالمقابل میکانیات ایک اصول سائنس ہے جس کا دائرہ عمل وسیع ہے۔ اس میں ہر قسم کی حرکات سے بحث ہوتی ہے۔ جو دنیا میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ پرنسپیا کا پہلا حصہ بہت کچھ اطالوی سائنس دان گلیلیو کی تحقیقات پر بھی مشتمل ہے۔ جس نے سترہویں صدی کے آغاز میں اس موضوع پر نہایت قابل قدر کام کیا تھا اس کام کو نیوٹن نے آگے بڑھایا اور اسکی مختلف کڑیوں کو مربوط کرکے نظری میکانیات کی بنیاد رکھی۔ بعد کے زمانے میں میکانیات کی وجہ سے انسان نے جو حیرت انگیز مشینی ترقی کی اس کی داغ بیل دراصل گلیلیو اور نیوٹن ہی نے رکھی تھی۔

کتاب پرنسپیا کی دوسری جلد میں اجسام کی ان حرکتوں کا بیان ہے جو مزاحم واسطوں

Scanned with CamScanner

میں پیدا کی جاتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی جسم فی الواقع ہوا میں حرکت کرتا ہے تو ہوا اس کی حرکت میں مزاحم ہوتی ہے۔ اس طرح پانی بھی حرکت کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔ پرنسپیا کے اس حصے میں نیوٹن گیس کی لچک اور اس کی کثافت سے اس گیس کے اندر طول لہروں کی رفتار کا کلیہ نکالتا ہے اور پھر ہوا اور آواز کی لہروں پر اس کا اطلاق کر کے ہوا میں آواز کی کثافت دریافت کرتا ہے۔

پرنسپیا کے اس حصے میں نیوٹن مائعات کے اندر اجسام کی حرکت پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ اور اس طرح آبی حرکیات کی سائنس کی بنیاد رکھتا ہے۔ وہ ریاضی کے عمل سے معلوم کرتا ہے کہ پانی کے اندر حرکت کرنے والے جسم کی شکل کس طرح کی ہونی چاہیے جس سے پانی کی مزاحمت اس پر کم سے کم ہو۔ موجودہ زمانے میں آب دوزیں اسی اصول پر بنائی جاتی ہیں۔ نیوٹن سے پہلے گیسوں اور مائعات کے اندر اجسام کی حرکات کا علم محض تجربات کی بنیاد پر تھا مگر نیوٹن اس علم کو ریاضی کے قالب میں ڈھال کر ایک مکمل سائنس بنا دیا جسے آنے والے زمانے میں مشینوں کا دور شروع ہوا۔

پرنسپیا کی تیسری جلد اجرام فلکی کی حرکات کے بارے میں ہے اور اس لحاظ سے افلاک کی میکانیات سمجھی جاتی ہے۔ اس نے عالمگیر تجاذب کی دریافت اور اجرام فلکی پر اس کے عمل سے پہلی بار اہل علم کو یہ تصور دیا کہ اجرام فلکی ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ سب کے سب تجاذب کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے کائنات ایک مربوط مشین کے طور پر سامنے آتی ہے جس کے اندر اجرام فلکی پرزوں کی طرح مصروف حرکت ہیں۔ نیوٹن نے انسان پر یہ اسرار بھی ظاہر کیا کہ جو قوتیں ہماری زمینی دنیا پر اثر انداز ہیں وہی افلاک کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمینی اور آسمانی دنیاؤں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نیوٹن نے اپنی کتاب پرنسپیا کی اس تیسری جلد کا ایک حصہ چاند کے لیے وقف کر دیا تھا مگر یہ حصہ نیوٹن کی کوشش اور محنت کے باوجود نامکمل ہی رہا۔ نیوٹن کہا کرتا تھا کہ چاند سے متعلقہ مسائل اتنے پیچیدہ ہیں کہ انہیں حل کرتے ہوئے میرا دماغ چکرا جاتا ہے۔ نیوٹن کے ایک مشہور سوانح نگار نے لکھا ہے کہ جب پرنسپیا شائع ہوئی تو اس وقت صرف تین یا چار اشخاص ایسے موجود تھے جو اسے مکمل طرح سمجھ سکتے تھے۔

ماخذ:

نامور مغربی سائنس دان از پروفیسر حمید عسکری صفحہ نمبر 284۔
کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی۔ غلام رسول مہر۔

Scanned with CamScanner

1687ء۔ اورنگ زیب عالمگیر کی جنوبی ہندوستان میں کامیابیاں

اورنگ زیب عالمگیر پر مورخین ایک یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اس نے دکن (جنوبی ہندوستان) کی شیعہ ریاستوں کو خوامخواہ ختم کر دیا حتیٰ کہ وہ مغلیہ سلطنت اور جنگجو مرہٹوں کے درمیان بفر اسٹیٹ کا کام دے رہی تھیں۔ مغلوں کی دکن پالیسی کا اورنگ زیب خود ذمہ دار نہیں تھا۔ یہ اسے ورثہ میں ملی تھی۔ دوسرے رکن کا مسئلہ مغلوں کی عزت کا سوال بن چکا تھا اور مرہٹے آئے دن طاقت پکڑتے جا رہے تھے۔ مغل دکن پالیسی کا اصل مقصد ہی مرہٹہ طاقت کی بیخ کنی تھا، لیکن مرہٹوں کو ختم کرنے سے پہلے دکن کی کمزور اسلامی ریاستوں کا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ کیونکہ یہ ریاستیں یعنی بیجاپور اور گولکنڈہ وغیرہ انتشار کا شکار تھیں اور بالکل کمزور ہو چکیں تھیں۔ مرہٹے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مغل علاقوں کو تاراج کر رہے تھے۔ پھر یہی نہیں بلکہ ان ریاستوں کا تعلق ایران سے تھا اور ایران کی مغلوں سے دشمنی مسئلہ قندھار کی شکل میں کافی بڑھ چکی تھی۔ ان حالات میں یہی کہنا درست ہے کہ اورنگ زیب سیاسی تقاضوں کی بنا پر دکن کی ریاستوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ نہ کہ کسی مذہبی تعصب کی بنا پر کیوں کہ خود شمالی ہندستان میں شیعہ حضرات کی ایک بڑی تعداد میں آباد تھے۔ مگر انہیں اورنگ زیب سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئیں۔ اورنگ زیب نے اسلامی دکن کی ریاستوں کو ختم کر کے مرہٹوں کی سرکوبی کی طرف توجہ دی۔ عالمگیر نے مرہٹوں کے تقریباً تمام قلعے فتح کر لیے اور اپنی وفات 1707ء تک ان کی طاقت کو کچلنے میں پوری طرح کامیاب رہا۔ اب سارے کا سارا دکن پہلی مرتبہ مغل سلطنت میں شامل ہو گیا تھا، وہاں کی کمزور اسلامی ریاستوں کا الحاق ہو چکا تھا اور مرہٹہ قوم کی جو شاہجہاں کے عہد میں ایک طوفان بن کر ابھری تھی، مکمل طور پر بیخ کنی کر دی تھی، بندھیا چل سے مدراس تک مکمل سناٹا چھا گیا تھا۔ مورخین کی رائے میں مرہٹے کوئی قوم نہ رہے تھے بلکہ خانہ بدوشوں کی طرح سرگرداں تھے۔ دوسرے لفظوں میں عالمگیر نے مرہٹہ قوم کے درخت کی ٹہنیاں، پھل اور پتے اور تنا تک ختم کر دیا اور اب صرف جڑ باقی تھی جسے آسانی سے عالمگیر کے جانشین اکھاڑ سکتے تھے مگر بدقسمتی سے اس کے جانشین نااہل نکلے اور دکن نہ صرف اورنگ زیب بلکہ مغلوں کے لیے ایک قبر ثابت ہوا اور متعصب مورخین کو طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اورنگ زیب ایام شہزادگی سے دکن کا گورنر رہا تھا۔ اسی زمانے میں مرہٹوں نے اپنے ایک سردار سیواجی کی سرکردگی میں بڑی ترقی کی تھی۔ سیواجی نے مغلیہ علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس نے بیجاپور کے مغل فوجی افسر کو ملازمت کے

Scanned with CamScanner

بہانے بلا کر قتل کر دیا اور مغلیہ علاقوں میں کھلم کھلا لوٹ مار شروع کر دی۔ اورنگ نے دکن کے مغل صوبیدار شائستہ خان کو اس کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس نے سیواجی کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور پونا میں اسی محل میں ٹھہرا جہاں سیواجی نے پرورش پائی تھی۔ ایک دن سیواجی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برات کی شکل میں پونا میں داخل ہوا اور رات کے وقت محل پر حملہ آور ہو گیا۔ اس اچانک حملے سے شائستہ خان بمشکل جان بچا کر بھاگا لیکن اس لڑائی میں اس کی انگلیاں کٹ گئیں اور اس کا بیٹا مارا گیا۔ اور سیواجی مار دھاڑ کر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ سیواجی نے اس کے بعد سورت پر چھاپہ مارا اور وہاں سے ایک کروڑ روپے کا سونا چاندی اور جواہرات لوٹ مار کر کے لے آیا۔ اورنگ زیب نے اس بڑھتے ہوئے خطرہ کا تدارک کرنے کے لیے راجہ جے سنگھ اور شہزادہ معظم کو فوج دے کر بھیجا تا کہ سیواجی کی سرکوبی کی جا سکے۔ شاہی فوج سے شکست کھا کر شیواجی نے اطاعت قبول کر لی اور مغل دربار میں اورنگ زیب کے سامنے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے پانچ ہزاری کا منصب عطا کیا مگر وہ اسے اپنے شایان شان سلوک نہ سمجھتے ہوئے بگڑ بیٹھا اور مٹھائی کے ٹوکرے میں بیٹھ کر آگرہ سے فرار ہو گیا اور دوبارہ لوٹ مار شروع کر دی۔ اورنگ زیب نے اپنی عمر کے 25 سال دکن کی مہمات سر کرنے میں گزارے بلکہ یہاں تک کہ اپنی زندگی میں واپس دہلی نہ آ سکا اور وہیں وفات پائی۔

اورنگ زیب نے شہزادہ معظم کو بیجاپور پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور پھر خود وہاں گیا اور ایک سال کے محاصرے کے بعد اس دکنی ریاست کو فتح کر لیا۔ وہاں کے بادشاہ سکندر کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

گولکنڈہ کا بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ بڑا عیاش تھا اس نے مغلوں کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گولکنڈہ وقتاً فوقتاً مرہٹوں کی مدد کرتی تھی اس لیے اس پر حملہ کر دیا گیا۔ محاصرہ دو سال تک جاری رہا۔ ابوالحسن بڑی دلیری سے لڑا۔ اس کے جنرل عبدالرزاق نے بڑی جوانمردی سے مغل افواج کا مقابلہ کیا۔ لیکن شاہی افواج اور عالمگیر کی عسکری پالیسیوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی اور آخری گولکنڈہ فتح ہو گئی۔ اورنگ زیب کی اعلیٰ ظرفی دیکھیے کہ جنرل عبدالرزاق کی فوجی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اور اس کے بیٹوں کو شاہی افواج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا گیا اور ابوالحسن تانا شاہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ دکن کی ان اسلامی ریاستوں کی فتح کے بعد مرہٹے بدستور ان علاقوں میں لوٹ مار مچاتے رہے اور اورنگ زیب نے ان کی شورشوں کی سرکوبی کے لیے افواج بھیجیں اور خود بھی دکن میں رہا۔ جب مرہٹوں کا زور ٹوٹا اور ان کے قلعے فتح ہو گئے تو اورنگ زیب واپس دہلی روانہ ہوا مگر راستے میں وفات پائی۔

Scanned with CamScanner

1688ء۔ انگلستان میں شاندار انقلاب

1688ء کا سال تاریخ انگلستان میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وہ سال ہے جس میں پارلیمنٹ اور بادشاہ میں اقتدار کی جنگ کا خاتمہ ہوا اور اسی سال پارلیمنٹ کی فتح اور بادشاہ کی شکست منظر عام پر آئی۔ یہی وہ سال تھا جس میں عوام کی قربانیاں رنگ لائیں اور انہیں حکومت کے نظم ونسق میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

بادشاہت کے خاتمہ کے بعد کرامویل اور اس کے بیٹے نے 1649ء سے 1660ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد 1660ء میں بادشاہت بحال ہوگئی اور چارلس دوم نے اگلے 18 سال حکومت کی۔ اس عرصہ میں وہ ہمیشہ اس خوف میں مبتلا رہا کہ اسے تاج وتخت سے اس کے باپ کی طرح محروم کردیا جائے گا۔ اس لیے اس نے بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے حکومت کی۔ 1680ء میں چارلس دوم کے لاولد ہونے کی وجہ اس کا بھائی جیمز دوئم تخت نشین ہوا۔ مخالفین نے بڑی کوشش کی کہ جیمز دوم کو تخت سے محروم کیا جائے مگر وہ ایسا نہ کرسکے۔ اس کی وجہ مستحکم حکومت تھی۔ لیکن باوجود استحکام کے وہ اپنی فرسودہ کارکردگی کی بنا پر شہنشاہیت کھو بیٹھا۔ اس کی وجوہات مورخین نے یہ دی ہیں۔

(۱) جیمز دوم چونکہ کیتھولک تھا اور اس کی خواہش تھی کہ کیتھولک ازم کو انگلستان میں بحال کیا جانا چاہیے اس کے لیے چاہے یہ تاج وتخت کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ اس وجہ سے جیمز دوم جب ٹیسٹ ایکٹ کو معطل کرنا چاہا تو پارلیمنٹ نے اسے ایسا کرنے کی منظوری نہ دی۔

(۲) جیمز دوم سے ایک بڑی سیاسی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ اس نے ڈیوک آف موناتھ کو قتل کروادیا جس سے ڈیوک بعد از مرگ عوام میں مقبول ہوگیا اور اس کی یہ دلعزیزی بادشاہ کے زوال کا باعث بنی۔ ڈیوک آف مان موتھ چارلس دوم کا ناجائز بیٹا تھا۔

(۳) جیمز دوم کی سب سے بڑی سیاسی غلطی ''بلڈی ازسٹ'' نامی عدالت قائم کی جس کا سربراہ جیفریز تھا جس نے بہت سے لوگوں کو سزائے موت دی۔ اس سے اس کے حامی بھی اس کے خلاف ہوگئے۔

جیمز دوم نے کیتھولک فرقے کی حمایت جاری رکھی اور فوج اور اہم سول اسامیوں پر رومن کیتھولک بھرتی کیئے۔ اس کا یہ کارنامہ قانون کے خلاف تھا۔ 1688ء میں بادشاہ نے سات پادریوں کو حکم دیا کہ وہ کلیسا میں اس کی طرف سے دی گئی چند فراعات کا نام پڑھ کر سنائیں۔ پادریوں کے معذرت چاہنے پر ان کو قید کردیا گیا۔ لیکن عدالت عالیہ نے ان پر

Scanned with CamScanner

مقدمہ چلائے جانے کے بعد انہیں بری کر دیا۔

مذکورہ پادریوں کو قید سے رہائی کے موقع پر لندن میں جشن مسرت منایا گیا۔ جشن کے دوران ہی خبر آئی کہ بادشاہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ مگر یہ خبر عوام کے لیے باعث خوشی نہ تھی۔ کیونکہ بادشاہ کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے عوام خواہاں تھے کہ بادشاہ کے بعد اس کی بیٹی میری تخت نشین ہو مگر اب حالات بدل گئے اور امید ہو چلی کہ بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوگا۔ عوام نے ولیم اور میری کو درخواست کی وہ فوج سمیت آئیں اور پروٹسٹنٹ مذہب اور عوام کی آئینی آزادی کو بچائیں۔ جیمز دوم اگر اپنا تخت بچانا چاہتا تھا تو اس کے لیے ضروری تھا وہ اپنی گذشتہ غیر آئینی حرکات پر شرمندہ ہو کر آئینی طور پر حکومت چلاتا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ اس بنا پر فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اس پر جیمز اپنا تخت برقرار نہ رکھ سکا اور مہر شاہی دریائے ٹیمز میں پھینک کر فرانس بھاگ گیا۔ اس طرح سترہویں صدی کا یہ متنازعہ مسئلہ یا بادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش اختتام کو پہنچی اس رسہ کشی میں بادشاہ اور پارلیمنٹ دونوں نے زور لگایا۔ خانہ جنگی بھی ہوئی اور ایک بادشاہ قتل ہوا اور دوسرے کو فرار ہونا پڑا۔ ولیم اور میری نے تخت حاصل کر لیا اور ملک میں قانون کی بالادستی قائم کرنے کا عہد کیا۔ جس میں پارلیمنٹ کو ملک کی باگ ڈور کا مکمل اختیار دے دیا گیا۔ اس طرح اس شاندار انقلاب کی بدولت انگلستان کے بادشاہ مطلق العنانی سے باز آ گئے۔ انگلستان کے اس انقلاب کو مورخین نے انقلاب فرانس کے مقابلے میں شاندار انقلاب اس لیے کہا ہے کہ انقلاب فرانس دہشت انگیزی کا نتیجہ تھا جب کہ یہ انقلاب خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر رونما ہوا تھا اور اس کی بنیاد مصالحت پر تھی۔

Scanned with CamScanner

1689ء۔ ولیم اور میری تخت انگلستان پر

10 جون 1687ء کو انگلستان کے بادشاہ جیمز ثانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ عوام چونکہ جیمز ثانی کو اس کی کیتھولک نواز اور غیر آئینی پالیسیوں کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے اس لیے لوگوں کی تشویش بڑھ گئی کہ معاملہ اب جیمز کا نہیں رہا جو ضعیف ہو چلا تھا اور امید تھی کہ اس کی موت کے بعد ملک میں آئینی پالیسی جاری کی جاسکے گی مگر اب تو یہ امید ہو چکی تھی کہ جیمز ثانی کی پالیسی اس کے بعد اس کا بیٹا جاری رکھے گا۔ اسی وجہ سے درباری امراء جیمز کے وفادار تھے وہ بھی اس سے الگ ہو گئے۔ ادھر جیمز کے داماد ولیم نے اعلان کر دیا کہ وہ اہل انگلستان کی دعوت قبول کرتا ہے۔

ولیم کے انگلستان کی حکومت کو قبول کرنے کے اس اعلان کے ساتھ جیمز پر ہراس طاری ہو گیا۔ ولیم چودہ ہزار فوج کے ساتھ 5 نومبر کو انگلستان کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ انگلستان کے ذی اثر امراء نے ولیم کا ساتھ دیا۔ جیمز کے فرار کے بعد 19 دسمبر کو ولیم لندن پہنچ گیا۔ 22 جنوری 1689ء کو دستور سازی پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا گیا جس نے اعلان کیا کہ کیتھولک مسلک رکھنے والا بادشاہ کے حوالے اقتدار کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے پروٹسٹنٹ سلطنت کی بہبود اور حفاظت کے لیے تاج و تخت میری کے حوالے کیا جاتا ہے اور ولیم، اس کے خاوند کو اس کا نائب بنایا جاتا ہے۔ مگر ولیم اور میری نے یہ پیشکش قبول نہ کی تو دونوں کو مشترکہ طور پر بادشاہ اور ملکہ بنا دیا گیا۔

13 فروری کو عوام کے حقیقی، قدیم اور غیر مشتبہ حقوق کا اعلان کر دیا گیا۔ جس میں کچھ یوں کہا گیا تھا کہ پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر قانون سازی نہیں ہوگی پارلیمنٹ کی مرضی کے بغیر نیا ٹیکس نہیں لگایا جاسکے گا۔ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر فوج رکھنا ناجائز ہے۔ پارلیمنٹ کے ارکان کا انتخاب بالکل آزادانہ ہوگا۔ ولیم اور میری کے بعد تخت کی وارث ان کی اولاد ہوگی اور اگر وہ لاولد رہے تو میری کی چھوٹی بہن این تخت کی وارث ہوگی۔

میری اور ولیم کے عہد میں قومی قرضے کا آغاز ہوا۔ انہوں نے دس لاکھ پونڈ کی رقم جنوری 1693ء میں دس فیصد سود پر حاصل کی۔ لندن میں مستقل سٹاک ایکسچینج قائم ہوا (1698ء)۔ 8 مارچ 1702ء کو ولیم نے وفات پائی۔ اس کے بعد جیمز ثانی کی دوسری بیٹی این تخت نشین ہوئی۔ این کی شادی ڈنمارک کے شہزادے سے ہوئی تھی۔

Scanned with CamScanner

1690ء۔ کلکتہ شہر کا قیام

بھارت (برصغیر) کا سب سے بڑا شہر اور مغربی بنگال کا صدر مقام سات گاؤں کی بندرگاہ کے پایاب ہونے پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے دریائے ہگلی کے کنارے ایک نیا شہر اور بندرگاہ آباد کرنے کے لیے اپنا ایک خصوصی نمائندہ جاب شرناک مغربی بنگال بھیجا۔ جاب شرناک Job Charnoek، 1690ء میں دریائے ہگلی کے کنارے جس مقام پر ٹھہرا وہاں مقامی لوگوں کے تین گاؤں، کالی کتہ، سوتا کنتی اور گوبند پور آباد تھے۔ شرناک کے قیام کے ساتھ ہی یہاں آبادی بڑھنے لگی اور اس نے ایک قصبہ کی شکل اختیار کرلی، انگریزوں نے یہاں پہلے سے موجود گاؤں کالی کتہ کے نام پر اس کا نام کلکتہ رکھ دیا۔ 1696ء میں ایک نزدیکی ڈسٹرکٹ بردوان میں مغل حکومت کے خلاف بغاوت ہوئی تو انگریزوں نے کلکتہ کی آبادی کی حفاظت کے لیے اس کے گرد فصیل یا قلعہ بندی بنانے کی اجازت مانگی جو آسانی سے مل گئی، کلکتہ کی یہ قلعہ بندی 1700ء میں فورٹ ولیم کہلائی۔

آہستہ آہستہ انگریزوں نے مغل شہنشاہوں سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کی سند حاصل کرلی تو ان صوبوں کے ناظموں کو پروردہ بنا کر ان کا نظم ونسق انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور کلکتہ کو اس دیوانی کا صدر مقام قرار دیا۔ انگریزوں کی ریشہ دوانیاں دیکھ کر 1756ء میں نواب سراج الدولہ نے کلکتہ پر قبضہ کرلیا۔ اسی قبضے کے دوران انگریز مورخوں نے نواب سراج الدولہ پر بلیک ہول کے واقعہ کا الزام لگانے کی کوشش کی جو غلط اور بے بنیاد ہے۔ 1912ء تک یہ شہر برطانوی ہند کا دارالخلافہ رہا۔ لیکن صدر مقام کی دہلی منتقلی کے بعد اس کی اہمیت بہت کم ہوگئی مگر آبادی اور رقبے کے لحاظ سے یہ آج بھی برصغیر کا سب سے بڑا شہر ہے۔ صنعتی طور پر بھی یہ بھارت کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ نواب سراج الدولہ کی جنگ پلاسی میں شکست کے بعد 1757ء میں رابرٹ کلائیو نے کلکتہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ 1772ء میں ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز جب ہندوستان آیا تو کلکتہ کو برطانوی ہند کا صدر مقام قرار دیا گیا اور مرشد آباد سے اہم سرکاری دفاتر یہاں منتقل کردیئے گئے۔

1706ء کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق یہاں کی آبادی 1706ء میں تقریباً 10 ہزار سے بارہ ہزار تھی۔ جو 1756ء میں بڑھ کر تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار ہوگئی۔ 1821ء میں یہ تعداد 180000 ہوگئی جو آج کل ایک کروڑ سے تجاوز کرچکی ہے۔ آج کل یہ بنگلہ دیش کے بعد پٹ سن کی مصنوعات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں طباعت، کاغذ، تیل، فولاد، چمڑا

Scanned with CamScanner

رنگنے اور پارچہ بافی کے بے شمار کارخانے ہیں۔

مآخذ:

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، بھارت کے مشہور شہر۔
Encyclopedia Britannica vol:15

Scanned with CamScanner

1694ء۔ بینک آف انگلینڈ کا قیام

1694ء میں انگلستان کے اہم مالیاتی ادارے بینک آف انگلینڈ Bank Of England یا ساہوکاری کوٹھی انگلستان کا قیام عمل میں آیا۔ سترہویں صدی کے آخر تک تاجر زرنقد کو اپنی دوکانوں کے آہنی اور مضبوط صندوقوں میں رکھتے تھے یا زرگروں کے سپرد کردیتے تھے جو یہ روپیہ سود پر لگادیتے لیکن انتہائی ذمہ داری کے ساتھ کہ جمع کنندہ کی طلب پر سارا روپیہ نقد ادا کردیں گے۔ اس طرح زرگروں یا صرافوں کی دوکانیں عملاً نجی ساہوکاری کی کوٹھیوں یا بنکوں کا کام دینے لگیں تھیں۔ تاہم جنیوا (سوئزرلینڈ) اور ایمسٹرڈم (ہالینڈ) میں 1600ء سے سرکاری بینک بھی کام کرنے لگے تھے۔ ولیم کے زمانے میں ساہوکاری کے لیے اس قسم کا بینک انگلستان میں بھی کھولے جانے کے لیے بارہا پارلیمنٹ میں مباحثہ ہوا۔ آخر ایک سکاٹی محرک ولیم پیٹرسن اور لندن کے ایک سوداگر میکائل گوڈفرے اور مون ٹیگو نے مل کر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنادیا۔ حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ کا جدید قرضہ دینے والے ایک ساہوکاری شرکت کی صورت میں منظم کردیئے گئے۔ حکومت نے اس قرض پر آٹھ فی صد 8% سود دینا منظور کیا۔ جس سے انہیں ایک لاکھ سالانہ کا منافع اور چار ہزار پونڈ سالانہ انتظامی معارف کے لیے ملنے لگے۔ پارلیمنٹ نے ایک قانون کے ذریعے انہیں اجازت عطا کی کہ زرنقد جمع اور سود پر قرض دیں اور تحریری معاہدے کرسکیں کہ جمع کنندوں کو عندرالطلب نقد روپیہ دیا جائے گا۔ ان تمسکات کو "بینک نوٹ" یا زرکاغذ کا نام دیا گیا۔ قانون میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ پارلیمنٹ کی منظوری یا قانون پاس کیئے جانے کے بغیر بینک حکومت کو جدید قرضہ نہ دے سکے گا جس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت اپنے اخراجات کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری سے آزاد نہ ہوسکے۔ بہرحال یہ مالیاتی ادارہ ملک کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ جن لوگوں کے پاس سرمایہ تھا انہیں ایسے بینک میں روپیہ رکھوانے میں کوئی دقت نہ رہی۔ جس کی دوسرے لین دین کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی تھی اور اسکے دیوالیہ ہوجانے کا کوئی خطرہ بھی نہیں تھا ادھر بینک کو بھی موقع ملا کہ تجارت کا شوق رکھنے والوں کو کم سود پر روپیہ فراہم کرکے تجارت اور معیشت کی ترقی کے لیے کام کرے۔ بینک آف انگلینڈ کی یہ ابتدا تھی۔ اسی کے نمونے پر چلتے ہوئے بعد میں صدہا مشترکہ ساہوکاری کی کوٹھیاں قائم کی گئیں جو وہی خدمات انجام دیتیں جو پہلے زرگر یا صراف انجام دیتے تھے۔

مآخذ: تاریخ انگلستان از خالد قریشی۔

Scanned with CamScanner

1700ء۔ عظیم جنگ شمالی

1697ء میں چارلس دوازدہم سویڈن کے تخت پر بیٹھا اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ اس کی ناآموزی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ روس کے پیٹر اول نے کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ڈنمارک اور پولینڈ کو ساتھ ملا لیا تاکہ اس اتحاد کے ذریعے سویڈن سے علاقے چھینے جاسکیں۔

تاہم چارلس XII بھی پیدائشی سپاہی تھا اس نے سب سے پہلے 1700ء میں ڈنمارک پر حملہ کیا اور اپنی مرضی کی شرائط منوا کر صلح کر لی۔ یہ صلح نامہ معاہدہ Travendal کہلاتا ہے۔ سویڈن اور ڈنمارک کی جنگ کے دوران روس نے نیروا Nerva کا محاصرہ کرلیا۔ چارلس دوازدہم اہل نیروا کی مدد کے لیے صرف آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ 60 ہزار روسیوں کے مقابلہ میں ایا۔ مگر اس نے اپنی ذاتی بہادری کی بنیاد پر روسی افواج کے چھکے چھڑا دیئے اور ان پر شاندار فتح حاصل کی۔ اس کا اگلا ہدف پولینڈ تھا جس سے جنگ کے دوران پیٹر اعظم کو دوبارہ اپنی فوج اکھٹی کرنے اور پیٹرز برگ کا سنگ بنیاد رکھنے کا موقع مل گیا۔ ادھر چارلس کی تقدیر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا 1709ء میں اسے Potalva کے مقام پر بری طرح شکست ہوئی۔ اور اس نے بھاگ کر ترکی میں پناہ لی۔ وہ 1714ء تک ترکی میں مقیم رہا۔ 1718ء میں فریڈرکسٹین Frederiksten ناروے کا محاصرہ کیئے ہوا تھا کہ اسے موت نے آلیا۔ اس کی موت کے بعد اہل سویڈن نے معاہدہ نیسٹاڈٹ Nystadt پر دستخط کیئے جس سے عظیم شمالی جنگ ختم ہوئی۔ یہ عظیم جنگ شمالی 21 سال جاری رہی۔

ماخذ:
تاریخ تہذیب عالم از مانفرید ترجمہ امیر الدین تقی حیدر۔
1000 Great Events.

Scanned with CamScanner

1701ء۔ ہسپانیہ کے تخت وتاج کے لیے جنگ

شاہ ہسپانیہ چارلس دوم کی وفات کے بعد اس کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ سوال اٹھا کہ ہسپانیہ کے تاج وتخت کا وارث کون ہوگا؟ یہ مسئلہ نہایت اہم تھا کیونکہ شاہ ہسپانہ کے قبضے میں اس وقت نیدرلینڈ کے دس اصلاع، نیپلز اور سسلی، میلان کی ریاست، جزائر سارڈینیا جزائر منورکا اور میجورکا تو یورپ میں تھے اور میکسیکو وغیرہ شمالی امریکہ میں اور برازیل وگیانا کے سوا پورا جنوبی امریکہ، ایشیا میں جزائر فلپائن غرب الہند میں کیوبا اور دیگر جزائر تھے۔ اب اگر فرانس کا شہزادہ تاج وتخت ہسپانیہ کا وارث ہوجاتا تو اس صورت میں طاقت کا توازن فرانس کے حق میں چلا جاتا۔ آسٹریا کا شہزادہ غالب آجاتا تو یہی صورتحال آسٹریا کی ہوتی اور آسٹریا کا اثر بہت کچھ بڑھ جاتا۔ انگریزوں کو یہ ڈر تھا کہ کہیں فرانس اور اسپین متحد نہ ہوجائیں۔ ولندیزیوں کو اپنی بیرونی تجارت کی فکر لاحق تھی اور فرانس کے اقتدار سے وہ بھی لرزہ براندام تھے۔ بہرحال مغربی یورپ کی ان طاقتوں میں مصالحت کی صورت یہ نکلی کہ ہسپانیہ کا تخت بوٹریا کے تیرہ سالہ شہزادے کو دے دیا جائے۔ جس کی تخت نشینی سے بہت سی مشکلات رفع ہوسکتی تھیں اور فرانس اور آسٹریا کو دوسرے مقبوضات میں اس ایثار کا معاوضہ دیا جانا تھا کہ بویریا کا یہ شہزادہ ہی فوت ہوگیا اور از سرنو تقسیم کی ضرورت پیش آئی۔ برطانیہ کا بادشاہ ولیم آسٹریا کے شہزادے چارلس کے لیے اسپین اور نیدرلینڈ کے اضلاع اور نوآبادیوں کا معاملہ طے کرا چکا تھا جس سے انگلستان اور ہالینڈ کے مقاصد پورے ہوجاتے اور ادھر فرانس کے ولی عہد کے حصے میں نیپلز، سسلی اور میلان کی ریاست کے علاوہ بھی چند علاقے آجاتے۔ اس قرار کے متعلق بہت کچھ کہا جاسکتا تھا لیکن عملاً یہ بالکل ناکام رہی۔ آسٹریا والوں نے اہل ہسپانیہ کو رضامند کرنے کے لیے کوئی کوشش نہ کی مگر اسی درمیانی مدت میں فرانس کے حامیوں نے اس پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ اپنی پوری بادشاہی ولی عہد فرانس کو دینے کی بجائے اس کے منجھلے بیٹے فلپ کے نام وصیت کرگیا اور شاہ لوئی نے بھی بلا تامل وصیت نامے کی تائید کی۔ ہسپانیہ کے باشندوں کی سرائے اپنی سلطنت کے حصے بخرے ہونے کے خلاف تھی۔ انہوں نے بھی ایک فرانسیسی شہزادے کی تخت نشینی کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ قبول کیا۔ لوئی نے کہا میں امید کرتا ہوں فرانس اور اسپین کے درمیان اب کوہستان پارنیز اب محو ہوجائے گا اور اپنے پوتے کو اسپین روانہ کیا اور خود نیدرلینڈ کے اضلاع پر قبضہ جمالیا۔

Scanned with CamScanner

1702ء۔ ملکہ این کی تخت نشینی

ولیم اور میری کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی لہٰذا ولیم کی وفات کے بعد جیمز ثانی کی دوسری بیٹی این Ann تخت نشین ہوئی۔ وہ ڈنمارک کے شہزادے جارج کی بیوی تھی۔ اس کے ہاں سترہ بچے پیدا ہوئے مگر کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ ملکہ بننے کے بعد پہلے دور میں وہ ڈیوک آف مارلبرو کی بیوی سارہ کے زیر اثر رہی جو اس کی عزیز ترین سہیلی تھی۔

اسی ملکہ کے عہد میں 1707ء میں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے اتحاد سے برطانیہ عظمیٰ قرار پایا اور دونوں ملکوں کا جھنڈا یونین جیک تجویز ہوا۔

جیمز دوم کا بیٹا اسکاٹ لینڈ میں تخت کا دعویدار ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگا۔

اسی ملکہ کے عہد کا ایک درخشاں کارنامہ جبل الطارق کی تسخیر ہے۔ اس ہسپانوی حکام کا محاصرہ یکم اگست 1703ء کو شروع ہوا۔ اس میں شہزادہ جارج اور دیگر دو برطانوی امراء شامل تھے۔ چار اگست کو جبل الطارق کی آبادی پر گولہ باری کی گئی تو قلعہ والوں نے اطاعت اختیار کر لی۔

اسی ملکہ کے عہد میں نیدر لینڈ میں لڑائیاں لڑی گئیں۔ اور فرانسیسیوں کے ساتھ معرکہ اے مے لیز لڑا گیا۔ متعدد فتوحات حاصل ہوئیں مگر جنگوں کے بھاری اخراجات ٹوری پارٹی (قدامت پسند) اور وگز (ترقی پسند) کے درمیان باعث نزاع بن گئے۔

28 مئی 1714ء کو شہزادی صوفیا کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا جارج ملکہ این کے بعد تاج و تخت کا وارث قرار پایا۔ ٹوری پارٹی کو یقین تھا کہ جارج کی تخت نشینی کے بعد ویگ پارٹی برسر اقتدار آ جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے جیمز ثانی کے بیٹے سے گفت و شنید شروع کر دی مگر کسی فیصلے پر نہیں پہنچے تھے کہ یکم اگست 1714ء کو ملکہ این کا انتقال ہو گیا۔

ملکہ این اگرچہ خود متوسط درجے کی قابلیت رکھتی تھی مگر اس کا عہد ذہنی بیداری، نوکلاسیکی طرز تعمیر کے رواج، سلطنت کی وسعت، آئین کے احترام اور صحافت کے سیاسی اثر و رسوخ کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

Scanned with CamScanner

1704ء۔ جان لاک کی وفات

دور جدید میں فلسفہ عوام اور پیشہ ور فلسفیوں میں علیحدہ علیحدہ معنی رکھتا ہے۔ عوام کی رائے میں فلسفہ کچھ ایسی تجاویز اور اصول سامنے لاتا ہے جو بہتر زندگی کے لیے مشعل راہ ہوں۔ یہ اصول مرتب کرنا بڑی سوچ بچار کا کام ہے اور یہ گوہر نایاب زندگی کی گہرائیوں میں ڈوب کر ملتا ہے۔ پیشہ ور فلسفی اسے بڑے حقیقی معنی پہناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مختلف علوم کی حد بندی اور مختلف نظریات کے تجزیئے میں جو دشواریاں حائل ہیں اور اس سے جو مسائل سامنے آتے ہیں ان کی چھان بین ہی فلسفہ ہے۔

جان لاک (1632ء۔ 1704ء) 1688 کے انقلاب کا علم بردار تھا۔ یہ انقلاب تمام یورپی انقلابات میں معتدل اور کامیاب ترین رہا۔ جان لاک 1632ء میں لندن میں پیدا ہوا اس کا باپ ایک پیورٹین تھا۔ لاک نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور وہیں معلم کے طور پر ملازمت کرلی۔ یونانی ادبیات، فن خطابت اور اخلاقیات پر لیکچر دینے لگا۔ 1675ء میں اسے فرانس جانے کا موقع ملا اگلے چار سال وہ فرانس میں قیام پذیر رہا۔ وطن واپسی پر اس پر ملک دشمن نظریات کا حامی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ لاک نے دانائی سے کام لیا اور ہالینڈ چلا گیا۔ نظریاتی فلسفے میں اس کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی کتاب ''انسانی فہم کے بارے میں انشائیہ An Essay On Humman Understanding'' ہے۔ یہ 1687ء میں مکمل ہوئی۔ اور 1690ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف میں لاک نے پہلی بار جدید فلسفہ کا تہذیبی جائزہ لیا۔ اس کتاب میں لاک نے دعویٰ کیا ہے کہ انسانی علم فقط تجربات اور عقلی مشاہدے کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ انسانی ذہن کو سمجھنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جسے انسانی احساسات کہتے ہیں۔

لاک تمام فلسفیوں میں خوش نصیب ہے۔ اس نے اپنے نظریاتی فلسفے کا کام عین اس وقت مکمل کیا جب اس کے ملک میں حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو اس کے سیاسی آراء سے اتفاق رکھتے تھے۔ لاک نے اپنے جن فکری اور عملی نظریات کا اظہار کیا وہ آئندہ کئی سالوں تک ان لوگوں نے قبول کر لیئے جو سب سے زیادہ طاقتور اور بااثر سیاست دان اور فلسفی تھے۔ لاک کے سیاسی نظریات مانٹسکو کی وضاحتوں کے ساتھ آج بھی امریکی آئین کی تہہ میں موجود ہیں اور جب کبھی صدر اور کانگریس میں اختلاف رائے ہوتا ہے تو یہی کام آگے ظاہر ہوتے ہیں۔ تقریباً پچاس سال پہلے تک اس کے نظریات برطانوی آئین میں بھی نظر آتے

Scanned with CamScanner

تھے۔

سیاسی مسائل کے حل کے لیے اس نے عمرانیات کی اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ اقتدار اعلیٰ کا دارومدار اس پر ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''حکومت پر مقالات Treaties On Goverment'' میں حکومت اور عوام کے درمیانی تعلقات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں لاک نے آج ان جمہوریت پسندانہ انسانوں کی ترجمانی کی ہے جو آمریت کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔

لاک کے اخلاقی نظریات بھی دلچسپ ہیں۔ جزوی لحاظ سے اپنے طور پر اور جزوی لحاظ سے بینتھم کے لیے پیش قدمی Anticipation کے طور پر لاک کہتا ہے'' خواہش کا محرک کیا ہوتا ہے؟ میرا جواب ہے مسرت اور صرف مسرت۔ مسرت ہی اپنی پوری حد میں وہ سب سے بڑی خوشی ہے جس کے ہم اہل ہیں۔ سچی مسرت کے حصول کا جبر تمام آزادیوں کی بنیاد ہے۔ نیکی پر بدی کو ترجیح دینا صریحاً غلط فیصلے کا مظہر ہے۔''

مآخذ:

فلسفہ مغرب کی تاریخ از برٹینڈ رسل۔ مغرب کے چند اہم سیاسی مفکر۔

Scanned with CamScanner

1705ء۔ اردو کے پہلے شاعر ولی دکنی کی غزل سرائی

اردو زبان کے محسن ولی محمد المتخلص بہ ولی دکنی 1668ء/1079ھ میں بمقام اورنگ آباد، دکن پیدا ہوئے۔ اور 1742ء/1155ھ میں احمد آباد گجرات میں وفات پائی۔ بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے گجرات گئے جو اس زمانے میں علوم وفنون کا مرکز تھا۔ وہاں شاہ وجیہ الدین علوی کی مدرسے میں تعلیم پائی، وہیں شاہ نورالدین صدیقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سیر و سیاحت کے سلسلے میں دو مرتبہ دلی آئے پہلی بار اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخر میں 1700ء میں اور دوسری مرتبہ محمد شاہ رنگیلا کے عہد سلطنت میں 1722ء۔ جب پہلی بار آئے تو شاہ سعد اللہ گلشن، دہلی کے مشہور شاعر و درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے فارسی کلیات میں دو لاکھ کے قریب فارسی شعر تھے۔ انہوں نے ولی کو مشورہ دیا کہ "ریختہ" (اردو) میں فارسی کے مضامین رنگین استعمال کریں۔ جب دوسری بار دلی آئے تو اپنا دیوان ساتھ لائے چونکہ شاہ گلشن کے مشورہ سے پورا استفادہ کر چکے تھے۔ اس لیے ان کا کلام دلی میں مقبول ہوا۔ دلی کے اردو شعراء کے کلام میں فارسیت غالب تھی، لیکن ولی نے فارسی کے ساتھ بھاشا الفاظ کو اپنے کلام میں سمو دیا تھا۔ اور ایک نئے دور کے داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے ہر صنف سخن اور مختلف زمینوں اور بحروں میں داد سخن دی لیکن ان کے کلام میں تغزل کا رنگ نمایاں رہا۔ اسی لیے انہیں اردو غزل کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ ان کا دور اردو زبان کا ایک عبوری دور ہے۔ اہل دکن اور اہل شمال کے میل جول سے نئی نئی ترکیبیں اور نئے نئے الفاظ محفوظ کر کے ایک تاریخی فرض انجام دیا الفاظ کی موزونی، ان کا برمحل استعمال اچھوتے استعارے اور تشبیہیں، جاذب نظر ترکیبیں اور رعایت لفظی کلام ولی کی جان ہیں۔ نمونہ درج ذیل ہے۔

خالی بھی مکھ پر ترے جو یوں دسے
جیوں کہ بیٹھا زاغ آ گلشن بھیتر

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو
کرتی ہے نگہ جس قدر نازک پر گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوہ مستانہ ساقی
کہ دل سے تاب جی سے صبر، سرے ہوش لے جاوے

ولی اس گوہر کان حیا کی کیا کہوں خوبی
مرے گھر اس طرح آتا ہے جیون سینے میں راز آوے

Scanned with CamScanner

1705ء۔ سر ایڈمنڈ ہیلے کا دمدار ستارہ

فلکیات کے میدان میں مشاہداتی کارنامے سرانجام دیتے ہوئے سر ایڈمنڈ ہیلے Sir Edmund Halley (1656ء۔ 1742ء) نے جو 1720ء سے 1742ء تک ہیئت دان شاہی کے عہدے پر فائز رہا تھا، اپنے فلکیاتی مشاہدے پر مبنی 1705ء میں ایک کتاب Synopsis Of Astrology شائع کی جس میں اس نے 24 دمدار ستاروں کے متعلق اور ان کے مدار کے بارے میں بتایا۔ ان میں بعض جیسے ہیلے کا مدار ستارہ ہمارے نظام شمسی کا حصہ تھے۔ اپنی اسی کتاب میں ریاضی کی مدد سے ہیلے نے ثابت کیا تھا کہ 240 ق م سے متواتر 76 یا 79 سال کے وقفوں کے بعد زمین پر نظر آنے والا دمدار ستارہ جو 1531ء، 1607ء اور 1682ء میں نظر آیا تھا اور اب 1758ء میں نظر آئے گا ایک ہی ہے 1758ء میں اگرچہ ہیلے زندہ نہ تھا۔ مگر اس کی پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔ مارچ 1759ء میں اس دمدار ستارے کا نام سر ایڈمنڈ ہیلے کے اعزاز میں ہیلے کا دمدار ستارہ Halley's Cometo رکھ دیا گیا۔

بعد کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو بڑا اور روشن دمدار ستارہ انگلستان میں نارمنوں کی فتح کے زمانے (1066ء) میں نظر آیا تھا اور جسے اس زمانے کے پردوں Bayeux Tapestry پر بھی دکھایا گیا ہے وہ بھی ہیلے کا دمدار ستارہ ہی تھا۔ 1910ء میں جب زمین اس کی دم کے لاکھوں میل کے حصے سے گزری تو اس وقت وہ زمین اور سورج کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ مگر اس نزدیکی کے زمین پر کوئی اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ 5 اپریل 1910ء کو اس کا سورج سے فاصلہ صرف 55 ملین میل رہ گیا جب کہ 20 مئی 1910ء کو وہ زمین سے صرف چودہ ملین میل کے فاصلے پر آ گیا تھا۔ اس سے اگلے دن زمین اس کی دم میں سے گزری تھی یکم جولائی 1911ء کو یہ دمدار ستارہ بیسویں صدی کے اولین عشروں میں آخری مرتبہ نظر آیا تھا۔ اس کے بعد یہ 9 فروری 1986ء کو زمین کے افق پر دیکھا گیا۔ اب 2062ء اور 2065ء میں متوقع ہے۔

1986ء میں جب یہ ایک بار پھر زمین کے قریب سے گزرا تھا تو انسان نے اس کا مشاہدہ پہلی بار اپنے خلائی جہازوں اور مصنوعی سیاروں سے کیا۔ اس کا مشاہدہ کرنے والے دو روسی خلائی جہاز ویگا 1، اور ویگا 2 اور یورپی خلائی سیارہ Giotto تھے۔ ان خلائی جہازوں کی اکٹھی کردہ معلومات کے مطابق اس دمدار ستارہ کا نیوکلیس بیضوی ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے

Scanned with CamScanner

یہ کاربن، آکسیجن اور کئی دوسرے عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ دمدار ستارہ 80 ہزار میل فی گھنٹہ سے زائد رفتار کے ساتھ اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اس کے اندرونی حصے Core کا حجم تقریباً 6 کلومیٹر ہے۔ اس کے کوما Coma کا درجہ حرارت جو اس کے نیوکلیس اور گیسوں کے غلاف پر مبنی ہے 330K=20K ناپا گیا ہے۔

مآخذ:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل مادہ "ہیلے"

Scanned with CamScanner

1707ء۔ بہادر شاہ اول تخت دہلی پر

1707ء میں اپنی وفات سے پہلے عالمگیر اورنگ زیب نے ایک وصیت کے ذریعے اپنی سلطنت اپنے بیٹوں میں تقسیم کردی تھی تاکہ اس کے بعد کوئی خون خرابہ یا جنگ جانشینی نہ لڑی جائے مگر اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغل روایات کے عین مطابق اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جنگ جاجو میں شہزادہ اعظم اور اس کا بیٹا مارے گئے اور شہزادہ معظم بہادر شاہ کے لقب سے تخت دہلی پر بیٹھا۔

بہادر شاہ اول، محمد معظم، اورنگ زیب عالمگیر کا دوسرا بیٹا اور اس کی بیگم رحمت انسا عرف نواب بائی کے بطن سے تھا جو کشمیر کے راجا راجو کی بیٹی تھی۔ محمد معظم 14 اکتوبر 1624ء کو برہان پور دکن میں پیدا ہوا۔ اس کے بڑے بھائی محمد سلطان کی موت پر اسے ولی عہد سمجھا جانے لگا۔ اکتوبر 1675ء میں اسے شاہ عالم کا خطاب بھی ملا۔ بہادر شاہ نے اپنی حکومت کا اعلان لاہور کے قریب کیا تھا۔ باپ کی وصیت کے احترام میں دکن کا صوبہ اپنے بھائی اعظم شاہ کے سپرد کرکے وہ 12 جون 1707ء کو آگرہ کے قریب پہنچا۔ 18 جون کو اعظم شاہ اور اس کا بیٹا بیدار بخت جاجو کی جنگ میں مارے گئے اور اس طرح بہادر شاہ پوری مغل سلطنت کا واحد مالک ہوگیا۔ اورنگ زیب کے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش نے 13 جنوری 1709ء کو حیدرآباد دکن کے قریب شکست کھائی اور مارا گیا۔ بہادر شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے جزیہ معاف کردیا۔ اور اودے پور اور جودھ پور کے راجاؤں کی خود مختاری تسلیم کرلی اور راجپوتوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ مرہٹوں سے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے اس نے سیواجی کے پوتا شاہو جی کو رہا کردیا اور اسے دکن میں مغل سلطنت کا نائب بنادیا۔

1710ء میں بادشاہ کو سکھوں کی بغاوت سے دوچار ہونا پڑا۔ آخری سکھ گورو، گوبند سنگھ بہادر شاہ کا معاون تھا۔ وہ دکن میں 1708ء میں قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد بندہ بیراگی نامی ایک شخص نے سکھوں کی بغاوت کو از سر نو زندہ کردیا۔ اس نے وزیر خان کو قتل کرکے سرہند پر قبضہ کرلیا اور مشرقی پنجاب میں تہلکہ مچادیا۔ بہادر شاہ نے لوہ گڑھ پر حملہ کرکے 1710ء۔ 1712ء میں بندہ کو شکست دی۔ لیکن اسے گرفتار نہ کرسکا۔ بہادر شاہ نے زندگی کے آخری چند مہینے لاہور ہی میں گزارے اور 27 فروری 1712ء کو یہیں وفات پائی۔ اس کے مرتے ہی اس کے چاروں بیٹوں، معز الدین، جہاندار شاہ، عظیم الشان اور رفیع الشان میں جنگ شروع ہوگئی جس میں بالآخر معز الدین کو کامیابی ہوئی۔

Scanned with CamScanner

1707ء۔ برطانیہ عظمیٰ کا قیام

داخلی معاملات میں وزیر خزانہ مارل برو Marl Brow کے عہد اقتدار کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ، انگلستان اور ویلز کے رسمی اتحاد سے برطانیہ عظمیٰ Great Birtain کا قیام عمل میں آیا۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں وضع قوانین کو ایک کردینے کی تحریک شروع ہوئی۔ جیمز اول کے عہد سے ان ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پارلیمنٹیں قائم تھیں اور کرام ویل کے چند روزہ عہد کے سوا شروع سے یہ ایک دوسرے سے الگ اور خود مختار تھے۔ یہ انتظام اچھی طرح نہیں چلا اور دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے شکائتیں پیدا ہوئیں۔ اسکاٹوں کو سب سے زیادہ شکایت یہ تھی کہ انگلستان کے قوانین جہاز رانی کے باعث ہمیں انگریزی نو آبادیوں کے ساتھ تجارت کرنے کی آزادی نہیں۔ دوسرے محض انگلستان کی حکمت عملی کے مطابق ہمیں جنگ جیسے جوکھوں کے کام میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ یہ باہمی ناراضگیاں ڈے رئین تجاویز کی ناکامی سے مزید بڑھ گئیں۔ شاہ ولیم بخوبی سمجھتا تھا کہ دونوں ملکوں کی ان باہمی رنجشوں کا بہترین سدباب اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دونوں پارلیمنٹیں مل کر ایک کردی جائیں اور دونوں میں تجارت کی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے وکلاء جمع ہوکر اتحاد کی شرطیں طے کریں۔ ملکہ این کے زمانے میں اس تجویز پر عمل ہوا اور گو اتحاد کی اجمالی ضرورت پر بھی وکلاء متفق الرائے تھے، لیکن مالی تفصیلات میں اختلاف رہا اور ان کے اجلاس کا سلسلہ روک دیا گیا۔ اس پر بھی اہل اسکاٹ لینڈ چراغ پا ہوئے اور 1703ء میں ان کی پارلیمنٹ نے بہت مخالفانہ روش ظاہر کی یعنی یہ قرار داد منظور کی کہ ہمارے ملک میں اصلی عیسائی مذہب پرس بی ٹیری طریقہ ہے۔ ایک قانون تحفظ تیار کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ کسی پارلیمنٹ کو حق حاصل ہے کہ جب تک حکومت کے ایسے آئین مقرر نہ ہوجائیں جس سے پوری طرح اطمینان ہوجائے کہ اسکاٹ لینڈ والوں کی تجارت اور مذہب پر کوئی آسیب نہ آئے گا۔ اس وقت تک چاہے وہ انگلستان کے نامزد کردہ بادشاہ کو قبول کرے یا نہ کرے۔ بہرحال آخر اسکاٹ لینڈ والے مالی محاصلات کے طے پاجانے کے بعد اتحاد پر رضامند ہوگئے۔ 1707ء میں ملک کا نام برطانیہ عظمیٰ رکھا گیا۔ اسکاٹ لینڈ سے سولہ امیر دارالامراء کے لیے تجویز ہوئے اور پینتالیس ارکان دارالعوام کے لیے۔ دونوں ملکوں کے لیے ایک پرچم قرار پایا جسے یونین جیک کہتے ہیں۔ اس میں سینٹ جارج کی صلیب انگلستان کا نشان تھا اور سینٹ اینڈریو کی صلیب اسکاٹ لینڈ کا۔ اسکاٹ لینڈ کے کاروباری لوگوں کے لیے انگلستان کی تمام نو آبادیوں کے دروازے کھل گئے۔

Scanned with CamScanner

1712ء۔ پوپ کی زلف ناتراشیدہ کی تراش

انگریز شاعر الیگزینڈر پوپ Allegsander Pope کی ہستی بڑی تعجب انگیز ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے شاعر ایک شاعرانہ فطرت لے کر پیدا ہوتے ہیں اور مشق سے ان کا فن درستی پر آتا ہے مگر پوپ نے بچپن ہی سے کامل شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ اس کا فن میکانیکی سہی مگر نقادوں کے نزدیک اس کے لیے بالکل قدرتی ہے۔ اس کا باپ کپڑے کا سوداگر تھا۔ اور اس کا مذہب رومن کیتھولک۔ پوپ کسی خاص درسگاہ میں زانوئے ادب طے کرنے نہیں گیا مگر لاطینی قدما کے کلام کو اس نے اس دلچسپی سے پڑھا کہ انیس برس کے سن تک ان کی تمام صفات اس کی تصانیف ہوگئیں اور اسی سن سے وہ کلاسیکی شاعری کے شاہکار پیش کرنے لگا۔

پوپ کی زندگی ظاہراً بڑے اطمینان سے گزری۔ بیس برس کے سن تک عزت، شہرت، دولت سب ہی کچھ اس کو حاصل ہوگئی اس نے ٹوکن ہام Twicken Ham کے مقام پر ایک خوبصورت گھر بنوایا جس میں ایک ملازمہ (جو اس کی ہر طرح خدمت کرتی اور اس پر ہر طرح کا قابو رکھتی تھی) کے ساتھ اس نے زندگی گزار دی۔ اس دور کے تمام بڑے ادیب و شاعر اس کے دوست تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ مگر اس کے دشمن بھی بہت تھے جنہوں نے اس کے خلاف لکھ لکھ کر اسکی زندگی عذاب کر دی تھی۔ یہ اس کی نفسیاتی کمزوری تھی کہ اس نے اپنے ہر مخالف کا جواب ضرور دیا۔

کلاسیکی شاعری کا فن شاعری کو بہت حد تک محدود کر دیتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس میں ایک دانش مندانہ توازن بھی پیدا کرتا ہے۔ جس طرح فرانس میں بوالو Boileau کلاسیکی فن کا سب سے بڑا نمائندہ تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح انگلستان میں پوپ کو بھی یہی مقام حاصل ہے۔ بیس برس کے سن میں اس کا فن کمال کو پہنچا اور اس کی پہلی نظمیں "پاسٹورلز Pastorals شائع ہوئیں۔ ان میں مواد تو قدیم لاطینی شاعروں سے لیا گیا مگر کمال یہ ہے کہ عروض، فنکارانہ صحت اور پختگی پر پہنچا ہوا ہے۔ 1712ء میں اس کا فن تنقید پر مقالہ ایسے آن کرٹیسیزم Essay On Criticism چھپا جس میں اس نے بتایا کہ اگرچہ تخلیق اور تنقید دونوں خداداد قوتیں ہیں مگر نقاد کا صحیح مقام حاصل کرنے کے لیے انسان کے لیے متوازن ہونا اور کچھ اصول جاننا ضروری ہے۔

اس اصولی شاہکار کے ساتھ ہی پوپ نے ایک فنی شاہکار ریپ آف دی لاک Rape Of The Lock بھی تخلیق کیا جو اس کی شہرت کو چار چاند لگانے کے لیے کافی ہے۔

Scanned with CamScanner

ناقدین کا خیال ہے کہ انگریزی ادب میں اس سے زیدہ زندہ، ہردل عزیز، فنی لحاظ سے کامل کلاسیکی نظم شاید ہی کوئی اور ہو۔ ایک فیشن ایبل صاحبزادی بیلنڈا Belinda کی زلف کے کاٹے جانے کا یہ قصہ کامل رزمیہ Epic انداز میں بیان ہوا ہے۔ بیلنڈا کی آرام گاہ، اس کے خواب، آسمانی روحیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں سب سے بڑے دلکش انداز میں سامنے لائے جاتے ہیں۔ بیلنڈا کے سنگھار کا سین ایک ایپک شاعری کا کمال ہے نظم کا پہلا حصہ یہاں ختم ہوتا ہے دوسرا حصہ بائرن Byron کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اس کی تمناؤں، التجاؤں اور دعاؤں کے تمام طریقے جدید ہیں۔ کمال ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کی (دیومالائی) خرافات تخلیق کی جاتی ہے۔ ایریئل Ariel اور اس کے ساتھ نہایت خوبصورت روحیں جو دریائے ٹیمز پر بجرے میں بیلنڈا کی حفاظت پر معمور ہیں۔ ان کی عام خصوصیات دکھانے میں صنف نازک پر بڑی لطیف چوٹیں ہیں۔ پوپ کی ذکاوت اور قافیہ پیمائی کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ تیسرے حصے میں دونوں ہمپٹن کورٹ Hampton Court پہنچ گئے ہیں اور یہاں تاش کھیلنے کا منظر ہے اور قصہ اپنے مرکز پر پہنچتا ہے۔ بیلنڈا کافی کے پیالے پر سر جھکاتی ہے۔ زلف لٹکتی ہے اور بائرن قینچی چلا دیتا ہے۔ محافظ روح بھی ساتھ کٹ جاتی ہے۔ مگر زندہ رہتی ہے۔ اب ایک ہنگامہ بپا ہوجاتا ہے۔ آسمان و زمین کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ بائرن بیلنڈا کی زلف دکھاتا پھرتا ہے۔ غرض آخری دو حصوں میں خواتین کی نگاہوں اور مردوں کی عقلوں کے درمیان لطیف جنگ ہوتی ہے۔ بائرن پکڑا تو جاتا ہے مگر زلف نہیں ملتی۔ شاعر بتاتا ہے کہ یہ زلف آسمان پر پہنچ کر اور ستاروں میں شامل ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نظم یوروپی شاعری کے درخشاں ستاروں میں سے ہے کلاسیکی صحت، ترکیب اور تشکیل یہاں ایک عجیب رنگ اختیار کرتے ہیں۔ ملکہ این کے عہد کا معاشرہ، جواں لڑکیوں کی خودنمائی، لڑکیوں کی ہوا پرستی، خاص مشغلے، مخصوص قسم کے مرد اور عورت اور ساتھ ہی ساتھ ایک خوبصورت نسائیت زدہ روحانی دنیا ایک تخلیق سامنے لاتے ہیں جو اپنی اثر انگیزی میں لاجواب ہے۔ پوپ کی شاعری تو میکانکی ہے مگر اس کی ذکاوت کا وہ عالم ہے کہ ہوا میں اڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا نام آتے ہی چہرے پر شگفتگی آجاتی ہے۔ انگریزی میں اس سے مزاحیہ نظم کوئی نہیں۔

مآخذ:

تاریخ ادبیات الم جلد 5۔ تاریخ ادب انگریزی از ڈاکٹر مجد احسن فاروقی۔

Rape Of The Lock.

Scanned with CamScanner

1713ء۔ مغل شہنشاہ جہاندار شاہ اور لال کنور

بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جہاندار شاہ، امیر ذوالفقار خان کی مدد سے اپنے تینوں بھائیوں کو ٹھکانے لگا کر تخت طاؤس پر متمکن ہوا مگر امور سلطنت سے غافل ہو کر وہ مکمل طور پر عیش و نشاط میں ڈوب گیا۔

معز الدین جہاندار شاہ 29 مارچ 1712ء کو تخت نشین ہوا۔ وہ بہادر شاہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے وقت وہ ملتان کا صوبیدار تھا۔ لاہور کے قریب تین روزہ جنگ میں عظیم الشان کو شکست ہوئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ جہاندار شاہ نے ذوالفقار خان کی مدد سے اپنے دوسرے بھائیوں جہاں شاہ اور رفیع الشان کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ تخت نشینی کے وقت جہاندار شاہ کی عمر 52 سال تھی۔ ہم عصر مورخین نے اس کے انجام کا باعث اس کے ذوق عیش پرستی اور رقاصہ لال کنور سے اس کی شیفتگی کو ٹھہرایا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے اس نے مرکزی حکومت کی مالی حالت سدھارنے کی کوئی کوشش نہ کی اور اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار خاں وزیر کے خلاف لال کنور کے مصاحبین کی سازشوں سے نظم و ضبط سلطنت میں مضبوطی اور استواری پیدا نہ ہو سکی۔ جہاندار شاہ شہزادگی کے دور سے دہلی کی ایک مغنیہ لال کنور جو تان سین کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، کی زلف عنبرین کا اسیر تھا۔ بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی لال کنور اور اس کے مناصب جلیلہ کو مناصب خلیفہ پر فائز کر دیا۔ خود لال کنور کو اتنا اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ اس کی فرمائشوں پر مغلیہ سلطنت کے صوبوں کے گورنر مقرر ہوتے تھے۔ ایک مورخ کے مطابق صوبہ ملتان پر لال کنور نے اپنے ایک میراثی کو صوبہ دار مقرر کرایا تھا۔ دوسرے الفاظ میں حکومتی عہدے اب گویوں اور مراثیوں کے لیے مخصوص ہو گئے۔ لال کنور کے ذاتی مصارف کے لیے خزانہ شاہی سے دو کروڑ روپے کا وظیفہ مقرر کیا گیا اور اس طرح خزانہ خالی ہو گیا۔

ان حالات میں جہاندار شاہ نے تخت شاہی پر ایک سال بھی نہ گزارا۔ عظیم الشان کا دوسرا بیٹا فرخ سیر سادات بارہہ کی اعانت سے فوج لے کر آگرہ کی طرف بڑھا اور اس 10 جنوری 1713ء کو جہاندار شاہ کو شکست دی جہاندار شاہ دہلی کی طرف بھاگ گیا۔

فرخ سیر کے دہلی میں فاتحانہ داخلے سے ایک روز پہلے جہاندار شاہ کو اس کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 7 صفحہ 546۔ تاریخ ملت۔

Scanned with CamScanner

1714ء۔ جارج اول تخت برطانیہ پر

انگلستان کی ملکہ این نے یکم اگست کو وفات پائی۔ 18 ستمبر 1714ء کو جارج اول (نیا منتخب بادشاہ) George I (1660ء۔ 1727ء) برطانیہ پہنچا۔ وہ جیمز اول کی بیٹی الزبتھ کی بیٹی صوفیا اور ہینوور خاندان کے ڈیوک آگسٹس کا بیٹا تھا۔ اس کا تعلق ہینور خاندان سے تھا۔ اس کی جرمن اصلیت کو بدلنے کے لیے بعدازاں اس کے خاندان کا نام ونڈسر رکھا گیا۔

جہاں نیا بادشاہ جرمن ہونے کے ناطے انگریزی زبان سے نابلد تھا۔ وہیں نئے بادشاہ میں بھی بعض کارآمد خصلتیں بھی تھیں۔ وہ ایک دوسرے درجے کی جرمن ریاست کا کامیاب اور اپنی رعایا میں ہر دلعزیز موروثی امیر تھا۔ انگلستان کا بادشاہ بنا تو اس کی عمر 54 سال تھی۔ اس میں ایک ایسا وصف تھا کہ اہل انگلستان کی نظر میں لازماً اس کے تمام عیوب کو چھپالیتا تھا۔ وہ یہ اس بادشاہ نے وزیروں پر کامل اعتماد کیا اور انگلستان کے امور کے متعلق کامل آزادی دی کہ وہ جو مناسب سمجھیں کریں۔ اگرچہ جہاں کہیں ریاست ہنوور کے معاملات کا تعلق ہوتا تو وہ اکثر اپنی رائے پر چلنا چاہتا تھا۔ بہرحال انگلستان کو اس زمانے میں ایسے ہی بادشاہ کی ضرورت تھی یہ جارج اول ہی کا سیدھا سادا عہد ہے جس میں وہ فریق داری (پارٹی) طرز حکومت انگلستان کے آئین کا ایک مسلمہ اصول بن گیا جس کے دو گذشتہ بادشاہوں کے آغاز میں مخلوط وزارتوں کا تجربہ کیا گیا مگر ہر دفعہ ایسے برے نتائج برآمد ہوئے کہ ولیم اور مارل برو دونوں کو مجبوراً فریق واحد ہی کے وزراء مقرر کرنے پڑے۔ جارج نے ان تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ویگ پارٹی پر پورا اعتماد کیا اور اسی پارٹی نے وزارت تشکیل دی۔

جارج اول کے عہد میں انگلستان، فرانس اور ہالینڈ کے مابین 4 جنوری 1719ء معاہدہ سہ گانہ طے پایا اور ازاں آسٹریا بھی اس میں شامل ہوگیا۔ 20 نومبر 1719ء کو سٹاک ہوم کا معاہدہ ہوا جس کے تحت سویڈن نے دو علاقے جارج (بحیثیت رئیس ہینوور) کو دس لاکھ ڈالر کے معاوضے میں دے دیئے۔ علم وفن کے اعتبار سے بھی جارج کے عہد میں انگلستان میں بڑی ترقی ہوئی۔ 3 ستمبر 1725ء کو انگلستان، فرانس اور پروشیا کے درمیان معاہدہ ہینوور طے پایا۔

1727ء میں جارج اول نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جارج دوم کے نام سے تخت نشین ہوا۔

Scanned with CamScanner

1717ء۔ چیچک کا علاج دریافت ہوا

چیچک Smallpoc ایک سرایتی مرض ہے ایک وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں جسم پر سرخ دھبے نمودار ہو جاتے ہیں۔ جو چھالے بن جاتے ہیں۔ ان کے داغ عموماً کم و بیش رہ جاتے ہیں۔

دنیائے مغرب میں چیچک اب شاذ و نادر ہے لیکن اٹھارہویں صدی تک صورتحال مختلف تھی۔ یورپ میں ان دنوں چیچک کی وبا زوروں پر تھی، بہت سے لوگ سالانہ اس بیماری سے مرجاتے تھے۔ اور بہت سے جو اس بیماری سے زندہ بچ جاتے ان کے چہرے ہمیشہ کے لیے نشان زدہ ہو جاتے۔ جہاں جہاں کھال میں چیچک کے ابھار ہوتے وہیں وہیں چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ جاتے تھے جو کسی بھی شخص کی خوبصورتی کو تلف کر دیتے تھے۔

1717ء میں لیڈی میری ورٹلے Lady Mary Wortley نے ترکی میں جہاں اس کا خاوند سفیر کی حیثیت سے متعین تھا دیکھا کہ وہاں کے لوگ چیچک کے آبلوں سے سیال مادہ لے کر دوسرے لوگوں کو اس مرض سے بچاتے ہیں۔ چار سال بعد لیڈی میری ورٹلے نے یہ طریقہ برطانیہ میں متعارف کرایا۔ برطانیہ میں یہ طریقہ جلد ہی مقبول ہو گیا۔ اگرچہ اس طرح چیچک کے ٹیکوں سے بھی کئی افراد موت کا شکار ہو گئے مگر یہ علاج دریافت ہونے کے بعد چیچک سے واقع ہونے والی اموات کی شرح یورپ میں بے حد کم ہو گئی۔

Scanned with CamScanner

1719ء۔ شہنشاہ ہند فرخ سیر کا قتل

جہاندار شاہ کو کھجوہ کی جنگ میں شکست دینے کے بعد سادات بارہہ سید عبداللہ خان اور سید حسین علی خان کی مدد سے فرخ سیر دہلی کے تخت پر رونق افروز ہوا تخت نشینی کے بعد اس نے پہلا کام یہ کیا کہ سادات بارہہ کو ان کی اعانت کے بدلے میں وزیر اعظم اور امیر الامرا مقرر کردیا۔ یہ دونوں بھائی، تاریخ ہندوستان میں بادشاہ گر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ دوسرے وزرا اور امراء ان سے حسد کرنے لگے بلکہ عاجز آ گئے۔

اگرچہ بادشاہ نے چھ برس ان کی تابعداری کی مگر اس کا سارا عہد سید برادرن سے مسلسل کشاکش میں بسر ہوا۔ فرخ سیر نے بادشاہی ان کی مدد سے پائی تھی وہ اسے اپنا احسان مند بلکہ دست نگر سمجھتے ہوئے چاہتے تھے کہ وہ ہمیشہ ان کے اشاروں پر چلے۔ اول تو یہ بات مغل شہنشاؤں کی مطلق العنانی کے خلاف تھی، دوسرے فرخ سیر کے بہت سے قدیم رفیق اب اعلیٰ مناصب پاکر اسے سادات کے خلاف بھڑکانے میں مصروف تھے۔ چونکہ بادشاہ اور اس کے ندمموں میں کھل کر ان کے سامنے آنے کی جرات نہیں تھی لہٰذا وہ سادات کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ 1713ء ہی میں باہمی تلخی اتنی بڑھی کہ دونوں بھائیوں نے دربار میں حاضر ہونا ترک کردیا۔ تاہم چند روز بعد فرخ سیر عواقب سے خوفزدہ ہوکر خود حسین علی کے گھر گیا اور سید برادرن پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے مفاہمت کرلی۔

اسی زمانے میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ نے سرکشی اختیار کی اور اپنی ریاست میں ذبیحہ گاؤ اور اذان دینے پر پابندی عائد کردی۔ جنوری 1714ء میں بادشاہ نے حسین علی کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا مگر ساتھ ہی خفیہ طور پر باغی راجہ کو دیکھا کہ اگر وہ حسین علی کو ختم کردے تو اسے عنایات شاہی سے سرفراز کیا جائے گا۔ تاہم جب حسین علی اجمیر سے ہوتا ہوا جودھ پور پہنچا تو اجیت سنگھ ہمت ہار بیٹھا۔ اس نے خراج بھی دیا اور اپنی بیٹی بھی فرخ سیر سے بیاہ دی۔ راج کماری نے اسلام قبول کرلیا۔ مگر فرخ سیر کے مقربین جن میں میر جملہ خان پیش پیش تھا۔ سید برادرن کے خلاف جوڑ توڑ میں مصروف رہے۔ جودھ پور کی کارگزاری کے سلسلے میں بادشاہ نے دونوں بھائیوں کو ہفت ہزاری کے منصب اور پانچ ہزار سپاہیوں کی محافظ فوج رکھنے کی اجازت دی۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی رضامندی کے بغیر کوئی شاہی فرمان صادر نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی اثنا میں حسین علی کے ہاتھ وہ خطوط لگ گئے جو بادشاہ نے جودھ پور

Scanned with CamScanner

کے راجہ کو لکھے تھے۔ سید برادران نے برافروختہ ہو کر مستعفی ہونے کی دھمکی دی۔ آخر مصالحت کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ بادشاہ میر جملہ کو دربار سے الگ کردے اور حسین علی صوبہ دکن کی صوبہ داری پر اورنگ آباد چلا جائے۔ چنانچہ دسمبر 1714ء میں میر جملہ بہار کی صوبیداری پر چلا گیا اور اپریل 1715ء میں حسین علی دکن روانہ ہو گیا۔ فرخ سیر کے اشارے پر برہان پور کے صوبہ دار داؤد خان نے حسین علی کا راستہ روکا مگر حسین علی نے اسے شکست دی داؤد خان مارا گیا۔

بندہ بیراگی نے بھی پنجاب میں جہاندار شاہ کے عہد سے شورش بپا کی ہوئی تھی۔ اپریل 1715ء میں صوبیدار لاہور عبدالصمد خان نے اسے گورداس پور کے قلعہ میں گرفتار کرلیا اور جون 1716ء میں اسے سزائے موت دی گئی۔ اس طرح پنجاب میں وقتی طور پر سکھ طاقت ختم ہوگئی۔ بادشاہ کی سادات بارہہ سے بیزاری اور مخالفت میں کوئی کمی نہ ہوئی لیکن ذاتی بزدلی کے باعث سیدوں کے خلاف کوئی بھی سازش مکمل نہ کرسکا۔ 1713ء میں بادشاہ نے جزیہ معاف کردیا تھا۔ اب وزیر مال عنایت اللہ کشمیری نے اسے دوبارہ عائد کردیا۔ اس کے بعد اس نے نااہل اور بددیانت اہلکاروں کے خلاف کاروائی کرنا چاہی تو سید حسین علی اس کی مخالفت پر اتر آیا اور اس طرح بادشاہ اور وزیر اعظم میں ایک بار پھر ٹھن گئی۔ 27 اگست 1718ء کو نماز عید کے دوران وزیر اعظم کو قتل کرنے کی سازش کی گئی جو ناکام رہی۔ اس کے بعد بادشاہ نے دوسرے امراء کو ساتھ مل کر اس کا تختہ الٹانا چاہا اور میر جملہ کو واپس بلالیا۔ ادھر حسین علی نے بھی تمام حال اپنے بھائی کو لکھ بھیجا۔ وہ ایک بھاری فوج کے ساتھ جس کے ساتھ مرہٹے بھی تھے دہلی کے مضافات میں پہنچ گیا۔ اس دوران دیگر امراء کو بھی حسین علی نے اپنے ساتھ ملالیا یہاں تک کہ میر جملہ خان بھی اس کے ساتھ جاملا۔ یہ رنگ دیکھتے ہوئے فرخ سیر سادات کے تمام مطالبے تسلیم کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ تاہم سادات کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ بادشاہ منافقت سے کام لے رہا ہے اور اس نے اپنے خدام کو حکم دے رکھا ہے کہ موقع پاتے ہی حسین علی کا کام تمام کردیں۔ 27 فروری 1719ء کو حسین علی نے محل شاہی پر قبضہ کرلیا۔ اور شہر میں داخل ہوگیا۔ فرخ سیر ان حالات میں شاہی حرم میں جا چھپا۔ مگر وزیر اعظم کے حکم پر اسے گھسیٹ کر حرم سے نکالا گیا۔ اور اسے اندھا کر کے زندان میں ڈال دیا گیا پھر دو ماہ بعد اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کردیا گیا۔

مآخذ:

دائرہ المعارف اسلامیہ جلد 15 صفحہ 249۔ تاریخ ملت (175:11)

Scanned with CamScanner

1719ء۔ ڈینئیل ڈیفو کا "رابنسن کروسو"

ڈینئیل ڈیفو لندن کے متوسط طبقے میں 1660ء میں پیدا ہوا اور اس نے 24 اپریل 1731ء کو انتقال کیا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے بہت سفر کیئے۔ تجارت میں دیوالیہ ہوگیا، ہر مضمون پر کتابیں لکھتا رہا، سیاسی پارٹیاں بدلتا رہا اور متعدد دفعہ جیل گیا۔ نظم و نثر میں مجموعی طور پر اس نے کئی سو تصانیف چھوڑی ہیں۔ ان سب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیں متوسط طبقے کی خواہشات اور ضروریات سے آگاہ کرتی ہیں۔ اس زمانے میں متوسط طبقے کو ایسے ادب کی ضرورت تھی جو بالکل واقعاتی ہو اور ڈیفو واقعات کا بڑا صحیح مبصر تھا۔ اس سلسلے میں اس کی تصنیف "اے جرنیل آف ڈی پلیگ ایر A Journal Of The Plageue Year" بڑی اہم ہے۔ یہ لندن میں پھیلنے والی پلیگ کے حالات بڑی گہری واقفیت سے بیان کرتی ہے۔ ڈیفو کی سب سے نمائندہ اور سب سے زیادہ زندہ تصنیف رابنسن کروسو Robinson Crusoe ہے جو آج دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور دنیا کا ہر پڑھنے والا بچہ کسی نہ کسی طرح پر کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رکھتا ہے۔ رابنسن کا ایک جزیرہ پر اکیلے رہ جاتا اور پھر رفتہ رفتہ اپنے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کرتا۔ اس کی جنگلیوں سے لڑائی بچوں کے لیے بڑی دلچسپ ہیں۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ بناتا ہوا یا پنے جانوروں کو کچھ سکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کو یہ سب کاروائیاں انسان کی قدرت سے جنگ کی علامت ہیں۔ وہ خدا پر عقیدہ رکھتا ہے اور غیب سے ہر طرح مدد کی مثال ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایسی کتاب بن جاتی ہے جو خاص و عام دونوں میں ہمیشہ اور ہر ملک میں مشہور رہے گی۔ ڈیفو کی اس تصنیف اور دوسری تصانیف میں نثر بھی ایک معیار قائم کرتی ہے۔ یہ ڈیفو کی ہستی کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ اس کی دیگر اہم تصانیف میں دی شارٹیسٹ وے وتھ دی ڈس انٹرز Shortest Way With The Dissenters The "ٹور تھرو دی ہول آئی لینڈ آف گریٹ بریٹن The Whole Island Of Tour Through" ڈیفو کی سب سے زیادہ مشہور کتاب Mollflanders ہے۔ اسے ناول کہا جاسکتا ہے۔ اس کی نقادوں نے بڑی تعریف کی ہے۔ ڈیفو کا ایک اور مشہور فکشن Roxana ہے۔ ناقدین نے لکھا ہے کہ ڈینئل ڈیفو نے رابن سن کروسو کا مرکزی خیال مشہور ہسپانوی فلسفی ابن طفیل کے کردار "حیٔ بن یقظان" سے لیا تھا۔ حیٔ بن یقظان بھی رابن سن کروسو کی طرح ایک ویران جزیرے پر مہذب دنیا سے دور الگ تھلگ رہ جاتا ہے۔ حیٔ بن یقظان ابن

Scanned with CamScanner

طفیل نے بارہویں صدی میں تخلیق کیا تھا۔

مآخذ:

تاریخ ادبیات عالم از پروفیسر عبدالوہاب اشرفی۔ انگریزی ادب کی تاریخ از فاروقی۔

Scanned with CamScanner

1721ء۔ برطانیہ کا پہلا وزیر اعظم منتخب ہوا

1721ء میں رابرٹ وال پول Robert Wal Pol صدر امیر خزانہ اور وزیر اعظم انگلستان بنایا گیا۔ تاریخ انگلستان میں وہ پہلا شخص ہے جسے وزیر اعظم کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر چہ 1677ء میں ایولن لارڈ آرلنگٹن کی نسبت بھی معتمد شاہی اور وزیر اعظم کے الفاظ استعمال کرتا ہے مگر اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ آرلنگٹن اس وقت کے وزراء میں سب سے ممتاز وزیر تھے اور شاہی وزراء میں اس قسم کا امتیاز کسی نہ کسی کو حاصل رہتا تھا۔ نارمنوں اور ابتدائی پلانٹاجینٹ بادشاہوں کے عہد میں عموماً میر عدل، وزیر اعظم ہوتا تھا لیکن غیر رسمی طور پر۔ بعد کے پلانٹاجینٹ اور ٹیوڈور بادشاہوں کے وقت میں وزیر مالیہ کو یہ حیثیت حاصل ہوئی۔ جیسا کہ مورٹن اور ولزے کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے۔ آخری ٹیوڈور اور اسٹوارٹ بادشاہوں کے وزرا میں یہ عہدہ کبھی وزیر مال کو اور کبھی امیر خزانہ اور کبھی شاہی معتمد یا دبیر کو حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ بریلے پہلے پہلے معتمد اور پھر امیر خزانہ تھا۔ کلے رینڈن وزیر مال رہا لیکن اس کی معزولی کے بعد وزیر اعظم عموماً وہی شخص سمجھا جاتا تھا جس کے پاس وزارت خزانہ کا قلمدان ہو۔

لیکن حالات کے اقتضا سے اب ضروری ہوگیا کہ صدر وزیر یا وزیر اعظم کی حیثیت کو زیادہ صاف اور معین کردیا جائے۔ سب سے بڑی ضرورت تو یہی تھی کہ مجلس وزراء میں بادشاہ نہ آئے تو صدارت کون کرے؟ اب تک معمول رہا تھا کہ بادشاہ انگلستان میں موجود ہوتا تو ہمیشہ ان جلسوں کی صدارت خود کرتا مگر جارج اول کو تو انگریزی زبان ہی نہ آتی تھی۔ اس لیے وہ ان اجلاس کی صدارت نہیں کرسکتا تھا۔ اسی وجہ سے آئندہ سے صدر وزیر ہی اس مجلس کا صدر نشین سمجھا جانے لگا۔ اور اس کو وزیر اعظم اور پھر پریمئر Premare بمعنی وزیر اعلیٰ کا لقب حاصل ہوگیا۔ وال پول کے لمبے عرصے تک برسر عہدہ رہنے کی وجہ سے وزارت عظمیٰ صدر اور امیر خزانہ کے عہدے کے ساتھ لازم وملزوم سمجھی جانے لگی لیکن یہ کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے اور 1885ء اور 1886ء میں سالسبری نے قدیم طریقے پر عمل کیا اور وزارت عظمیٰ کے ساتھ ہی وزارت خارجہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی اور دارالعوام کے صدر وزیر کو امارت خزانہ کا عہدہ بھی تفویض کردیا بایں ہمہ انگلستان کے قوانین میں وزیر اعظم کا عہدہ کہیں مذکور نہیں ہے۔ یہ محض ایک تعظیمی لقب ہے اور بادشاہ جس شخص کو وزارت مرتب کرنے کی فرمائش کرتا ہے اس کو یہ لقب مل جاتا ہے۔ بہر حال یہ جدت فریق داری حکومت کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتی ہے اور چونکہ جارج نے اپنے وزراء کو ہی ایک سیاسی فریق میں سے منتخب کرنے کا طریقہ اختیار کیا جس سے ایک شخص کے وزیر اعظم بنائے جانے سے وزارت میں انصاف پیدا ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

1726ء۔ ''گلیور کے اسفار'' شائع ہوئی

اٹھارہویں صدی کی ابتدائی دہایاں انگریزی ادب میں نثر کا دور کہلاتیں ہیں۔اس دور کا عظیم ترین نثر نگار جوناتھن سوئفٹ Jonathan Swift ہے۔اگر چہ اس نے شاعری بھی کی مگر وہ بنیادی طور پر نثر نگار ہی تسلیم کیا جاتا ہے کہتے ہیں ڈرامے اور شاعری میں جو انفرادیت شیکسپیئر کو حاصل ہے وہ نثر میں سوئفٹ کا خاصا ہے۔

سوئفٹ کی پہلی تصنیف ''دی بیٹل آف دی بکس The Battle Of The Books'' ہے۔اس میں اس نے پرانے اور نئے مصنفین کے درمیان جنگ اس طرح پیش کی ہے کہ ان سب پر بڑی اہم تنقید ہو جاتی ہے۔اس دور کی سب سے اہم بحث یہ چلی تھی کہ جدید شعراء بہتر ہیں یا قدیم؟ سوئفٹ کی نثر کا مخصوص رنگ اپنے زور پر آتا ہے ایک کتب خانے کا سماں ہے جس میں کتابیں خاک آلود ہیں۔یہ خاک چاٹنے والا ایک مکڑا ایک شہد کی مکھی سے برسرپیکار ہے۔دونوں دلیلیں دیتے ہیں۔مکڑا بخلے وغیرہ کی قسم کے لوگوں کو نہایت عمدہ طریقے سے پیش کرتا ہے۔

دوسرا قدماء کی علامت ہے جو ہمیشہ شہد اور موم دیتے رہے ہیں جس سے اندھیرے میں روشنی کی جاتی رہی۔بہرحال سوئفٹ کی یہ تصنیف بھی قاری کے ذہن پر دائمی اثر چھوڑتی ہے۔ اس کی دیگر تصانیف ''اے بیٹل آف ٹب'' بھی اہم ہے۔گلیور کے اسفار Gulliver's Travels جوناتھن سوئفٹ کا سب سے بڑا ادبی معجزہ ہے۔اگر چہ ہم اسے معمولی دلچسپ قصوں کی کتاب کے طور پر پڑھتے ہیں اور یہ طنز کی کتاب معلوم ہی نہیں ہوتی۔مگر یہ طنز کی معراج ہے۔اس میں ایک شخص گلیور ایک ملک میں اکیلا رہ جاتا ہے وہاں وہ ایک کھیت میں سو جاتا ہے۔جب آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتا ہے کہ بالشتیوں کی ایک پوری قوم اسے قید کرنے کی فکر میں ہے۔اس پورے منظر کی عکاسی سوئفٹ نے اس طرح کی ہے کہ اس کی ہر حرکت اور ہر فرد ہمارے سامنے اس طرح آتا ہے جیسے ہم خود گلیور ہیں اور اس ملک لی پٹ Liliput کے رہنے والے ہمارے ساتھ یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔جوں جوں حالات تبدیل ہوتے ہیں اس بچکانے کھیل کا لطف دوبالا ہوتا چلا جاتا ہے۔پوری کتاب ہمارے خام تخیل میں ایسی آگ لگاتی ہے کہ ہم اسے بار بار پڑھتے ہیں۔ساتھیوں کو سناتے ہیں۔دوسرے سفر میں وہی گلیور اب بروربڈنگ ایگ Brobdingang میں ہے۔جہاں کے لوگ قد میں دیوزاد ہیں۔

Scanned with CamScanner

اسے ایک دیہاتی دیوزاد ایک پنجرے میں پالتا ہے۔ اس کی لڑکی گلمڈ کلیچ Glumdn Clutch اسے بہت چاہتی ہے۔ یہاں کی ہر چیز بڑی ہونے کی وجہ سے بڑی خطرناک ہے۔ اگر اسے تلوار نہ ماریں تو مچھر اور مکھی تک انسان کو کھا جائیں۔ بادشاہ اور ملکہ بڑے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔

اس حصے کو پڑھتے ہوئے قاری پر ایک خوف کی سنسنی غالب رہتی ہے۔ اور جب گلیور کو ایک بڑا بندر اٹھالے جاتا ہے تو یہ سنسنی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ آخری منظر پھر مزاح لے کر آتا ہے۔ گلیور کا پنجرہ سمندر میں بہہ کر جہاز رانوں کے پاس پہنچتا ہے۔ وہ لوگ اسے اٹھانے کے لیے زور لگاتے ہیں۔ اس وقت گلیور ان کو دیوزاد سمجھتا ہے۔ گھر پہنچ کر ایک عرصہ تک اسے ہر چیز اگر حقیقت میں نہیں تو خواب میں ضرور بڑی نظر آتی ہے۔

گلیور کے اسفار کی باقی دو کتابیں اگر قاری تک بچپن میں پہنچتی ہیں تو زیادہ دلچسپ معلوم نہیں دیتیں۔ تیسری کتاب میں میکانکی جزیرہ لیپوٹا Laputa اور اس کے قریب کے جزیرے کے لوگ غیر دلچسپ معلمین کی طرح معلوم دیتے ہیں جو تجربہ گاہوں وغیرہ میں کام کر رہے ہیں اور ان کی شکلیں بھوتوں جیسی ہیں۔ آخری کتاب میں فلسفی گھوڑے ہونمز Hounyhnhm ہیں اور ان کے غلام آدمی نما گندے یاہو Yahoo بھی ہیں۔ دراصل یہ تیسری کتاب رائل اکیڈمی Royal Academy اور اس عہد کے سب سے بڑے سائنسدان سر آئزک نیوٹن پر طنز ہے اور جدید تعلیمات اور سائنس پر طنز ہے اور ان پر تنقید کی گئی ہے۔ مگر اب یہ بے جا معلوم ہوتی ہیں۔ آخری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوئفٹ کو انسان سے کتنی نفرت تھی۔ ہونمز جو گھوڑے کی شکل رکھتے ہیں عقلیت پر مبنی زندگی کی مثال ہیں اور انسانوں کے ہم شکل یاہو پر حکومت کرتے ہیں گلیور کو یاہو کے اخلاق کی پستی کی وجہ سے ان سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ اس میں جارج اول کے دور کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی حالات پر کس قدر زبردست طنز پوشیدہ ہے۔

جوناتھن سوئفٹ کا نام اور کام آج تک شہرت کی بلندیوں پر ہیں۔ وہ 30 نومبر 1668ء کو پیدا ہوا۔ اور ڈبلن آئرلینڈ کا رہنے والا تھا اور اس کا انتقال 1745ء وہیں ہوا۔ وہ ڈبلن کے کلنلنگ کالج کا تعلیم یافتہ تھا۔ بعد میں اس کی وابستگی مور پارک لائبریری سے ہوگئی تھی۔ اس وابستگی نے اس کے ذہن کو روشن کر دیا۔

Scanned with CamScanner

1727ء۔ سر آئزک نیوٹن کی وفات

فطرت اور قوانین فطرت سب رات کی تاریکی میں تھے اور خدا نے کہا نیوٹن پیدا ہو۔ چنانچہ سب روشن ہوگا۔ (الیگزینڈر پوپ)

نیوٹن کا دنیائے سائنس میں کیا مقام ہے، اس کے کام کی اہمیت کی بدولت بعض لوگ اسے دنیا کا عظیم ترین سائنسدان کہتے ہیں۔ اگرچہ بیسویں صدی میں آئن سٹائن نے نیوٹن کی دریافتوں کی وضاحت اور اصلاح کی لیکن کائنات کی ماہیت کے متعلق جدید سائنسی تصورات کے لیے اس کی دریافتوں کا مواد ہی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

1727ء میں جدید علم فلکیات اور میکانیات کا یہ بانی 75 سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ آج تک ویسٹ منسٹر ایبے کی خانقاہ میں صرف شاہان انگلستان ہی مدفون چلے آتے تھے۔ نیوٹن پہلا انگلستانی سائنسدان تھا جسے اس کے کارناموں کی وجہ سے ویسٹ منسٹر ایبے مین دفن کیا گیا۔ وہ پہلا سائنسدان تھا جسے یہ اعزاز حاصل ہے۔ 25 دسمبر 1642ء کو انگلستان میں وولز تھارپ میں جسمانی طور پر Premature پیدا ہوا تھا۔ اس کی جسمانی کمزوری دیکھ کر کوئی مشکل سے کہہ سکتا تھا کہ آسمان شہرت کی بلندیوں کو چھونے والا یہ نابغہ روزگار بچہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟ اس کے باپ کا انتقال اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جب اس کی عمر دو سال ہوئی تو اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی اور وہ اپنی دادی کے ساتھ رہنے لگا۔ اس اکیلے پن سے نیوٹن کی غور و فکر اور سوچ بچار کرنے کی صلاحیتوں کو بڑھا دیا۔ اور بعد کے زمانے میں اس کی صلاحیتیں مسائل کے تجزیے اور حل کے سلسلے میں اس کے لیے مددگار ثابت ہوئیں۔

جب نیوٹن سولہ سال کا ہوا تو اس کا سوتیلا باپ بھی فوت ہوگیا۔ اور اس کی ماں نے اسے اس امید پر مدرسہ سے نکلوالیا کہ شاید وہ ایک اچھا کسان بنے مگر نیوٹن کا ذہن ایک کسان بننے پر کبھی مائل نہ ہوسکا اور 18 برس کی عمر میں وہ کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرینٹی کالج میں داخل ہوگیا۔

کیمبرج میں خوش قسمتی سے اسے آئزک بیرو Isaacbarrow نامی ماہر ریاضیات استاد کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ نیوٹن اسے اپنا ذہنی باپ کہا کرتا تھا۔ آئزک بیرو نے نوجوان نیوٹن کے ذہن و فکر کا صحیح اندازہ کر لیا اور اس کے دماغ کے نشو و ارتقا میں پوری مدد دی۔ نیوٹن

Scanned with CamScanner

ابھی کالج ہی میں تھا کہ اس نے دو عددی نظریہ دریافت کرلیا۔

طاعون پھیل جانے کے باعث 1665ء میں کیمبرج یونیورسٹی کو بند کرنا پڑا اور نیوٹن یہ جبری تعطیلات گزارنے کے لیے اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ یہاں اسے دو سال گزارنے پڑے۔ یہ دو سال نیوٹن کی زندگی میں انتہائی اہمیت کے سال ہیں۔ اس کے تین اہم ترین سائنسی کارنامے، جنہوں نے اسے لازوال شہرت بخشی، اسی زمانے میں انجام دیئے گئے۔ ان میں پہلا کارنامہ کیلکولس Calculus کی ایجاد تھا۔ ریاضیات میں حساب ارجیومٹری تو بہت قدیم چلے آتے تھے اور یونانی دور سے ان پر کام ہو چکا تھا مگر ریاضی کی یہ شاخ احصا یا کیلکولس سترہویں صدی میں وجود میں آئی اس کی ایجاد کا سہرا نیوٹن اور لی بنز Leibnits کے سر ہے۔ نیوٹن کا دوسرا کارنامہ روشنی کے متعلق ہے جس میں نیوٹن نے ثابت کیا کہ سفید روشنی دراصل مختلف رنگوں کی شعاعوں کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ نیوٹن کی تیسری دریافت سب سے اہم ہے اور یہ دریافت اس کے سر پر سیب گرنے کے اتفاقی حادثے سے وجود میں آئی۔ یہ کشش زمین Gravity اور تجاذب سے متعلق تھی۔ اس طرح نیوٹن نے کشش زمین کے راز کو دریافت کرلیا۔ اس نے صرف 27 سال کی عمر میں ایسے سائنسی نظریات پیش کیئے جنہوں نے گزشتہ سائنس کی بنیاد ہلا کر رکھ دیں۔ اس کی مشہور کتاب ''پرنسپیا 1687ء میں شائع ہوئی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ 1688ء میں کیمبرج کے حلقے سے الیکشن لڑا اور کامیاب ہوا۔ 1699ء میں اسے رائل سوسائٹی کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ 1705ء میں اسے سر کا خطاب ملا۔ 1701ء سے وہ انگلستان کی ٹکسال کا مہتم بھی بنادیا گیا تھا۔ وہ انگلستان کا پہلا سائنس دان تھا جسے اس قدر عزت افزائی نصیب ہوئی۔

مآخذ:

دنیا کے عظیم سائنسدان از اردو سائنس بورڈ۔ نامور مغربی سائنس دان از مجلس ترقی ادب۔
کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی از مولانا غلام رسول مہر۔

Scanned with CamScanner